

हिन्दी घर

ہندی گھر

کलچر پر ہر तरह کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کنڈر—پاٹھک ہندی، اردو، انگریزی کی अपनी मन-पसन्द کتابों के लिये हमें लिखें।

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کنڈر—پاٹھک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

हमारी नई کتابें

महात्मा गाँधी की वसीयत

(हिन्दी और उर्दू में)

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने

विद्वान : श्री मंजर अली साखता

सके 225, कीमत दो रुपया

— : ० : —

गाँधी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

लेखिका—कुदसिया जैदी

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू

मोटा कागज, मोटा दाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें

दाम दो रुपया

— : ० : —

पंडित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम ढाई रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सके, दाम बारह आने

महात्मा गाँधी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत चार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुट्ठीगंज इलाहाबाद

हमاری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لیکھک—گاندھی واڈ کے مانے جانے

ویدوان: سر کبیر شری منظر علی سوختہ

صفحہ 225، قیمت دو روپیہ

— : ۰ : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب)

لیکھک—کدسیہ زیدی

بیروہ—پنڈت جواہر لال نہرو

مونا کاغذ، مونا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں

دوام دو روپیہ

— : ۰ : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قرآن

275 صفحہ، دایم قفائی روپیہ

ہندو مسلم ایکتا

100 صفحہ، دایم بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیڈان سے سبق

قیمت بارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

قیمت دو آنے

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

(14) مٹی گنج الہ آباد

ساں حیاتیک ساہتیہ

سانسکرتک ساہتیہ

ہجرت موہممہد اور ہسلام

لکھک—پنڈت سندرلال، مূলک—تین روپیا
ہسلام کے پیرمپر کے سمبندھ میں ہارتیہ باشاؤں میں اس سے
سندر کوئی دوسری پستک نہیں

ہجرت ہسا اور ہسارہی دھرم

لکھک—پنڈت سندرلال، مূলک—دو روپیا

مہاتما جرثوثر اور ہرانی سنسکرتی

لکھک—ویشوہمہرناث پاڈے، کرمات—دو روپیا

یہودی دھرم اور سامی سنسکرتی

لکھک—ویشوہمہرناث پاڈے، کرمات—دو روپیا

پراچین میس کی سہمتا اور سنسکرتی

لکھک—ویشوہمہرناث پاڈے، کرمات—دو روپیا

سومر بابول اور اسوریا کی اچین سنسکرتی

لکھک—ویشوہمہرناث پاڈے، کرمات—دو روپیا

پراچین یونانی سہمت اور سنسکرتی

لکھک—ویشوہمہرناث پاڈے، کرمات—دو روپیا

گंगा سے گومتی تک

(پراگتیہیل کھانی سہمت)

لکھک—شری مونیہ ریکھی، کرمات—دو روپیا

اگ اور انسو

(مہاپرن ساماجیک کھانی)

لکھک—ڈاکٹر اہتر ہوسن راپوری، کرمات—دو روپیا

کوران اور دھرمک متہد

لکھک—مولانا ابولکلام آچاد، کرمات—دو روپیا

مکھر

(پراگتیہیل کھانی کا سہمت)

لکھک—رہوہتی سہای کیراک، کرمات—تین روپیا

میلنے کا پتا

ہجرت موہممہد اور ہسلام

لکھک—پنڈت سندرلال، مূলک—تین روپیا
اسلام کے پیرمپر کے سمبندھ میں ہارتیہ باشاؤں میں اس سے
سندر کوئی دوسری پستک نہیں

ہجرت ہسا اور ہسارہی دھرم

لکھک—پنڈت سندرلال، مূলک—دو روپیا

مہاتما زر تہستور اور ایرانی سنسکرتی

لکھک—ویشوہمہر ناٹہ پانڈے، قیمت—دو روپیا

یہودی دھرم اور سامی سنسکرتی

لکھک—ویشوہمہر ناٹہ پانڈے، قیمت—دو روپیا

پراچین مصر کی سہمت اور سنسکرتی

لکھک—ویشوہمہر ناٹہ پانڈے، قیمت—دو روپیا

سمیر، بابل اور اسوریہ کی پراچین سنسکرتی

لکھک—ویشوہمہر ناٹہ پانڈے، قیمت—دو روپیا

پراچین یونانی سہمت اور سنسکرتی

لکھک—ویشوہمہر ناٹہ پانڈے، قیمت—دو روپیا

گنگا سے گومتی تک

(پراگتیہیل کھانی سہمت)

لکھک—شری مونیہ راپوری، قیمت—دو روپیا

اگ اور انسو

(مہاپرن ساماجیک کھانی)

لکھک—ڈاکٹر اہتر حسین رائے پوری، قیمت—دو روپیا

قرآن اور دھرمک متہد

لکھک—مولانا ابولکلام آزاد، قیمت—دو روپیا

جھنکار

(پراگتیہیل کھانی کا سہمت)

لکھک—رہوہتی سہای فریق، قیمت—تین روپیا

ہندستانی کلچر سوسائٹی
ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مٹھی گنج، الہ آباد

145 مٹھی گنج، الہ آباد

ہماری راہ

نہ-نہ راستے खुلنے کی آراہا ہے۔ آکااش کے دوسرے گولوں کے ساتھ ہمارا سمبندھ مانفب ءجراتی کے مارگے پر عکے بھوت بکھم سیمافا بھنڈ ہے۔ مانفب سماج کی اسسے بھوت بکھی آارفیک اور نایتیک کافا پلٹ ہو سکتی ہے۔

عک خواس ماکاک کی بات اس بनावنی چاؤد کے سمبندھ مے یھ ہوء کی ہیروشیما اور ناگاساکی کے بموں ءوارا انسافی برবাদی سے جین لوگوں کے اءت:करण (جَمیروں) کو چوٹ نہی لگی تھی، جو لافوں بندروں اور سوافروں کا ہر سال اپنے ساہنسی تजरہوں کے لیے تڈپا-تڈپا کر مارے رھنے ہیں، رूसی سٹیلیائٹ کی عک کوفیا کی موت کا بھال کرکے ہی انکے ديل پيخل गए اور انکی آفاتیوں سے دूध टपक पड़ा !

ہم سوافیت رूस کو، ءونیا کو اور ءونیا کی جناتا کا اس نہی ہُءاف کے لیے ديل سے بھافے ءتے ہیں۔

15-11-57

—سندھ لال

ہماری راہ

نہ نہ راستے کھلنے کی آراہا ہے۔ آکاش کے دوسرے گولوں کے ساتھ ہمارا سمبندھ مانفب آنتی کے مارگے پر ایک بہت بڑا سہما چلو ہے۔ ماکاف ساج کی اس سے بہت بڑی آرتھک اور نیٹھک کاپاپاٹ ہو سکتی ہے۔

ایک خاص مذاقی کی بات اس ہلاوئی چاند کے سمبندھ میں یہ ہوئی کہ ہہروشما اور ناگاساکی کے بموں ءوارا انسافی بربادی سے جن لوگوں کے آنتہ کرن (ضمیروں) کو چوٹ نہیں لگی تھی، جو لافوں بندروں اور سوافروں کو ہر سال اپنے سائفسی صہروں کے لٹہ نڈپا کر مارے رھتے ہیں، روسی سٹیلیائٹ کی ایک نکپا کی موت کا بھال کر کے ہی اُن کے ديل پيخل گئے اور اُن کی چہانروں سے دودھ ٹھک پڑا ۔

ہم سوافیت روس کو، ءونیا کو اور ءونیا کی جلتا کو اس نئی اہجاد کے لٹہ ديل سے بھافئی ءیتے ہیں ۔

—سندھ لال

15. 11. 57

میں وہ کبھی نہیں پہنچے اور عام جتنا کے لئے نہیں آدھک ہوکر
 ہے۔ وہ شانتی کے قائم کرنے میں بھی امریکی راستے کے
 مقابلے میں وہ نہیں آدھک سہاٹک ہے۔ اس راستے میں اور
 گاندھی جی کے بتائے ہوئے راستے میں سمجھوتے ہی ہو سکتا ہے
 اور ہمارے اور دنیا دونوں کے لئے ہتھکڑی ہو سکتا ہے۔ پر ہمارے
 لئے اس سے سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ ہم 'راجنٹیک'
 ٹیکٹ، آرٹیک، آڈیوگگ اور سامراج سب معاملوں میں پہلے
 اپنے اندر نگاہ ڈالیں اور دیہ کی کروڑوں غریب جلتا، اس
 کی اوشکتوں اور اپنے آدرشوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنے آگے
 کا راستہ طے کریں اور وشواس کے ساتھ اس پر چلیں۔

روس کا بناوटी چاؤ

پچھلے کچھ سماہ سے دنیا بھر کے لوگوں کی نیگاہیں
 خواہشیت روس کے دونوں سٹولٹ کی طرف جا رہی ہیں
 جینہ لوگ بناوٹی چاؤ بھی کہتے ہیں۔ دنیا بھر کے
 اخباریوں میں جیتنی چرچا بنناوٹی چاؤ کی ہوئی ہے اتنی
 شاید ہی کہیں کسی اور
 چیز کی ہوئی ہو۔ اس گھٹنا کے ضمن میں دو خاص نکتے معلوم
 ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ دنیا کو بدھ سے بچانے اور شانتی قائم
 رکھنے میں اس سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ دنیا نے دیکھ
 لیا کہ سائنسی آنتی کی تیز میں روس دوسرے سب دیہوں
 سے ابھرنے لگا ہے۔ روس کی ایجاد نے یہ ثابت کر دیا کہ
 یہ زمانہ جتنا کا زمانہ ہے اور سائنسی اور دماغی دور میں بھی
 کوئی سامراج وادی دیہ سامہوادی یا سماج وادی دیہوں
 سے آنت میں بازی نہیں لے جا سکتا۔ دوسرے دیہوں کے
 اندرونی معاملوں میں بار بار دخل دینے والے سامراج وادی دیہوں
 کے غلط منصوبوں کو بھی اس سے کافی دھکا پہنچا ہے۔ یہ بھی
 ظاہر ہے کہ اس طرح کے غلط منصوبے ابھی ختم نہیں ہوئے
 ہیں۔ حال میں امریکہ اور انڈینڈ کی طرف سے جو خبر
 نکلی ہے کہ وہ پچاس اور چھوٹے بڑے راشٹروں کو اپنے ساتھ ملا
 کر کمیونسٹ دیہوں اور خاص کر روس کے خلاف ایک نیا
 سرچہ کھڑا کرنا چاہتے ہیں، وہ خاصی آفسوسناک ہے۔ ظاہر
 ہے کہ دنیا کے دونوں پردھان اگھاڑوں میں ایک دوسرے کو
 مٹانے کی گھانٹک لپٹا رہی مٹی نہیں ہے۔ پر ہمیں وشواس ہے کہ
 دنیا کے چھوٹے چھوٹے اور پچھڑے ہوئے دیہ اس بات کو سمجھتے
 جا رہے ہیں اور سمجھیں گے کہ اس طرح کی گٹھ میں
 شامل ہونا ان کے لئے کٹنا گھانٹک اور دنیا کے لئے کٹنا خطرناک
 ہے۔ نل ملا کر ہمیں وشواس ہے کہ روس کی اس نئی ایجاد
 کا اثر جس کا بدھ، دنیا کے ساتھ یہی گہرا سہلہ ہے—دنیا
 کی شانتی کے لئے اچھا ہی ہوگا۔

دوسرا بڑا نتیجہ روس کی اس نئی ایجاد کا یہ ہوگا
 کہ دنیا کی جگہ اس کی آرٹیک آنتی، اس کے سولست،
 اس کے پھلو اور اس کی خوشحالی کے لئے اب

روس کا بناوٹی چاؤ

پچھلے کچھ سماہ سے دنیا بھر کے لوگوں کی نیگاہیں
 روس کے دونوں سٹولٹ کی طرف جا رہی ہیں جہاں لوگ
 بناوٹی چاؤ بھی کہتے ہیں۔ دنیا بھر کے اخباروں میں جتنی چرچا
 ان بناوٹی چاؤ کی ہوئی ہے اتنی شاید ہی کہیں کسی اور
 چیز کی ہوئی ہو۔ اس گھٹنا کے ضمن میں دو خاص نکتے معلوم
 ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ دنیا کو بدھ سے بچانے اور شانتی قائم
 رکھنے میں اس سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ دنیا نے دیکھ
 لیا کہ سائنسی آنتی کی تیز میں روس دوسرے سب دیہوں
 سے ابھرنے لگا ہے۔ روس کی ایجاد نے یہ ثابت کر دیا کہ
 یہ زمانہ جتنا کا زمانہ ہے اور سائنسی اور دماغی دور میں بھی
 کوئی سامراج وادی دیہ سامہوادی یا سماج وادی دیہوں
 سے آنت میں بازی نہیں لے جا سکتا۔ دوسرے دیہوں کے
 اندرونی معاملوں میں بار بار دخل دینے والے سامراج وادی دیہوں
 کے غلط منصوبوں کو بھی اس سے کافی دھکا پہنچا ہے۔ یہ بھی
 ظاہر ہے کہ اس طرح کے غلط منصوبے ابھی ختم نہیں ہوئے
 ہیں۔ حال میں امریکہ اور انڈینڈ کی طرف سے جو خبر
 نکلی ہے کہ وہ پچاس اور چھوٹے بڑے راشٹروں کو اپنے ساتھ ملا
 کر کمیونسٹ دیہوں اور خاص کر روس کے خلاف ایک نیا
 سرچہ کھڑا کرنا چاہتے ہیں، وہ خاصی آفسوسناک ہے۔ ظاہر
 ہے کہ دنیا کے دونوں پردھان اگھاڑوں میں ایک دوسرے کو
 مٹانے کی گھانٹک لپٹا رہی مٹی نہیں ہے۔ پر ہمیں وشواس ہے کہ
 دنیا کے چھوٹے چھوٹے اور پچھڑے ہوئے دیہ اس بات کو سمجھتے
 جا رہے ہیں اور سمجھیں گے کہ اس طرح کی گٹھ میں
 شامل ہونا ان کے لئے کٹنا گھانٹک اور دنیا کے لئے کٹنا خطرناک
 ہے۔ نل ملا کر ہمیں وشواس ہے کہ روس کی اس نئی ایجاد
 کا اثر جس کا بدھ، دنیا کے ساتھ یہی گہرا سہلہ ہے—دنیا
 کی شانتی کے لئے اچھا ہی ہوگا۔

دوسرا بڑا نتیجہ روس کی اس نئی ایجاد کا یہ ہوگا
 کہ دنیا کی جگہ اس کی آرٹیک آنتی، اس کے سولست،
 اس کے پھلو اور اس کی خوشحالی کے لئے اب

सका कर दिया। हाल में रूस से मदद के समझौते की खबरें छपी हैं। हमारी राय इस बारे में साफ है। सबसे पहले यह कि न हम यह चाहते हैं और न इसकी जरूरत मानते हैं कि भारत किसी भी दूसरे देश के सामने इस बात के लिए हाथ पसारें, या किसी-से-किसी रूप में करवा ले। दूसरे यह कि अगर किसी से मदद लेनी ही हो तो वह बजाय दान या नकद करणों के केवल माल के आदान प्रदान के रूप में होनी चाहिए और वह भी अपनी हैसियत और अपनी विसात देखकर। चीन की आर्थिक कठिनाइयाँ आज से दस बरस पहले हमारी आजकल की कठिनाइयों से कम नहीं थीं। पर चीन ने किसी साम्राज्यवादी देश के सामने हाथ नहीं पसारा। अपनी औद्योगिक (सनअती) उन्नति के लिए चीन ने केवल रूस से थोड़ी बहुत मदद ली है। और वह मदद भी, जहाँ तक हमें मालूम है केवल इस रूप में थी कि तीन अरब अमरीकी डालर की क्रीमत का माल, मशीनें इत्यादि, जिसकी चीन को जरूरत थी और रूस दे सकता था, रूस चीन को पाँच बरस के अन्दर पाँच क़िस्तों में दे, और उतनी ही क्रीमत का माल, ऐसा जिसकी रूस को जरूरत है और चीन दे सकता है, कच्चा माल इत्यादि, चीन रूस को दस साल के अन्दर दस क़िस्तों में दे, और इस लेन देन में रूस का जो रुपया कुछ दिनों अटका रहे उसके लिए एक फ़ीसदी सालाना सूद के हिसाब से उतना ही अधिक माल चीन अपने यहाँ से रूस जाने वाले माल में बढ़ा दे, और बस। तीसरे हमारी साफ़ राय यह भी है कि इस तरह की अगर कोई मदद लेनी ही हो तो हमें साम्राज्यवादी देशों के बजाय जहाँ तक हो सके कम्युनिस्ट या ग़ैर साम्राज्यवादी देशों की मदद का अधिक स्वागत करना चाहिए। इस निगाह से यदि रूस से भारत का इस तरह का समझौता हमें अमरीका या इंग्लैन्ड की मदद से बेनिजास कर सके तो उस दरजे तक हम उसे रानीमत समझते हैं।

असली इलाज

लोकन अन्त में हम फिर दुहरा देना चाहते हैं कि देश के जिन दुखों की ऊपर के ख़त में चरचा की गयी है उनका असली इलाज हमारा इन सब बातों में महात्मा गाँधी के बताए हुए रास्ते को ठीक-ठीक समझना और उस पर अमल करना ही हो सकता है। इंग्लैन्ड और अमरीका के पूँजीवादी रास्तों की नक़ल, जो हम इस समय कर रहे हैं, हमारे इन दुखों को और अधिक बढ़ा देगी। रूस और चीन का कम्युनिस्ट रास्ता भी एक रास्ता हो सकता है और है। अफ़्रीकी या अमरीकी रास्ते के मुकाबले में वह कहीं बेहतर और आम जनता के लिए कहीं अधिक हितकर है। विरव-शान्ति के क़ायम करने में भी अमरीकी रास्ते के मुकाबले

क़रा क्रिया। हाल में रूस से मदद के समझौते की खबरें छपी हैं। हमारी राय इस बारे में साफ़ है। सबसे पहले यह कि न हम यह चाहते हैं और न इसकी जरूरत मानते हैं कि भारत किसी भी दूसरे देश के सामने इस बात के लिए हाथ पसारें, या किसी-से-किसी रूप में करवा ले। दूसरे यह कि अगर किसी से मदद लेनी ही हो तो वह बजाय दान या नकद करणों के केवल माल के आदान प्रदान के रूप में होनी चाहिए और वह भी अपनी हैसियत और अपनी विसात देखकर। चीन की आर्थिक कठिनाइयाँ आज से दस बरस पहले हमारी आजकल की कठिनाइयों से कम नहीं थीं। पर चीन ने किसी साम्राज्यवादी देश के सामने हाथ नहीं पसारा। अपनी औद्योगिक (सनअती) उन्नति के लिए चीन ने केवल रूस से थोड़ी बहुत मदद ली है। और वह मदद भी, जहाँ तक हमें मालूम है केवल इस रूप में थी कि तीन अरब अमरीकी डालर की क्रीमत का माल, मशीनें इत्यादि, जिसकी चीन को जरूरत थी और रूस दे सकता था, रूस चीन को पाँच बरस के अन्दर पाँच क़िस्तों में दे, और उतनी ही क्रीमत का माल, ऐसा जिसकी रूस को जरूरत है और चीन दे सकता है, कच्चा माल इत्यादि, चीन रूस को दस साल के अन्दर दस क़िस्तों में दे, और इस लेन देन में रूस का जो रुपया कुछ दिनों अटका रहे उसके लिए एक फ़ीसदी सालाना सूद के हिसाब से उतना ही अधिक माल चीन अपने यहाँ से रूस जाने वाले माल में बढ़ा दे, और बस। तीसरे हमारी साफ़ राय यह भी है कि इस तरह की अगर कोई मदद लेनी ही हो तो हमें साम्राज्यवादी देशों के बजाय जहाँ तक हो सके कम्युनिस्ट या ग़ैर साम्राज्यवादी देशों की मदद का अधिक स्वागत करना चाहिए। इस निगाह से यदि रूस से भारत का इस तरह का समझौता हमें अमरीका या इंग्लैन्ड की मदद से बेनिजास कर सके तो उस दरजे तक हम उसे रानीमत समझते हैं।

अमरीकी राय

लेकिन अन्त में हम फिर दुहरा देना चाहते हैं कि देश के जिन दुखों की ऊपर के ख़त में चरचा की गयी है उनका असली इलाज हमारा इन सब बातों में महात्मा गाँधी के बताए हुए रास्ते को ठीक-ठीक समझना और उस पर अमल करना ही हो सकता है। इंग्लैन्ड और अमरीका के पूँजीवादी रास्तों की नक़ल, जो हम इस समय कर रहे हैं, हमारे इन दुखों को और अधिक बढ़ा देगी। रूस और चीन का कम्युनिस्ट रास्ता भी एक रास्ता हो सकता है और है। अफ़्रीकी या अमरीकी रास्ते के मुकाबले में वह कहीं बेहतर और आम जनता के लिए कहीं अधिक हितकर है। विरव-शान्ति के क़ायम करने में भी अमरीकी रास्ते के मुकाबले

تیجوریوں اور بنگوں میں جمنا ہے، سبھی سफलता का अन्दाजा उस हालत से करना चाहिये जिसमें देश के सब से नीचे के लोग, सब से गरीब लोग रहते हैं। पूँजीपति की अर्थनीति की कसौटी इसके ठीक उल्टी है। हमारे आजकल के शासक जैसे भी हो सके देश की कुल औद्योगिक (सनअती) उपज और देश का कुल धन बढ़ाने की चिंता में हैं। देश के लाखों और करोड़ों गरीबों, मजदूरों, किसानों और दस्तकारों को ऊपर उठाना उनके लिये इतने अधिक महत्व की और इतनी जल्दी की चीज नहीं है। यह रालत आर्थिक नीति ही हमारे इस समय के अधिकतर दुखों का कारण है। हमें पूरा विश्वास है कि अगर इस मामले में हम गांधी जी के बताए रास्ते पर चले होते या अब भी चले तो हमें बाहर के किसी देश से एक पैसा भी भिख या कर्ज माँगने की जरूरत नहीं है। इस बारे में गांधी जी के विचार और कम्युनिस्ट विचार, कई बातों में अलग अलग होते हुए भी, बहुत दूरजे तक मिलते हुए हैं। पर रोगा यही है कि हमारे आज की आर्थिक नीति न गांधी वादी है और न मार्क्सवादी। हमारी आजकल की आर्थिक नीति शुद्ध पूँजीवादी है, जो अन्त में साम्राज्यवाद की तरफ़ ले जाए बग़ैर नहीं रह सकती, अभी से जब कि प्रान्त प्रान्त में हमारे लाखों बुनकर भूखे मर रहे हैं और गांव गांव के कॉलहू पट पड़े हुए हैं, हमें अपनी मिलों के कपड़े और मिलों की चीनी बेचने के लिये देश के बाहर मन्डियों की तलाश रहती है। हम बार बार कह चुके हैं कि देश की जनता के हित में यह नीति रालत और बरबादकुन है।

अपनी इस रालत आर्थिक नीति के कारण दूसरे देशों के सामने हाथ पसारने ने हमारे अन्तर्राष्ट्रीय सम्बन्धों में भी पेचीदगियां पैदा कर दी हैं। श्री के० के० कृष्णमचारी ने अमरीका में और दूसरे साम्राज्यवादी देशों में जिस तरह की गिरी हुई बातें कहीं उन पर देश और पार्लिमेंट के अन्दर काफी ले वे मच चुकी है। श्री कृष्णमचारी ने भारत की अन्तर्राष्ट्रीय स्थिति को अमरीका में रालत चित्रित किया और अपने देश को लजाया इसमें कोई सन्देह नहीं हो सकता, "न्युयार्क टाइम्स" के सम्वाददाता ने श्री कृष्णमचारी की तरदीव की, जिस तरह तरदीव की है वह कृष्णमचारी को इस विषय में गुनहगार ठहराने के लिये काफी है। हमारे प्रधान मन्त्री का उनका बचाव इसलिये करना पड़ता है कि बदक्रिस्मती से प्रधान मन्त्री की राय में देश के बढ़ने के लिये बाहर से पैसा आना जरूरी है और श्री कृष्णमचारी ने जैसे भी बन पड़े पैसा लाने की कोशिश में कसर नहीं उठा रखी।

एक दूसरी पेचीदगी हमारी इस रालत चाल ने यह पैदा कर दी कि उसने हमें मद्द देने वालों में रूस और अमरीका को फिर एकबार प्रतिस्पर्धी (रक़ीबों) के रूप में लाकर

जबरीय और बंगों में جمع हैं, सच्ची सफलता का اندाज़ा उस हालत से करना चाहते हैं जिस में दीख के सब से निचे के लोग, सब से गरीब लोग रहते हैं। पूँजीपति की अर्थनीति की कसौटी इसके ठीक उल्टी है। हमारे आजकल के शासक जैसे भी हो सके देश की कुल औद्योगिक (सनअती) उपज और देश का कुल धन बढ़ाने की चिंता में हैं। देश के लाखों और करोड़ों गरीबों, मजदूरों, किसानों और दस्तकारों को ऊपर उठाना उनके लिये इतने अधिक महत्व की और इतनी जल्दी की चीज नहीं है। यह रालत आर्थिक नीति ही हमारे इस समय के अधिकतर दुखों का कारण है। हमें पूरा विश्वास है कि अगर इस मामले में हम गांधी जी के बताए रास्ते पर चले होते या अब भी चले तो हमें बाहर के किसी देश से एक पैसा भी भिख या कर्ज माँगने की जरूरत नहीं है। इस बारे में गांधी जी के विचार और कम्युनिस्ट विचार, कई बातों में अलग अलग होते हुए भी, बहुत दूरजे तक मिलते हुए हैं। पर रोगा यही है कि हमारे आज की आर्थिक नीति न गांधी वादी है और न मार्क्सवादी। हमारी आजकल की आर्थिक नीति शुद्ध पूँजीवादी है, जो अन्त में साम्राज्यवाद की तरफ़ ले जाए बग़ैर नहीं रह सकती, अभी से जब कि प्रान्त प्रान्त में हमारे लाखों बुनकर भूखे मर रहे हैं और गांव गांव के कॉलहू पट पड़े हुए हैं, हमें अपनी मिलों के कपड़े और मिलों की चीनी बेचने के लिये देश के बाहर मन्डियों की तलाश रहती है। हम बार बार कह चुके हैं कि देश की जनता के हित में यह नीति रालत और बरबादकुन है।

अपनी इस रालत आर्थिक नीति के कारण दूसरे देशों के सामने हाथ पसारने ने हमारे अन्तर्राष्ट्रीय सम्बन्धों में भी पेचीदगियां पैदा कर दी हैं। श्री के० के० कृष्णमचारी ने अमरीका में और दूसरे साम्राज्यवादी देशों में जिस तरह की गिरी हुई बातें कहीं उन पर देश और पार्लिमेंट के अन्दर काफी ले वे मच चुकी है। श्री कृष्णमचारी ने भारत की अन्तर्राष्ट्रीय स्थिति को अमरीका में रालत चित्रित किया और अपने देश को लजाया इसमें कोई सन्देह नहीं हो सकता, "न्युयार्क टाइम्स" के सम्वाददाता ने श्री कृष्णमचारी की तरदीव की, जिस तरह तरदीव की है वह कृष्णमचारी को इस विषय में गुनहगार ठहराने के लिये काफी है। हमारे प्रधान मन्त्री का उनका बचाव इसलिये करना पड़ता है कि बदक्रिस्मती से प्रधान मन्त्री की राय में देश के बढ़ने के लिये बाहर से पैसा आना जरूरी है और श्री कृष्णमचारी ने जैसे भी बन पड़े पैसा लाने की कोशिश में कसर नहीं उठा रखी।

एक दूसरी पेचीदगी हमारी इस रालत चाल ने यह पैदा कर दी कि उसने हमें मद्द देने वालों में रूस और अमरीका को फिर एकबार प्रतिस्पर्धी (रक़ीबों) के रूप में लाकर

तरफ अन्दर की यह पिछ-वसीट और बरबादकुन शक्तियाँ दोनों के बीच से देस की नाव को सफतता पूर्वक खेकर लेजा सकने वाला आदमी हमें अभी दूसरा दिखाई नहीं देता. जवाहरलाल जी की देशभक्ति, सचाई और बहादुरी में भी किसी को सन्देह नहीं हो सकता.

देश के दुखों का मूल कारण

देश के इस समय के उन दुखों का जिनकी ऊपर के खत में चर्चा है मूल कारण हमें यह दिखाई देता है के देश के और कांग्रेस के अनेक बड़े बड़े नेताओं को शायद कभी भी महात्मा गांधी के आर्थिक (माली), औद्योगिक (मनअती), और एक दर्जे तक नैतिक (इखलाकी) सिद्धांतों में विश्वास नहीं हुआ. देश के इस समय के अधिकतर नेता अंगरेजी तालीम की उपज हैं, और अनेक अच्छाईयाँ रखते हुए भी और बरसों महात्मा गांधी के मजदूर रहते हुए भी, पच्छमी तालीम के गलत असर से ऊपर नहीं उठ सके.

बाहर से पैसे की मदद और हमारी आर्थिक नीति

पिछले अगस्त के महीने में तोक्या के अन्दर हम एक दिन एक अमरीकी दास्त से बातें कर रहे थे. हम उनसे कह रहे थे कि एशियाई देशों की इच्छा और उनके हित के विरुद्ध अमरीका का एशियाई देशों के उद्योग धन्धों में अपनी पूँजी लगाना और इस तरह उन देशों के अन्दर के मामलों में जबरदस्ती दखल देना बड़ी गलत चीज और आर्थिक साम्राज्यवाद (इकोनामिक इम्पीरियलीज्म) की जड़ है, इत्यादि. हमारे अमरीकी दोस्त ने तुरन्त उलट कर हमें जवाब दिया, उनके शब्द इमें अब तक याद हैं—
“you cannot say that. Your own.....has been going on his knees requesting U. S. A. to invest money in India and promising them all sorts of concessions, no nationalisation or socialisation for fifty years and so forth.”

अर्थात्—“आप यह नहीं कह सकते. आपका अपना.....घुटनों के बल अमरीका से प्रार्थना करता रहा है कि अमरीका भारत में अपनी पूँजी लगावे, और इसके बदले में अमरीका से हर तरह की रिआयतों का वादा करता रहा है, जैसे यह कि भारत सरकार पचास साल तक ऐसे उद्योगों को जिनमें अमरीका की पूँजी लगी होगी राष्ट्र की या समाज की सम्पत्ति नहीं बनाएगी, इत्यादि.”

महात्मा गांधी का उसूल था और हमें विश्वास है कि वह सोलह आने ठीक था कि किसी भी देश की आर्थिक सफलता का अन्दाजा उन धनराशियों से नहीं करना चाहिये जो वहाँ के बड़े बड़े लोगों और अमीरों की

शक्तियों की यह पूँजी है. हमें यह दिखाना पड़ेगा कि देश के दुखों के बीच से देस की नाव को सफतता पूर्वक खेकर लेजा सकने वाला आदमी अभी दूसरा दिखाई नहीं देता. जवाहर लाल जी की देशभक्ति, सचाई और बहादुरी में भी किसी को सन्देह नहीं हो सकता.

देश के दुखों का मूल कारण

देश के इस समय के उन दुखों का जिनकी ऊपर के खत में चर्चा है मूल कारण हमें यह दिखाई देता है के देश के और कांग्रेस के अनेक बड़े बड़े नेताओं को शायद कभी भी महात्मा गांधी के आर्थिक (माली), औद्योगिक (मनअती), और एक दर्जे तक नैतिक (इखलाकी) सिद्धांतों में विश्वास नहीं हुआ. देश के इस समय के अधिकतर नेता अंगरेजी तालीम की उपज हैं, और अनेक अच्छाईयाँ रखते हुए भी और बरसों महात्मा गांधी के मजदूर रहते हुए भी, पच्छमी तालीम के गलत असर से ऊपर नहीं उठ सके.

बाहर से पैसे की मदद और हमारी आर्थिक नीति

पिछले अगस्त के महीने में तोक्या के अन्दर हम एक दिन एक अमरीकी दास्त से बातें कर रहे थे. हम उनसे कह रहे थे कि एशियाई देशों की इच्छा और उनके हित के विरुद्ध अमरीका का एशियाई देशों के उद्योग धन्धों में अपनी पूँजी लगाना और इस तरह उन देशों के अन्दर के मामलों में जबरदस्ती दखल देना बड़ी गलत चीज और आर्थिक साम्राज्यवाद (इकोनामिक इम्पीरियलीज्म) की जड़ है, इत्यादि. हमारे अमरीकी दोस्त ने तुरन्त उलट कर हमें जवाब दिया, उनके शब्द इमें अब तक याद हैं—
“You cannot say that. Your own.....has been going on his knees requesting U. S. A. to invest money in India and promising them all sorts of concessions, no nationalisation or socialisation for fifty years and so forth.”

अर्थात्—“आप यह नहीं कह सकते. आपका अपना.....घुटनों के बल अमरीका से प्रार्थना करता रहा है कि अमरीका भारत में अपनी पूँजी लगावे, और इसके बदले में अमरीका से हर तरह की रिआयतों का वादा करता रहा है, जैसे यह कि भारत सरकार पचास साल तक ऐसे उद्योगों को जिनमें अमरीका की पूँजी लगी होगी राष्ट्र की या समाज की सम्पत्ति नहीं बनाएगी, इत्यादि.”

महात्मा गांधी का उसूल था और हमें विश्वास है कि वह सोलह आने ठीक था कि किसी भी देश की आर्थिक सफलता का अन्दाजा उन धनराशियों से नहीं करना चाहिये जो वहाँ के बड़े बड़े लोगों और अमीरों की

دیش کی پیچھے پستی شکتیوں

دوسری اور دیش میں ابھی تک اس طرح کے پیچھے گھسیٹنے والی شکتیوں کا بھی پورے خاتمہ نہیں ہوا ہے جو اگر تاہم باجائیں تو دیش کو مسائل میں پہنچائے بنا نہیں رہ سکتیں۔ انہیں شکتیوں نے مہاتما گاندھی کی جان لی۔ پنجاب کے "ہندی رक्षा آندولن" پر ہم اپنے خیال پر غور کر چکے ہیں۔ یہ غلط آندولن ادھتار اسی طرح کی شکتیوں کا کارنامہ ہے۔

حال میں پنجاب ہندی رक्षा آندولن کے دو मुख्य कार्यकर्ता दिल्ली में हमारे एक प्रतिष्ठित मित्र से मिलने आए. हमारे मित्र ने उनसे इस आन्दोलन की निरर्थकता پر بات کی. اس پر ان دونوں میں سے ایک نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا—"मुख्य प्रश्न हमारे सामने हिन्दी का नहीं है, मुख्य प्रश्न जवाहरलाल और जवाहरलाल की सरकार को गिराना है." यह भी एक खुली बात है कि इस आन्दोलन में पंजाब भर के अन्दर और कहीं कहीं पंजाब से बाहर भी पंडित जवाहरलाल नेहरू को हिन्दुओं का विरोधी दर्शा कर जनता की नजरों में गिराने की काही कोशिश की गई है.

देश को पीछे घसीटने वाली और बربادی کے گڑھے میں ميرانے वाली ये शक्तियां जगह जगह और भी तरह तरह के रूप धारण करती रहती हैं.

पंजाब के इस चलत हिन्दी आन्दोलन से देश को और खासकर हिन्दी को कितना नुकसान पहुँचा है इसका कुछ अन्दाजा इस एक बात से लगाया जा सकता है कि हमारी पार्लिमेंट के अठ्ठासी मेम्बरों ने सरकार को यह नोटिस दे दिया है कि सन् 1990 से पहले हिन्दी का अंग्रेजी का स्थान देने की बात न की जावे. श्री राजगोपालाचारी जैसे अनेक नेताओं ने तो यह साफ कह दिया है कि अंगरेजी की जगह हिन्दी को अगर कभी भी सरकारी अन्तर्भाषीय भाषा बनाने की कोशिश की गई तो बलकान की तरह देश के टुकड़े टुकड़े हो जावेंगे. पंजाब के नादान हिन्दी प्रेमियों और उनके मददगारों ने राष्ट्र भाषा की हैसियत से हिन्दी को खत्म कर देने में अपनी तरफ से कोई कोशिश उठा नहीं रखी.

पं० जवाहरलाल नेहरू और उनकी सरकार

इन नाजुक हालात में वर्तमान शासन के अन्दर अनेक दोषों के होते हुए भी—और वह दोष बड़े गहरे दोष हैं—हमें पंडित जवाहरलाल नेहरू का अस्तित्व और देश के शासन की बाग का उनके हाथों में होना बहुत ही गनीमत मानना होता है. कई बातों में हमारा खूबका गहरा मतभेद है. पर एक तरफ नाजुक अन्तराष्ट्रीय स्थिति और दूसरी

देष کی پیچھے گھسیٹ شکتیاں

دوسری اور دیش میں ابھی تک اس طرح کے پیچھے گھسیٹنے والی شکتیوں کا زور بھی ختم نہیں ہوا ہے جو اگر تاہم باجائیں تو دیش کو مسائل میں پہنچائے بنا نہیں رہ سکتیں۔ انہیں شکتیوں نے مہاتما گاندھی کی جان لی۔ پنجاب کے "ہندی رक्षा آندولن" پر ہم وچار پرکھ کر چکے ہیں۔ یہ غلط آندولن ادھتار اسی طرح کی شکتیوں کا کارنامہ ہے۔

حال میں پنجاب ہندی رक्षा آندولن کے دو मुख्य कार्यकर्ता दिल्ली में हमारे एक प्रतिष्ठित मित्र से मिलने आए. हमारे मित्र ने उनसे इस आन्दोलन की निरर्थकता پر بات کی. اس پر ان دونوں میں سے ایک نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا—"मुख्य प्रश्न हमारे सामने हिन्दी का नहीं है, मुख्य प्रश्न जवाहरलाल और जवाहरलाल की सरकार को गिराना है." यह भी एक खुली बात है कि इस आन्दोलन में पंजाब भर के अन्दर और कहीं कहीं पंजाब से बाहर भी पंडित जवाहरलाल नेहरू को हिन्दुओं का विरोधी दर्शा कर जनता की नजरों में गिराने की काही कोशिश کی گئی ہے.

देश को पीछे घसीटने वाली और बربادی کے گڑھے میں ميرانے वाली ये शक्तियां जगह जगह और भी तरह तरह के रूप धारण करती रहती हैं.

पंजाब के इस चलत हिन्दी आन्दोलन से देश को और खासकर हिन्दी को कितना नुकसान पहुँचा है इसका कुछ अन्दाजा इस एक बात से लगाया जा सकता है कि हमारी पार्लिमेंट के अठ्ठासी मेम्बरों ने सरकार को यह नोटिस दे दिया है कि सन् 1990 से पहले हिन्दी का अंग्रेजी का स्थान देने की बात न की जावे. श्री राजगोपालाचारी जैसे अनेक नेताओं ने तो यह साफ कह दिया है कि अंगरेजी की जगह हिन्दी को अगर कभी भी सरकारी अन्तर्भाषीय भाषा बनाने की कोशिश की गई तो बलकान की तरह देश के टुकड़े टुकड़े हो जावेंगे. पंजाब के नादान हिन्दी प्रेमियों और उनके मददगारों ने राष्ट्र भाषा की हैसियत से हिन्दी को खत्म कर देने में अपनी तरफ से कोई कोशिश उठा नहीं रखी.

نہ جواہر لال نہرو اور ان کی سرکار

ان ناہک حالات میں ورتان شامن کے اندر انہک دوشوں ہوتے ہوتے ہی—اور وہ دوش بڑے گہرے دوش ہیں—ہمیں پندیت جواہر لال نہرو کا اُستہ اور دیش کے شامن کی باگ ان کے ہاتھوں میں ہونا بہت ہی غلیظ معلوم ہوتا ہے۔ ہاتھوں میں ہمارا ان کا گہرا متہید ہے۔ پر ایک ناہک اُستہ اور دیش کے شامن کی باگ ان کے ہاتھوں میں ہونا بہت ہی غلیظ معلوم ہوتا ہے۔

ہے، نہ کہ اس کا خیال کرنا اور اپنے دل پر خرابی لگوانا۔
(اگر) حال اور دل کو مولا کرنا۔“

دش کے دل کی آواز

آج کل کے دور کی ہر بات ہر اُتر میں ٹیک نہیں کھتی۔ کہیں کہیں انہیوں کی (مہارت) کی مائرا بھی صاف ہے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جن ستر نے یہ خط لکھا ہے اُن کے دل کی آواز ہے۔ ایک وہی نہیں، لگ بھگ یہ ہی یا اسی طرح کی باتیں آج لاکھوں دیکھ واسیوں کی باتیں پر ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آواز اس سے بھی کے دل کی آواز ہے۔

دلی میں ہم نے بھارت سرکار کے ایک اُترچے اور زعمدار اور مچاری کو یہ خط پڑھ کر سنا۔ اُنہوں نے بڑے دھیان کے ساتھ اُن کا چہرہ کچھ گہرا معلوم ہوا۔ ہم نے سنبھا لیا۔ اُنہوں نے یہ باتیں اچھی نہیں لکھیں۔ ہم نے جھنجھکے ہوئے لہجہ سے اُن باتوں میں کچھ سچائی تو اُڑھ ہے۔“ اُنہوں نے نزعت اُسی گہرے ہونے کے ساتھ جواب دیا:—”جی نہیں! کچھ سچائی نہیں، پوری سچائی ہے، اس میں جو لکھا ہے وہ بالکل سچ ہے۔“ ہماری اُن کی اس پر دہر تک باتیں ہوتی ہیں۔

انگریزوں کی ایک بھارت ہے۔“ چلتا کی آواز بھولان کی آواز ہوتی ہے، اسی سے ملتی جلتی اردو کی ایک بھارت ہے۔ آواز خلق کو نفاذ خدا سمجھو، اس میں کوئی شک نہیں کہ اُتر کے خط کی باتوں میں ایک بہت بڑا انش سچائی کا ہے۔

آج کی کانگریس

بھالیس ہوس ہم نے اپنے لچر ڈھنگ سے کانگریس کی جھوٹی ہے اور کافی نزدیک سے تلمہ ہو کر کی ہے۔ کانگریس کا دیکھ پر بہت بڑا احسان ہے۔ ہمارے دل میں اب بھی کانگریس کا بڑا اُدر ہے۔ کانگریس اور کانگریس سرکار دونوں میں اس سے بھی کافی ایسے لوگ ہیں جن سے ہم کو آدمی دیکھ میں ملتا نہیں ہے۔ پر اس میں بھی سلبہ نہیں کہ کانگریس مسٹر آزادی ملے کے بعد سے تیزی کے ساتھ نیچے کو جا رہی ہے۔ کانگریس نیچے، دھارا سہاؤں اور پارلیمنٹ کے کانگریسی ممبروں اور کانگریسی منسٹروں میں آج کافی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو دیکھ کی آزادی کے سنگرم کے دنوں میں شاید کہیں دھائی بھی نہ دیتے تھے۔ ذکی منسٹر ایسے ہیں جنہوں ہمارے جیسے لوگ پہچانتے بھی نہیں ہیں جو سن 1947 کے بعد کانگریسی بلے میں، اور آج کانگریس کے بڑے سے بڑے مشوروں میں اُن کی آواز سنی جاتی ہے۔

آج کی کانگریس

بھالیس ہوس ہم نے اپنے لچر ڈھنگ سے کانگریس کی جھوٹی ہے اور کافی نزدیک سے تلمہ ہو کر کی ہے۔ کانگریس کا دیکھ پر بہت بڑا احسان ہے۔ ہمارے دل میں اب بھی کانگریس کا بڑا اُدر ہے۔ کانگریس اور کانگریس سرکار دونوں میں اس سے بھی کافی ایسے لوگ ہیں جن سے ہم کو آدمی دیکھ میں ملتا نہیں ہے۔ پر اس میں بھی سلبہ نہیں کہ کانگریس مسٹر آزادی ملے کے بعد سے تیزی کے ساتھ نیچے کو جا رہی ہے۔ کانگریس نیچے، دھارا سہاؤں اور پارلیمنٹ کے کانگریسی ممبروں اور کانگریسی منسٹروں میں آج کافی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو دیکھ کی آزادی کے سنگرم کے دنوں میں شاید کہیں دھائی بھی نہ دیتے تھے۔ ذکی منسٹر ایسے ہیں جنہوں ہمارے جیسے لوگ پہچانتے بھی نہیں ہیں جو سن 1947 کے بعد کانگریسی بلے میں، اور آج کانگریس کے بڑے سے بڑے مشوروں میں اُن کی آواز سنی جاتی ہے۔

کے چلنے کے پہلے اس کے لیے بنیاد مضبوط بنانی
 تھی۔ یعنی ہوشیار، قابل، متنبہ (دشمنانہ) لوگ
 ہمارے تھے۔ اور حکومت کا ڈر ہونا چاہیے
 تھا، نہ کہ اس قدر (کڑوی) کہ ہر شخص اپنے
 فرائض (کوتاہوں) کو بھول بیٹھا اور من مانا
 جو کر رہا ہے۔ کوئی پورے حال نہیں۔ دفتروں کی
 آجیباو گریب حالات ہیں۔ کسی کے کام کرنے سے
 متعلقہ نہیں۔ سما خراشی (کان خانا) اور
 گولہبازی (پارٹی بندی)، فیرکا بندی سے
 فیرسخت نہیں۔ مالم نہیں یہ ہکومت اس
 طرح کب تک اور کسے چلے گی۔ لوگوں کے
 دلوں میں تر، مذہب، پریم، عاجزی (نمرتا) جیسی
 چیزیں رہیں گئی ہیں۔ نئی روشنی کے لوگ اور
 لڑکے صرف اسی دھن میں رہتے ہیں کہ کس طرح
 دوسرے کی آنکھوں میں دھول جھونکیں اور
 زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ سوائے اس
 کے کچھ نہیں کیا جاتا—خدا حافظ! باہر چاہے
 ہندستان کی کچھ بھی قدر ہو یا نام ہو، اندرونی
 حالت کو بدلتے ہوئے نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم
 ہوتا ہے کہ ہندستان مغربی (یورپی) چکاچوند
 میں آگیا ہے اور اس کا دلدادہ (پریمی) ہو گیا ہے
 جو نشان برابری اور ذوال (پتن) کا ہے۔ ہمارے
 دیش میں بھی گراخانے جات بہت کثرت کھاتے جا رہے
 ہیں جس کی وجہ سے دستکاری کا ذوال اور
 پروگرامی بڑھتی جا رہی ہے۔ ایجوکیشن کا
 برا حال ہے۔ وہ دن بدن ایکسپنسو (خرچہ)
 اور پے سوڈ (نورٹیک) سے ہر گئی ہے۔ زمانہ کے
 بدلنے سے روش (کٹی) سے ہر چیز اور طور
 طریقہ میں بہتری کی صورت پیدا ہوئی ہے۔
 اس نئے دیش نے زندگی (کڑوی) کو دی، بازاریوں
 میں جلد کوئی چیز ملتی نہیں۔ اس کا بدل
 پرانے دیش میں آج اور پرانے دوکاندار جانتے
 نہیں، اور ہوشیار لوگوں نے اپنی کمائی کی
 صورت نکال لی۔ چاہے تو یہ تھا کہ روپیہ
 (چال) بالکل سادہ اور پاک ہو، دلوں میں
 نیکی، ہمدردی، سوا کا ہو، پیدا ہو، نہ کہ
 سلیما اور طریقہ تعلیم، قاعدے قانون
 انجین پیدا کرنے والے ہمارے لوگوں کو اور
 نئی چیزیں (نسل) کے آدھ کو گرا دیا۔ کیا
 یہی ہماری چلہرہ (چنی ہوئی) حکومت کا
 شیوا (طریقہ) ہے۔ ایسی تیسو کریسی سے
 نو غلطی بدرجہا بہتر تھی! خبر! کہل تک
 کیا جارہے۔ اور آپ پر تو سب روشن ہے۔ میرا
 کہنا سچ کو چراغ دکھاتا ہے۔ لیکن صرف
 یہی ہے کہ آپ سے دل کا بوجھ کچھ ہلکا کرنے
 کو جی چاہا آتا ہے۔ پھر بھی سچا ہوں کہ جو
 کچھ ہو رہا ہے، الگ (ایسپر) کی مہج (لچھا) سے
 ہی ہے۔ اسی میں آگے چل کر ضرور کچھ فائدہ
 مقصود (ادبیت) ہوگا۔ شکہ شکیت
 بیکار ہے۔ خراب چیز کی طرف سے آگے
 ہٹا لینا ہی بہتر

کے چلنے کے پہلے اس کے لیے بنیاد مضبوط بنانی
 تھی۔ یعنی ہوشیار، قابل، متنبہ (دشمنانہ) لوگ
 ہمارے تھے۔ اور حکومت کا ڈر ہونا چاہیے
 تھا، نہ کہ اس قدر (کڑوی) کہ ہر شخص اپنے
 فرائض (کوتاہوں) کو بھول بیٹھا اور من مانا
 جو کر رہا ہے۔ کوئی پورے حال نہیں۔ دفتروں کی
 آجیباو گریب حالات ہیں۔ کسی کے کام کرنے سے
 متعلقہ نہیں۔ سما خراشی (کان خانا) اور
 گولہبازی (پارٹی بندی)، فیرکا بندی سے
 فیرسخت نہیں۔ مالم نہیں یہ ہکومت اس
 طرح کب تک اور کسے چلے گی۔ لوگوں کے
 دلوں میں تر، مذہب، پریم، عاجزی (نمرتا) جیسی
 چیزیں رہیں گئی ہیں۔ نئی روشنی کے لوگ اور
 لڑکے صرف اسی دھن میں رہتے ہیں کہ کس طرح
 دوسرے کی آنکھوں میں دھول جھونکیں اور
 زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ سوائے اس
 کے کچھ نہیں کیا جاتا—خدا حافظ! باہر چاہے
 ہندستان کی کچھ بھی قدر ہو یا نام ہو، اندرونی
 حالت کو بدلتے ہوئے نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم
 ہوتا ہے کہ ہندستان مغربی (یورپی) چکاچوند
 میں آگیا ہے اور اس کا دلدادہ (پریمی) ہو گیا ہے
 جو نشان برابری اور ذوال (پتن) کا ہے۔ ہمارے
 دیش میں بھی گراخانے جات بہت کثرت کھاتے جا رہے
 ہیں جس کی وجہ سے دستکاری کا ذوال اور
 پروگرامی بڑھتی جا رہی ہے۔ ایجوکیشن کا
 برا حال ہے۔ وہ دن بدن ایکسپنسو (خرچہ)
 اور پے سوڈ (نورٹیک) سے ہر گئی ہے۔ زمانہ کے
 بدلنے سے روش (کٹی) سے ہر چیز اور طور
 طریقہ میں بہتری کی صورت پیدا ہوئی ہے۔
 اس نئے دیش نے زندگی (کڑوی) کو دی، بازاریوں
 میں جلد کوئی چیز ملتی نہیں۔ اس کا بدل
 پرانے دیش میں آج اور پرانے دوکاندار جانتے
 نہیں، اور ہوشیار لوگوں نے اپنی کمائی کی
 صورت نکال لی۔ چاہے تو یہ تھا کہ روپیہ
 (چال) بالکل سادہ اور پاک ہو، دلوں میں
 نیکی، ہمدردی، سوا کا ہو، پیدا ہو، نہ کہ
 سلیما اور طریقہ تعلیم، قاعدے قانون
 انجین پیدا کرنے والے ہمارے لوگوں کو اور
 نئی چیزیں (نسل) کے آدھ کو گرا دیا۔ کیا
 یہی ہماری چلہرہ (چنی ہوئی) حکومت کا
 شیوا (طریقہ) ہے۔ ایسی تیسو کریسی سے
 نو غلطی بدرجہا بہتر تھی! خبر! کہل تک
 کیا جارہے۔ اور آپ پر تو سب روشن ہے۔ میرا
 کہنا سچ کو چراغ دکھاتا ہے۔ لیکن صرف
 یہی ہے کہ آپ سے دل کا بوجھ کچھ ہلکا کرنے
 کو جی چاہا آتا ہے۔ پھر بھی سچا ہوں کہ جو
 کچھ ہو رہا ہے، الگ (ایسپر) کی مہج (لچھا) سے
 ہی ہے۔ اسی میں آگے چل کر ضرور کچھ فائدہ
 مقصود (ادبیت) ہوگا۔ شکہ شکیت
 بیکار ہے۔ خراب چیز کی طرف سے آگے
 ہٹا لینا ہی بہتر

ہماری ہمارا

دش کی حالت پر ایک خط

دش اور سرکار کے ایک سچے دھتچینتک، نیک، ایماندار، سمجھدار، غور جانیبدار، اور تاجرہکار میتر کا ہمارے پاس ایک خط آیا ہے۔ "نیا ہند" کے بھی وہ شروع سے پڑوسی رہے ہیں۔ اس خط کا ایک حصہ انہیں کے شہدوں میں ہم بھیجے دے رہے ہیں۔ کمانوں کے اندر کے شہد ہمارے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں —

"جسمانا کچھ ایسا خراب آگیا ہے کہ انسان خودکار ہوتا جا رہا ہے۔ سوا ہوا اور پریم ہوا بالکل نیست ناپون ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر ایک اپنے کاروبار میں مہلکانی اور ٹیکس بڑھتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے زندگی وبال جان ہو گئی ہے۔ اگر کوئی ایماندار، نیک نہتی سے رہنا چاہے بھی تو ہزار مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بے آرائی، رشوت خوری، دغا بازی اور جھوٹ کا بول بالا ہے۔ جس کی زمہدار ہماری موجودہ حکومت اور کارکنوں کا گرا ہوا کیریئر ہے۔ پبلک پر اس قدر ٹیکس لگا دیئے ہیں کہ جس کا اثر ہے چاری مڈل کلاس پر پڑ رہا ہے اور وہ پسی جا رہی ہے، اور پونجی والے یا دھندا کرنے والے اپنی چالانی اور عداوت سے خوش اور مالا مال ہیں، اور بے ایمانی کا موقع مل رہا ہے۔ جو روپیہ حکومت اٹھا کر رہی ہے یا آمدنی بڑھا رہی ہے وہ بالکل بے ترقی اور بدبودہ طریق سے برباد ہو رہا ہے یا یہ کہ نہ چند چالاک اور غدار لوگوں کی جیبوں میں جا رہا ہے، یہ فرسٹ اور سیکنڈ فائبر پلین صرف کلغی کپڑے ہیں یا دنیا کی انہیں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ جس قدر روپیہ خرچ ہو رہا ہے دنیا واقعی ہواپی ہے اور کام بھی اُس کے عوض ہوا ہے؟ لیکن نہ اس کی غرض کسی کو ہے؟ یہ سرحدوں کوں سول لے؟ جو ہو رہا ہے ہولے دوا

دش اور سرکار کے ایک سچے دھتچینتک، نیک، ایماندار، سمجھدار، غور جانیبدار، اور تاجرہکار میتر کا ہمارے پاس ایک خط آیا ہے۔ "نیا ہند" کے بھی وہ شروع سے پڑوسی رہے ہیں۔ اس خط کا ایک حصہ انہیں کے شہدوں میں ہم بھیجے دے رہے ہیں۔ کمانوں کے اندر کے شہد ہمارے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں —

"جسمانا کچھ ایسا خراب آگیا ہے کہ انسان خودکار ہوتا جا رہا ہے۔ سوا ہوا اور پریم ہوا بالکل نیست ناپون ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر ایک اپنے کاروبار میں مہلکانی اور ٹیکس بڑھتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے زندگی وبال جان ہو گئی ہے۔ اگر کوئی ایماندار، نیک نہتی سے رہنا چاہے بھی تو ہزار مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بے آرائی، رشوت خوری، دغا بازی اور جھوٹ کا بول بالا ہے۔ جس کی زمہدار ہماری موجودہ حکومت اور کارکنوں کا گرا ہوا کیریئر ہے۔ پبلک پر اس قدر ٹیکس لگا دیئے ہیں کہ جس کا اثر ہے چاری مڈل کلاس پر پڑ رہا ہے اور وہ پسی جا رہی ہے، اور پونجی والے یا دھندا کرنے والے اپنی چالانی اور عداوت سے خوش اور مالا مال ہیں، اور بے ایمانی کا موقع مل رہا ہے۔ جو روپیہ حکومت اٹھا کر رہی ہے یا آمدنی بڑھا رہی ہے وہ بالکل بے ترقی اور بدبودہ طریق سے برباد ہو رہا ہے یا یہ کہ نہ چند چالاک اور غدار لوگوں کی جیبوں میں جا رہا ہے، یہ فرسٹ اور سیکنڈ فائبر پلین صرف کلغی کپڑے ہیں یا دنیا کی انہیں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ جس قدر روپیہ خرچ ہو رہا ہے دنیا واقعی ہواپی ہے اور کام بھی اُس کے عوض ہوا ہے؟ لیکن نہ اس کی غرض کسی کو ہے؟ یہ سرحدوں کوں سول لے؟ جو ہو رہا ہے ہولے دوا

18 حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے تاکہ مضمون آسانی سے سمجھ میں آسکیں۔ ان جلدوں میں گاندھی جو کی زندگی کی فلسفہ، ان کے جیوں درشن کی جہانگی ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ جس راستہ پر چل کر آج بچم زندگی اور موت کا کھیل کھیل رہا ہے اس سے ہندوستان کو بوسے بچایا جا سکتا ہے اور خون اس خودکشی سے بوسے اپنے کو بچا سکتا ہے ۹

پہلی جیلڈ کے پہلے حصے میں 'سراج' سماج واد اور سماج واد کی چرچا ہے۔ دوسرے میں اس بات کی چرچا ہے کہ جو شرم کرے وہی کھالے کا حقدار ہے۔ تیسرے میں آرٹھک برابری کا سدھانت پڑھ کر دیا گیا ہے۔ چوتھے میں پیدائشی امیروں کو بتایا گیا ہے کہ ان کی جائیداد ان کے پاس محض تھانی یا دھروہر کی شکل میں ہے، وہ اس کے مالک نہیں ہیں۔

دوسری جلد کے پہلے حصے میں مشیز اور ادیبوں کی چرچا ہے۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ زندگی میں مشیز کی مناسب جگہ کیا ہے۔ دوسرے میں سودیشی کی ویوچنا کی گئی ہے۔ تیسرے میں اہلادان کے سدروپ پر تفصیل میں بحث کی گئی ہے۔ چوتھے میں گلوں کے ادیبوں دھندوں کی مالک کے آرٹھک نظام میں مناسب جگہ انکی گئی ہے۔ پانچویں میں ہادی کے بنیادی پہلو اور وکینڈرت ادیبوں واد میں اس کی مہمیت کو دکھایا گیا ہے۔ چٹھویں میں دوسرے ہاتھ کے دھندوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتویں میں نمائشوں کو کس تعلق سے کرنا چاہئے اس پر وچار کیا گیا ہے۔

تیسری جلد کے پہلے حصے میں کم اور مزدوری کی چرچا ہے کہ کس طرح مزدور کی شوشن کو ختم کیا جا سکتا ہے؟ دوسرے میں مزدوری کے در پر بھس کی گئی ہے کہ کم-سے-کم مزدوری کتنی ہونی چاہیے جتنی کہ جیسے سے پٹ بھرا جا سکے اور انسان-انسان کی طرح رہ سکے۔ تیسرے میں کسانوں اور مزدوروں کے سنگٹن پر پرکاش ڈالا گیا ہے۔ چوتھے میں اہماداد کی مشہور مثال پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کے تحت خود گاندھی جی ہی تھے۔ پانچویں میں مثال اور پیمائش کی چرچا ہے۔ چٹھویں میں کسانوں اور زمینداروں کی چرچا ہے۔ ساتویں میں ادیبوں کی دیواروں کو کس طرح شانتی سے سلجھایا جا سکتا ہے اس کے اصول سمجھائے گئے ہیں۔

چوتھی جلد کے پہلے حصے میں محنت کے ساتھ ان جلدوں کا سہاواں کیا ہے۔ ہم پوچھیں پہلے انگ ہاؤس کو اڑھائی پڑھائی کے لئے بھائی دیتے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ راج نہتی اور مزدوروں کی تحریک میں دلچسپی لہلہ والے ہر کارہ کرنا اور دیہی بہت دیہوادیوں کو ان جلدوں کا گہر ادھن کرنا چاہئے۔ چھٹی جلدی سب بہت عمدہ ہے۔

پہلی جلد کے پہلے حصے میں 'سراج' سماج واد اور سماج واد کی چرچا ہے۔ دوسرے میں اس بات کی چرچا ہے کہ جو شرم کرے وہی کھالے کا حقدار ہے۔ تیسرے میں آرٹھک برابری کا سدھانت پڑھ کر دیا گیا ہے۔ چوتھے میں پیدائشی امیروں کو بتایا گیا ہے کہ ان کی جائیداد ان کے پاس محض تھانی یا دھروہر کی شکل میں ہے، وہ اس کے مالک نہیں ہیں۔

دوسری جلد کے پہلے حصے میں مشیز اور ادیبوں کی چرچا ہے۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ زندگی میں مشیز کی مناسب جگہ کیا ہے۔ دوسرے میں سودیشی کی ویوچنا کی گئی ہے۔ تیسرے میں اہلادان کے سدروپ پر تفصیل میں بحث کی گئی ہے۔ چوتھے میں گلوں کے ادیبوں دھندوں کی مالک کے آرٹھک نظام میں مناسب جگہ انکی گئی ہے۔ پانچویں میں ہادی کے بنیادی پہلو اور وکینڈرت ادیبوں واد میں اس کی مہمیت کو دکھایا گیا ہے۔ چٹھویں میں دوسرے ہاتھ کے دھندوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتویں میں نمائشوں کو کس تعلق سے کرنا چاہئے اس پر وچار کیا گیا ہے۔

تیسری جلد کے پہلے حصے میں کم اور مزدوری کی چرچا ہے کہ کس طرح مزدور کی شوشن کو ختم کیا جا سکتا ہے؟ دوسرے میں مزدوری کے در پر بھس کی گئی ہے کہ کم-سے-کم مزدوری کتنی ہونی چاہیے جتنی کہ جیسے سے پٹ بھرا جا سکے اور انسان-انسان کی طرح رہ سکے۔ تیسرے میں کسانوں اور مزدوروں کے سنگٹن پر پرکاش ڈالا گیا ہے۔ چوتھے میں اہماداد کی مشہور مثال پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کے تحت خود گاندھی جی ہی تھے۔ پانچویں میں مثال اور پیمائش کی چرچا ہے۔ چٹھویں میں کسانوں اور زمینداروں کی چرچا ہے۔ ساتویں میں ادیبوں کی دیواروں کو کس طرح شانتی سے سلجھایا جا سکتا ہے اس کے اصول سمجھائے گئے ہیں۔

چوتھی جلد کے پہلے حصے میں محنت کے ساتھ ان جلدوں کا سہاواں کیا ہے۔ ہم پوچھیں پہلے انگ ہاؤس کو اڑھائی پڑھائی کے لئے بھائی دیتے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ راج نہتی اور مزدوروں کی تحریک میں دلچسپی لہلہ والے ہر کارہ کرنا اور دیہی بہت دیہوادیوں کو ان جلدوں کا گہر ادھن کرنا چاہئے۔ چھٹی جلدی سب بہت عمدہ ہے۔

پہلی جلد کے پہلے حصے میں 'سراج' سماج واد اور سماج واد کی چرچا ہے۔ دوسرے میں اس بات کی چرچا ہے کہ جو شرم کرے وہی کھالے کا حقدار ہے۔ تیسرے میں آرٹھک برابری کا سدھانت پڑھ کر دیا گیا ہے۔ چوتھے میں پیدائشی امیروں کو بتایا گیا ہے کہ ان کی جائیداد ان کے پاس محض تھانی یا دھروہر کی شکل میں ہے، وہ اس کے مالک نہیں ہیں۔

کتابیں



کتابیں

ECONOMIC AND INDUSTRIAL LIFE AND RELATIONS, VOLS. (i), (ii) AND (iii)

اقتصادی اور صنعتی زندگی اور تعلقات، جلدوں (i)، (ii) اور (iii)۔
 پنڈت جی کے اقتصادی (صنعتی) اور औद्योगिक पहलुओं और कारखाने के मालिकों और मजदूरों के आपसी सम्बन्धों पर महात्मा गान्धी के लेखों, खतों, तक्ररीरों, उपदेशों और बातचीतों का संग्रह (मजमुआ). संग्रह-कार और सम्पादक—बी. बी. खेर; शायर करने वाले नवजीवन पब्लिशिंग हाउस अहमदाबाद; तीनों जिल्दों के दाम आठ रुपया.

महात्मा गान्धी न सिर्फ मुल्क के सियासी नेता थे बल्कि नई बुनियादों पर दुनिया की तामीर करने की तालीम देने वाले भी थे. पच्छिम ने यूरोप और अमरीका के मुल्कों और रियासतों में इस दर्जे कारखाने बनाये और इन कारखानों की पैदावार को इस क्रूर यकजाई (केन्द्रित) कर दिया कि मुल्कों की दौलत चन्द पूँजीपतियों के हाथों में इकट्ठा हो गई और अमीरों और गरीबों के बीच की खाई इतनी गहरी और चौड़ी हो गई और वह नफरत और आपसी कशमकश से इतनी भर गई कि उसने पच्छिमी सभ्यता और तहजीब की बुनियादों को ही जड़ से खोखला कर दिया. अमीर बेहद अमीर हो गये और गरीब बेहद गरीब हो गये. गरीबों के पेट खाली हो गये और अमीरों की पेटियाँ भर गई. पच्छिम ने उसका एक ही हल निकाला और वह हिंसात्मक समाजवाद. गान्धी जी ने तजवीज की कि इस हल के नतीजे में हम दो खौफनाक जंग देख चुके हैं और तीसरी जंग की जिस पैमाने पर तैयारियाँ हो रही हैं उससे मर्ज और मरीज दोनों ही खत्म हो जायेंगे. मर्ज को ठीक करने के लिए गान्धी जी का नुसखा था—अहिंसात्मक शासनीय. इसे कैसे दुनियाँ में क्रायम किया जाय, समाज को कैसे इस तरफ लाया जाय, बालब को कैसे त्याग में बदला जाय, नफरत के दरिया को कैसे सुहृन्त के सरचश्मे में बदला जाय, किन बुनियादों पर मजदूरों का संगठन किया जाय, अमीरों और गरीबों के फुर्क को मिटाकर कैसे समाज में बराबरी के रुतबे को क्रायम किया जाय, उत्पादन का किस तरह विकेन्द्रीकरण किया जाय और दुनिया की तहजीब को किस तरह हिंसा की बुनियादों से हटाकर अहिंसा की बुनियादों पर क्रायम किया जाय—इसकी तफसील आपको इन तीन जिल्दों के कड़ीब साठ खो सको में देखने को मिलेगी. इन जिल्दों को

ECONOMIC AND INDUSTRIAL LIFE AND RELATIONS, Vols. (i) (ii) AND (iii)

زندگی کے ارتھک (اقتصادی) اور اردیوگک پہاؤں اور کارخانے کے مالکوں اور مزدوروں کے آپسی سمبندھوں پر مہاتما گاندھی کے لکھوں، خطوں، تقریروں، اُبدیشوں اور بات چیتوں کا ملگرہ (مجموعہ)۔ ملگرہ کار اور سمبندھگری۔ وی۔ کھیر؛ نائٹ کرے والہ نوچھوں پبلشنگ ہاؤس احمدآباد؛ تہاوں جلدوں کے دام آٹھ روپے۔

مہاتما گاندھی نہ صرف ملک کے سیاسی نیتا تھے بلکہ نئی بنیادوں پر دنیا کی تعمیر کرنے کی تعلیم دینے والے بھی تھے۔ پچھم نے یورپ اور امریکہ کے ملکوں اور ریاستوں میں اس درجہ کارخانے بنائے اور ان کارخانوں کی پیداوار کو اس قدر یکجائی (کینڈرٹ) کر دیا کہ ملکوں کی دولت چند پونجی پتوں کے ہاتھوں میں اکٹھا ہو گئی اور اسیروں اور غریبوں کے بیچ کی ٹھانی اتلی گہری اور چوڑی ہو گئی اور وہ نفرت اور آپسی کشمکش سے اتنی بھر گئی کہ اُس نے پچھمی سہیتا اور تہذیب کی بنیادوں کو ہی جڑ سے تھکڑا کر دیا۔ اسیروں کے حد اور ٹٹے اور غریب بے حد غریب ہو گئے۔ غریبوں کے دوست خالی ہو گئے اور اسیروں کی دوستیاں بھر گئیں۔ پچھم نے اُس کا ایک ہی حل نکالا اور وہ ہمسائیک سماجواد۔ گاندھی جی نے تجویز کی کہ اس حال کے نتیجے میں ہم دو خوفناک جنگ دیکھ چکے ہیں اور تیسرے جنگ کی جس پیمانے پر تہاریاں ہو رہی ہیں اُس سے مرض اور مریض دونوں ہی ختم ہو جائیں گے۔ مرض کو تھاک نونے کے لئے گاندھی جی کا نسخہ تھا—اہیساتمک سوشلزم۔ اُسے کسے دنیا میں قائم کیا جائے، سماج کو کسے اس طرف لایا جائے، لالچ کو کسے تیاگ میں بدلا جائے، نفرت کے دریا کو کسے محبت کے سرچشمہ میں بدلا جائے، ان بنیادوں پر مزدوروں کا سنگتوں کیا جائے، اسیروں اور غریبوں کے فرق کو مٹا کر کسے سماج میں برابری کے رتے کو قائم کیا جائے، اُنہادین کا کس طرح کینڈرکون کیا جائے اور دنیا کی تہذیب کو کس طرح ہلسا کر بنیادوں سے ہٹا کر اہیساتمک بنیادوں پر قائم کیا جائے—اِس کی تفصیل آپ کو اِن تین جلدوں کے قریب آٹھ سو صفحوں میں دیکھنے کو ملے گی۔ اِن جلدوں کو

ان ٹوپیاؤں کے استعمال کا بھی عجیب حال ہوتا ہے۔ کوئی ان کو کسی کے خوف سے لگانا ہے تو کوئی ان کا ایہوک ڈالنی سے کرتا ہے۔ کوئی کسی پالیسی سے لگانا ہے تو کوئی ریاستی سے لہذا سیاسی ٹوپی ایک شے کی چیز ہو کر رہ گئی ہے اور 'اوشولس' کسی حال میں چھاپ اُس پر لگ گئی ہے اس لئے اُس کی پوزیشن کسی حال میں صاف نہیں رہی۔

یہ ٹوپیاں اور جھنڈیاں پرچار تو اپنا ادھک رکھتی ہیں سماچار سے ہی ادھک پڑتو سر پر دھتے ہوئے بھی اگر عزت نہ پاسکیں تو 'اچرچ'۔

لاکھوں ماشہ رنگ برنگ لپیل لگانے ہوئے ہیں اپنے سروں پر لیکن ہماری نظر اور انویو میں کتنے ہیں وہ سر نہ جو یہ لپیل ہیں زیادہ اُترا ایل ہیں۔

یہ ٹوپیاں اور جھنڈیاں پرچار تو اپنا ادھک رکھتی ہیں سماچار سے ہی ادھک پڑتو سر پر دھتے ہوئے بھی اگر عزت نہ پاسکیں تو 'اچرچ'۔

لاکھوں ماشہ رنگ برنگ لپیل لگانے ہوئے ہیں اپنے سروں پر لیکن ہماری نظر اور انویو میں کتنے ہیں وہ سر نہ جو یہ لپیل ہیں زیادہ اُترا ایل ہیں۔

لاکھوں ماشہ رنگ برنگ لپیل لگانے ہوئے ہیں اپنے سروں پر لیکن ہماری نظر اور انویو میں کتنے ہیں وہ سر نہ جو یہ لپیل ہیں زیادہ اُترا ایل ہیں۔

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 50.

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.
—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserve to be widely known.
—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.
—Blitz Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it
—Bharat Jyoti, Bombay,

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.
—Indian Express, Madras.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the lighty mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations or a tomorrow which is theirs.
—Vigil, Delhi

دیماروں کے اندر سیاسی سیرنگ پکڑی رہتی ہے اور سرپوشا ڈاکا رکھتا ہے خواب کی کچی دھجی پر—باغ بھلے اور نہی دے اچھا لگتی ہی آتا جاتے ہیں ڈکائی کھول کر، اور باغ جلی بھی نہیں ڈھونڈتے وہ سب سے ہو کر، جس کے نوجوان میں یا تو ان کے پیٹ میں دھڑکنے لگتا ہے یا بد-ہضمی ہو جاتی ہے۔ یہ سیاسی کے لیے نہایت خطرناک ہے جس کا سرمایہ جوری طرح بھگوانا پڑتا ہے نہ کیوں اس ایک وہابی کو

یہ 'سرپوشا' کرم-فروشی بھی ثابت ہوتے ہیں بعض سلسلہ۔ قوم فروشی کا سودا سودمند ثابت ہوتا ہے ان کے لئے۔ اس لئے وہ ٹوپیاں اپنی رنگین کٹی سے عالی شان ٹوپیاں بنانی ہیں بقیہ اپنی زندگی عیش آرام سے گزارنے کے لئے— آج ہمارے نظر میں بہت سی ایسی ٹوپیاں ہیں اور ان کی ہلتی ہوئی ٹوپیاں ہیں۔

یہ رنگ برنگ کی ٹوپیاں جیسے کشتیاں ہوں رنگین بادبان والی اور چل رہی ہوں جن کے سلسلہ پر وچار دھاروں کے سہارے سہارے۔

یا جیسے یہ ٹوپیاں سائز میں جیسے کمرشل لفافے پر رنگ میں گویا سیاسی اشارے۔

یہ ٹوپیاں اپنے اپنے رنگ میں سندھیں لٹ پھرتی ہیں ادھر سے ادھر۔

ہر ٹوپی نہایت رکھتی ہے اپنی اپنی اور پیغام اپنا اپنا۔ اسلئے یہ کہنا ٹھیک ہے کہ ہر ٹوپی پر چارک بھی ہے اور پرکاشک بھی، مگر کیونکہ ان کے رنگ یکہ اور دچن سچے نہیں اس لئے مار بھجاتی ہیں سیاست کے میدان میں اور آگرتی ہیں آہٹ میں سب کے چہروں میں۔

دیماری भावनाओं का असर टोपियों पर अवश्य पड़ता है। इसी का यह कारण होता है कि बाज टोपियाँ काली, बाज पीली और बाज लाल या सुफेद नजर आती हैं। ऊपर से जो भी उनके रंग हों पर भीतर से अकसर काली होती हैं और तास्सुब के वन पर जाले हाते हैं। इसलिये जा कुछ वह देखती हैं जालेदार आखों से।

जब किसी पार्टी का पार्टी से और नीति का नीति से विरोध होता है तो उसका आप से लाजमी तौर पर विचार बदलता है—ख्याल पलटता है। विचार और ख्याल बदलता है तो मार्ग भी बदलता है और मार्क भी। ऐसे ही हालत में सर टोपियाँ बदलते हैं और टोपियाँ सर बदलती हैं। बाज टोपियाँ "फिट सिर" न मिलने के कारण उड़ती फिरती हैं हवा में या अटकती रह जाती हैं स्मृतल कृष्ण में।

حاصلوں کے اندر سیاسی کھجری پکڑی رہتی ہے اور سرپوشا ڈاکا رکھتا ہے کھجری کی دھجی پر— باغ بھلے اور نہی دے اچھا لگتی ہی آتا جاتے ہیں ڈکائی کھول کر، اور باغ جلی بھی نہیں ڈھونڈتے وہ سب سے ہو کر، جس کے نوجوان میں یا تو ان کے پیٹ میں یا بد-ہضمی ہو جاتی ہے۔ یہ سیاسی کے لیے نہایت خطرناک ہے جس کا سرمایہ بھگوانا پڑتا ہے نہ کیوں اس ایک وہابی کو ہلتی ہوئی ٹوپیاں ہیں۔

یہ 'سرپوشا' قوم فروشی بھی ثابت ہوتے ہیں بعض سلسلہ۔ قوم فروشی کا سودا سودمند ثابت ہوتا ہے ان کے لئے۔ اس لئے وہ ٹوپیاں اپنی رنگین کٹی سے عالی شان ٹوپیاں بنانی ہیں بقیہ اپنی زندگی عیش آرام سے گزارنے کے لئے— آج ہمارے نظر میں بہت سی ایسی ٹوپیاں ہیں اور ان کی ہلتی ہوئی ٹوپیاں ہیں۔

یہ رنگ برنگ کی ٹوپیاں جیسے کشتیاں ہوں رنگین بادبان والی اور چل رہی ہوں جن کے سلسلہ پر وچار دھاروں کے سہارے سہارے۔

یا جیسے یہ ٹوپیاں سائز میں جیسے کمرشل لفافے پر رنگ میں گویا سیاسی اشارے۔

یہ ٹوپیاں اپنے اپنے رنگ میں سندھیں لٹ پھرتی ہیں ادھر سے ادھر۔

ہر ٹوپی نہایت رکھتی ہے اپنی اپنی اور پیغام اپنا اپنا۔ اسلئے یہ کہنا ٹھیک ہے کہ ہر ٹوپی پر چارک بھی ہے اور پرکاشک بھی، مگر کیونکہ ان کے رنگ یکہ اور دچن سچے نہیں اس لئے مار بھجاتی ہیں سیاست کے میدان میں اور آگرتی ہیں آہٹ میں سب کے چہروں میں۔

دیماری भावनाओं का असर टोपियों पर अवश्य पड़ता है। इसी का यह कारण होता है कि बाज टोपियाँ काली, बाज पीली और बाज लाल या सुफेद नजर आती हैं। ऊपर से जो भी उनके रंग हों पर भीतर से अकसर काली होती हैं और तास्सुब के वन पर जाले हाते हैं। इसलिये जा कुछ वह देखती हैं जालेदार आखों से।

जब किसी पार्टी का पार्टी से और नीति का नीति से विरोध होता है तो उसका आप से लाजमी तौर पर विचार बदलता है—ख्याल पलटता है। विचार और ख्याल बदलता है तो मार्ग भी बदलता है और मार्क भी। ऐसे ही हालत में सर टोपियाँ बदलते हैं और टोपियाँ सर बदलती हैं। बाज टोपियाँ "फिट सिर" न मिलने के कारण उड़ती फिरती हैं हवा में या अटकती रह जाती हैं स्मृतल कृष्ण में।

ہنسیکا کا भाव यह रखती है अपने बाप में.
तलवार की काट यह रखती है अपनी धार में.
जिवाल कत्ताल में खून की नदियाँ यह बहाती हैं.
अमन आराती में सुलह के करदरे यह उढ़ाती हैं.
वरगाह की कलसी पर हिलाल का परचम यह लहराती हैं.
बजरंगबलि की छतर पर हनुमान का निशान यह उढ़ाती हैं.
शासन के भवन पर इठला इठला के यह चलती हैं.
जनसंघ के संगठन से अखण्ड अखण्ड यह पुकारती हैं.
दलित के मन मन से दमन दमन यह चिल्लाती हैं.
सुर्ज कौश के मोचे से नारा इंकलाब का यह लगाती हैं.
एकता के संगम पे गङ्गा जमनी राग यह आलापती हैं.
प्रेम के मन्दिर पे धार्मिक भाव यह जगाती हैं.
पीपल के दरख्त पे हिन्दू मुसलिम किसान यह कराती हैं.

यदि 'विश्व शान्ति' के अन्दोलन इनके दम से चलते हैं तो 'विश्व युद्ध' के हंगामों में कब इनके लहराते हैं.

यह सब कुछ सही; इनकी तमाम रंगीनियाँ, विल-
बस्पियाँ और खूबसूरतियाँ अपनी जगह पर, लेकिन इस-
तकाल नहीं होता इनके मिजाज में. धैर्य नहीं होता इनके
स्वाभाव में—हवा का रुख देखकर यह अपना रुख फेरती हैं
और फिजा का रङ्ग भाँप कर यह अपना रंग बदलती हैं.
कितनी तलव्वन मिजाज होती हैं यह और कितनी हवा
परसव !

मंडियों और टोपियों का एक दूसरे से ऐसा ही सम्बन्ध
है जैसे हर रंग को रंग से निसबत, लेकिन जब हवा
साथ नहीं देती समय का तो हम देखते हैं रंग विरंग की
टोपियाँ उड़ती फिरती हैं पवन में या जलती नज़र आती हैं
अग्नि में.

जैसे किसी राज का सिक्का बाखू रहता है राज भर में,
इसी प्रकार राज-रंग की टोपियाँ परछाई होती हैं राज-
बलन की. जैसे किसी खोट के कारण या किसी नीति के
अनुसार सिक्का टकसाल बाहर हो जाता है, वैसे ही
टोपियाँ भी यथायक उड़ जाती हैं सरो से और दूसरी आ
बैठती हैं उनकी जगह.

टोपियाँ टक्कन का काम भी देती हैं. इसलिये इनको
सरपोरा भी कहा जा सकता है. सरपोरा बनकर यह बहुत
से बड़े-बड़े बेवकूफों की ऐब पोशी भी करती हैं और बहुत
से शासकों को नई-नई आफतों से बचाती हैं उनके पाप
ढाँककर.

यह रंगीन सरपोरा कितने खूबसूरत ऐब पोरा होते हैं
सबमुख. लेकिन इनके नीचे कितना गन्दा मादा परवरिश
पाया रहता है कभी-कभी. आखिर यह कि अन्दर ही अन्दर
फूटते-फूटते किसी भी बख्त वह फूट निकलता है और सारा
भेद खुल जाता है बदबू फैलकर.

انکلام کا ہوا یہ رکھتی ہیں اپنے چاؤ میں .
تلوار کی کاٹ یہ رکھتی ہیں اپنی دھار میں .
جدال کتال میں خون کی ندیاں یہ بہاتی ہیں .
امن آشتی میں صلح کے پیربرے یہ آڑتی ہیں .
درگاہ کی کافی پر ہلال کا پرچم یہ لہرائی ہیں .
بجورنگ بلی کی چھتری پر ہلوسان کا نشان یہ آڑتی ہیں .
شابس کے بھون پر اہلا اٹھ کے یہ چلتی ہیں .
جن سلم کے سنگھوں سے اٹھتے اٹھتے یہ پکارتی ہیں .
دلت کے من من سے دمن دمن یہ چلتی ہیں .
سرخ فوج کے مورچے سے نعرہ انقلاب کا یہ لگاتی ہیں .
ایکٹا کے ساکم یہ کٹکا چمکی راگ یہ الپتی ہیں .
پریم کے مندر پہ دھارمک ہواؤ یہ جگاتی ہیں .
پوپل کے درخت پہ ہندو مسلم فساد یہ کراہی ہیں .

ہی 'دشو شانتی' کے آندولن ان کے دم سے چلتے ہیں .
نو 'دشو بدھ' کے ہنگاموں میں جہاد ان کے لہراتے ہیں .

یہ سب کچھ سہی! ان کی تمام رنگیلیاں، دلچسپیاں اور
خوبصورتیاں اپنی جگہ پر، لیکن استقلال نہیں ہوتا ان کے
مزاج میں . دھیرہ نہیں ہوتا ان کے سربھاؤ میں—
ہوا کا رخ دیکھ کر یہ اپنا رخ پھرتی ہیں اور فضا کا رنگ بھانپ
کر یہ اپنا رنگ بدلتی ہیں . کتنی تلون مزاج ہوتی ہیں یہ
اور کتنی ہوا پرست !

جہادیں اور ٹوپوں کا ایک دوسرے سے ایسا ہی سمبندھ
ہے جیسے رنگ کو رنگ سے نسبت، لیکن جب ہوا ساتھ
نہیں دیتی سم سے تو ہم دیکھتے ہیں رنگ ہر رنگ کی ٹوپیاں
اڑتی پھرتی ہیں پون میں یا جلتی نظر آتی ہیں
اگنی میں .

جیسے کسی راج کا سکھ چالو رہتا ہے راج بھر میں، اسی
پرکار راج رنگ کی ٹوپیاں پرچھٹیں ہوتی ہیں راج چلن کی .
جیسے کسی کھوت کے کارن یا کسی نکلی کے انوسار سکھ ٹکسال باہر
ہو جاتا ہے ویسے ہی ٹوپیاں بھی یکایک اڑ جاتی ہیں سروں
سے اور دوسری آ بیٹھتی ہیں ان کی جگہ .

ٹوپیاں تھکن کا کام بھی دیتی ہیں . اس لئے ان کو
سربوہ بھی کہا جا سکتا ہے . سربوہ بن کر یہ بہت سے بڑے
بڑے بدوہوں کی عیب پوشی کرتی ہیں اور بہت سے
شاسکوں کو لٹی لٹی آفتوں سے بچاتی ہیں ان کے باپ
تھانک کر .

یہ رنگین سربوہ کتله خوبصورت عیب پوش ہوتے ہیں
سچ میں . لیکن ان کے نیچے کتلا کتلا مادہ پرورہ پانا رہتا
ہے کبھی کبھی . آخر یہ کتلا اندر ہی اندر پھولتے پھولتے کسی
بھی وقت پر پھوٹ نکلتا ہے اور سارا بیہوش نکل جاتا ہے
بندھ پھیل کر .

مڈیوں پہچان ہوتی ہے لیکن آواز رکھتی ہے
اپنی حرکت میں۔ اپنی حرکت سے وہ اپنا مطلب پرکھ کر دیتی ہے
اور لہجہ رنگ سادہ دیتی ہے۔ ان کے رنگ میں اظہار
ہوتا ہے جنگ کا بھی ہند ہوتا ہے امن کا بھی۔ ان کے ساتھ
تصویق ہوتی ہے انقلاب کی، ان کی سرپرستی میں تقریب ہوتی
ہے بدلتی کی، ہرکے کے مارے ان کے گہواروں میں ہوتے ہیں اور
خون کے دھارے ان کی لہروں میں بہتے ہیں۔ انسانی خون
سے یہ اپنا لہجہ رنگ دیتی ہے اور خون کا کرتا ان کا انقلاب کو
لہوتا دیتا ہے۔ ان کی مچھلی لہریں ہوا کو اپنا ہم نوا بناتی
ہیں اور لہجہ پہ آتے جاتے رنگ ان کو اپنا ہر رنگ کرتے
ہیں۔

مڈی کے رنگ سے شاसन کا ردوبدل ہوتا ہے۔ اور
ٹوپی کی بدلتا بدلتی سے नीति में تبदीلی آتی ہے (جیسی नीति
جیسی ٹوپی) جب विचार बदلتا और स्थाल पड़ता
ہے تو اسکا असर खोपड़ी पर पड़ता है۔ खोपड़ी से क्या
क्या गुल खिलते और मेद निकलते हैं वह सब इन टोपियों
का ही असर होता है, क्योंकि टोपियों को दिमाग से पका
हुआ साहा तैयार मिलता है۔

پارٹی کی नीति کا—مڈیوں اپنے ऊँचे स्थान से दुकम
बलाती और फरमान जारी करती हैं۔ सलाम करने वाले
मुक मुक जाते हैं उनके सम्मुख۔ नमस्कार करने वाले
कमान हो जाते हैं इनके सामने दरबार में۔

अलम-बरदार उनकी वफादारी का हलफ उठाते और
प्रण (पहद) करते हैं इताअत गुजारी का—वह उन सब को
अपनी सरपरस्ती में लेकर उनके पक्ष में अपनी राय
जताती हैं۔

मंडिया कभी हरकत करती हैं कभी साकित (खामोश)
रहती हैं। जब हरकत करती हैं तो जैसे साँप लहराते और
बल खाते हैं। अपनी हरकत से वह हरकत लाती हैं समाज
में और हवायें लाती हैं पहसास की अवाम में۔ जब खामोश
रहती हैं तो जैसे फिजा खामोश, जब चलती हैं तो चलती
ही चली जाती हैं पूरब से पच्छिम, फिर पलट कर दक्खिन
से उत्तर तक। जब चुप रहती हैं तो पता तक दम साध
जाता है उनकी एक चुप पर, लेकिन इनकी चुप में भी मस-
लहस होती है। वह अपनी चुप के बक्के में बहुत कुछ काम
कर लेती हैं चुपके चुपके۔

सलामती कौंसिल में लहरा कर वह अमन शान्ति की
नुमाइशगर्गी करती हैं मगर क्रान्ति से भी साजबाज रहती हैं।
पीस कान.फॅस में उड़ कर हवा अमन की यह बांधती
हैं पीस-मेकर बनकर۔

(UNO) यू.नो की फीजे लेकर यह आगे आगे जाती हैं
बीक-आफ़ री आर्मी होकर, समाज-सभा की स्थापना करके
मार्बना और धर्म के पाठ पढ़ाती हैं۔

جہلتی کے رنگ سے شامن کا رد و بدل ہوتا ہے۔ اور ٹوپی
کی بدلا بدلی سے نہتی میں تبدیلی آتی ہے (جیسی نہتی
وہی ٹوپی)۔ جب وچار بدلنا اور خیال پلٹنا ہے تو اس کا اثر
خوپڑی پر پڑتا ہے۔ خوپڑی سے کیا کیا گل کھاتے اور پھد نکلتے
ہیں وہ سب ان ٹوپوں کا ہی اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ ٹوپوں
کو دماغ سے پکا ہوا مادہ تیار ملتا ہے۔

پارٹی کی नीति کا—جہنڈیاں اپنے اونچی استھان سے حکم
چلاتی اور فرمان جاری کرتی ہیں۔ سلام کرنے والے جھک
جھک جاتے ہوں ان کے سامنے۔ ”نمستکار کرنے والے کمان
ہو جاتے ہیں ان کے سامنے دربار میں۔

علمداران کی وفاداری کا حلف اٹھاتے اور پرن (عهد)
کرتے ہیں اطاعت گذاری کا۔ وہ ان سب کو اپنی سرپرستی
میں لے کر ان کے پھس میں اپنی رائے جتاتی ہیں۔

جہنڈیاں کبھی حرکت کرتی ہیں کبھی ساکت (خاموش)
رہتی ہیں۔ جب حرکت کرتی ہیں تو جیسے سانپ لہراتے
اور بل کھاتے ہیں۔ اپنی حرکت سے وہ حرکت لاتی ہیں، سماج
میں اور ہوائیں لاتی ہیں احساس کی عوام میں۔ جب
خاموش رہتی ہیں تو جیسے فضا خاموش۔ جب چلتی ہیں
تو چلتی ہی چلی جاتی ہیں پورب سے پچھم تک اور پھر پلٹ
کر دکھن سے اتر تک۔

جب چپ رہتی ہیں تو پتا تک دم ساڈھ جاتا ہے ان
کی ایک چپ پر، لیکن ان کی چپ میں بھی مصلحت
ہوتی ہے۔ وہ اپنی چپ کے وقت میں بہت کچھ کام کر لیتی
ہیں چپکے چپکے۔

حکمتی کونسل میں لہرا کر یہ امن شانتی کی نمائندگی
کرتی ہیں مگر کرائی سے بھی سازباز رکھتی ہیں۔
پیس کانفرنسوں میں آ کر ہوا امن کی یہ باندھتی ہیں—
پیس میکر بن کر۔

(UNO) یو.نو کی فوجیں لے کر یہ آگے آگے جاتی ہیں
چنگ آف دو۔ اوسی ہو کر۔ سماج سپا کی استھانا کر
کے پرلہنا کرائی اور دھرم کے پاتھ پڑھاتی ہیں۔

(UNO) یو.نو کی فوجیں لے کر یہ آگے آگے جاتی ہیں
چنگ آف دو۔ اوسی ہو کر۔ سماج سپا کی استھانا کر
کے پرلہنا کرائی اور دھرم کے پاتھ پڑھاتی ہیں۔

توپیاں اور جہندیاں

شرعی عبدالعظیم انصاری

دونوں ترجمان ہوتے ہیں اپنے اپنے لکھن اور ست ے ۔

دونوں پیغام ہوتے ہیں اپنے اپنے سنگم اور من کے ۔

نہیں جب سر پر ہوتی ہیں تو کچھ لپٹی ہیں دماغ سے
اور کچھ دپٹی ہی ہیں دماغ کو ۔

دماغ اُن کے پردہ ہاؤ سے بہت سی چیزیں سونہکار کرتے ہیں اور توہیں کچھ پردہ ہاؤ اپنے بھرتی ہوئی ہیں دماغوں کے بہتر ۔ توہیں پارٹی پر بچے کا کام کرتی ہیں اپنے ارنچہ استہان سے ۔ توہیں نہتیاں رکھتی ہیں اپنی اپنی طرز اور رنگت میں جیسے چھتیاں کرانتیاں رکھتی ہیں اپنی اپنی لہر اور حرکت میں ۔ شبھس رنگ او شبھس قھنگ کی توہیاں اور چھتیاں نشانیاں ہوتی ہیں جو اپنی اپنی سمتہاؤں کی نمائندگی کرتی ہیں ۔ جن کے پلان اور پروگرام ویسے ہی الگ الگ ہوتے ہیں جیسے چہوت چہات کے استہان الگ الگ ۔ ایک کے استیج پر دوسرا نہیں جا سکتا ۔ دوسرے کی سہا میں دوسرا نہیں آ سکتا ۔ جو قومی سدھارکوں کے ”لفظی ایکٹا“ کے مرکز (کینڈر) ہوتے ہیں وہی سرل میں سیاسی چہوا چہوت کے سنگٹھن ہوتے ہیں ۔

جہانگیراں پریم اور ایکٹا کا پیغام دیتی ہیں ملی جلی سبھا
میں، دلی تھندی اور شانت پورن ہوتی ہے اُن کی وہ شہل
چاہیا اور پریم سبھا۔ ظاہر میں کتنی اچھی ہوتی ہیں وہ پریم
لہری چہانگیراں اور دلکھی اُن کی رنگہنیاں۔

یہ ایکٹا کا سنگتوں رجائی ہیں اور میل سلاپ کا سنگم بناتی
 ہیں۔ یہی اپنے قاتے ہانے سے قومی جامعے تیار کرتی ہیں۔ لیکن
 قوم کا شعراۃ بھی یہی بکھرنی ہیں اور ایکٹا کا دامن بھی یہی
 نوجوانی ہیں۔ فرقہ واری کی آگ بھی یہی بجھانی میں لیکن
 اپنے دامن سے ہوا دیگر آگ کو بھڑکانے بھی یہی ہیں۔ مخالف
 ہوائی بوئپ یہ روکتی نہیں لیکن ۔۔۔ وہی یہی کرتی ہیں
 ہوا کا، اور رخ بھی اُس کا یہی پبدرتی ہوں۔ یہ دی ہی آگ پر
 پھونک مارتی، میں لیکن سنگی آگ پر خاک بھی یہ ڈالتی
 ہوں۔ سنگتوں یہ بناتی اور بگڑتی ہوں۔ هلچل پہ مچائی اور
 دہاتی ہیں۔ پر شک چونکہ دورخی ان کی بالاسی ہوتی ہے اور
 دو طرفہ ان کا رخ' کدھر کچھ تو کدھر کچھ' کہی کچھ تو
 کہی کچھ۔

अनेकता में एकता यानी कसरत में बहुदत्त

की देखी मानी जाती है। शिव का विवाह गौरी काली से हुआ। गौरी का अर्थ है सफेद और काली का अर्थ है काली। गौरी प्रेम को जाहिर करती है और काली नफरत को। इन दोनों की क्रिया और प्रतिक्रिया से ही सृष्टि का अन्त होता है। इस तरह भारत के पुराणों में इस विश्व के सारे फैलाव को कहानियों के रूप में समझाया गया है, ताकि कम समझ आदमी भी आसानी से समझ सके। इस ढंग से उसमें ऐसी बातें भी कह दी गई हैं जिन्हें ठीक ठीक समझने के लिये बड़ी व्याख्या की जरूरत है।

इसी तरह शरीर विद्या (फिजियोलोजी) का हाल है जिसमें वैद्यक विद्या (इल्मेतिब), इल्मे सेहत, दिन और रात का बनना, मौसमों का बनना, नसलों की पैदाइश, कफ, वात और पित्त सब अपनी अपनी जगह आ जाते हैं।

इसी तरह रोगों (पैथालोजी) का हाल है। रोग भी तीन तरह के होते हैं—शरीर के रोग, मन के रोग और जीवनी शक्ति के रोग। इसमें भी शक नहीं कि यह सब अलग अलग चीजों एक दूसरे में रली मिली हुई हैं। हम कह चुके हैं कि कुदरत में कोई ऐसी लकीरे या दीवारे हैं ही नहीं जो एक चीज को दूसरी चीज से या एक क्रिस्म की चीजों को दूसरी क्रिस्म की चीजों से अलग करती हों। हकीकत एक अथाह और बेपाया, बे किनार समन्दर है जिसमें हम सब बुल-बुलों की तरह बनते और बिगड़ते और फिर बनते और बिगड़ते रहते हैं। कड़े से कड़े रंग कूबने इरादी से, मन की अवस्थाओं से अच्छे किये जा सकते हैं और सूक्ष्म से सूक्ष्म मानसिक विचार जड़ औषधियों द्वारा बदले जा सकते हैं।

इनसाइक्लोपीडिया ब्रीटेनिका में प्राणीशास्त्र (जुआलोजी) पर निबन्ध इस सम्बन्ध में पढ़ने योग्य है। सब जगह वही तीन के जाड़े और वही अनेकता में एकता यानी कसरत में बहुदत्त।

अनेकता में एकता यानी कसरत में बहुदत्त

की देखी मानी जाती है। शिव का विवाह गौरी काली से हुआ। गौरी का अर्थ है सफेद और काली का अर्थ है काली। गौरी प्रेम को जाहिर करती है और काली नफरत को। इन दोनों की क्रिया और प्रतिक्रिया से ही सृष्टि का अन्त होता है। इस तरह भारत के पुराणों में इस विश्व के सारे फैलाव को कहानियों के रूप में समझाया गया है, ताकि कम समझ आदमी भी आसानी से समझ सके। इस ढंग से उसमें ऐसी बातें भी कह दी गई हैं जिन्हें ठीक ठीक समझने के लिये बड़ी व्याख्या की जरूरत है।

इसी तरह शरीर विद्या (फिजियोलोजी) का हाल है जिसमें वैद्यक विद्या (इल्मेतिब), इल्मे सेहत, दिन और रात का बनना, मौसमों का बनना, नसलों की पैदाइश, कफ, वात और पित्त सब अपनी अपनी जगह आ जाते हैं।

इसी तरह रोगों (पैथालोजी) का हाल है। रोग भी तीन तरह के होते हैं—शरीर के रोग, मन के रोग और जीवनी शक्ति के रोग। इसमें भी शक नहीं कि यह सब अलग अलग चीजों एक दूसरे में रली मिली हुई हैं। हम कह चुके हैं कि कुदरत में कोई ऐसी लकीरे या दीवारे हैं ही नहीं जो एक चीज को दूसरी चीज से या एक क्रिस्म की चीजों को दूसरी क्रिस्म की चीजों से अलग करती हों। हकीकत एक अथाह और बेपाया, बे किनार समन्दर है जिसमें हम सब बुल-बुलों की तरह बनते और बिगड़ते और फिर बनते और बिगड़ते रहते हैं। कड़े से कड़े रंग कूबने इरादी से, मन की अवस्थाओं से अच्छे किये जा सकते हैं और सूक्ष्म से सूक्ष्म मानसिक विचार जड़ औषधियों द्वारा बदले जा सकते हैं।

इनसाइक्लोपीडिया ब्रीटेनिका में प्राणीशास्त्र (जुआलोजी) पर निबन्ध इस सम्बन्ध में पढ़ने योग्य है। सब जगह वही तीन के जाड़े और वही अनेकता में एकता यानी कसरत में बहुदत्त।

اور کارخانہ شریک کہا جاتا ہے اور جنہیں عیسائی سنت سلیمت والے 'ہائی' سول اینڈ اسٹریٹ کے نام سے پکارا ہے۔ ان تینوں کا ایک دوسرے سے لانا ایک الگ اور دوسرا دھم ہے۔

ملونٹر دیا یعنی اینٹھراپالوجی کے اندر ہم چت دیا (سائیکالوجی) دیہ و دیہ (فزیالوجی) اور سماج شاستر (سوشیالوجی) تینوں کو شامل کر سکتے ہیں۔ یہی تین انا، فہر انا اور ان دونوں کا میل ہے۔ یہی مائڈ، مہتر اور لائف یعنی چوین، اچوین اور پراں ہیں۔

اسی طرح چکر پورا کر کے ہم پھر انہیں اصولوں پر آجاتے ہیں۔ ہمارا گیان (علم) اور ہمارا انہر (تجربہ) جتنا بڑھتا جاتا ہے اور ہماری اندر کی شکلیں جتنی جتنی کھلتی جاتی ہیں اتنا اتنا ہی جن چیزوں کو ہم دور اور نکما سمجھتے تھے انہیں نزدیک اور کام کا سمجھنے لگتے ہیں۔ نجی سوارتھ اور خود غرضی کی نگاہ سے یہی چیزیں دنیاوی سکھ سوکھ کو بڑھانے والی ثابت ہوتی ہیں اور تباہی اور حقیقی شانتی کی نگاہ سے یہی چیزیں ہمیں سب کے ساتھ ہماری ایکٹا دہلا کر لوک سنگھ یعنی خدمت خلق میں زیادہ سے زیادہ مدد دینے والی بن جاتی ہیں۔

انہاس (تاریخ) میں تین چیزیں خاص ہوتی ہیں۔ ایک تھی وار حالات جسے کرائالوجی کہتے ہیں جس کا سبب کال یعنی سم سے ہے۔ دوسرے یوگول یعنی جھوکرپی جس کا سبب دیہی اور چمہ سے ہے۔ تیسرے گھٹناؤں کا بیان یعنی نریٹو جو انہاس کا مہمہ انگ ہے جس کا سبب گئی یعنی حرکت سے ہے۔ یہ تینوں بھی اسی شکتی کے کارنامے ہیں جو انہی ہی سب کچھ کر سکتی ہے اور جس کے بنا نہیں کچھ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ انہیں ارتھوں میں ابشور الاء کو سرورسکومان، قادر مطلق یا 'آل مائیٹی' کہا جاتا ہے۔

بدی ہم انہاس کو دھیان سے دیکھیں تو انہاس کے یہی تین روپ گوری، کالی، اور شکتی کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے ذریعہ دنیا کے سب پدارتھ، سب جاندار، سب راشٹر، قومیں، نسلیں اور سہیڈائیں پیدا کرتی ہیں، بڑھتی ہیں اور گر کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انہیں تینوں طاقتوں کو برہما، وشنو اور شو یا رورنناموں سے پکارا گیا ہے۔ یہی تین نام تینوں گنوں رحس، ستو اور تمس کو ظاہر کرتے ہیں۔ برہما کا وبواہ، 'سرسوتی' سے ہوا جو گیان کی دیوی۔ مانی جاتی ہے، کیونکہ کرم بنا تھان نے لکھلے ہے اور گیان بنا کرم کے خطرناک۔ وشنو کا وبواہ لکشمی سے ہوا جو دھن اور سکھ سوکھ

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ اُچل کی سائنس کے اُنوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وہوہابی، یان یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پران یا جان کو مائیکروس بھی کہا جاتا ہے۔

یہی وہ اچھا شکتی، وہ قوت ارادی یعنی روح کل کی ظہور میں آئے گی وہ اچھا ہے جس کی بابت اینسٹائن نے کہا ہے۔ "میں ایک ہوں اور بہت ہو جاؤں۔" اسلام میں اسی کو اللہ کے ساتھ سے "ہو جا" کہا جاتا ہے۔ یہ ویاہک اچھا شکتی ہے، گمان شکتی، بدھی شکتی یا سائنس شکتی کے ذریعہ کام کرتی ہے۔ یہی وشوکی کہا شکتی ہے۔ قدرت کی ساری شکتیاں اسی کے اندر سمائی ہوئی ہیں اور اسی سے کام کر رہی ہیں۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ اُچل کی سائنس کے اُنوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وہوہابی، یان یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پران یا جان کو مائیکروس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ اُچل کی سائنس کے اُنوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وہوہابی، یان یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پران یا جان کو مائیکروس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ اُچل کی سائنس کے اُنوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وہوہابی، یان یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پران یا جان کو مائیکروس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ اُچل کی سائنس کے اُنوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وہوہابی، یان یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پران یا جان کو مائیکروس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ اُچل کی سائنس کے اُنوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وہوہابی، یان یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پران یا جان کو مائیکروس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ اُچل کی سائنس کے اُنوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وہوہابی، یان یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پران یا جان کو مائیکروس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ اُچل کی سائنس کے اُنوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وہوہابی، یان یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پران یا جان کو مائیکروس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ اُچل کی سائنس کے اُنوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وہوہابی، یان یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پران یا جان کو مائیکروس بھی کہا جاتا ہے۔

ایک دوسرے کے ساتھ خلتا خلتا ہوتی رہی ہیں۔ سبھی بات یہ ہے اور ہم شہدائے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب شریکِ نجات ہیں اور آتما کی نجات سے دونوں نگاہوں سے ایک دوسرے کا انگ ہیں اور ایک ہیں، پھر بھی ہر ایک اپنا الگ سائیکس وجود بھی رکھتا ہے۔ اسی کا نام ایکٹا میں انوکھا یعنی وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت ہے۔

انجیل میں لکھا ہے:—”ایشریہ قانون کے अनुसार سب چیزیں ایک دوسرے کے وجود میں مل جاتی ہیں۔“ کرن صاف ہے کیونکہ سب ایک ہی چھتے کی کلہا سے پیدا ہوئی ہیں اور اسی ایک کلہا کے انگ ہیں۔ وہ سب جگہ، حافظہ، ناظر، سروپاگ، سرو شکتیمان، روح کل، سب کو سب کے اندر ایک ٹہ ہوئے ہیں۔ یورپ کے مشہور سائنسدان ڈاکٹر ایلیکسس نیول نے اپنی پستک ”مہن دی انہوں“ میں اِس سچائی کو سائنس کے شہدوں اور سائنس کے طریقے سے بڑی سندرتا کے ساتھ بیان کیا اور سمجھایا ہے۔

یہی کارہا ہے کہ آدمی کے دل میں اِس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اِس پہلکتا میں ایکٹا کو دیکھ سکے۔ اِسی لئے سائنس پرورنی کی سب شکتیوں کو اپنے ادھیکار میں لائے کی کوششیں ہیں لگی رہتی ہیں۔ اِسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اِسی ایکٹا کو سائنس کے نرے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکٹا کو سائنس کرنے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

یہی کارہا ہے کہ آدمی کے دل میں اِس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اِس پہلکتا میں ایکٹا کو دیکھ سکے۔ اِسی لئے سائنس پرورنی کی سب شکتیوں کو اپنے ادھیکار میں لائے کی کوششیں ہیں لگی رہتی ہیں۔ اِسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اِسی ایکٹا کو سائنس کے نرے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکٹا کو سائنس کرنے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

یہی کارہا ہے کہ آدمی کے دل میں اِس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اِس پہلکتا میں ایکٹا کو دیکھ سکے۔ اِسی لئے سائنس پرورنی کی سب شکتیوں کو اپنے ادھیکار میں لائے کی کوششیں ہیں لگی رہتی ہیں۔ اِسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اِسی ایکٹا کو سائنس کے نرے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکٹا کو سائنس کرنے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

انجیل میں لکھا ہے:—”ایشریہ قانون کے अनुसार سب چیزیں ایک دوسرے کے وجود میں مل جاتی ہیں۔“ کرن صاف ہے کیونکہ سب ایک ہی چھتے کی کلہا سے پیدا ہوئی ہیں اور اسی ایک کلہا کے انگ ہیں۔ وہ سب جگہ، حافظہ، ناظر، سروپاگ، سرو شکتیمان، روح کل، سب کو سب کے اندر ایک ٹہ ہوئے ہیں۔ یورپ کے مشہور سائنسدان ڈاکٹر ایلیکسس نیول نے اپنی پستک ”مہن دی انہوں“ میں اِس سچائی کو سائنس کے شہدوں اور سائنس کے طریقے سے بڑی سندرتا کے ساتھ بیان کیا اور سمجھایا ہے۔

یہی کارہا ہے کہ آدمی کے دل میں اِس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اِس پہلکتا میں ایکٹا کو دیکھ سکے۔ اِسی لئے سائنس پرورنی کی سب شکتیوں کو اپنے ادھیکار میں لائے کی کوششیں ہیں لگی رہتی ہیں۔ اِسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اِسی ایکٹا کو سائنس کے نرے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکٹا کو سائنس کرنے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

یہی کارہا ہے کہ آدمی کے دل میں اِس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اِس پہلکتا میں ایکٹا کو دیکھ سکے۔ اِسی لئے سائنس پرورنی کی سب شکتیوں کو اپنے ادھیکار میں لائے کی کوششیں ہیں لگی رہتی ہیں۔ اِسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اِسی ایکٹا کو سائنس کے نرے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکٹا کو سائنس کرنے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

یہی کارہا ہے کہ آدمی کے دل میں اِس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اِس پہلکتا میں ایکٹا کو دیکھ سکے۔ اِسی لئے سائنس پرورنی کی سب شکتیوں کو اپنے ادھیکار میں لائے کی کوششیں ہیں لگی رہتی ہیں۔ اِسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اِسی ایکٹا کو سائنس کے نرے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکٹا کو سائنس کرنے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

یہی کارہا ہے کہ آدمی کے دل میں اِس بات کی زبردست اور گہری لگن ہے کہ وہ اِس پہلکتا میں ایکٹا کو دیکھ سکے۔ اِسی لئے سائنس پرورنی کی سب شکتیوں کو اپنے ادھیکار میں لائے کی کوششیں ہیں لگی رہتی ہیں۔ اِسی لئے مانو سماج دھرم دھرم اِسی ایکٹا کو سائنس کے نرے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکٹا کو سائنس کرنے میں ہی سرو شکتی مٹا کا دھرم یعنی قدرت کل کا راز چھپا ہوا ہے۔

भागवत में और योग वासिष्ठ में लिखा है कि—“सब चीजों, हर जगह, हर तरह से और हर समय मौजूद हैं।” योग भाष्य में लिखा है—“सब में सब की आत्मा हैं, सब में सब के सब गुण मौजूद हैं।” मराठूर साइन्सदाँ जीन्स लिखता है—“हर इलेक्ट्रान सारे विश्व भर में फैला हुआ है।” एक दूसरा साइन्सदाँ ड. ऐलेक्सस कैरब लिखता है—“मनुष्य का आपा सब जगह यानी सारे विश्व में फैला है।” योग वासिष्ठ में लिखा है—“अणु दुनियाओं में हैं और दुनियाएँ अणुओं में हैं।”

इस बुनियादी सचाई के हाते हुए भी हम चीजों को अलग अलग नाम दे लेते हैं। यह नाम हम हर चीज के किसी न किसी अलग गुण या उसका किसी न किसी खास सिफ़त के कारण देकर अपना काम चलाते हैं। न्याय शास्त्र में, योग वासिष्ठ में और ब्रह्म सूत्रों में इस बात को बहुत अच्छी तरह खोल कर और विस्तार के साथ बयान किया गया है।

दुनिया के सब नाम रूप आदमी ने अपनी आसानी के लिये गढ़े हैं। इन नाम रूपों पर ही सब साइन्सों की बुनियादें हैं। नहीं तो कुदरत में सब एक है, सब रोशनीयों की किरनें एक दूसरे में मिली हुई हैं। शबनम (ओस) की बूँद के अन्दर आफ़ताब (सूर्य) मौजूद है और शबनम की बूँद आफ़ताब के धधकते हुए गोले के अन्दर मौजूद है मैं जब उत्तरी ध्रुव और दक्खिनी ध्रुव यानी कुतुब शुमाली और कुतुब जनुबी की बात करता हूँ तो वह मेरे मन के अन्दर हांते हैं और मेरा मन उनमें मौजूद होता है। यह अनन्त आकाश और उसके अन्दर अरबों खरबों और शंखों सितारों और सैयारों सब मेरी छांटी सी आँख के अन्दर हैं और इन सब में भी सब का देखने वालों की आँखें मौजूद हैं। बेतार क रेडियो ने साबित कर दिया है कि सब आवाजें, सब जगह से उठन वाली सब जगह सुनी जा सकती हैं और सब जगह मौजूद हैं। जा सितारों और सैयारों एक दूसरे से कराँकों और अरबों मील की दूरी पर हैं उन सब पर रोशनी की किरनों के द्वारा बराबर एक दूसरे का अक्स पड़ता रहता है। हमारे शरीर के सब तन्तु हमारे खून के जरिए एक दूसरे से मिले रहते हैं। हर छोटे से छाटे ऐटम की हर हरकत विश्व भर की अनगिनत हरकतों का नतीजा होती है और वह खुद अपने द्वारा अनगिनत हरकतों को जन्म देती है। हर मनुष्य अनगिनत पुरखों की औलाद हाता है और उसी तरह अनगिनत मनुष्यों का पुरखा हाता है। यदि हम दुनिया के मनुष्यों के सब पिछले रिश्तों का पता लगा सकें तो हमें मालूम होगा कि हर मनुष्य दुनिया भर के बाक़ी सब मनुष्यों के साथ खून के रिश्ते से जुड़ा हुआ है। इनसान की सारी नसलें बराबर

बिनाक़त में और योग वासिष्ठ में लिखा है कि—“सब चीजों, हर जगह, हर तरह से और हर समय मौजूद हैं।” योग भाष्य में लिखा है—“सब में सब की आत्मा हैं, सब में सब के सब गुण मौजूद हैं।” मराठूर साइन्सदाँ जीन्स लिखता है—“हर इलेक्ट्रान सारे विश्व भर में फैला हुआ है।” एक दूसरा साइन्सदाँ ड. ऐलेक्सस कैरब लिखता है—“मनुष्य का आपा सब जगह यानी सारे विश्व में फैला है।” योग वासिष्ठ में लिखा है—“अणु दुनियाओं में हैं और दुनियाएँ अणुओं में हैं।”

इस बुनियादी सचाई के हाते हुए भी हम चीजों को अलग अलग नाम दे लेते हैं। यह नाम हम हर चीज के किसी न किसी अलग गुण या उसका किसी न किसी खास सिफ़त के कारण देकर अपना काम चलाते हैं। न्याय शास्त्र में, योग वासिष्ठ में और ब्रह्म सूत्रों में इस बात को बहुत अच्छी तरह खोल कर और विस्तार के साथ बयान किया गया है।

दुनिया के सब नाम रूप आदमी ने अपनी आसानी के लिये गढ़े हैं। इन नाम रूपों पर ही सब साइन्सों की बुनियादें हैं। नहीं तो कुदरत में सब एक है, सब रोशनीयों की किरनें एक दूसरे में मिली हुई हैं। शबनम (ओस) की बूँद के अन्दर आफ़ताब (सूर्य) मौजूद है और शबनम की बूँद आफ़ताब के धधकते हुए गोले के अन्दर मौजूद है मैं जब उत्तरी ध्रुव और दक्खिनी ध्रुव यानी कुतुब शुमाली और कुतुब जनुबी की बात करता हूँ तो वह मेरे मन के अन्दर हांते हैं और मेरा मन उनमें मौजूद होता है। यह अनन्त आकाश और उसके अन्दर अरबों खरबों और शंखों सितारों और सैयारों सब मेरी छांटी सी आँख के अन्दर हैं और इन सब में भी सब का देखने वालों की आँखें मौजूद हैं। बेतार क रेडियो ने साबित कर दिया है कि सब आवाजें, सब जगह से उठन वाली सब जगह सुनी जा सकती हैं और सब जगह मौजूद हैं। जा सितारों और सैयारों एक दूसरे से कराँकों और अरबों मील की दूरी पर हैं उन सब पर रोशनी की किरनों के द्वारा बराबर एक दूसरे का अक्स पड़ता रहता है। हमारे शरीर के सब तन्तु हमारे खून के जरिए एक दूसरे से मिले रहते हैं। हर छोटे से छाटे ऐटम की हर हरकत विश्व भर की अनगिनत हरकतों का नतीजा होती है और वह खुद अपने द्वारा अनगिनत हरकतों को जन्म देती है। हर मनुष्य अनगिनत पुरखों की औलाद हाता है और उसी तरह अनगिनत मनुष्यों का पुरखा हाता है। यदि हम दुनिया के मनुष्यों के सब पिछले रिश्तों का पता लगा सकें तो हमें मालूम होगा कि हर मनुष्य दुनिया भर के बाक़ी सब मनुष्यों के साथ खून के रिश्ते से जुड़ा हुआ है। इनसान की सारी नसलें बराबर

یانی ساؤنڈ، روشانی یانی لائٹ، گرمی یانی ہیٹ، بیجلی (ایلیکٹریسیٹی)، اور ترہ ترہ کی کیرن (رے) اور ان سے سمبندھ رکھنے والی دہائیں آجانی ہیں۔ انٹ میں جا کر ان سب کا سمبندھ ودرت یعنی بیجلی سے بتایا جاتا ہے۔ الو یعنی ایتھ کی بابت ابھی تک یورپ کے ودوانوں میں ایک الگ وچار ہیں۔ کوئی اسے ایک چھوٹی سی چوٹی مادی یعنی ٹھوس چیز سمجھتے ہیں اور کوئی کہول ایک لہر (ویو) یا شکتی (انرجی) بتاتے ہیں۔ ایسے ہی دو وچار روشنی کے بارے میں بھی رہ چکے ہیں۔ تیسرے حصے میں چوتھیں شاستر ہے جسے انگریزی میں ایسٹرا نومی کہتے ہیں۔ اس تیسرے حصے میں بھی اوپر کے دونوں آکار ایک طرح سے مل جاتے ہیں۔ اس میں سب براہماندوں یعنی آکھ کے گولوں، انٹ سورپوں، ستاروں، سیاروں سورہ جگتوں، آسمانوں کا ہلنا، چکر کاٹنا، ان کے آپس کے رشتہ اور ایک دوسرے پر ان کے اثر، ہماری زمین کے رشتہ والوں پر ان کے اثر سب آجاتے ہیں۔

اس نگاہ سے چوتھیں کے درہاگ ہو گئے ہیں۔ ایک گنیت یعنی معمولی ایسٹرا نومی اور دوسرا پھلت یعنی الہسٹرا لوجی۔ انہیں دونوں کو نجم بھی کہتے ہیں۔ ان کا سمبندھ ہماری دھرتی کی بناوٹ، ہماری سمے کے دیہاگوں، ہمارے من کی حالتوں اور ہماری دھرتی کے اندر کی دھاتوں، ہمارے موسموں، ہمارے جوار بھاگوں، ہمارے سموم و طوفانوں جنہیں انگریزی میں Simooms and Typhoons کہتے ہیں، ہمارے زلزلوں، طرح طرح کے جوروں، ونسپٹیوں اور انسانی قوموں کی پیداوٹوں وغیرہ سے بھی بالکل صاف ہے۔ اس پر ہمارے چوتھی پانچ سال، سات سال، بارہ سال، چھتیس سال، سو سال، بارہ سو سال، چھتیس سو سال، چار ہزار تین سو بیس سال وغیرہ کے یک بنا لیتے ہیں۔ ان سب کا سمبندھ ان اردوں گہروں دنیاؤں سے ہے جہ جہ چوتھیں کا وشیفے ہے۔

یہ بات بھی صاف سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں اور سب سائنسوں ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔ اگر ایٹموں سے دنیا نہیں بنی تو ہر ایتھ کے اندر سب دنیاؤں موجود ہیں۔ بڑے درخت میں بیج اور بیج میں دوسرا درخت موجود ہے۔ رے سے ہوا اور چھوٹے سے چھوٹا دونوں بے انت ہیں۔ چکھ، سمے اور حرکت یعنی ایٹمیں، قائم اور موٹن سب درشتا یعنی آنا کے من کی حالتیں ہیں۔ ان سب کا استکو سائنس یعنی بیجلی ایک دوسرے کے سمبندھ سے ہے۔ دوربین کو اگر ہم دھیان سے دیکھیں، چلتی ریل کو پاس سے گزرتے ہو کر اور پھر دور ہلے سے گزرتے ہو کر دیکھیں تو یہ بات صاف سمجھ میں آجانی ہے۔ ہم اپنے سپنوں اور گہری نیند پر نگاہ ڈالیں تب بھی ہم اسے سمجھ سکتے ہیں۔

یہ بات بھی صاف سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں اور سب سائنسوں ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔ اگر ایٹموں سے دنیا نہیں بنی تو ہر ایتھ کے اندر سب دنیاؤں موجود ہیں۔ بڑے درخت میں بیج اور بیج میں دوسرا درخت موجود ہے۔ رے سے ہوا اور چھوٹے سے چھوٹا دونوں بے انت ہیں۔ چکھ، سمے اور حرکت یعنی ایٹمیں، قائم اور موٹن سب درشتا یعنی آنا کے من کی حالتیں ہیں۔ ان سب کا استکو سائنس یعنی بیجلی ایک دوسرے کے سمبندھ سے ہے۔ دوربین کو اگر ہم دھیان سے دیکھیں، چلتی ریل کو پاس سے گزرتے ہو کر اور پھر دور ہلے سے گزرتے ہو کر دیکھیں تو یہ بات صاف سمجھ میں آجانی ہے۔ ہم اپنے سپنوں اور گہری نیند پر نگاہ ڈالیں تب بھی ہم اسے سمجھ سکتے ہیں۔

یہ بات بھی صاف سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں اور سب سائنسوں ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔ اگر ایٹموں سے دنیا نہیں بنی تو ہر ایتھ کے اندر سب دنیاؤں موجود ہیں۔ بڑے درخت میں بیج اور بیج میں دوسرا درخت موجود ہے۔ رے سے ہوا اور چھوٹے سے چھوٹا دونوں بے انت ہیں۔ چکھ، سمے اور حرکت یعنی ایٹمیں، قائم اور موٹن سب درشتا یعنی آنا کے من کی حالتیں ہیں۔ ان سب کا استکو سائنس یعنی بیجلی ایک دوسرے کے سمبندھ سے ہے۔ دوربین کو اگر ہم دھیان سے دیکھیں، چلتی ریل کو پاس سے گزرتے ہو کر اور پھر دور ہلے سے گزرتے ہو کر دیکھیں تو یہ بات صاف سمجھ میں آجانی ہے۔ ہم اپنے سپنوں اور گہری نیند پر نگاہ ڈالیں تب بھی ہم اسے سمجھ سکتے ہیں۔

یہ بات بھی صاف سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں اور سب سائنسوں ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔ اگر ایٹموں سے دنیا نہیں بنی تو ہر ایتھ کے اندر سب دنیاؤں موجود ہیں۔ بڑے درخت میں بیج اور بیج میں دوسرا درخت موجود ہے۔ رے سے ہوا اور چھوٹے سے چھوٹا دونوں بے انت ہیں۔ چکھ، سمے اور حرکت یعنی ایٹمیں، قائم اور موٹن سب درشتا یعنی آنا کے من کی حالتیں ہیں۔ ان سب کا استکو سائنس یعنی بیجلی ایک دوسرے کے سمبندھ سے ہے۔ دوربین کو اگر ہم دھیان سے دیکھیں، چلتی ریل کو پاس سے گزرتے ہو کر اور پھر دور ہلے سے گزرتے ہو کر دیکھیں تو یہ بات صاف سمجھ میں آجانی ہے۔ ہم اپنے سپنوں اور گہری نیند پر نگاہ ڈالیں تب بھی ہم اسے سمجھ سکتے ہیں۔

پھر کہیں اس مادی دنیا، اس مادی جگہ کی نیماہ سے بھی بھر ہمارے دماغ سے کہیں تو ہمارے سب کی اور ایک اور بات، سب ایک دوسرے میں مل جاتے ہوں۔ سب ایک دوسرے کے اندر نہ کوئی الگ نسل ہے اور نہ کوئی الگ رشتہ یا قوم۔ سائنس بھی اس چیز کو مانتی ہے کہ انسان کی سب نسلیں ایک دوسرے میں ملی ہوئی ہیں۔ سب میں سب کا خون ہے۔ کوئی کسی سے جدا نہیں۔ آجکل کی راجنیتی بھی اس چیز کو سمجھتی جا رہی ہے اور اسے جلدی سے جلدی ساکشات کر لیتا چاہتی ہے کہ دنیا میں کوئی الگ رشتہ نہیں، کوئی الگ قوم نہیں۔ سب سب میں ہیں اور سب ایک ہیں۔ اسے سمجھ لیتا ہی اصلی بھروسے کے راستہ پر چلتا ہے۔ یہی ایشور اللہ کو سمجھنے کا ذیلہ ہے۔

انگریز کپی ٹیونس نے لکھا ہے:—”ہر آدمی کے چہرے سے وجود کے دونوں طرف ایک اتھاہ گہرا سندر ہے جس میں سے ایک طرف سے نکل کر وہ اسی میں دوسری طرف جا ملتا ہے۔“ گیتا میں لکھا ہے:—”سب ہیوت یعنی پرائی، شروع میں اوپکتی یعنی غور ظاہر ملے ہوئے تھے“ بیچ میں یہ سب الگ الگ دھتک یعنی ظہور پذیر ہوئے اور اخیر میں ہر یہ سب اوپکتی یعنی ایک دوسرے میں مل جا رہے تھے۔ ہم سب غیب (اگت) سے آئے ہیں اور غیب ہی کی طرف جا رہے ہیں۔ ہماری یہ جو بیچ کی حالت ہے یہی ہماری ساری انسانیت تاریخ ہے۔ سسکرت میں اسی کو انہاس پوران کہتے ہیں۔ سب انہاس پوران اسی بیچ کی حالت کو بیان کرتے ہیں۔ اس میں ہماری سرگ یعنی خاقت، ہمارا وکس یعنی ارتقا (اپولوشن) اور پرلے یعنی قیامت (ڈیولوشن) سب آ جاتے ہیں۔ اسی میں مہاتوں یعنی ایٹمس اور جہو گرام یعنی سب جانداروں کا حال شامل ہے۔

انگریز کپی ٹیونس نے لکھا ہے: “ہر آدمی کے چہرے سے وجود کے دونوں طرف ایک اتھاہ گہرا سندر ہے جس میں سے ایک طرف سے نکل کر وہ اسی میں دوسری طرف جا ملتا ہے۔“ گیتا میں لکھا ہے:—”سب ہیوت یعنی پرائی، شروع میں اوپکتی یعنی غور ظاہر ملے ہوئے تھے“ بیچ میں یہ سب الگ الگ دھتک یعنی ظہور پذیر ہوئے اور اخیر میں ہر یہ سب اوپکتی یعنی ایک دوسرے میں مل جا رہے تھے۔ ہم سب غیب (اگت) سے آئے ہیں اور غیب ہی کی طرف جا رہے ہیں۔ ہماری یہ جو بیچ کی حالت ہے یہی ہماری ساری انسانیت تاریخ ہے۔ سسکرت میں اسی کو انہاس پوران کہتے ہیں۔ سب انہاس پوران اسی بیچ کی حالت کو بیان کرتے ہیں۔ اس میں ہماری سرگ یعنی خاقت، ہمارا وکس یعنی ارتقا (اپولوشن) اور پرلے یعنی قیامت (ڈیولوشن) سب آ جاتے ہیں۔ اسی میں مہاتوں یعنی ایٹمس اور جہو گرام یعنی سب جانداروں کا حال شامل ہے۔

ہربرٹ اسپنسر نے اس سچائی کو اپنی پستک ”دی سوسیال فیلسوفی“ میں بڑی سادہ سے درشایا ہے۔ روسی سلت ودرہی مؤلم بلے ووسکی نے اپنی پستک ”دی سوسیال فیلسوفی“ کی تین بڑی بڑی جلدوں میں اسے اور بھی ادھک سندرے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ دونوں پستکیں اس معاملے میں بھارت کے انہاس پوران کا ہی نیا روپ ہیں۔

ہربرٹ اسپنسر نے اس سچائی کو اپنی پستک ”دی سوسیال فیلسوفی“ میں بڑی سادہ سے درشایا ہے۔ روسی سلت ودرہی مؤلم بلے ووسکی نے اپنی پستک ”دی سوسیال فیلسوفی“ کی تین بڑی بڑی جلدوں میں اسے اور بھی ادھک سندرے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ دونوں پستکیں اس معاملے میں بھارت کے انہاس پوران کا ہی نیا روپ ہیں۔

ہربرٹ اسپنسر نے اس سچائی کو اپنی پستک ”دی سوسیال فیلسوفی“ میں بڑی سادہ سے درشایا ہے۔ روسی سلت ودرہی مؤلم بلے ووسکی نے اپنی پستک ”دی سوسیال فیلسوفی“ کی تین بڑی بڑی جلدوں میں اسے اور بھی ادھک سندرے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ دونوں پستکیں اس معاملے میں بھارت کے انہاس پوران کا ہی نیا روپ ہیں۔

دشو کے اس انہاس کو اور ہماری ساری سائنسوں اور ویداؤں کو تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک بیچ ہیوت ہست جس میں آجکل کی سب کیسٹری، فزکس، انوی اور پرماتوں کا حال، جنہیں نپو ٹران، پروٹان، ایونکٹران وغیرہ ناموں سے پکارا جاتا ہے، سب کیسٹری، ڈھانٹیں، نرل پدارت، ٹھوس پدارت سب اسی میں آ جاتے ہیں۔ دوسرے ہیوت شکتی شاستر، جس میں کچھ فزکس کچھ قائم ٹھوس شکتی ہے۔ اس میں شکتی، انرجی، فزکس، آواز

دشو کے اس انہاس کو اور ہماری ساری سائنسوں اور ویداؤں کو تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک بیچ ہیوت ہست جس میں آجکل کی سب کیسٹری، فزکس، انوی اور پرماتوں کا حال، جنہیں نپو ٹران، پروٹان، ایونکٹران وغیرہ ناموں سے پکارا جاتا ہے، سب کیسٹری، ڈھانٹیں، نرل پدارت، ٹھوس پدارت سب اسی میں آ جاتے ہیں۔ دوسرے ہیوت شکتی شاستر، جس میں کچھ فزکس کچھ قائم ٹھوس شکتی ہے۔ اس میں شکتی، انرجی، فزکس، آواز

अनेकता में एकता यानी कसरत में वहदत

डाक्टर भगवानदास

पिछले लेखों में हम आत्मा और अनात्मा की चरचा कर चुके हैं, और आत्मा यानी रूह को ही अस्त वजूद और अनात्मा यानी बाहर की सारी दुनिया को एक तरह से फरेब, माया या धोखा दिखा चुके हैं। हम यह भी बता चुके हैं कि आत्मा या रूह यानी अस्त वजूद एक ही है, उस एकता में अनेकता यानी वहदत में कसरत भी एक धोखा है, वही अल्लाह है, वही हम सब का "मैं" है, वही है, और कुछ है ही नहीं। इस लेख में हम यह दिखाना चाहते हैं कि इस दुनिया में अनात्मा की सारी साइन्सें, सब जड़ बिद्याएँ, इध्र दिखाई देने वाले विश्व आलमे ज़हर से ही सम्बन्ध रखती हैं और इसी का इतिहास है।

उन साइन्सों में से एक एक के लिये हमें एक एक विषय यानी एक एक महदूद दुनिया, परिमित सृष्टि गदनी पड़ती है। हमें कोई ऐसा मजमून लेना पड़ता है जिसका शुरू भी हो और आखीर भी, जबकि असल वजूद में कहीं कोई अलहदगी, कोई सिरा, कोई शुरू या कोई आखीर, है ही नहीं। सारा वजूद, सारा आस्तित्व, अस्त इक़ीक़त एक बे-अन्त समन्दर है, एक दरियाए बेकिनार है जिसका न कोई ओर है और न कोई छोर। पर हमारे लिए इस दुनिया को समझने के सिवाय इस तरह के फ़रजी टुकड़े कर करके देखने के और कोई तरीका भी नहीं है।

मिसाल के तौर पर हमने अपना एक सौर्य जगत, एक निजामे शम्सी फ़र्ष कर रखा है। उसी के अन्दर हमारी धरती का यह गोला है, इनकी हमने एक एक इकाई बना रखी है, तब हम इनकी अलग अलग साइन्सें बना पाते हैं और उनमें अलग अलग खोज कर सकते हैं।

ऐसे ही मानव इतिहास की समझने के लिये हमें अलग अलग नसलें, जातियाँ और राष्ट्र यानी क़ौमों फ़र्ष कर लेनी पड़ती हैं। हर जाति या क़ौम का हम एक प्रारम्भ यानी आरम्भ और एक अन्त यानी अंजाम मान लेते हैं। फिर इस तरह के एक ही फ़रजी राष्ट्र की आयु के भी हम अलग अलग फ़रजी टुकड़े कर लेते हैं और टुकड़ों को राष्ट्र के इतिहास के अलग अलग युग (जमाने) मान लेते हैं। वही हमारी दिमागी दौड़ के लिये अलग अलग मैदान हो जाते हैं।

अनेकता में एकता यानी क़रत में وحدत

(डाक्टर भगवानदास)

पिछले लेखों में हम आत्मा और अनात्मा की चरचा कर चुके हैं, और आत्मा यानी रूह को ही अस्त वजूद और अनात्मा यानी बाहर की सारी दुनिया को एक तरह से फरेब, माया या धोखा दिखा चुके हैं। हम यह भी बता चुके हैं कि आत्मा या रूह यानी अस्त वजूद एक ही है, उस एकता में अनेकता यानी वहदत में कसरत भी एक धोखा है, वही अल्लाह है, वही हम सब का "मैं" है, वही है, और कुछ है ही नहीं। इस लेख में हम यह दिखाना चाहते हैं कि इस दुनिया में अनात्मा की सारी साइन्सें, सब जड़ बिद्याएँ, इध्र दिखाई देने वाले विश्व आलमे ज़हर से ही सम्बन्ध रखती हैं और इसी का इतिहास है।

इन साइन्सों में से एक एक के लिये हमें एक एक विषय यानी एक एक महदूद दुनिया, परिमित सृष्टि गदनी पड़ती है। हमें कोई ऐसा मजमून लेना पड़ता है जिसका शुरू भी हो और आखीर भी, जबकि असल वजूद में कहीं कोई अलहदगी, कोई सिरा, कोई शुरू या कोई आखीर, है ही नहीं। सारा वजूद, सारा आस्तित्व, अस्त इक़ीक़त एक बे-अन्त समन्दर है, एक दरियाए बेकिनार है जिसका न कोई ओर है और न कोई छोर। पर हमारे लिए इस दुनिया को समझने के सिवाय इस तरह के फ़रजी टुकड़े कर करके देखने के और कोई तरीका भी नहीं है।

मिसाल के तौर पर हमने अपना एक सौर्य जगत, एक निजामे शम्सी फ़र्ष कर रखा है। उसी के अन्दर हमारी धरती का यह गोला है, इनकी हमने एक एक इकाई बना रखी है, तब हम इनकी अलग अलग साइन्सें बना पाते हैं और उनमें अलग अलग खोज कर सकते हैं।

ऐसे ही मानव इतिहास की समझने के लिये हमें अलग अलग नसलें, जातियाँ और राष्ट्र यानी क़ौमों फ़र्ष कर लेनी पड़ती हैं। हर जाति या क़ौम का हम एक प्रारम्भ यानी आरम्भ और एक अन्त यानी अंजाम मान लेते हैं। फिर इस तरह के एक ही फ़रजी राष्ट्र की आयु के भी हम अलग अलग फ़रजी टुकड़े कर लेते हैं और टुकड़ों को राष्ट्र के इतिहास के अलग अलग युग (जमाने) मान लेते हैं। वही हमारी दिमागी दौड़ के लिये अलग अलग मैदान हो जाते हैं।

آناجیل—بائبل (انجیل کا بہتر وچن) سالک—ایہر
سالیق—ایہر—پرمی، آساہر—لکھن (اسر کا
بہتر وچن) نجات—موشہ ہالیک—موت
تہر دیہ—لکھن ہک—ایہر
ما انجیل مین کلک—”یہی باتے ہمنے پہلی
ہرم پستکوں میں کھی ہیں“۔

ہے ایہر پرمی تہر گیتا اور بائبل کو بھی پڑھ اور یہ معلوم
کر کہ موشہ کے لکھن اور موت کا کارن کیا ہے۔ اے محب
ایہر کی کتابوں کا کھنڈن نہیں کرنا چاہیہ۔ قرآن میں بھی
لکھا ہے ”یہی باتیں ہم نے پہلی دھرم پستکوں میں کھی
ہیں“۔

(29)

کرتے ہیں مساجد میں یہ اللہ کو بند،
مندر کو سمجھتے ہیں سماں سے وہ بلند،
ہندو—آو—مسلمان ہیں یہ دونوں جاہل،
لڑتے ہیں مذاہب پہ نہیں دانہں ملد؟

مساجد—(مسجد کا بہتر وچن) سماں—آکشی (ایہر
سے مطالب ہے) بلند—آونچا، جاہل—مورک، مذاہب—
دھرم (مذہب کا بہتر وچن)، دانہں ملد—سمجھدار
مسلمان مساجدوں میں اللہ کو بند کئے ہوئے ہیں—ہندو
مند کو ایہر سے بھی آونچا سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں ہی
مورک ہیں۔ سمجھدار لوگ کہیں دھرم کے پیچھے لڑائی
کرتے ہیں؟

مسلمانان مساجدوں میں اللہ کو بند کیے ہوئے ہیں۔
ہندو مند کو ایہر سے بھی آونچا سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں
ہی مورک ہیں۔ سمجھدار لوگ کہیں دھرم کے پیچھے لڑائی
کرتے ہیں؟

ایہر (انجیل کا بہتر وچن) سالک—ایہر
پرمی آونچا—لکھن (لکھن کا بہتر وچن) نجات—موشہ
ہالیک—موت تہر دیہ—لکھن حق—ایہر ”ما انجیل مین
کھی ہیں“۔ ”یہی باتیں ہم نے پہلی دھرم پستکوں میں کھی
ہیں“۔

اے ایہر پرمی تو کیتا اور بائبل کو بھی پڑھ اور یہ معلوم
کر کہ موشہ کے لکھن اور موت کا کارن کیا ہے۔ اے محب
ایہر کی کتابوں کا کھنڈن نہیں کرنا چاہیہ۔ قرآن میں بھی
لکھا ہے ”یہی باتیں ہم نے پہلی دھرم پستکوں میں کھی
ہیں“۔

(29)

کرتے ہیں مساجد میں یہ اللہ کو بند،
مند کو سمجھتے ہیں سماں سے وہ بلند،
ہندو—مسلمان ہیں یہ دونوں جاہل،
لڑتے ہیں مذاہب پہ نہیں دانہں ملد؟

مساجد—(مسجد کا بہتر وچن) سماں—آکشی (ایہر
سے مطالب ہے) بلند—آونچا، جاہل—مورک، مذاہب—
دھرم (مذہب کا بہتر وچن)، دانہں ملد—سمجھدار
مسلمان مساجدوں میں اللہ کو بند کئے ہوئے ہیں—ہندو
مند کو ایہر سے بھی آونچا سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں ہی
مورک ہیں۔ سمجھدار لوگ کہیں دھرم کے پیچھے لڑائی
کرتے ہیں؟

شاہی—بادشاہت
بک—شکار
دک—دشمن

گم—رہ
نجات—چھٹکارا
آغا—پارچہ

جب تک شراب نہیں ہوتی، مچلی اور مریچ بیکار ہوتی ہے۔ جب تک فکری نہ ہو بادشاہی دنیا کے لیے موسیبات ہو جاتی ہے۔ یہ 'مہرب' ہم جب تک دشمن کو نہ سمجھیں تب تک دنیا کی چٹائیوں اور دکھوں سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔

(26)

جس دل میں ہو اس دلداری یاد،
ہوتی نہیں اس قلب کو جس سے یاد،
عقل ہے تو ہمارے دھڑ سے سوا کوس،
اس نفس کی یاری کا ہے انجام فساد۔

بوتے دلداری—پریت (دشمن) کلب—من، آئینہ۔
ہر سے بداد—انصاف کی انصاف
عقل—سماںدار اہل دھڑ—دشمن کو
سے الگ سماںدار والے ناس—من
انجام—نہایت فساد—مگڑا

جس دل میں دشمن کی یاد نہیں ہے وہ انہیں کرتا ہے تو اسے دیکھ نہیں ہوتا۔ اگر تو سماںدار ہے تو دشمن کو سماں سے الگ سمجھنے والوں سے الگ رہ۔ اپنے من کی بات ماننے کا نتیجہ ہمیشہ جھگڑا ہی ہوتا ہے۔

(27)

اس ذات احد کے ہیں عجیب رنگ ہزار،
بلبل ہیں کہیں اور کہیں ہے گلزار،
اس عالم اشکال سے چھوٹتا وہی،
رہے گا جو ہر وقت خدائے دلدار۔

ذات احد—ایک گز—پاغ عالم—دنیا اشکال—روپ
(شکل کا بہو وچن) دلداری—پریت (دشمن)

اس ایک پریشور کے ہزار رنگ ہیں۔ کہیں وہ بلبل ہے اور کہیں باغ، جو آدمی ہمیشہ دشمن کا دھمکاؤں سے اس روپوں کے سماں سے مٹی مٹی کی۔

(28)

گیتا کو، آناجیل کو یہ سالک پڑ،
آناجیل کو سبب حاکم پڑ،
تربیت نہ کر حق کی کتابوں کی 'مہرب'
کتابان میں "ما انزل من قبل" پڑ،

نجات—چھٹکارا حق—ایک گز—پاغ عالم—دنیا اشکال—روپ
(شکل کا بہو وچن) دلداری—پریت (دشمن)

جس دل میں ہو اس دلداری یاد،
ہوتی نہیں اس قلب کو جس سے یاد،
عقل ہے تو ہمارے دھڑ سے سوا کوس،
اس نفس کی یاری کا ہے انجام فساد۔

(26)

جس دل میں ہو اس دلداری یاد،
ہوتی نہیں اس قلب کو جس سے یاد،
عقل ہے تو ہمارے دھڑ سے سوا کوس،
اس نفس کی یاری کا ہے انجام فساد۔

جس دل میں ہو اس دلداری یاد،
ہوتی نہیں اس قلب کو جس سے یاد،
عقل ہے تو ہمارے دھڑ سے سوا کوس،
اس نفس کی یاری کا ہے انجام فساد۔

(27)

اس ذات احد کے ہیں عجیب رنگ ہزار،
بلبل ہیں کہیں اور کہیں ہے گلزار،
اس عالم اشکال سے چھوٹتا وہی،
رہے گا جو ہر وقت خدائے دلدار۔

ذات احد—ایک گز—پاغ عالم—دنیا اشکال—روپ
(شکل کا بہو وچن) دلداری—پریت (دشمن)

(28)

گیتا کو، آناجیل کو یہ سالک پڑ،
آناجیل کو سبب حاکم پڑ،
تربیت نہ کر حق کی کتابوں کی 'مہرب'
کتابان میں "ما انزل من قبل" پڑ،

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

میں نے مانا کہ تو اس زمانہ میں بڑا دانشور مانا جاتا ہے اور تو نے دانشوروں کے کپڑے پہننے کا اختیار ہے لیکن اگر تجھے اپنی اور خدا کی خبر نہیں ہے تو ایشور کی سرگند تو وہاں نہیں پاگل ہے۔

(23)

ہندو-مسلمانوں میں آج کل کا حال ہے،
ہندو کا مگر ہندو 'مذہب' کا تعلق ہے،
ہو جائے اگر تفریق-و-بہمی دور،
آج کل کا حال کیا مشکل ہے؟

آہستہ—میں تفریق-و-بہمی دور کا حال ہے،
آہستہ—میں تفریق-و-بہمی دور کا حال ہے،

—عقبت

آج کل ہندو اور مسلمان دونوں کے سینے میں دل ہے مگر پھر بھی بھائی بھائی کا خون بہا رہا ہے۔ اگر دونوں کا بھائی کا متبہد دور ہو جائے تو ان دونوں جانوروں کا ملنا کیا مشکل ہے؟

(24)

ہے دوستی اعلیٰ وطن غیر ہے شاق،
لیکن ہے برادر کا برادر مشتاق،
سائیں سے نہیں کم ہے 'مذہب' وہ انسان،
جو ہندو و مسلم میں بڑھاتے ہیں لگاتار۔

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

دشمنانہ رویوں میں آپس کا ہمدردی کا رنگ نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن ہندو کو ہندو سے پیار تو ہوتا ہی ہے۔ یہ 'مذہب' وہ لوگ جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں جھگڑا بڑھاتے ہیں سائیں سے کم نہیں ہیں۔

(25)

وہ ہے کہ ہے لطف بہ مرغ و ماہی،
وہ ہے کہ ہے لطف بہ مرغ و ماہی،
دنیا سے گم ہو جائے نہ پائیں گے نجات،
جب تک نہ حق سے ہو 'مذہب' آگاہی۔

میں—میں

میں—میں

میں—میں

میں—میں

آہستہ—میں

میں نے مانا کہ تو اس زمانہ میں بڑا دانشور مانا جاتا ہے اور تو نے دانشوروں کے کپڑے پہننے کا اختیار ہے لیکن اگر تجھے اپنی اور خدا کی خبر نہیں ہے تو ایشور کی سرگند تو وہاں نہیں پاگل ہے۔

(23)

ہندو و مسلمان میں آج کل کا حال ہے،
ہندو کا مگر ہندو 'مذہب' کا تعلق ہے،
ہو جائے اگر تفریق-و-بہمی دور،
آج کل کا حال کیا مشکل ہے؟

آہستہ—میں تفریق-و-بہمی دور کا حال ہے،
آہستہ—میں تفریق-و-بہمی دور کا حال ہے،

آج کل ہندو اور مسلمان دونوں کے سینے میں دل ہے مگر پھر بھی بھائی بھائی کا خون بہا رہا ہے۔ اگر دونوں کا بھائی کا متبہد دور ہو جائے تو ان دونوں جانوروں کا ملنا کیا مشکل ہے؟

(24)

ہے دوستی اعلیٰ وطن غیر ہے شاق،
لیکن ہے برادر کا برادر مشتاق،
سائیں سے نہیں کم ہے 'مذہب' وہ انسان،
جو ہندو و مسلم میں بڑھاتے ہیں لگاتار۔

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

آہستہ—میں

وید—دشنہ خدوایت جلیل—مہان ایشور
خلیل—ہزارت ابراہیم کا نام جات—ویشی
وکیل—سبوت، ترک کندیل—بڑا لیمپ

یہی تو ایشور کو دیکھا چاہتا ہے تو ابراہیم کے بھائی اپنے
کو سلسلہ کی ہر چیز میں سمجھ اے 'محب' ہر آدمی خود
ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایشور سے الگا کر ہے۔ سورج کے
دکھانے کے لئے سورج ہی قندیل ہو سکتا ہے اسی طرح ایشور سے
الگا کر ہونا سوچ سکتی ہے۔

(20)

(20)

کھا ڈھونڈتا ہے کعبہ کی گل میں اُس کو
محراب میں ہانپنے کی سل میں اُس کو
برہان نہ کر عمر جہاں گردی میں
گھر بیکہ کے دیکھ اپنے ہی دل میں اُس کو
کعبہ—مکہ میں مسلمانوں کا ثبوت گل—مٹی
جہاں گردی—دنیا میں گھومنا

ایشور تو نے ن کاہے کی مٹی میں ملے گا نہ بھائی کی مہ-
راہ میں اور نہ فرشتے کے پتھر میں۔ دنیا میں گھوم کر عمر برباد
برباد نہ کر۔ ایشور کو اپنے دل ہی میں دیکھ۔

(21)

(21)

کھا روح خدا قلب مظاہر میں ہے نیست؟
کھا روح زن و مرد مظاہر میں ہے نیست؟
دیکھ اپنے خیال کو جھکا کر گردن
باطن میں توہست اور ظاہر میں ہے نیست۔

قلب—من، اندر مظاہر—پرکٹ وستوئیں زن و مرد—
استری پردہ، مقابہ (قبر کا ہرچن) نیست—نہیں ہے
باطن—من، اندر

کھا بھگوان کی آتما پرکٹ وستوئیں کے اندر نہیں ہے؟ وہ
ایسے ہی اُن کے اندر ہے جسے قبروں میں ملبسوں کی آتمائیں
تو گردن جھکا کر بھگوان کا دھیان کر تو اسے دیکھے گا وہ دل کے
اندر ہے باہر نہیں نہیں۔

(22)

(22)

مانا کہ تو اس وقت کا علم ہے
برہمن میں ہی فطرت کا تیرے جامہ ہے
جاہل جو وہ خود سے خدا سے غافل
ولہ تو غافل نہیں دیوانہ ہے

آستاما—ویدانہ بر—شری
کندیل—یوگیتا جاتا—پوشاک

مانا کہ تو اس وقت کا علم ہے
برہمن میں ہی فطرت کا تیرے جامہ ہے
جاہل جو وہ خود سے خدا سے غافل
ولہ تو غافل نہیں دیوانہ ہے

علم—دولت پر—فطرت—پرکٹ، جامہ—پوشاک

[پیدلے نمبر سے آئے]

رہاڈیات مہیہ

آہی 'مہیہ'

(17)

سب اک ہئ ہندو-آوسلمائو آنگی،
کرتی ہئ آلالگ انکو دلیو کی تگی،
ہر رنر ہوا ڈوہ کے جس آوم مئ ساہ،
وہ آوم ہئ مہممد کی 'مہیہ' ہرنگی۔

آنگی—کالا (آہو مائلہ پاپی سئ ہئ) آوم—
شراہ کا مٹکا

ہرنگی—(آہا تاتپہ نیسطہتا سئ ہئ)

ہندو آور مہسلمان دونو اک سئ پاپی ہئ۔ ان دونو
کو دلیو کی تگی آلالگ کرتی ہئ۔ ہئ 'مہیہ' مہممد ساہب
کی نیسطہتا ہر اک پاپ کو آو دیتی ہئ۔

(18)

باتین ہئ وہی ہکر، وہی آاہیر ہئ،
فائل ہئ وہی آور وہی کادیر ہئ،
ہندو-آوسلمائو پئ نہی کھ ماکھ،
آو مہنکیرہ وہدت ہئ وہی کافیر ہئ۔

باتین—آپا ہوا آاہیر—آولا
فائل—کرنہ والا کادیر—شاکتیمان
آو کھ—نہر

مہنکیرہ وہدت—ہشہر کی اک رپتا کو ن ماننہ
بالا۔

وہی ہشہر آولا آو ہئ، آپا آو ہئ، وہی سب کھ
کرتا ہئ آور وہی سب شاکتیمان ہئ۔ آاہہ ہندو آو آاہہ
مہسلمان، ہشہر کی اک رپتا آو آو ن ماننہ وہ
کافیر کھا آایگا۔

(19)

گر آاہتا ہئ دیہہ آو آاہہ آلیل،
دس آاپ کو ہر آوہ مئ ماننہ آلیل،
آو آاپ پئ آپنہ ہئ 'مہیہ' آاپ آلیل،
سورج کے دیکھنے کو ہئ سورج آندیل۔

دیکھنہر '57

(277)

[پیدلے نمبر سے آئے]

رباعیات مہیہ

ہری مہیہ

(17)

سب اک ہئ ہندو-مہسلمان رنکی،
کرتی ہئ اک ان کو دلیو کی رنکی،
ہر رنگ ہوا ڈوہ کے جس آوم مئ ساہ،
وہ آوم ہئ مہممد کی 'مہیہ' ہرنگی۔

رنکی—کالا (پاپی مطلب پاپی سئ ہئ) آوم—شراہ کا
مٹکا، ہرنگی—(پاپی تاتپہ نس پڑھتا سئ ہئ)۔
ہندو آور مہسلمان دونو اک سئ پاپی ہئ۔ ان دونو
کو دلیو کی رنکی اک کرتی ہئ۔ آہ 'مہیہ' مہممد صاحب
کی نہی پڑھتا ہر اک پاپ کو دھو دیتی ہئ۔

(18)

باطن ہئ وہی حق، وہی ظاہر ہئ،
فائل ہئ وہی آور وہی قادر ہئ،
ہندو-مہسلمان پئ نہی کھ ماکھ،
آو مہنکیرہ وہدت ہئ وہی کافیر ہئ۔

باطن—آپا ہوا، ظاہر—کھا، فائل—کرنہ والا، قادر—
دیکھنے مان، مہنکیرہ—نہر، مہنکیرہ—شاکتیمان، آو کھ کی ایک رپتا
کو ن ماننہ والا۔

وہی آو کھ پاپی ہئ، آپا پاپی ہئ، وہی سب کھ
کرتا ہئ آور وہی سب شاکتیمان ہئ۔ آاہہ ہندو آو آاہہ
مہسلمان، آو کھ کی ایک رپتا آو پاپی نہ ماننہ آو کھ کھا
آاہا۔

(19)

آو آاہتا ہئ دیہہ آو آاہہ آلیل،
دیکھ آپ کو ہر آوہ مئ ماننہ آلیل،
آو آاپ پئ آپنہ ہئ 'مہیہ' آپ آلیل،
سورج کے دیکھنے کو ہئ سورج آندیل۔

دیکھنہر '57

وہی ضرور دے دو؛ کیونکہ مینا راگ نے اس کی گرمی برباد کر کے سنا تیار کیا ہے اور اس کا سارا پرہیز کیا ہے۔

—ابوہریرہ، بخاری: ابوہریرہ: تیرمیشی۔

ابوہریرہ: بخاری: ابوہریرہ: تیرمیشی۔

—ابوہریرہ، بخاری: ابوہریرہ: تیرمیشی۔

محمد صاحب نے کہا: —”ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ ملانے“
تو ایک دوسرے کے خلاف تمہارے سب بغض یعنی دویہیں
تمہارے دلوں سے مٹ جاویں گے؛ ایک دوسرے کو ہدیے یعنی
بھینٹ دینا کرو؛ اس سے تم میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت
پڑھے گی، اور اس سے تمہارے دلوں کی گہری نفرتیں بھی مٹ
جاویں گی۔“

—عطاء اللہ خاں، مسلمان۔

محمد صاحب نے کہا کہ —”اپنی پارسائی (دھارمکنا) کا
(نارمیکتا) کا پورا سا بھی مچا ہوا (دیکھا) کرنا
'شکر' ہے، یعنی اللہ کے سوا
دوسرے کی عبادت کرنے کے برابر ہے۔“

—عمر بن الخطاب، معاذ بن جبل سے، ابن ماجہ: بیہقی۔

محمد صاحب نے کہا کہ —”اپنی پارسائی (دھارمکنا) کا
(نارمیکتا) کا پورا سا بھی مچا ہوا (دیکھا) کرنا
'شکر' ہے، یعنی اللہ کے سوا
دوسرے کی عبادت کرنے کے برابر ہے۔“

—عمر بن الخطاب، معاذ بن جبل سے، ابن ماجہ: بیہقی۔

—ابوہریرہ، بخاری: ابوہریرہ: تیرمیشی۔

—ابوہریرہ، بخاری: ابوہریرہ: تیرمیشی۔

پیرامبر نے کہا:—"تو میں سے کوئی زمانہ نکالنا نہیں ہے جس سے کہ جس نے اس کا نام لیا ہے وہ اس کے لئے نیک ہے اور اس کے لئے برا ہے۔"

—عبداللہ بن عمرو، تباری۔

پیرامبر نے کہا:—"اے ابوہریرہ! انسانوں کی تہذیب و انیسیت سے بڑھ کر کوئی اور کام نہیں ہے، اپنی تہذیب پر قابو رکھنے سے بڑھ کر کوئی اور کام نہیں ہے اور ان کے ساتھ ساتھ بڑھ کر کرنے سے بڑھ کر کوئی اور کام نہیں ہے۔"

—ابوہریرہ، تباری۔

جاہر کہتا ہے کہ:—"رسول سے ایک آدمی کی چرچا کی گئی جو بہت عبادت کرتا تھا اور اسی میں لگا رہتا تھا، یہ رسول سے ایک ایسے آدمی کی چرچا کی گئی جو اپنے کو گناہ سے بچاتا رہتا تھا۔ اس پر رسول نے کہا:—"عبادت کرنے والا اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو گناہ سے اپنے کو بچاتا ہے۔"

—جاہر، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا کہ:—

"تمہارے خیریتگار تمہارے भाई हैं और तुम्हारे जान माल की रक्षा करते हैं; अल्लाह ने उन्हें तुम्हारे हाथों में खोला है; जिस किसी के हाथों में उसका भाई हो उसे चाहिये कि उसे बही खाना खिलावे जो खुद खाता है और बही कपड़े पहनावे जो खुद पहनता है. उनसे कोई ऐसा काम न लो जो उनकी ताकत से बाहर हो और अगर तुम उनसे कोई ऐसा काम लो तो उन्हें उस काम के करने में खुद मदद दो."

—माकर बिन सुबैद, बुखारी: मुसलिम: अबुदाऊद:

तिरमिषी.

محمد صاحب نے کہا:—"جب کبھی تم میں سے کسی کا خیریتگار تم میں سے کسی کے پاس کھانا لے کر آئے، تو اگر تم اسے اپنے ساتھ لے کر کھانا نہ کھاؤ، تو تم اس کے لئے گناہ میں سے دو چار گناہ

پیرامبر نے کہا کہ:—"تم میں سے کوئی انسان وہ نہیں ہے جس نے اس کے لئے نیک کام کیا ہے اور اس کے لئے برا کام کیا ہے۔"

—عبداللہ بن عمرو، تباری۔

پیرامبر نے کہا:—"اے ابوہریرہ! انسانوں کی تہذیب و انیسیت سے بڑھ کر کوئی اور کام نہیں ہے، اپنی تہذیب پر قابو رکھنے سے بڑھ کر کوئی اور کام نہیں ہے اور ان کے ساتھ ساتھ بڑھ کر کرنے سے بڑھ کر کوئی اور کام نہیں ہے۔"

—ابوہریرہ، تباری۔

جاہر کہتا ہے کہ:—"رسول سے ایک آدمی کی چرچا کی گئی جو بہت عبادت کرتا تھا اور اسی میں لگا رہتا تھا، یہ رسول سے ایک ایسے آدمی کی چرچا کی گئی جو اپنے کو گناہ سے بچاتا رہتا تھا۔ اس پر رسول نے کہا:—"عبادت کرنے والا اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو گناہ سے اپنے کو بچاتا ہے۔"

—جاہر، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا کہ:—

"تمہارے خیریتگار تمہارے भाई हैं और तुम्हारे जान माल की रक्षा करते हैं. अल्लाह ने उन्हें तुम्हारे हाथों में खोला है; जिस किसी के हाथों में उसका भाई हो उसे चाहिये कि उसे बही खाना खिलावे जो खुद खाता है और बही कपड़े पहनावे जो खुद पहनता है. उनसे कोई ऐसा काम न लो जो उनकी ताकत से बाहर हो और अगर तुम उनसे कोई ऐसा काम लो तो उन्हें उस काम के करने में खुद मदद दो."

—माकर बिन सुबैद, बुखारी: मुसलिम: अबुदाऊद:

तिरमिषी.

محمد صاحب نے کہا:—"جب کبھی تم میں سے کسی کا خیریتگار تم میں سے کسی کے پاس کھانا لے کر آئے، تو اگر تم اسے اپنے ساتھ لے کر کھانا نہ کھاؤ، تو تم اس کے لئے گناہ میں سے دو چار گناہ

محمد صاحب نے کہا کہ:—”جو آدمی کو چاہئے کہ اپنے گھر میں گھسے وقت اپنی بیوی اور بچوں کو سلام کرے۔“

—انس، تیرمیزی۔

انس کہتا ہے کہ:—

”محمد صاحب جب کہیں بچوں کے پاس سے نکلتے تھے تو انہیں ’سلام‘ ! کرتے تھے۔“

—انس، بخاری: مسلم۔

انس کہتا ہے کہ:—

”محمد صاحب جب کہیں عورتوں کے پاس سے نکلتے تھے تو انہیں ’سلام‘ ! کرتے تھے۔“

—انس، بخاری: احمد: انس: بخاری۔

جریز اور انس دونوں کا بیان ہے کہ:—

”پہنمبر خدا جب کہیں عورتوں کے پاس سے نکلتے تھے تو انہیں ’سلام‘ ! کرتے تھے۔“

—انس، بخاری: احمد: انس: بخاری۔

انس کہتا ہے:—”پہنمبر صاحب مجھ سے کہا کرتے تھے:—”اے میرے بچے! جب تو اپنے بال بچوں میں جائے تو انہیں سلام کر، یہ چیز تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے دونوں کے لئے برکت ثابت ہوگی۔“

—انس، تیرمیزی۔

انس کہتا ہے:—”پہنمبر صاحب مجھ سے کہا کرتے تھے:—”اے میرے بچے! جب تو اپنے بال بچوں میں جائے تو انہیں سلام کر، یہ چیز تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے دونوں کے لئے برکت ثابت ہوگی۔“

—انس، تیرمیزی۔

انس کہتا ہے:—”پہنمبر صاحب مجھ سے کہا کرتے تھے:—”اے میرے بچے! جب تو اپنے بال بچوں میں جائے تو انہیں سلام کر، یہ چیز تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے دونوں کے لئے برکت ثابت ہوگی۔“

—انس، تیرمیزی۔

ایک بار عرب پیمبر کے پاس آیا اور کہنے لگا: "میرے کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے میں جا سکوں۔" پیمبر نے جواب دیا: "تم نے بات تھوڑی کہی پر سوال بہت بڑا کیا۔ اگر کوئی جاندار تمہارے پاس رہے تو انہیں آزاد کر دو، اگر کوئی غلام تمہارے پاس رہے تو انہیں بھی آزادی دے دو۔ تمہارا کوئی ناتے دار اگر تمہارے ساتھ ہوئی کرے تو تم اسے پیار کرو، اور اگر تم یہ نہ کر سکو تو ہڈیوں کو کھانا کھلاؤ اور ہڈیوں کو پانی پلاؤ، اور لوگوں سے ٹھیک کام کر کے کٹہہ کھو اور ہر کام کرنے سے انہیں منع کرو، اگر تم یہ بھی نہ کر سکو تو اپنی زبان بند رکھو جب تک کہ اُس سے کوئی اچھی بات نہ نکلے۔"

—براہین عازب، بھٹکی۔

محمد صاحب نے کہا کہ:—

"قریبات کے دن سات طرح کے آدمیوں کو اللہ اپنے ساتھ لے لیا اور اُس دن سوائے اللہ کے کسی کا سایہ کام نہ دے گا۔ ایک وہ آدمی جو لوگوں کے اوپر سردار ہے اور سب کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرتا ہے دوسرے وہ جو اُن آدمی جس نے اپنی جوانی کو اللہ کی خدمت میں ہٹا دیا دوسرے وہ آدمی جو جب بھی دعا مانگنے کی جگہ سے نکلتا ہے تو جب تک پھر اُسی جگہ واپس نہ آجائے اُس کا دل اُسی جگہ اٹکا رہتا ہے چوتھے وہ آدمی جو اللہ نے لے لیا دوسرے سے پیار کرتے ہیں" اُس کے لئے ملتے ہیں اُس کے لئے اگ ہوتے ہیں، پانچویں وہ آدمی جو اللہ کو یاد کرتا رہتا ہے اور جب بھی یاد کرتا ہے تو اُسکی آنکھوں سے آنسو گرتے رہتے ہیں، چھٹے وہ آدمی جس کے دل کو اگر کوئی اونچے خاندان کی اور خوبصورت عورت بھی اپنی طرف نہیں جھینکتی ہے تو وہ کہتا ہے: "سچ میں؟" میں اللہ سے کرتا ہوں اور ساتویں وہ آدمی جو خوراک دیتا ہے اور اُسے چھینتا ہے یہاں تک کہ اُس کا دایاں ہاتھ جو لچہ دیتا ہے اُس کی اُس کے ہاتھ ہاتھ تک کو خبر نہیں ہوتی۔"

—ابو ہریرہ، بخاری: مسلم۔

محمد صاحب نے کہا کہ:— "آدمیوں میں سب سے زیادہ لائق وہ ہے جو دوسروں کو اُن سے پہلے سلام کرتا ہے۔"

—ابو امامہ، عبد اللہ بن مسعود۔

—ابو امامہ، ابو داؤد: ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا کہ:— "آدمیوں میں سب سے زیادہ لائق وہ ہے جو دوسروں کو اُن سے پہلے سلام کرتا ہے۔"

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

ڈاکٹر میرزا ابوالفضل

محمد صاحب نے کہا:—

”کریامت کے دن ہر آدمی سے ’پانچ باتوں کی باہت سوال کیا جائیگا: اُس کی زندگی کی باہت یہ کہ تو نے اپنی زندگی کیسے بسر کی؟ اُس کی جوانی کی باہت یہ کہ تم جوان سے بڑھے کیسے ہو گئے؟ اُس کی دولت کی باہت یہ کہ تم نے دولت کیسے کمائی اور یہ کہ وہ دولت کس کس کام میں خرچ کی؟ اور اُس کے علم کی باہت یہ کہ تم نے اپنے علم کا کیا اُپہوگ کیا۔“

—ابن مسعود، ترمذی۔

ابو موسیٰ کہتا ہے کہ:—”میں اپنے دو بھائیوں کو لے کر رسول کے پاس گیا۔ میرے بھائیوں میں سے ایک نے کہا: ’اے اللہ کے رسول! اللہ نے جو ملک آپ کو حکومت کرنے کے لئے دیا ہے اُس کے کسی حصہ پر ہم دونوں کو ’گورنر‘ مقرر کر دیجئے۔‘ میرے دوسرے بھائی نے بھی یہی بات کہی۔ اُس پر پیغمبر نے جواب دیا: ’اللہ کی قسم! میں کسی ایسے آدمی کو کہیں افسر مقرر نہیں کرتا جو خود مجھ سے مقرر کئے جانے کے لئے کہتا ہے‘ یا جو افسر ہونے کی اچھا رکھتا ہے۔“

—ابن موسیٰ، بخاری؛ مسلم؛ ابوداؤد؛ نسائی۔

انس کہتا ہے:—”میں نے یہ دیکھا کہ جب کبھی پیغمبر کے سامنے کوئی ایسا معاملہ لایا گیا جس میں کسی نے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا ہو اور جسے نقصان پہنچا ہو وہ بدلتے لوٹا چاہتا ہو تو پیغمبر نے ہمیشہ یہی حکم دیا کہ معاف کر دو۔“

—انس، ابوداؤد؛ نسائی۔

محمد صاحب نے کہا:—”اللہ نیک ہے اور وہ لوگوں سے سوائے نیک کلموں کے اور کوئی کام قبول نہیں کرتا۔“

—ابو ہریرہ، مسلم؛ ترمذی۔

—ابو موسیٰ، بخاری؛ مسلم؛ ابوداؤد؛ نسائی۔

بہار پھل ہی آیا جا کرتے تھے۔ مدرے دل پر چلتا سلی جی کا ان کی سادگی اور محبت کا بہت اثر پڑا۔ حالانکہ مہرے وچار ان سے نہیں ملتے تھے لیکن پھر بھی اس سے لے کر آخر تک مدرے اوپر ہمیشہ ان کی مہربانی بنی رہی۔

چنتا سلی جی کو سیدھی آندولن کے بدلتے ہوئے سہلاب کو روکنے کے لیے شلاہا باد لایا گیا تھا۔ خاص طور پر یونیورسٹی کے اندر دیارتھوں پر گرم دل کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کا کام چنتا سلی جی کے سپرد کیا گیا۔ چنتا سلی جی بہت اچھے وقتا تھے۔ ان کی دلیلوں کی کاٹ آسان نہ تھی۔ ان کے پوپے گنڈا کا شری گنڈا جہاں تک مجھے یاد ہے، آکسفورڈ کیورج ہورنگ ہاؤس سے ہوا تھا، جو اب غالباً ہالینڈ ہال کے نام سے پرسدہ ہے۔ ان کے پہلے لکچر میں میں بھی موجود تھا۔ حال ٹھسا ٹھسا پھرا ہوا تھا۔ پروفیسر بھی موجود تھے۔ چنتا سلی جی نے سیدھی اور ہائیکات کے خلاف بڑی ترک پیرن تقریر کی۔ جہوں ہی انہوں نے بول کر ختم کیا دیارتھوں نے آوازیں لگائیں۔ ”سندر لال جی بھی بولیں“ دونوں طرف کے خیال دیارتھوں نے سنے اور جب ووٹ لئے گئے تو کل اے گئے چار ووٹ چنتا سلی جی کو ملے اور قریب چار سو ان کے خلاف۔ چنتا سلی جی نے یرم سے آکر مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہا— ”بدمائی!“ اس پہلی موٹنگ کا تجربہ انڈا مہنگا پڑا کہ پھر ہائیکات کے وردھوں کو یونیورسٹی کے کسی ہوسٹل میں دوسری موٹنگ کرنے کا سامس نہ ہوا۔

[باقی اگلے نمبر میں]

بہار پھل ہی آیا جا کرتے تھے۔ مدرے دل پر چلتا سلی جی کا ان کی سادگی اور محبت کا بہت اثر پڑا۔ حالانکہ مہرے وچار ان سے نہیں ملتے تھے لیکن پھر بھی اس سے لے کر آخر تک مدرے اوپر ہمیشہ ان کی مہربانی بنی رہی۔

چنتا سلی جی کو سیدھی آندولن کے بدلتے ہوئے سہلاب کو روکنے کے لیے شلاہا باد لایا گیا تھا۔ خاص طور پر یونیورسٹی کے اندر دیارتھوں پر گرم دل کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کا کام چنتا سلی جی کے سپرد کیا گیا۔ چنتا سلی جی بہت اچھے وقتا تھے۔ ان کی دلیلوں کی کاٹ آسان نہ تھی۔ ان کے پوپے گنڈا کا شری گنڈا جہاں تک مجھے یاد ہے، آکسفورڈ کیورج ہورنگ ہاؤس سے ہوا تھا، جو اب غالباً ہالینڈ ہال کے نام سے پرسدہ ہے۔ ان کے پہلے لکچر میں میں بھی موجود تھا۔ حال ٹھسا ٹھسا پھرا ہوا تھا۔ پروفیسر بھی موجود تھے۔ چنتا سلی جی نے سیدھی اور ہائیکات کے خلاف بڑی ترک پیرن تقریر کی۔ جہوں ہی انہوں نے بول کر ختم کیا دیارتھوں نے آوازیں لگائیں۔ ”سندر لال جی بھی بولیں“ دونوں طرف کے خیال دیارتھوں نے سنے اور جب ووٹ لئے گئے تو کل اے گئے چار ووٹ چنتا سلی جی کو ملے اور قریب چار سو ان کے خلاف۔ چنتا سلی جی نے یرم سے آکر مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہا— ”بدمائی!“ اس پہلی موٹنگ کا تجربہ انڈا مہنگا پڑا کہ پھر ہائیکات کے وردھوں کو یونیورسٹی کے کسی ہوسٹل میں دوسری موٹنگ کرنے کا سامس نہ ہوا۔

[باقی اگلے نمبر میں]

[باقی صفحہ 264 کا]

بہت سی باتیں کر کر دیں جو ہندوؤں کو سیدھی آندولن کی اپنی اس قربانی سے انہوں نے ہندوستان کی ملی جلی کلچر کی وہ شاندار کہانی لکھی کہ جس کی جانی میں منجھلے زمانے میں بنی ہوئی ہر کتاب اور ہر تصویر میں ہر قلع اور محل میں ہر شہر اور ہر نظام میں ملتی ہے۔

[انگریزی سے انوادک—وی۔ نا۔ پاڈے]

[باقی صفحہ 264 کا]

بہت سی باتیں کر کر دیں جو ہندوؤں کو سیدھی آندولن کی اپنی اس قربانی سے انہوں نے ہندوستان کی ملی جلی کلچر کی وہ شاندار کہانی لکھی کہ جس کی جانی میں منجھلے زمانے میں بنی ہوئی ہر کتاب اور ہر تصویر میں ہر قلع اور محل میں ہر شہر اور ہر نظام میں ملتی ہے۔

[انگریزی سے انوادک—وی۔ نا۔ پاڈے]

مجبور ہو کر گھر لوٹ جاؤں تو اہلآباد میں آندولن لہذا پوز جائیگا۔ مکن مانک بے چارہ ہوا پریشان ہوا۔ پولیس کے سامنے اُس نے اقرار نامہ دیا۔ سرکاری وکیل سے بھی صلح و مشورہ لیا گیا مگر مجھے نکالنے کی کوئی قانونی صورت نہ نکلی۔ ضابطہ سے اب ہماری پارٹی کا اڈا 56 چوک گنگا داس میں قائم ہو گیا۔

اسی ہیچ کچھ ایسے واقعات پیش آئے جن سے گرم دل کے ہندوستان کے نقشہ میں اہلآباد کی ایک خاص جگہ ہو گئی۔

جو بوجورگی ہمیں مدد اور سلاہ مشاہرا دیا کرتے تھے ان کے خلاف سرکار نے قدم اٹھانے شروع کیے۔ سب سے پہلا ہملا پंडित श्रीकृष्ण जोशी پر ہوا۔ وہ سرکاری افسر تھے اور ڈپٹی کलेکٹری کے آہدے پر تھے۔ انہیں ہراساں کر دیا گیا۔ بابو شاشی بھوشن چترجی کا اہلآباد سے راجپور تہاڑا کر دیا گیا۔ پंडित बालकृष्ण भट्ट को कायस्थ पाठशाला की मैनेजिंग कमेटी पर जार डालकर नौकरी से बरखास्त करा दिया गया और अन्त में कायस्थ पाठशाला की मैनेजिंग कमेटी के जरिये बाबू रामानन्द चटर्जी को प्रिंसपल के पद से इस्तीफा देने को मजबूर कर दिया गया। प्रिंसपल के पद से हटकर बाबू रामानन्द ने इलाहाबाद में ही इन्डियन प्रेस से، 'प्रवासी' नामक बंगला मासिक पत्र और 'Modern Review' नामक अंग्रेजी मासिक-पत्र निकालना शुरू किया। बाद में रामानन्द बाबू कलकत्ते चले गये और अपने दोनों पत्र भी कलकत्ते से जाकर निकालने लगे۔

سر تہج بہادر سہرو کو جو اس سے ڈاکٹر سہرو تھے مجھے بے حد دلی محبت تھی حالانکہ رائے اُن کی مالویہ جی سے ملتی تھی۔ یہی کیفیت ڈاکٹر سچدا نند سلہا اور منشی ابشر شرن کی تھی۔

اہلآباد سے اُس زمانے میں 'نرم سرکاری' دینک پاپونیر اور نرم دل کا دینک۔ 'انڈین پپل' نکلتے تھے۔ 'انڈین پپل' کا سہادین کالی بابو کرتے تھے نکتو کالی بابو بھی نرم دل کے نیکان کی نظروں میں آئے نرم تھے جتنا کہ وہ امید کرتے تھے۔ چنانچہ مالویہ جی، پلڈت موئی لال جی اور دوسرے نرم دلی نیکانوں نے مل کر 'نپتر' کا پرکاشن شروع کیا۔ 'انڈین پپل' بھی 'نپتر' میں ہی ملا لیا گیا۔ 'نپتر' کے سہادین میں مدد دینے اور گرم دل کے نوجوانوں سے مرچہ لینے کے لئے سرگوبہ سی۔ رائے۔ چلتاسنی کو اہلآباد بلایا گیا۔ یہ تو یاد نہیں رہا کہ چلتاسنی جی اُس سے کہاں رہتے تھے لیکن اتنا مجھے یاد ہے کہ وہ ساؤنڈ روم میں 'نپتر' کے دفتر میں

پتلا جی کیا خیال کریں گے۔ مگر سب کچھ سوچنے کے بارے میں آخری لمحے پر پہنچ گیا۔

واٹس چانسلسر نے پوچھا—“کیا فیصلہ کیا؟”

میں نے جواب دیا—“آپ کی سلاہ نہ ماننے کا مجھے بڑا افسوس ہے۔ میری گستاخی ماف ہو، میں بہت مجبور ہوں۔”

دوسرے دن میں واٹس چانسلسر کے حکم سے یونی-ورسٹی سے اलग کر دیا گیا۔ اس طرح میرے تلامذہ کا انتہائی زندگی کا انتہا ہوا۔

میرے یونیورسٹی اور ہندو باؤڈنگ ہاؤس سے نیکالے جانے کے بعد ساتھیوں کے دل غصے سے بھر گئے۔ نیتیا-نند چندر جی میرے ساتھ ہی ایل-ایل۔ بی۔ میں پڑھتے تھے۔ یونیورسٹی سے میرے نکالے جانے کے بعد انہوں نے ایک دن ہی یونیورسٹی میں رہنا گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے واٹس چانسلسر کو میرے ساتھ گئے گئے انہوں نے ایک سخت خط لکھا اور اس خط کے ساتھ ساتھ ایل۔ ایل۔ بی۔ کے درجے سے اپنا استعفیٰ بھی بھیج دیا۔

ہندو باؤڈنگ ہاؤس سے نیکالنے کے بعد میں نے دوستوں کے ساتھ مکان کی تلاش شروع کی۔ آگے-آگے ہم لوگ پہنچتے تھے اور پیچھے-پیچھے تین-چار پولیس کے دروڑے اور آدھے درجن سپاہی۔ مکان مالک یہی کہتا تھا کہ اگر آپ اپنا مکان کرایے پر دینے کو راضی ہیں تو پولیس والے اسے باؤڈنگ ہاؤس سے نیکالنے کے بعد آپ کو راضی ہو جاتا تھا۔ کئی گھنٹے صرف کھنڈے کٹی خالی مکان کو دیکھا مگر پولیس کے تر کے مارے سبھی مکان مالک اپنے وعدے سے پیچ گئے۔ آخر میں وہ رات مجھے نکالنے کے پہلے بتائی گئی۔

دوسرے دن کچھ اور دوست، جن سے پولیس والے پوری طرح واقف نہ تھے، مکان کی تلاش میں نکلے۔ آخر میں چوک گنگا داس میں 56 نمبر کا مکان کرایے پر لینے کے فیصلہ کیا۔ ہوشیار دوستوں نے، جن میں ایک ہا دو وہاں بھی تھے، مکان مالک سے یہ اقرار نامہ لےوا یا—“جائے کسی ہی آفت آسانی، آفت سلطانی اور آفت ناکہانی آئے سال یہو تک نہ کرایہ دار مکان خالی کرے گا اور نہ مکان مالک ہی کرایہ دار کو ہٹائے گا۔” جب اقرار نامہ لیا گیا اور مکان مالک کے اس پر دستخط ہو گئے تو ایک دوست اُسے میرے دستخط کے لئے میرے پاس لائے۔ فوراً ہی ہم لوگ اپنا سامان لے کر دیکھ مکان میں داخل ہو گئے۔ حسب معمول پولیس بھی ہمارے پیچھے پیچھے تھی۔ مکان مالک سے اس نے زور دیا کہ وہ مجھے مکان سے الگ کرے۔ پولیس کا خیال تھا کہ اگر میں اہل آباد سے

پتلا جی کیا خیال کریں گے۔ مگر سب کچھ سوچنے کے بعد آخری لمحے پر پہنچ گیا۔

واٹس چانسلسر نے پوچھا—“کیا فیصلہ کیا؟”

میں نے جواب دیا—“آپ کی سلاہ نہ ماننے کا مجھے بڑا افسوس ہے۔ میری گستاخی ماف ہو، میں بہت مجبور ہوں۔”

دوسرے دن میں واٹس چانسلسر کے حکم سے یونیورسٹی سے الگ کر دیا گیا۔ اس طرح میرے تلامذہ کی زندگی کا انتہا ہوا۔

میرے یونیورسٹی اور ہندو باؤڈنگ ہاؤس سے نیکالے جانے کے بعد ساتھیوں کے دل غصے سے بھر گئے۔ نیتیا-نند چندر جی میرے ساتھ ہی ایل-ایل۔ بی۔ میں پڑھتے تھے۔ یونیورسٹی سے میرے نکالے جانے کے بعد انہوں نے ایک دن ہی یونیورسٹی میں رہنا گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے واٹس چانسلسر کو میرے ساتھ گئے گئے انہوں نے ایک سخت خط لکھا اور اس خط کے ساتھ ساتھ ایل۔ ایل۔ بی۔ کے درجے سے اپنا استعفیٰ بھی بھیج دیا۔

ہندو باؤڈنگ ہاؤس سے نیکالنے کے بعد میں نے دوستوں کے ساتھ مکان کی تلاش شروع کی۔ آگے-آگے ہم لوگ پہنچتے تھے اور پیچھے-پیچھے تین-چار پولیس کے دروڑے اور آدھے درجن سپاہی۔ مکان مالک یہی کہتا تھا کہ اگر آپ اپنا مکان کرایے پر دینے کو راضی ہیں تو پولیس والے اسے باؤڈنگ ہاؤس سے نیکالنے کے بعد آپ کو راضی ہو جاتا تھا۔ کئی گھنٹے صرف کھنڈے کٹی خالی مکان کو دیکھا مگر پولیس کے تر کے مارے سبھی مکان مالک اپنے وعدے سے پیچ گئے۔ آخر میں وہ رات مجھے نکالنے کے پہلے بتائی گئی۔

دوسرے دن کچھ اور دوست، جن سے پولیس والے پوری طرح واقف نہ تھے، مکان کی تلاش میں نکلے۔ آخر میں چوک گنگا داس میں 56 نمبر کا مکان کرایے پر لینے کے فیصلہ کیا۔ ہوشیار دوستوں نے، جن میں ایک ہا دو وہاں بھی تھے، مکان مالک سے یہ اقرار نامہ لےوا یا—“جائے کسی ہی آفت آسانی، آفت سلطانی اور آفت ناکہانی آئے سال یہو تک نہ کرایہ دار مکان خالی کرے گا اور نہ مکان مالک ہی کرایہ دار کو ہٹائے گا۔” جب اقرار نامہ لیا گیا اور مکان مالک کے اس پر دستخط ہو گئے تو ایک دوست اُسے میرے دستخط کے لئے میرے پاس لائے۔ فوراً ہی ہم لوگ اپنا سامان لے کر دیکھ مکان میں داخل ہو گئے۔ حسب معمول پولیس بھی ہمارے پیچھے پیچھے تھی۔ مکان مالک سے اس نے زور دیا کہ وہ مجھے مکان سے الگ کرے۔ پولیس کا خیال تھا کہ اگر میں اہل آباد سے

बिलियम पिंकी जैसे लेखकों की किताबें उन्होंने ध्यान से पढ़ीं। इटली आदि के स्वतंत्रता संग्राम का इतिहास भी उन्होंने पढ़ा। ठीक उस समय एक छोटी सी घटना हुई जिसने मंजर अली की चिन्दगी पर गहरा असर डाला। न्योर सेंट्रल कालेज के प्रिंसिपल जे० जी० जेनिंग्स उन दिनों एम० ए० को अंगरेजी पढ़ाया करते थे। जेनिंग्स ने मंजर अली से भारत के आठ दिन के टुफ्फालों और उनके कारणों पर एक निबन्ध लिखने को कहा। जो किताबें कोर्स में पढ़ाई जाती थीं उनमें इन टुफ्फालों या क्रह्तों की बजह बारिश की कमी बताया गया था। लेकिन नई किताबें पढ़े हुये मंजर अली ने इसकी बजह अपने निबन्ध में अंगरेजों की शोषण नीति को बताया। प्रिंसिपल जेनिंग्स को निबन्ध पढ़कर गुस्सा आ गया। उन्होंने मंजर अली का डाँटा डपटा और समझा कर निबन्ध बदलने को कहा। मंजर अली ने अपनी राय न बदली। इस पर वह एम० ए० क्लास से निकाल दिये गये। सन् 1908 में उन्होंने एल० एल० बी० पास कर लिया। इस सबका नतीजा यह हुआ कि मंजर अली हमारे दल में जी-जान और जोश खराश के साथ शामिल हो गये।

विद्यार्थियों के अन्दर गरम दल के बढ़ते हुये प्रभाव को देखकर यू० पी० का सरकार चौकन्ना हो गई. यूनियन संघों के बाइस चान्सलर के साथ मिलकर उन्होंने हम लोगों के खिलाफ कदम उठाने का फैसला किया. मैं हा पेश पेश था इसलिये मेरे खिलाफ पहले कदम उठाने की बात सोची गई.

सबसे पहले मुझ पर हिन्दू बोर्डिंग हाउस से निकलने का नोटिस तामान कर दिया गया। मार्च 1907 का महीना था। इन्सुलान करीब था। इन्सुलान का फाइनल डे। नोटिस देकर बोर्डिंग हाउस के लोग मुझे अलग करने लगे। मैंने सोचा कि मैं यहाँ रहूँ, यूनिवर्सिटी अधिकारियों के पास से यह परवाना आया कि मुझे एल० एल० बी० क्लास से रस्ट्रिकेट किया जाता है। बाइस बोर्डर की ओर से यह भी कहा गया कि यदि मैं बादा कर लूँ कि इन्सुलान खरम होने तक राजनीति में कोई भाग न लूँगा तो मेरे निकाले जाने का हुक्म रद्द किया जा सकता है, यह भी कहा गया कि ऐसी सूरत में हिन्दू बोर्डिंग से भी मुझे अलग करने का हुक्म भी वापस ले लिया जायगा। मैंने थोड़ी देर तक सोचा। बन्दिनी भारत माता की तस्वीर मेरे सामने आई। अपनी हिन्दुगी की मोड़ पर मैं कहा था, मेरे उस बच्चे के फैसले पर मेरी आगे की हिन्दुगी का दार मदार था। मैंने यह भी सोचा कि मेरे बड़े

وایم ڈبلی جیسے لیکچر کی کڑیوں انہوں نے دھیلی سے پڑھیں ۔
 اٹلی آدمی کے سولنگرانا سنگرام کا اتھاس ہی انہوں نے پڑھا ۔
 ٹھیک اُس سے ایک چھوٹی سی گھٹنا ہوئی جس نے منظر علی کی
 زندگی پر گہرا اثر ڈالا ۔ مہور سنگھ ڈالچ کے پرنسپل جے ۔ جی
 جینگز اُن دنوں ایم ۔ اے کو انگریزی پڑھایا کرتے تھے ۔ جینگز نے
 منظر علی سے بھارت کے آٹھ دن کے دشکالوں اور اُن کے کارنوں پر
 ایک نیندہ لکھنے کو کہا ۔ جو کتابیں کورس میں پڑھائی
 جاتی تھیں اُن میں اِن دشکالوں یا قسطوں کی وجہ
 بارہ کی کمی بتایا گیا تھا ۔ لیکن نئی کتابیں پڑھ کر
 منظر علی نے اُس کی وجہ اپنے نیندہ میں انگریزوں کی
 شوشن نیکی کو دیکھا ۔ پرنسپل جینگز کو نیندہ پڑا کر غصہ
 آگیا ۔ انہوں نے منظر علی کو ڈانٹا ڈبٹا اور سمجھا کر نیندہ
 بدلنے کو کہا ۔ منظر علی نے اپنی رائے نہ بدلی ۔ اُس پر وہ
 ایم ۔ اے کلاس سے نکال دیئے گئے ۔ سن 1908 میں انہوں نے
 ایل ۔ ایل ۔ بی پاس کر لیا ۔ اُس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ
 منظر علی ہمارے دل میں جی ۔ جان اور جوش حرور کے
 ساتھ شامل ہو گئے ۔

ودیار ہیوں کے اندر گرم دل نے بڑھتے ہوئے پردھاؤ نو دیکھ کر :وہ پی۔ بی سرکار چوہنی ہو گئی۔ یونیورسٹی نے وائس چانسلر کے ساتھ مل کر انہوں نے ہم لوگوں کے خلاف قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ میں ہی پڑھ پڑھ رہا اس لئے میرے ہی خلاف پہلے قدم اٹھانے کی بات سوچی گئی۔

[illegible]

آئیر لکشمण एल-एल. बी. के विद्यार्थी थे. लाला जगन्नाथ खन्ना ने बार में खन्दन जाकर इंजीनियरिंग पढ़ी और बी. बी. सी. आई. रेलवे के डिप्टी जनरल इंजीनियर हो गये. स्वर्गीय रामप्रसाद सिंह हिन्दी की कवियित्री सुभद्रा कुमारी चौहान के बड़े भाई थे. पुलिस में दारोगा थे. स्तीका देकर क्रांतिकारी पार्टी में शामिल हो गये. लक्ष्मण प्रसाद के पिता रायबहादुर लाला प्रागदास सेशनस जज थे और लक्ष्मण प्रसाद भी बाद में सेशनस जजी से ही रिटायर हुये. जब तक जिये खादी ही पहनते रहे और इसके लिये कई साल उनकी तरफों बंधी रही.

भाई मंजरअली सोखता के साथ मेरा प्रेम इतना बढ़ा कि हम दोनों 'एक जान दो कालिब' की तरह बन गये. मंजर-अली का जन्म सन् 1884 में बदायूँ में हुआ था. उनके पिता शेख मुबारक अली नवाब बदायूँ के चचेरे भाइयों में से थे. एक पुराने सूफी सिलसिले से उनके घराने का सम्बन्ध था. वसी से खानदान की अल्ल 'सोखता' यानी 'दग्ध' या 'जला हुआ' पढ़ गई. 1857 में इनके खानदान ने इन्कलाब में हिस्सा लिया, और नतीजे में खानदान के बहुत से लोग लड़ाई के मैदान में मारे गये. बहुतों को फाँसी लगी और खानदान की तमाम जायदाद जब्त हो गई. शेख मुबारिक अली फारसी के विद्वान थे. नौकरी की तलाश में इलाहाबाद आकर पंडित मोतीलाल नेहरू के यहाँ मुन्शी हो गये. मोतीलाल जी ने हमेशा उनके साथ दोस्त और भाई का सा बर्ताव किया. मंजर अली का खानदान आनन्द भवन में ही रहता था. मंजर अली वहीं रहकर बड़े हुये. नेहरू खानदान के साथ उनका आखीर तक प्रेम सम्बन्ध कायम रहा. सब उन्हें आम तौर पर मन्ना भाई कह कर पुकारते थे.

बंग भंग के जमाने में मंजर अली मेरे साथ ही थ्योर सेंट्रल कालेज में एम० ए० और एल-एल० बी० साथ साथ पढ़ रहे थे. एल-एल० बी० के और विद्यार्थियों में भाई पुष्पाक्षमदास टण्डन, स्वर्गीय रमाकान्त मालवीय, मध्य प्रदेश के मुख्य मंत्री स्वर्गीय रविशंकर शुक्ल, डाक्टर कैलासनाथ काटजू, और श्री दुर्गाशङ्कर मेहता भी थे. नीचे के दरजों में पंडित गोविन्द वल्लभ पन्त, स्वर्गीय आचार्य नरेन्द्र देव, स्वर्गीय गणेश शङ्कर विद्यार्थी, बेंकटेश नारायण तिवारी और स्व० कृष्णाकान्त मालवीय भी थे. हालाँकि ये लोग पार्टी के मेम्बर नहीं थे लेकिन राजनीति से इन्हें पूरी हमदर्दी थी. बाद में वसी हमदर्दी ने इन्हें आजादी की लड़ाई में आगे की लाइन में लाकर खड़ा कर दिया और बड़ी बड़ी कुरबानियाँ इन लोगों ने कीं.

बंगभंग के आन्दोलन का मंजर अली पर गहरा असर पड़ा. देश की आर्थिक और राजनैतिक कैफियत को उन्होंने समझना शुरू किया. दादाभाई नौरोजी, रमेश चन्द्र दत्त

और लक्ष्मण अल. बी. के विद्यार्थी थे. लाला जगन्नाथ खन्ना ने बार में खन्दन जाकर इंजीनियरिंग पढ़ी और बी. बी. सी. आई. रेलवे के डिप्टी जनरल इंजीनियर हो गये. स्वर्गीय रामप्रसाद सिंह हिन्दी की कवियित्री सुभद्रा कुमारी चौहान के बड़े भाई थे. पुलिस में दारोगा थे. स्तीका देकर क्रांतिकारी पार्टी में शामिल हो गये. लक्ष्मण प्रसाद के पिता रायबहादुर लाला प्रागदास सेशनस जज थे और लक्ष्मण प्रसाद भी बाद में सेशनस जजी से ही रिटायर हुये. जब तक जिये खादी ही पहनते रहे और इसके लिये कई साल उनकी तरफों बंधी रही.

बेहती मन्जर علی سوخته کے ساتھ میرا پریم اتنا بڑھا کہ ہم دونوں 'ایک جان دو قالب' کی طرح بن گئے. مन्जर علی کا جنم سن 1884 میں بڈایوں میں ہوا تھا. اُن کے پتا شیخ مبارک علی نواب بڈایوں کے چچہ بڑے بھائیوں میں سے تھے. ایک پرانے صوفی سلسلے سے اُن کے گھرانے کا سمنہ تھا. اُسی سے خاندان کی 'ال' سوخته، یعنی 'دگدگ' یا 'جلا ہوا' پڑ گئی. 1857 میں اُن کے خاندان نے انقلاب میں حصہ لیا، اور نکلنے میں خاندان کے بہت سے لوگ لڑائی کے میدان میں مارے گئے. بہتوں کو پھانسی لگی اور خاندان کی تمام جائداد ضبط ہو گئی. شیخ مبارک علی فارسی کے دواں تھے. نوکری کی تلاش میں آباد آکر پندت سونی لال نہرو کے یہاں منشی ہو گئے. سونی لال جی نے ہمیشہ اُن کے ساتھ دوست اور بھائی کا سا برتاؤ کیا. مन्जर علی کا خاندان آندھوں میں ہی رہتا تھا. مन्जर علی وہیں رہ کر بڑے ہوئے. نہرو خاندان کے ساتھ اُن کا آخر تک پریم سمنہ قائم رہا. سب انہیں عام طور پر ملا بھائی کہہ کر پکارتے تھے.

بلک بھنگ کے زمانے میں مन्जर علی میرے ساتھ ہی مہر سترل کالج میں ایم. اے اور ایل. ایل. بی. ساتھ ساتھ پڑھ رہے تھے. ایل. ایل. بی. کے اور دنیارقیوں میں بھائی پرشونت داس ٹنڈن، سوگیتہ رما کانت مالویہ، مدھیہ پردیش کے مکھیہ منتری سوگیتہ روی شکر شکل، ڈاکٹر نیلاس نانہ کالجیو اور سدی درگا شکر مہتا، ہی تھے. نیچے کے درجوں میں پندت گوند ولہ پندت، سوگیتہ اچاریہ ٹرینڈریو، سوگیتہ گنیش شکر دنیارقی، ونیکٹیش نوابن تھواری اور سوگیتہ کرشنا کانت مالویہ بھی تھے. حالانکہ یہ لوگ پارٹی کے ممبر نہیں تھے لیکن راج نیکی سے انہیں پوری ہمدردی تھی بعد میں اُسی ہمدردی نے انہیں آزادی کی لڑائی میں اُگے کی لائن میں لائے کھڑا کر دیا اور بڑی بڑی قربانیاں ان لوگوں نے کیں.

بلک بھنگ کے آندولن کا مन्जर علی پر گہرا اثر ہوا. دیس کی لڑتک اور راج نیکی کیفیت کو انہوں نے سمجھنا شروع کیا. دادا بھائی نوروجی، دیس چکدر دت

اور بڑا پتہ ہو گا اور انہیں بھی دیکھنے دیلی ہو گا۔ حالانکہ میرے دچار ان سے نہیں ملتے تھے لیکن جب میں ہونا جاتا تھا تو لوگ ان کے یہاں تھے مگر پوجیہ گوئی سے ملنے ضرور جاتا تھا۔ شری گوئی کے ساتھ میرا یہ پریم سمجھنے ان کی موت کے سمے تک برابر بڑھتا ہی گیا اور آج بھی میں انہیں پریم اور اُرد سے یاد کرتا ہوں۔

گوئی جی کی الہ آباد یاترا سے یہاں کی راجنیتک حالت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ نرم دلی نیٹاؤں نے پھر آپس میں صلاح کر کے 1907 میں ہی یو۔ پی۔ پولیٹیکل کانفرنس کا اجلاس یہاں کرنے کا فیصلہ کیا۔ موہی ہال میں پلڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں سمیٹا ہوا۔ پارٹی کی ہدایت پر میں بھی اس کانفرنس میں درشک کی حیثیت سے شامل ہوا۔ مجھے موتی لال جی کے وہ فقرے یاد رہ گئے ہیں جو انہوں نے صدر کی حیثیت سے کہے تھے۔ ان کے لفظ ہیں:—

“For Indians to talk of Swaraja and of turning out the British is like a pygmy with a broom in his hand trying to fight the giant.”

یانی—“ہندوستانیوں کے لیے سواراج کی اور انگریزوں کو نیکالنے کی بات کرنا ویسا ہی ہے جیسے کوئی ناچیخ آدمی بڑے باری جین سے لڑنے کی کوشش کرے۔”

موتی لال جی کے اس فقرے کو سن کر درشکوں نے اُنکا ہر ملہ مچایا کہ معلوم ہوا کانفرنس ٹوٹ جائیگی، مگر بڑی کوششوں کے بعد لوگ خاموش ہوئے۔

موتی لال جی اُس زمانے میں نرم دل وادوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ اٹھسکار میجر ہاسن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ میجر بسو دعوتی پہن کر اُس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے اُن کی دعوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں ٹوکا:—

“Major Basu! you appear to have got Swaraja.”

یانی—“میجر بسو، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تو سواراج مل گیا۔”

موتی لال جی اُس زمانے میں نرم دل وادوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ اٹھسکار میجر ہاسن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ میجر بسو دعوتی پہن کر اُس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے اُن کی دعوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں ٹوکا:—

موتی لال جی اُس زمانے میں نرم دل وادوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ اٹھسکار میجر ہاسن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ میجر بسو دعوتی پہن کر اُس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے اُن کی دعوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں ٹوکا:—

موتی لال جی اُس زمانے میں نرم دل وادوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ اٹھسکار میجر ہاسن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ میجر بسو دعوتی پہن کر اُس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے اُن کی دعوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں ٹوکا:—

“For Indians to talk of Swaraja and of turning out the British is like a pygmy with a broom in his hand trying to fight the giant.”

یانی—“ہندوستانیوں کے لیے سواراج کی اور انگریزوں کو نیکالنے کی بات کرنا ویسا ہی ہے جیسے کوئی ناچیخ آدمی بڑے باری جین سے لڑنے کی کوشش کرے۔”

موتی لال جی کے اس فقرے کو سن کر درشکوں نے اُنکا ہر ملہ مچایا کہ معلوم ہوا کانفرنس ٹوٹ جائیگی، مگر بڑی کوششوں کے بعد لوگ خاموش ہوئے۔

موتی لال جی اُس زمانے میں نرم دل وادوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ اٹھسکار میجر ہاسن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ میجر بسو دعوتی پہن کر اُس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے اُن کی دعوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں ٹوکا:—

“Major Basu! You appear to have got Swaraja.”

یانی—“میجر بسو، معلوم ہوتا ہے آپ کو تو سواراج مل گیا۔”

موتی لال جی اُس زمانے میں نرم دل وادوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ اٹھسکار میجر ہاسن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ میجر بسو دعوتی پہن کر اُس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے اُن کی دعوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں ٹوکا:—

[پچھلے ادک سے آئیے]

سنی 1905 کا ویشی آندولن
اور میرا راجنیتک جیون

پنڈت سندھ لال

ملک کے سیاسی نقشہ میں الہ آباد کی ایک خاص جگہ بن گئی۔ خودی رلم ہوس، مظفر پور ہم درگھٹا سے دو مہینے پہلے الہ آباد آئے اُن کے بعد اس بھاری ہوس، لرونڈ باہو کے بھائی ہارندر کمار گھوش، صوفی امبا پرساد، بہکت سنگھ کے چچا سردار اجیت سنگھ اور لالہ ہر دیال آئی نیتا باری باری سے الہ آباد آئے۔ کھت سبھاؤں میں انہوں نے ہم لوگوں سے باتیں کیں، کرایہ کرم ہلایا اور چلے گئے۔ ہم لوگوں کی یہ کھت سبھاؤں چوک گنگا داس کے 65 نمبر کے مکان میں ہوا ہوتی تھیں۔ یہ مکان میلے کرایہ پر لے لیا تھا۔ اُس زمانے کے چوک گنگا داس کے لوگوں میں بڑی دیہی بہکتی اور نذرنا تھی۔ ہماری میٹنکوں کے رت وہ ایسا چوکس پردہ بہتھا دیتے کہ خفیہ ہواس کی وہاں پرچھائوں تک نہ پھٹک پانی۔

الہ آباد کی یہ کیفیت دیکھ کر نرم دلی نیتاؤں کی ہریشانی بہت بڑھ گئی۔ ماہویہ جی نے سرگیکہ گوہیلے کو نمقرن دے کر الہ آباد بلایا۔ لالہ پال۔ پال۔ (لالہ راجپت رائے) وہیں چندر پال اور لکمانویہ پال گنگا دھر نلک کی شری مورتی کو لوگ اسی نام سے پکارتے تھے) کے دیاکھیاؤں کے اثر کو دے کاٹنا چاہتے تھے۔ کنگو کہلے میدان میں شری گوہیلے کا دیاکھیاں کرانے کی ہمت نہیں پڑی۔ پرانے کستھ پائٹہ شالا کے حال میں شری گوہیلے کی مہتنگ ہوئی۔ قریب دو سو آدمی دیاکھیاں سننے کے لئے موجود تھے۔ میں یہی کترہلوہی اُس مہتنگ میں چلا گیا۔ مہری طرف اشارہ کر کے لوگوں نے شکایت کی، کہ اسی لڑکے نے الہ آباد میں آگ سٹکا رکھی ہے۔ گوہیلے نے مجھے اپنے پاس بلایا اور مجھے سے وعدہ لیا کہ میں دوسرے دن اُن سے ضرور ملوں۔ دوسرے دن ڈاکٹر سچدانند سنہا کے یہاں گوہیلے جی کی دعوت تھی۔ وہیں میں پہنچ گیا۔ اطلاع ہونے پر شری گوہیلے نے مجھے وہیں بلایا۔ مجھے دیکھتے ہی سب نے ایک ساتھ مہری شکایتیں شروع کر دیں۔ مگر گوہیلے جی بہت پریم سے مجھے سے ملے۔ مجھے انہیں نے کہا۔ ”میں تو تمہارے جیسے نوجوانوں کی نالہی میں ہوں۔ مجھے تو تمہارے جیسے ہی پرورک چاہئیں۔“ شری گوہیلے سے مہری جو باتیں اُس اوسر پر ہوئیں اُس سے مہرے دل میں اُن کے لئے بے حد عزت

سیاسی پद्धت کے ایسے جڑری اور لاجبہ جڑ بن گئے تھے کہ جب 1857 کی پہلی آزادی کی جنگ چھڑی تو اُس میں آزاد فوجوں نے مغل بادشاہ بہادر شاہ کو ہی اپنا قومی رہنما بنایا، حالانکہ مغل بادشاہ کے پاس نہ تو خزانہ ہی تھا اور نہ

فوج ہی۔
بھاشا (زبان)، سادھتہ (ادب)، دگیان (مانفس)، درشن (فلسفہ)، کلا (آرٹ)، اور دھرم سمجندھی باتوں کے ادھار پر ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے صدیوں ایک ساتھ رہ کر ایک بھائو (جذہ) ایک سے رعن سہن اور ایک سی ملی جلی تہذیب اور کلچر کو ترقی دی۔ ایک سے مالی (ارتھک) تہذیب کی بنیاد پر انہوں نے ملی-جلی شاندار ہندوستانی کلچر کا محفل کھڑا کیا۔ چاہے مغل بادشاہ کے ماتحت لوگوں کو دیکھا جائے یا کسی صوبے کے نیم آزاد صوبیدار کے ماتحت رہنے والوں کو، یہ لوگ رہتی-نہتی میں سدا چار میں مذہبی اصولوں میں سیاست اور حکومت کی باتوں میں، کلا اور آرٹ میں تہذیبی زندگی کے نقطہ نظر میں موافقوں، راجپوتوں، سکھوں اور جاتوں یا دوسرے ہندوستانیوں سے جدا نہ تھے۔

پورانے زمانے کا اگر ہم گہر جانیں داری سے ادھین کریں تو ہم سی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مذہبہ یک میں ہندو مسلمانوں کے آپسی سمجندھوں کے انتہاس میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے ہمارے پہلے کے ہندوستان کے فرقہ وارانہ دنگے اور جھگڑے نساہی جزیں ہم اُن میں فوج سکیں! اِس کے برخلاف اُس زمانہ کی تاریخ (انتہاس) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبہ یک کے مسلمان شامک بنا ہوتے بھاؤ کے حکومت کرتے تھے۔ وہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کے ساتھ ایک سا برتو کرتے تھے۔ حکومت کے معاملوں میں، آرٹ اور کلچر کے معاملوں میں، ادب اور شاعری کے معاملوں میں وہ کوئی بھید بھاؤ نہیں کرتے تھے۔ وہ ہندو کو، ہندو مذہب کو، ہندو دھن میں اور اچار۔ وچاروں کو، ہندو درشن اور ادھیان کو باہیکی سے دیکھتے اور سمجھتے تھے اور اُسی پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مسلمان بادشاہوں، سلطانوں اور صوبیداروں کے اِس رویہ کو دیکھ کر ہندوستان کا عام مسلمان بھی ہندوستانیت کا دعویدار بن گیا۔ وہ ہندوستان کا دم بولے لگا۔ مسلم چٹنا نے ہندو ریت رواجوں کو اپنا لیا۔ دوسری طرف ہندوؤں کی راجپوت اور سچھی برداشت یاسن شیلٹا اور دہنتا میں بھی ایسا کھوج نکالنے کی زبردست خواہش نے محبت سے پوچھنے ہونے مسلمانوں نے ہاتھ کو اُسی محبت کے ساتھ قبول کیا۔ اِس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی کلچر سے ایسی

پورانے زمانے کا اثر ہم غیر جانب داری سے ادھین کریں تو ہم سی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مذہبہ یک میں ہندو مسلمانوں کے آپسی سمجندھوں کے انتہاس میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے ہمارے پہلے کے ہندوستان کے فرقہ وارانہ دنگے اور جھگڑے نساہی جزیں ہم اُن میں فوج سکیں! اِس کے برخلاف اُس زمانہ کی تاریخ (انتہاس) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبہ یک کے مسلمان شامک بنا ہوتے بھاؤ کے حکومت کرتے تھے۔ وہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کے ساتھ ایک سا برتو کرتے تھے۔ حکومت کے معاملوں میں، آرٹ اور کلچر کے معاملوں میں، ادب اور شاعری کے معاملوں میں وہ کوئی بھید بھاؤ نہیں کرتے تھے۔ وہ ہندو کو، ہندو مذہب کو، ہندو دھن میں اور اچار۔ وچاروں کو، ہندو درشن اور ادھیان کو باہیکی سے دیکھتے اور سمجھتے تھے اور اُسی پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مسلمان بادشاہوں، سلطانوں اور صوبیداروں کے اِس رویہ کو دیکھ کر ہندوستان کا عام مسلمان بھی ہندوستانیت کا دعویدار بن گیا۔ وہ ہندوستان کا دم بولے لگا۔ مسلم چٹنا نے ہندو ریت رواجوں کو اپنا لیا۔ دوسری طرف ہندوؤں کی راجپوت اور سچھی برداشت یاسن شیلٹا اور دہنتا میں بھی ایسا کھوج نکالنے کی زبردست خواہش نے محبت سے پوچھنے ہونے مسلمانوں نے ہاتھ کو اُسی محبت کے ساتھ قبول کیا۔ اِس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی کلچر سے ایسی

پورانے زمانے کا اثر ہم غیر جانب داری سے ادھین کریں تو ہم سی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مذہبہ یک میں ہندو مسلمانوں کے آپسی سمجندھوں کے انتہاس میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے ہمارے پہلے کے ہندوستان کے فرقہ وارانہ دنگے اور جھگڑے نساہی جزیں ہم اُن میں فوج سکیں! اِس کے برخلاف اُس زمانہ کی تاریخ (انتہاس) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبہ یک کے مسلمان شامک بنا ہوتے بھاؤ کے حکومت کرتے تھے۔ وہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کے ساتھ ایک سا برتو کرتے تھے۔ حکومت کے معاملوں میں، آرٹ اور کلچر کے معاملوں میں، ادب اور شاعری کے معاملوں میں وہ کوئی بھید بھاؤ نہیں کرتے تھے۔ وہ ہندو کو، ہندو مذہب کو، ہندو دھن میں اور اچار۔ وچاروں کو، ہندو درشن اور ادھیان کو باہیکی سے دیکھتے اور سمجھتے تھے اور اُسی پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مسلمان بادشاہوں، سلطانوں اور صوبیداروں کے اِس رویہ کو دیکھ کر ہندوستان کا عام مسلمان بھی ہندوستانیت کا دعویدار بن گیا۔ وہ ہندوستان کا دم بولے لگا۔ مسلم چٹنا نے ہندو ریت رواجوں کو اپنا لیا۔ دوسری طرف ہندوؤں کی راجپوت اور سچھی برداشت یاسن شیلٹا اور دہنتا میں بھی ایسا کھوج نکالنے کی زبردست خواہش نے محبت سے پوچھنے ہونے مسلمانوں نے ہاتھ کو اُسی محبت کے ساتھ قبول کیا۔ اِس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی کلچر سے ایسی

پورانے زمانے کا اثر ہم غیر جانب داری سے ادھین کریں تو ہم سی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مذہبہ یک میں ہندو مسلمانوں کے آپسی سمجندھوں کے انتہاس میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے ہمارے پہلے کے ہندوستان کے فرقہ وارانہ دنگے اور جھگڑے نساہی جزیں ہم اُن میں فوج سکیں! اِس کے برخلاف اُس زمانہ کی تاریخ (انتہاس) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبہ یک کے مسلمان شامک بنا ہوتے بھاؤ کے حکومت کرتے تھے۔ وہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کے ساتھ ایک سا برتو کرتے تھے۔ حکومت کے معاملوں میں، آرٹ اور کلچر کے معاملوں میں، ادب اور شاعری کے معاملوں میں وہ کوئی بھید بھاؤ نہیں کرتے تھے۔ وہ ہندو کو، ہندو مذہب کو، ہندو دھن میں اور اچار۔ وچاروں کو، ہندو درشن اور ادھیان کو باہیکی سے دیکھتے اور سمجھتے تھے اور اُسی پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مسلمان بادشاہوں، سلطانوں اور صوبیداروں کے اِس رویہ کو دیکھ کر ہندوستان کا عام مسلمان بھی ہندوستانیت کا دعویدار بن گیا۔ وہ ہندوستان کا دم بولے لگا۔ مسلم چٹنا نے ہندو ریت رواجوں کو اپنا لیا۔ دوسری طرف ہندوؤں کی راجپوت اور سچھی برداشت یاسن شیلٹا اور دہنتا میں بھی ایسا کھوج نکالنے کی زبردست خواہش نے محبت سے پوچھنے ہونے مسلمانوں نے ہاتھ کو اُسی محبت کے ساتھ قبول کیا۔ اِس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی کلچر سے ایسی

[باکس سفا 271 پر]

میں ہمیں صرف کچھ شمس کی حکومت میں تھوڑی بہت لگونا یا زیادتی کی مثالیں ملتی ہیں۔ اور ان شمس کے بارے میں یہی یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ان کی زیادتیوں کی وجہ کچھ اور ہی تھی اور ان کا وار بھی تھوڑے سے لوگوں کو ہی پہنچا پڑا۔

کئی ঘটناؤں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دھرمک مت بھد کا زیادہ اثر نہ تھا۔ مثال کے طور پر اگر عہدوں کی ہی بات لے لی جائے تو یہ صاف ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے یہاں ہندو اونچے سے اونچے عہدوں پر مقرر کئے جاتے تھے۔ ہندو ہندوؤں کی صلاح کے مسلمان حاکم ایک قدم بھی نہ چلتے تھے۔ اورنگزیب ایسے بادشاہ کے بڑے سے بڑے جنرل بھی راجپوت راجا تھے۔ محمود غزنوی نے خراسان چیتنے کے لئے اپنے جس جنرل کو بھیجا وہ ملک نام کا ایک ہراہمن تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس سے کی آپسی لڑائی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی الگ الگ مذہبی حیثیت سے کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔ مسلمان سلطانوں کے ہندو سہیلایتی اور ہندو راجاؤں کے مسلمان سہیلایتی اپنے ہی مذہب والوں سے اترتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہیں میں اوسے ہندو اور مسلمانوں نے سینکڑوں حصے بھرے پڑے ہیں، جہاں دونوں نے اپنے مالکوں کی طرف وفادار رہ کر اپنے ہی مذہب والوں کے ساتھ بھینکر لڑائی لڑی۔ ایسی بھی مثالیں ہیں کہ جہاں ہندوؤں کے ساتھ ہندوؤں نے دغا بازی کی ہے اور مسلمانوں نے مسلمانوں کے ساتھ۔ اصلی بات تو یہ ہے کہ اُس سے ذاتی احساسات کا ہی سب سے زیادہ اثر پڑتا تھا، نہ کی قوم، مذہب یا ملک کا۔ اُس زمانے کی وادائی کی پہاڑنا (جذبہ) صرف دو شعبوں میں ظاہر ہوتی ہے—’تمک حلال‘ اور ’تمک حرام‘۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمان حاکموں نے، چاہے وہ جہاں سے آئے ہوں، دراصل ہندوستان کو ہی اپنا گھر بنا لیا تھا۔ ہاہر فرغانہ سے آیا اور وہ دیہی کبھی سرفند لوٹنے کے متعلقہ سپاہ بھی دیکھتا تھا۔ لیکن ہاہر اور اُس کی اولاد اسی ملک میں رہیں۔ قسمت انہیں یہاں پہنچ لائی اور ہندوستان کے ہاہر سے سارے ناتے رشتہ انہوں نے توڑ لئے۔ ان کے اپنے وطن میں ان کے خاندان کے انتہت دشمن تھے جو موقع پاتے ہی ان کا سب کچھ چھین لینے پر اُتار تھے۔ ایسی حالت میں انہوں نے ہندوستان کی جنتا کی زندگی میں اپنے آپ کو ملا کھپا دیا۔ ہندوستان کی جنتا کی زندگی کے ساتھ انہوں نے ہندوئی دیکھائی اور ان کے سم دہم میں سچے سنہی ہلے۔ یہ توئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ مثل بادشاہ ہندوستان کی سماجی اور

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمان حاکموں نے، چاہے وہ جہاں سے آئے ہوں، دراصل ہندوستان کو ہی اپنا گھر بنا لیا تھا۔ ہاہر فرغانہ سے آیا اور وہ دیہی کبھی سرفند لوٹنے کے متعلقہ سپاہ بھی دیکھتا تھا۔ لیکن ہاہر اور اُس کی اولاد اسی ملک میں رہیں۔ قسمت انہیں یہاں پہنچ لائی اور ہندوستان کے ہاہر سے سارے ناتے رشتہ انہوں نے توڑ لئے۔ ان کے اپنے وطن میں ان کے خاندان کے انتہت دشمن تھے جو موقع پاتے ہی ان کا سب کچھ چھین لینے پر اُتار تھے۔ ایسی حالت میں انہوں نے ہندوستان کی جنتا کی زندگی میں اپنے آپ کو ملا کھپا دیا۔ ہندوستان کی جنتا کی زندگی کے ساتھ انہوں نے ہندوئی دیکھائی اور ان کے سم دہم میں سچے سنہی ہلے۔ یہ توئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ مثل بادشاہ ہندوستان کی سماجی اور

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمان حاکموں نے، چاہے وہ جہاں سے آئے ہوں، دراصل ہندوستان کو ہی اپنا گھر بنا لیا تھا۔ ہاہر فرغانہ سے آیا اور وہ دیہی کبھی سرفند لوٹنے کے متعلقہ سپاہ بھی دیکھتا تھا۔ لیکن ہاہر اور اُس کی اولاد اسی ملک میں رہیں۔ قسمت انہیں یہاں پہنچ لائی اور ہندوستان کے ہاہر سے سارے ناتے رشتہ انہوں نے توڑ لئے۔ ان کے اپنے وطن میں ان کے خاندان کے انتہت دشمن تھے جو موقع پاتے ہی ان کا سب کچھ چھین لینے پر اُتار تھے۔ ایسی حالت میں انہوں نے ہندوستان کی جنتا کی زندگی میں اپنے آپ کو ملا کھپا دیا۔ ہندوستان کی جنتا کی زندگی کے ساتھ انہوں نے ہندوئی دیکھائی اور ان کے سم دہم میں سچے سنہی ہلے۔ یہ توئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ مثل بادشاہ ہندوستان کی سماجی اور

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمان حاکموں نے، چاہے وہ جہاں سے آئے ہوں، دراصل ہندوستان کو ہی اپنا گھر بنا لیا تھا۔ ہاہر فرغانہ سے آیا اور وہ دیہی کبھی سرفند لوٹنے کے متعلقہ سپاہ بھی دیکھتا تھا۔ لیکن ہاہر اور اُس کی اولاد اسی ملک میں رہیں۔ قسمت انہیں یہاں پہنچ لائی اور ہندوستان کے ہاہر سے سارے ناتے رشتہ انہوں نے توڑ لئے۔ ان کے اپنے وطن میں ان کے خاندان کے انتہت دشمن تھے جو موقع پاتے ہی ان کا سب کچھ چھین لینے پر اُتار تھے۔ ایسی حالت میں انہوں نے ہندوستان کی جنتا کی زندگی میں اپنے آپ کو ملا کھپا دیا۔ ہندوستان کی جنتا کی زندگی کے ساتھ انہوں نے ہندوئی دیکھائی اور ان کے سم دہم میں سچے سنہی ہلے۔ یہ توئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ مثل بادشاہ ہندوستان کی سماجی اور

رامायण کے مشہور لکھک گوتمامی تیلسیداک جی نے لکھا ہے—

جیت دیکھیں تیت تو ی .

کاکر، پاھر، ڈیکری سب مے دیکھیں تو ی ॥

ابلاھ کھیں نہیں ہے ؟ وہ ہر جگہ ہے اور کھیں بھی نہیں ہے ! وہی مورت مے ہے اور وہی پوجاری مے بھی ہے . وہی کٹر مے بھی ہے اور وہی اسلام مے بھی ہے ! وہی ہندوؤں مے بھی ہے اور وہی مسلمانوں مے بھی ہے ! انسان نے اپنی کم اکرلی کی وجہ سے دھڑ کا پردا ڈال رکھا ہے اسیلیے وہ اپنے گھر مے یہ سمجھنے لگا ہے کہ ابلاھ یھاں ہے اور وہاں نہیں ہے، وہ اسلام مے بھی ہے اور کٹر مے بھی نہیں ہے .

ایسی بہت سی مثالیں آسانی سے دی جا سکتی ہیں کہ ہندستان مے اسلام نے ہندوؤں کی پوجا کے طریقوں سے بہت سی باتیں اپنے اندر شامل کر لی ہیں . مالا، پراٹھام، یوگا، یوگا، ویدانت، فلسفہ—سب اسلام مے شامل ہو گئے . ہندو مذہب اور اسلام کے سنگم کو ہی 'پرم دھرم' یا 'مچھوہہ ہشک' کے نام سے پکارا گیا . یھاں اُسکی تفصیل مے جانے کی ضرورت نہیں ہے . اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ ہلا خاص کوشش کے ہی یہ دونوں مذہب آسانی سے ایک دوسرے سے مل چل گئے . کبیر، نانک، دادو، چیتن، تکارام، شاہ قلندر، بابا فرید، چشتی اور دوسرے صوفی سنتوں نے کامیابی کے ساتھ ہندستان کی جلتا مے ایک ایسا دھرم پھیل دینے کی کوشش کی جس مے ہندو مسلمانوں، دونوں کی مذہبی خوبیوں شامل تھیں .

مذہب یک کے دھرمک سامانہ (ادب) سے، چاہے وہ مسلمانوں کا ہو یا ہندوؤں کا، پڑھنے والا اُس کے آزادانہ نقطہ نظر اور ادارہ دشتی سے ضرور پرہیز ہو جاوے گا . ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اُردو متبرہ رواجوں، روزیوں اور کرم کاندوں اور پوجا کے اور پرستش کے باہری ڈھنگوں مے چاہے جو فرق ہوں، مذہبی زندگی کی بھرتی اور ہلیدی سچائی دونوں مے ایک سی تھی . اِس لئے مذہبیک کے صوفی سنتوں نے ہندو دھرم اور اسلام کے باہری طریقوں کو اہمیت نہ دے کر اُن کی بھرتی کی سادتا پر ہی زور دیا . یہی وجہ ہے کہ اُس زمانے کے ہندو اور مسلمان دوستی اور محبت کے سانچے مے قہل گئے . دونوں نے لئے ایک ہی ملک، ایک ہی راج، ایک ہی شہر، ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی گلی مے مکترا اور شانتی سے رھنا ممکن ہو سکا . دونوں مذہبی تصب کو کم کرنے مے کامیاب ہوئے . پورے ایک ہزار ورہی کے مشترکہ (سلت) انہیں

رامائے مے مشہور لکھک گوتمامی تیلسی داس جی نے لکھا ہے :—

جیت دیکھیں تیت تو ی .

کاکر، پاھر، ڈیکری سب مے دیکھیں تو ی .

اللہ کہاں نہیں ہے ؟ وہ ہر جگہ ہے اور کہیں بھی نہیں ہے ! وہی مورت مے ہے اور وہی پوجاری مے بھی ہے . وہی کٹر مے بھی ہے اور وہی اسلام مے بھی ہے ! وہی ہندوؤں مے بھی ہے اور وہی مسلمانوں مے بھی ہے ! انسان نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے دھڑ کا پردہ ڈال رکھا ہے اسی لئے وہ اپنے غرور مے یہ سمجھنے لگا ہے کہ اللہ یہاں ہے اور وہاں نہیں ہے، وہ اسلام مے بھی ہے اور کٹر مے بھی نہیں ہے .

ایسی بہت سی مثالیں آسانی سے دی جا سکتی ہیں کہ ہندستان مے اسلام نے ہندوؤں کی پوجا کے طریقوں سے بہت سی باتیں اپنے اندر شامل کر لی ہیں . مالا، پراٹھام، یوگا، یوگا، ویدانت، فلسفہ—سب اسلام مے شامل ہو گئے . ہندو مذہب اور اسلام کے سنگم کو ہی 'پرم دھرم' یا 'مذہب عشق' کے نام سے پکارا گیا . یہاں اُس کی تفصیل مے جانے کی ضرورت نہیں ہے . اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ ہلا خاص کوشش کے ہی یہ دونوں مذہب آسانی سے ایک دوسرے سے مل چل گئے . کبیر، نانک، دادو، چیتن، تکارام، شاہ قلندر، بابا فرید، چشتی اور دوسرے صوفی سنتوں نے کامیابی کے ساتھ ہندستان کی جلتا مے ایک ایسا دھرم پھیل دینے کی کوشش کی جس مے ہندو مسلمانوں، دونوں کی مذہبی خوبیوں شامل تھیں .

مذہب یک کے دھرمک سامانہ (ادب) سے، چاہے وہ مسلمانوں کا ہو یا ہندوؤں کا، پڑھنے والا اُس کے آزادانہ نقطہ نظر اور ادارہ دشتی سے ضرور پرہیز ہو جاوے گا . ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اُردو متبرہ رواجوں، روزیوں اور کرم کاندوں اور پوجا کے اور پرستش کے باہری ڈھنگوں مے چاہے جو فرق ہوں، مذہبی زندگی کی بھرتی اور ہلیدی سچائی دونوں مے ایک سی تھی . اِس لئے مذہبیک کے صوفی سنتوں نے ہندو دھرم اور اسلام کے باہری طریقوں کو اہمیت نہ دے کر اُن کی بھرتی کی سادتا پر ہی زور دیا . یہی وجہ ہے کہ اُس زمانے کے ہندو اور مسلمان دوستی اور محبت کے سانچے مے قہل گئے . دونوں نے لئے ایک ہی ملک، ایک ہی راج، ایک ہی شہر، ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی گلی مے مکترا اور شانتی سے رھنا ممکن ہو سکا . دونوں مذہبی تصب کو کم کرنے مے کامیاب ہوئے . پورے ایک ہزار ورہی کے مشترکہ (سلت) انہیں

انہوں نے قریب قریب سبھی مشہور ہندو گزشتوں کا فارسی میں ترجمہ کر ڈالا۔ آپ بھاشا، رامائن، ہاکون کیٹا، دھرم شاہ، پرائی، ہوگ، شمشک، ہوگ، سہتر، ویدانت شاشتر آہی سبھی گزشتوں کے فارسی میں ترجمہ کئے گئے۔

ان کے بعد کے لکھنؤ میں شیخ احمد فاروقی (1563-1624) جو کہ مجاہد الدین ہے۔ ثانی کے زمان ہی مشہور ہے اور مرزا جان جاناں مظہر (1699) کے نام نہ جا سکتے ہیں۔ مظہر صاحب نے ہندوؤں کی موروثی پرچا کے بارے میں لکھا ہے:—

”مورتنی پوجا—مسلمان صوفیوں کی دھماں اور سادھنا یعنی ‘ذکر’ کے مساوی ہی ہے۔ اسلام کے پہلے عرب کے باشندوں کے دھواں سے اس مورتنی پوجا کی کوئی مماثلت نہیں ہے۔ عرب کے باشندے سمجھتے تھے کہ مورتنوں ہی میں خود شکتی اور اثر پورا ہوا ہے۔ وہ بعض پراناٹا کو پانے کا ذریعہ مانتے نہیں تھے جبکہ ہندوستان کے مورتنی پوجک مورتنوں کو اللہ تک پہنچانے کا صرف ایک ذریعہ مانتے ہیں۔“

اتنا ہی نہ تھا۔ ایک اور مسلمان عالم اپنی چھان بین اور دلیلوں کے ذریعہ ہندو ادھانم اور فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے تو دوسری اور اُس فلسفہ کو اپنی زندگی میں انار کو اُس کا ابھاس کرتے تھے۔ 'گلشن راز' کے مشہور لیکچرر محمود شبستاری (1317) نے بہت دوستی کے بارے میں لکھتے ہوئے اسلام سے اُس کا میل اور اُس کی براہری اِس طرح سمجھانے لے :-

”مورنی اِس دنیا میں محبت اور ایک ہی تصویر پہنچ کر رک دی ہوئی ہے۔ زنا ر یا جڈو پہنچ نہ کیا مطلب ہے ؟ جڈو پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ جڈو پہنچنے والا نہیں طوح کی خدمتوں (میوا) کا عہد لپکا ہے۔ (1) اپنے ماں باپ اور خاندان کی خدمت (2) جلتا کی خدمت اور (3) اللہ کی خدمت۔ جڈو کے تین نامک انہیں تین طوح کی سواؤں کی بد دلاتے ہیں۔ ’کمر‘ ہو چاہے ’دین‘ دونوں کا مقصد اللہ تک پہنچنا ہے۔ مورنی پوجا کہتی ہے کہ ایشور ایک ہے۔ اگر مسلمان یہ سمجھ لے کہ مورنی کیا ہے تو وہ یہ بھی سمجھ جائیگا کہ مورنی پوجا بھی اللہ تک پہنچانے کا ذریعہ ہے؛ اور بدی مورنی پوجک جان لے کہ مورنی کیا ہے تو وہ ایشور کے راستے سے کبھی نہ ہٹے گا۔ مورنی کے پوجاری نے مورنی کو صرف باہر سے دیکھا اِسی لئے وہ ’کفر‘ ہو گیا اور مسلمان نے بھی مورنی کو صرف باہر سے دیکھا اِسی لئے وہ ہی مورنی کے زار (دھسہ) کو نہ سمجھ سکا اور انصاف کی رو سے اپنے مذہب سے ہٹ گیا۔

ہندوستان اور اسلام

ڈاکٹر سید محمود

اسلام کے دشمنوں نے جن میں خاص طور پر یورپ کے
 ایتھاس لہیک ہیں، اسلام کو بدنام کرنے کی ہر سک کوشش
 کی ہے۔ انہوں نے اسلام کے خلاف ہر طرح کا جھوٹا پروچار کیا
 ہے۔ اس پروچار کا نتیجہ یہ ہے کہ غیر مسلم دنیا کو قریب
 قریب اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ اسلام کلمہ ملاپ، تعصب،
 مار کاٹ اور قتل عام کا پروچار کرنے والا مذہب ہے۔ حالانکہ
 سچائی اس کے بالکل خلاف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ موروں کا
 ایک طبقہ ایسا تھا جو اسلام کو سب سے اونچا مذہب مانتا
 تھا، لیکن ایسے مسلمانوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی جو
 سب مذہبوں میں سچائی، درندہ کی ہوا پر کوشش کرتے رہتے
 تھے۔ ایسے مسلمانوں کی بھی کمی نہ تھی جو سب مذہبوں
 میں بغاوتی سچائی کے دشمن کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ سب
 مذہب مل جل کر رہیں۔ ایسے ہی پشمار مسلمان فقیر اور
 موفی تھے جو اللہ کے راستے پر صرف سچائی کا ہی سہارا لے کر
 چلتے تھے۔ یہ فقیر اور موفی کہتے تھے کہ الگ الگ مذہب
 اللہ تک پہنچنے کے محض الگ الگ راستے کی طرح ہیں
 جن کا مقصد ایک اسی اللہ تک پہنچنا ہے۔ ایسے بہت سے
 مسلمان دریغ اور اپاسک تھے جو بنا کسی پھینکے ہوئے
 نلوں اور مسلمانوں، امیروں اور غریبوں سب کو پرمانہ کے ایک
 ہی راستے پر، یعنی سچائی کے راستے پر چلنے کا اہدہ
 دیتے تھے۔

یورپ والوں نے تو بہت بعد میں آزادی کے ساتھ مختلف
 دھرموں کی چھان بین کرنے کی وجہ جاری کی اور وہ ہیں
 صرف اے گنہ لوگوں نے؛ لیکن مسلمانوں میں ایسے بہت سے
 عالم ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں میں خاص عقل کو
 تسوٹی مان کر غیر جانبداری (نہ پکشتا) کے ساتھ مختلف
 مذہبوں کے ایک سے بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ان
 میں سب سے مشہور ودوان اور عالم ابوریحان البیرونی تھے۔
 انہوں نے گیارہویں صدی میں تفصیل کے ساتھ ہندو مذہب
 عقیدہ فلسفہ اور ہندو شاستروں پر لکھا ہے۔

ہندوستان کے منجملے زمانے میں جسے 'مدھیہ' کہا
 جاتا ہے، ہندوؤں کے دھرمک سائنس کا پتہ آج کے دور
 سمجھنے کے لئے مسلمان ودوانوں نے بڑی محنت کی ہے۔

ہندوستان کے منجملے زمانے میں جسے 'مدھیہ' کہا
 جاتا ہے، ہندوؤں کے دھرمک سائنس کا پتہ آج کے دور
 سمجھنے کے لئے مسلمان ودوانوں نے بڑی محنت کی ہے۔

ہندوستان کے منجملے زمانے میں جسے 'مدھیہ' کہا
 جاتا ہے، ہندوؤں کے دھرمک سائنس کا پتہ آج کے دور
 سمجھنے کے لئے مسلمان ودوانوں نے بڑی محنت کی ہے۔

ہندوستان کے منجملے زمانے میں جسے 'مدھیہ' کہا
 جاتا ہے، ہندوؤں کے دھرمک سائنس کا پتہ آج کے دور
 سمجھنے کے لئے مسلمان ودوانوں نے بڑی محنت کی ہے۔

لیئے آج تک 'بیرب باڈیکا' یا 'باغ دنیا' (Garden of the world) کے نام سے مشہور ہے۔ ایتھنز لیکنک سروولم مہر کے مطابق :-

ثام آج تک 'بیرب باڈیکا' یا 'باغ دنیا' (Garden of the world) کے نام سے مشہور ہے۔ ایتھنز لیکنک سروولم مہر کے مطابق :-

"میسوپوٹامیا کا یہ کول دوآب سدا سے عرب بادلوں سے ہی آباد رہا ہے اور کالڈیا اور دکنین شام ویر ائلل عرب کے ہی ہستے ہئے۔ اس پردشا میں رھنے والے کبیلے، جنمیں اس سامی کول پکین مورتی پوک بے اور ابکتر کم سے کم کھنے کے لیئے ہسائی بے، عرب جاتی کے مابوئی سے جوبے ہویے آنگ بے اور اس حثیت سے نئے عرب دہرم یعنی اسلام کے دائرے میں شامل بے۔"

"میسوپوٹامیا کا یہ کول دوآب سدا سے عرب بادلوں سے ہی آباد رہا ہے اور کالڈیا اور دکنین شام ویر ائلل عرب کے ہی ہستے ہئے۔ اس پردشا میں رھنے والے کبیلے، جنمیں اس سامی کول پکین مورتی پوک بے اور ابکتر کم سے کم کھنے کے لیئے ہسائی بے، عرب جاتی کے مابوئی سے جوبے ہویے آنگ بے اور اس حثیت سے نئے عرب دہرم یعنی اسلام کے دائرے میں شامل بے۔"

عرب کے یہ دونوں پرائٹ شام اور عراق صدیوں سے پچھم کی رومی ککومت اور پورب کی ایرانی شہنشاہیت کے صائحت چلے آتے بے۔ اسی پردیش میں لن دونوں وشال بادشاہتوں کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں۔ سن 527 ء کے باد سے ان دونوں بادشاہتوں میں پورے سو برس تک لگاتار جنگ ہوتی رہی جن میں کبھی ایرانی وچوٹا پوربی مہادیپ کے اندر تک اپنی سلطنت بڑھا لے جاتے بے اور کبھی رومی سمنا قزاق کے کنارے تک آپہنچتی تھی۔ سرحد کے لن پردیشوں کی قسمت بار بار بدلتی رھتی تھی۔ ٹوٹک اس سمہ پورا شام اور عراق کا اثر پچھمی بھاگ روم کے مائحت تھا اور باقی عراق ایران کے ادھوں۔ جب کہ دھن کے ریگستانی عرب قبیلوں نے محمد صاحب ہی کے وقا میں اپنا نانا مدینہ کی نئی قومی سرکار کے ساتھ جوبے لیا تھا شام اور عراق کا زرخیز عرب علاقہ ودیشوں کے قبضے میں تھا اور وہاں کی عرب پرجا غلامی کے دن کات رھتی تھی۔

عرب کے یہ دونوں پرائٹ شام اور عراق صدیوں سے پچھم کی رومی ککومت اور پورب کی ایرانی شہنشاہیت کے صائحت چلے آتے بے۔ اسی پردیش میں لن دونوں وشال بادشاہتوں کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں۔ سن 527 ء کے باد سے ان دونوں بادشاہتوں میں پورے سو برس تک لگاتار جنگ ہوتی رہی جن میں کبھی ایرانی وچوٹا پوربی مہادیپ کے اندر تک اپنی سلطنت بڑھا لے جاتے بے اور کبھی رومی سمنا قزاق کے کنارے تک آپہنچتی تھی۔ سرحد کے لن پردیشوں کی قسمت بار بار بدلتی رھتی تھی۔ ٹوٹک اس سمہ پورا شام اور عراق کا اثر پچھمی بھاگ روم کے مائحت تھا اور باقی عراق ایران کے ادھوں۔ جب کہ دھن کے ریگستانی عرب قبیلوں نے محمد صاحب ہی کے وقا میں اپنا نانا مدینہ کی نئی قومی سرکار کے ساتھ جوبے لیا تھا شام اور عراق کا زرخیز عرب علاقہ ودیشوں کے قبضے میں تھا اور وہاں کی عرب پرجا غلامی کے دن کات رھتی تھی۔

پسی سیاسی کفیت میں عرب کی نئے ککومی سرکار کے نوتاؤں کی ویدیشیوں کی غلامی میں آہیں بھرتے ہوئے اس عرب علاقہ کو غلامی سے چھڑا کر مدینہ کے ساتھ ملنے کی خواہش ایک قدرتی اور جائز خواہش تھی۔ لیکن اس سے ہی زیادہ گہرے سبب تھے جنہوں نے ابوبکر اور اس کے سلاہکاروں کا عراق اور شام کی راجنوتی میں دخل دینے اور ایران کور شام کی جبردست اور تاکتبر بادشاہوں سے لودھا لینے پر مجبور کر دیا۔

ایسی سیاسی کیفیت میں عرب کی نئی قومی سرکار نے تھانوں کی ودیشوں کی غلامی میں آہیں بھرتے ہوئے اس عرب علاقہ کو غلامی سے چھڑا کر مدینہ کے ساتھ ملنے کی خواہش ایک قدرتی اور جائز خواہش تھی۔ لیکن اس سے ہی زیادہ گہرے سبب تھے جنہوں نے ابوبکر اور اس کے سلاہکاروں کو عراق اور شام کی راجنوتی میں دخل دینے اور ایران کور شام کی جبردست اور تاکتبر بادشاہتوں سے لودھا لینے پر مجبور کر دیا۔

[باکئی آگلے نمبروں میں]

[باقی اگلے نمبروں میں]

فیر سے موراخان کاظم کیا۔ پھر یہ کہ بارہ مہینے کے اندر راج پھر کے اندر راج پھر سے شانتی، امن اور دوستی قائم ہو گئی۔ جن باغیوں نے خود ادھینتا سوہکار کر لی، ابھر لے ان کو معاف کر دیا۔

[6]

[6]

اب ہم عرب کے یوگول (جغرافیہ) کی اور ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اگر عرب میں وہ سب علاقہ شامل کیا جاوے جو یوگولک لحاظ سے صاف صاف عرب کے جزیرے میں شامل ہے، جس میں عرب چانی کے لوگ بستے ہیں اور جہاں عربی بھاشا بولی جاتی ہے، تو ابھی تک عرب کا ایک بہت بڑا اور زرخیز علاقہ مدینہ کی قومی سرکار سے باہر اور ویشیوں کے قبضے میں تھا۔ اگر ہم عرب کی یوگولک سرحدیں مقرر کرنا چاہیں تو ایران کی کھڑی سے لے کر ہندوستان، لال سمندر، سوہیز نہر تک قبیلوں اور کاسمندر، اُس کے بعد اتر میں لبنان، پروت سے ملا ہوا روم ساگر کا کنارہ اور اوپر چاکر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا وہ سلسلہ جو ایشیا کوچک سے شام کو الگ کرتا ہے اور دجلہ اور فرات نام کی بڑی ندیاں جو ان دونوں سے نکل کر ایک دوسرے کے برابر برابر بہتی ہوئی، گنگا اور جمنائی طرح ایک دوسرے میں مل کر ایران کی کھڑی میں جا گرتی ہوں، یا دجلے سے عرب کی وہ پہاڑیاں جو آجکل عراق عربی کو عراق عظمیٰ سے الگ کرتی ہوں، عرب کی قدرتی یوگولک سرحدیں ہیں۔ اس کے سوائے عرب کی کوئی دوسری سرحدیں مقرر کی ہی نہیں جا سکتیں۔ ایران کی کھڑی کے پچھم کے پردیش بحرین کو بصرہ کے میدان سے الگ کرنا جب کہ دونوں کے بیچ کوئی یوگولک رینک نہیں ہے اور دونوں میں صدیوں سے ایک ہی قبیلوں کے لوگ آباد چلے آئے ہیں، یا شام کے ریگستان کو نزد کے ریگستان سے الگ سمجھنا قدرتی حدودی کے اصولوں کے خلاف ایک بے انصافی ہو گئی۔

دجلہ اور فرات کا دو آب، 'میسوپوٹامیا' یا 'عراق' کے نام سے مشہور پرانے انہاس میں اسی علاقے کو سمیر یا بابلونیا (بابل) کہا گیا ہے۔ اس کا ادھک دھنی بھاگ 'کالڈیا' یا 'خلد' کہلاتا ہے۔ کالڈیا کے اتر میں بابل اور اسوریا کے بہت پرانے دیہے ہیں۔ دجلہ اور فرات کی نہروں کا ہزاروں برس پرانا سلسلہ گیس سے تک کھول اپنے اوشیشوں دوران سلسار کے نرمناں کا وشادوں کچھت کرتا رہا ہے۔ اتر میں شام (سوریا) سلسار کی سہتا ک لگ بھگ اتنا ہی پراچین اور اتنا ہی مشہور کھلدیہ چکا ہے۔ کالڈیا کا پردیش اپنے دل کو لہانے والے نظاروں اور سرسبز کے

دجلہ اور فرات کا دو آب، 'میسوپوٹامیا' یا 'عراق' کے نام سے مشہور پرانے انہاس میں اسی علاقے کو سمیر یا بابلونیا (بابل) کہا گیا ہے۔ اس کا ادھک دھنی بھاگ 'کالڈیا' یا 'خلد' کہلاتا ہے۔ کالڈیا کے اتر میں بابل اور اسوریا کے بہت پرانے دیہے ہیں۔ دجلہ اور فرات کی نہروں کا ہزاروں برس پرانا سلسلہ گیس سے تک کھول اپنے اوشیشوں دوران سلسار کے نرمناں کا وشادوں کچھت کرتا رہا ہے۔ اتر میں شام (سوریا) سلسار کی سہتا ک لگ بھگ اتنا ہی پراچین اور اتنا ہی مشہور کھلدیہ چکا ہے۔ کالڈیا کا پردیش اپنے دل کو لہانے والے نظاروں اور سرسبز کے

عرب خلیفہ کی اور مارے गए۔ بنی ہنیفا کے جین لوگوں نے بڑا بہت میں دھیرا نہ لیا تھا۔ انکا ایک نمائندہ مہربان ابوہریرہ سے ملنے مہینے گیا۔ ابوہریرہ نے ان کے ساتھ پریم اور عزت کا برتاؤ کیا۔ ان عربوں نے بھی اب عرب خلیفہ کی مانگتی اور اسلام دونوں کو قبول کر لیا۔ جس طرح خلیفہ نے اتر اور مدینہ عرب کی ہاتھوں کو شانت کیا اسی طرح دوسری ٹولہوں نے دوسرے سہلا پتھوں کے ادمین پرور اور دھن کے پرانتوں میں یہ سے سوشلسم قائم کیا۔

بہرین پرانت کے عیسائی سردار موزیر نے محمد صاحب کے سامنے اس اسلام قبول کر لیا تھا۔ موزیر کے اترادھیلاوی نے ابوہریرہ کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی اور اپنے کو یہ سے عیسائی ظاہر کیا۔ بہرین کے مسلمان ریڈیٹنیت الہ نے اسے ایک دن شراب کے نشہ میں چور پا کر گرفتار کر لیا اور اس پرانت کو اپنے قابو میں کر لیا۔ ہرزیف کے ماتحت ایک سہلہ دل نے عوامان پرانت میں یہ سے سوشلسم قائم کیا۔

تھاماس میں کچھ بدو قادیوں نے موقع پا کر اپنی پرانی عادت کے مطابق قادیوں کو لڑنا شروع کر دیا اور تھوڑے دنوں کے لئے اس پرانت میں راہ چلنا ناممکن کر دیا۔ ان کے ایک سردار فوجاع نے خلیفہ کے پاس آ کر یہ کہہ کر کہ میں اس پاس کے باغیوں کو شانت کرنا چاہتا ہوں کچھ استر شستر حاصل کر لئے اور یہ انہیں ہتھیاروں کی مدد سے اس سنگت کے سامنے تجارتی تھا دوسرے انہی قادیوں کی لوٹ مار جاری کر دی۔ ابوہریرہ نے فوجاع کو پکڑا منگایا اور اس دغا بازی کی سزا میں مدینہ کے قبرستان کے پاس زندہ چلوا دیا۔

عام طور پر ابو ہریرہ اپنے فیصلوں میں نرم دل تھا اور شرم میں ائمہ شیعہ کے ساتھ ادا کرنا کا برتاؤ کرتا تھا۔ † فوجاع کے سوا کی اور اشارہ کرتے ہوئے ابوہریرہ اپنے انت کے دنوں میں انٹر کہا کرتا تھا۔ ”یہ کام مہری زندگی کے ان دنوں میں سے ہے جن کی بابت میں سوچتا ہوں کہ اگر میں نے یہ نہ کیے ہوتے تو اچھا تھا۔“ لیکن فوجاع کی یہ سزا دوسروں کے لئے ایک نصیحت ہو گئی۔ عرب کی اس سے حالت پر اس کا اثر پڑا۔

یمن میں ابوہریرہ نے ایک ایرانی سردار فہروز کو ہانک مقرر کر کے بھیجا۔ وہاں کے کچھ عربوں نے فہروز کے خلاف بغاوت کی لیکن بغاوت شانت کر دی گئی۔ اس پرکار معاصر اور اکرام نے حضرت کے صوبہ میں

عرب خلیفہ کی اور مارے گئے۔ بنی ہنیفا کے جین لوگوں نے بڑا بہت میں دھیرا نہ لیا تھا۔ ان کا ایک پرتمندہ منزل ابوہریرہ سے ملنے مدینہ گیا۔ ابوہریرہ نے ان کے ساتھ پریم اور عزت کا برتاؤ کیا۔ ان عربوں نے بھی اب عرب خلیفہ کی مانگتی اور اسلام دونوں کو قبول کر لیا۔ جس طرح خلیفہ نے اتر اور مدینہ عرب کی ہاتھوں کو شانت کیا اسی طرح دوسری ٹولہوں نے دوسرے سہلا پتھوں کے ادمین پرور اور دھن کے پرانتوں میں یہ سے سوشلسم قائم کیا۔

بہرین پرانت کے عیسائی سردار موزیر نے محمد صاحب کے سامنے اسلام قبول کر لیا تھا۔ موزیر کے اترادھیلاوی نے ابوہریرہ کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی اور اپنے کو یہ سے عیسائی ظاہر کیا۔ بہرین کے مسلمان ریڈیٹنیت الہ نے اسے ایک دن شراب کے نشہ میں چور پا کر گرفتار کر لیا اور اس پرانت کو اپنے قابو میں کر لیا۔ ہرزیف کے ماتحت ایک سہلہ دل نے عوامان پرانت میں یہ سے سوشلسم قائم کیا۔

تھاماس میں کچھ بدو قادیوں نے موقع پا کر اپنی پرانی عادت کے مطابق قادیوں کو لڑنا شروع کر دیا اور تھوڑے دنوں کے لئے اس پرانت میں راہ چلنا ناممکن کر دیا۔ ان کے ایک سردار فوجاع نے خلیفہ کے پاس آ کر یہ کہہ کر کہ میں اس پاس کے باغیوں کو شانت کرنا چاہتا ہوں کچھ استر شستر حاصل کر لئے اور یہ انہیں ہتھیاروں کی مدد سے اس سنگت کے سامنے تجارتی تھا دوسرے انہی قادیوں کی لوٹ مار جاری کر دی۔ ابوہریرہ نے فوجاع کو پکڑا منگایا اور اس دغا بازی کی سزا میں مدینہ کے قبرستان کے پاس زندہ چلوا دیا۔

عام طور پر ابو ہریرہ اپنے فیصلوں میں نرم دل تھا اور شرم میں ائمہ شیعہ کے ساتھ ادا کرنا کا برتاؤ کرتا تھا۔ † فوجاع کے سوا کی اور اشارہ کرتے ہوئے ابوہریرہ اپنے انت کے دنوں میں انٹر کہا کرتا تھا۔ ”یہ کام مہری زندگی کے ان دنوں میں سے ہے جن کی بابت میں سوچتا ہوں کہ اگر میں نے یہ نہ کیے ہوتے تو اچھا تھا۔“ لیکن فوجاع کی یہ سزا دوسروں کے لئے ایک نصیحت ہو گئی۔ عرب کی اس سے حالت پر اس کا اثر پڑا۔

یمن میں ابوہریرہ نے ایک ایرانی سردار فہروز کو ہانک مقرر کر کے بھیجا۔ وہاں کے کچھ عربوں نے فہروز کے خلاف بغاوت کی لیکن بغاوت شانت کر دی گئی۔ اس پرکار معاصر اور اکرام نے حضرت کے صوبہ میں

† Sir William Muir.

دنکار کر دیا۔ سجاہ اپنی سنا سہت یاما سبہ کی اور بڑی۔

یاما کا سبہ عرب کے ٹوک بیک میں یوڑا سا پورب کی اور ہے۔ یہاں پر بنی حنیفا نام کا ایک بڑا عیسائی قبیلہ آباد تھا۔ ان لوگوں نے محمد صاحب کے سہ میں مدینہ کی سرکار کو اپنی سرکار مان لیا تھا۔ لیکن اب وہ چالیس ہزار کی تعداد میں اپنے ایک سردار موسیٰ کے ادھین بغاوت پر آمادہ تھے۔ موسیٰ کچھ پہلے سے یوسفی کا دعویٰ کر رہا تھا اور بنی حنیفا کے زیادہ تر لوگ اسیے اپنا شاکس مانتے تھے۔ ممکن ہے انہی وشواسی عیسائیوں کے دلوں میں اس سہ یہ خیال پودا ہو رہا ہو کہ اگر عرب کے قدیم پت پرستوں میں ایک مہان یوسف پودا ہو سکتا ہے تو عیسائیوں میں کیوں نہیں؟

سجاہ اپنی سنا کے ساتھ یوسلما سے جا کر مل گئی۔ دونوں میں بات چیت ہوئی اور ان کے دل اس قدر مل گئے کہ یاما کے یوسفی نے اعراف کی یوسفی کے ساتھ شادی کر لی۔ یاما صوبہ کی آٹھی مال گذاری سجاہ کو سدا کے لئے دھوز (مہر) میں دے دی گئی۔ چند روز کے بعد ہی اپنی زیادہ تر فوج موسیٰ کے سپرد کر کے سجاہ اتر لی اور عرب کی سرحد کو پھر سے پار کر اعراف لوٹ گئی۔ اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ البتہ بے انتظامی کے وقت میں کچھ دنوں تک تھوڑے سے اعرافی گھوڑ سوار اس کے نام پر یاما اور اس کے پاس تھوڑی بہت مال گذاری وصول کرتے رہے۔

ابوبکر نے انہی اور شورہ بل کے ماتحت ایک فوجی فوج موسیٰ و پرست کرنے کے لئے پہلے ہی سے بھیج دی تھی۔ اس فوج نے موسیٰ کی وشال سب سے بری طرح ہار کھائی۔ رومی سازشوں کا سب سے زیادہ اثر یسی سب پر تھا۔ اسی پر انہوں نے سب سے زیادہ دھن حربہ دیا اور اپنی فزلیت صرف کی تھی۔ خالد اب یاما کی اور یوڑا۔ انہی نامک مقام پر دونوں کے اور ی سوناؤں میں بڑی گھمسان لڑائی ہوئی۔ دونوں اور کے سبیلوں نے خوب دیر تا کہ جوہر دہائے۔ آخر میں باغیوں کو یوسفی ہٹا پڑا۔ موسیٰ اپنے بچے ہوئے آدمیوں ساتھ یوسفی ہٹ کر ایک باغ میں داخل ہوا اور اس کا دروازہ بہتر سے بند کر لیا۔ باغ کے باہر ایک اونچی چہاردیواری تھی۔ خالد کی عرب سبیل نے باغ کو گھیر لیا۔ دروازہ کھلا موسیٰ اور اس کے سب ساتھی میدان میں کام آئے۔ یہ باغ مسلم انہاس میں "موت کے باغ" کے نام سے مشہور ہے۔ وہ خالد کی اور دھی، لیکن انہی زخمیوں کے علاوہ 360 "حاجر" قریب 300 انصار اور قریب 500 دوسرے

عرب کی کثرت، سبکدوشی اور اسلام

لڑائی میں کوریش کی طرف سے لڑکر ایک بار موہممد ساہب کو پراسٹ کیا تھا اور جیسے ہی موہممد ساہب کی موت سے بڑے ہی دنوں پہلے متاع کی لڑائی میں رومن سینا کے ہاتھوں سے کوئی ہونی چاہی تھی۔ خالد کو اس سے سب سے پہلے مدینہ سے اتر کر اور پھر مدینہ کے ایک نئے دعویدار طویلہا کو زہر کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

طویلہا بنی اسد نام کے باقی قبیلے کا سردار تھا۔ شام کی سرحد پر بنی غاتفان نام کا ایک دوسرا پورا نام عیسائی قبیلہ تھا۔ بنی غاتفان کا ایک سردار اٹیفہ سات سو سپاہیوں کے ساتھ طویلہا سے جا ملا۔ ہزاروں کی لڑائی میں خالد نے دونوں ہی قبیلوں کی مشترکہ فوج کو شکست دی۔ طویلہا نے اپنی بیوی سمیت ہواگ نر شام میں رومی حکومت کی سرحد کے اندر پناہ لی۔ اٹیفہ گرفتار کر کے جنگ کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ خلیفہ کے پاس مدینہ بھیج دیا گیا۔ خلیفہ نے اٹیفہ اور اس کے سب ساتھیوں کو معاف کر دیا اور انہیں آزاد کر دیا۔ طویلہا کو بھی معاف کر دیا گیا۔ اسے اطلاق بھیج دی گئی۔ اس کے دل پر اس کا اثر ہوا۔ اس نے فوراً شام سے عرب کوئی کر اسلام سوکار کر لیا اور اس کے بعد اُردن کے ساتھ عربوں کی لڑائیوں میں اس نے خوب ویرانہ کے ہاتھ دکھائے۔ بنی اسد اور بنی غاتفان دونوں قبیلوں کے لوگوں نے ابوبکر کو محمد صاحب کا وارث اور اپنا حاکم مان لیا۔ خالد نے اس کے بعد ایک مہینہ ہوا خاں میں رہ کر اس پاس کے صوبوں میں پورے امن اور آمان قائم کیا۔ خالد نے اپنی جلدی فتح حاصل کرنے کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ جب کہ طویلہا، اٹیفہ اور ان کے نوروں سے ساتھی رومی شاہوں کے ہاتھوں میں کھل رہے تھے، زیادہ تر عرب مدینہ کی نئی قومی سرکار کو اپنی سرکار سمجھتے تھے۔ باغیوں کی اور ابوبکر کی مہربانی نے بھی اس سے بہت بڑا کام دیا۔

خالد اب یورپ کی اور مڑا۔ اسی اور اُردن کی کھڑی کے پاس بنی تہیم نام کا ایک بہت بڑا عیسائی قبیلہ تھا جسکی انہیں شاخوں نے اُردن میں عراق کے اندر فرات ندی تک پہنچی ہوئی تھیں۔ اس قبیلے کی ایک شاخ کا نام بنی یزبوا تھا۔ بنی یزبوا کی ایک عیسائی بیوی سجاہ نے جو بہت دنوں سے اُردن میں رہتی تھی اس سے خون پیغمبری کا دعویٰ کیا اور نئی عیسائی قبیلوں سے ایک بہت بڑی سبھا لے کر مدینہ کو زہر کرنے کے لئے عرب کی سرحد میں داخل ہوئی۔ سرحد کے اس پار بنی یزبوا کے لوگوں نے سجاہ کا ساتھ دیا۔ لیکن بنی تہیم کے زیادہ تر لوگوں نے سجاہ کا ساتھ دینے سے

خالد اب یورپ کی اور مڑا۔ اسی اور اُردن کی کھڑی کے پاس بنی تہیم نام کا ایک بہت بڑا عیسائی قبیلہ تھا جسکی انہیں شاخوں نے اُردن میں عراق کے اندر فرات ندی تک پہنچی ہوئی تھیں۔ اس قبیلے کی ایک شاخ کا نام بنی یزبوا تھا۔ بنی یزبوا کی ایک عیسائی بیوی سجاہ نے جو بہت دنوں سے اُردن میں رہتی تھی اس سے خون پیغمبری کا دعویٰ کیا اور نئی عیسائی قبیلوں سے ایک بہت بڑی سبھا لے کر مدینہ کو زہر کرنے کے لئے عرب کی سرحد میں داخل ہوئی۔ سرحد کے اس پار بنی یزبوا کے لوگوں نے سجاہ کا ساتھ دیا۔ لیکن بنی تہیم کے زیادہ تر لوگوں نے سجاہ کا ساتھ دینے سے

خالد اب یورپ کی اور مڑا۔ اسی اور اُردن کی کھڑی کے پاس بنی تہیم نام کا ایک بہت بڑا عیسائی قبیلہ تھا جسکی انہیں شاخوں نے اُردن میں عراق کے اندر فرات ندی تک پہنچی ہوئی تھیں۔ اس قبیلے کی ایک شاخ کا نام بنی یزبوا تھا۔ بنی یزبوا کی ایک عیسائی بیوی سجاہ نے جو بہت دنوں سے اُردن میں رہتی تھی اس سے خون پیغمبری کا دعویٰ کیا اور نئی عیسائی قبیلوں سے ایک بہت بڑی سبھا لے کر مدینہ کو زہر کرنے کے لئے عرب کی سرحد میں داخل ہوئی۔ سرحد کے اس پار بنی یزبوا کے لوگوں نے سجاہ کا ساتھ دیا۔ لیکن بنی تہیم کے زیادہ تر لوگوں نے سجاہ کا ساتھ دینے سے

خالد اب یورپ کی اور مڑا۔ اسی اور اُردن کی کھڑی کے پاس بنی تہیم نام کا ایک بہت بڑا عیسائی قبیلہ تھا جسکی انہیں شاخوں نے اُردن میں عراق کے اندر فرات ندی تک پہنچی ہوئی تھیں۔ اس قبیلے کی ایک شاخ کا نام بنی یزبوا تھا۔ بنی یزبوا کی ایک عیسائی بیوی سجاہ نے جو بہت دنوں سے اُردن میں رہتی تھی اس سے خون پیغمبری کا دعویٰ کیا اور نئی عیسائی قبیلوں سے ایک بہت بڑی سبھا لے کر مدینہ کو زہر کرنے کے لئے عرب کی سرحد میں داخل ہوئی۔ سرحد کے اس پار بنی یزبوا کے لوگوں نے سجاہ کا ساتھ دیا۔ لیکن بنی تہیم کے زیادہ تر لوگوں نے سجاہ کا ساتھ دینے سے

آوساما کی فوج شام تک بڑی چلی گئی۔ رومی سنا
پیچھے ہٹ چکی تھی۔ آوساما شام کی سرحد پر گئے کچھ
سرکھ عیسائی قبیلوں کو سزائیں دے کر جرمانے کے دھن
اور باغیوں کے ضبط شدہ مال کے ساتھ درمہلمہ کے بعد مدینہ
لوٹ آیا۔ شہر کی حفاظت کی فکر اب جانی رہی۔ ابوبکر نے
پھر تھوڑی سی سیلا لے کر مدینہ پر حملہ کرنے والے باغیوں
کو جو خدرا کے میدان میں پھر سے اکٹھا ہو رہے تھے، آخری
شکست دی۔ اس کے بعد ابوبکر پھر کبھی مدینہ سے باہر
جنگ کے اہل نہیں نکلا۔

اب صرف مدینہ سے باہر کی بغاوتوں کو ختم کرنے کا
مسئلہ باقی تھا۔ ابوبکر نے کل وفادار عرب سرداروں کو جمع
کھا اور جتنی فوج جمع کی جاسکی اُس کی ایک ایک گھڑیاں
بٹا کر انہیں الگ الگ دشاؤں میں روانہ کر دیا۔ ان سب
بغاوتوں کو شانت کر کے عرب کو پھر سے ایک راہبرہ شاسن
کے ادھیں لائے میں ابوبکر کو پورا ایک سال لگ گیا۔ ان
فوجی دلیں میں جو خالد ابن ولید کے ماتحت بھیجا گیا اُس
نے بغاوت کو دبانے میں بہت تعریف کے قابل کام کیا۔ خالد کے
چرنے کو بیان کرتے ہوئے انہیں اس کے سرورہم مہور لکھتا ہے—

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے شروع کے دنوں
میں ابوبکر اور عمر کے بعد سب سے ادھک مہار دہنکی ولید
کا بیٹا خالد تھا۔ اس بات کا سہرا سب سے ادھک اُس کے
سر ہالندنا چاہئے کہ اسلام نے اتنی جلدی اپنی حالت کو
پھر سے مضبوط کر لیا اور اس کے بعد وہ اتنی ادھک تیزی کے
ساتھ پھیلنا چلا گیا۔ خالد ایک جانباز سپاہی تھا۔ اُس
کی بہادری جلدبازی کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن
بہادری کے ساتھ ساتھ اُس میں ٹھنڈے دل سے اور تروت
نصیلے تک پہنچنے کی بھی قابلیت تھی۔

”جن جنگ کے مہدائوں میں ایران کی بادشاہت اور
شام کی رومی شہنشاہیت دونوں کی ذمہ دت کا فیصلہ ہو گیا
انہیں خالد نے جو عملی ہوشیاری دکھائی، اُس کے سبب اُسے
دنیا کے بڑے سے بڑے سپہ سالاروں میں گنا جاتا ہے۔
بار بار لیکن ہوشہ عجیب و غریب ہوشیاری اور جانبازی کے
ساتھ اُس نے ایسی مصیبتوں کے وقت پائسہ پھینک دیا جن
میں اگر وہ ہار جاتا تو اُس کی ہار کا مطلب اسلام کا خاتمہ
ہوتا۔“

خالد کی فہر معمولی بہادری کے سبب اسلام کے
انہیں میں اُسے ”سرف اللہ“ یعنی ”اللہ کی تلوار“ کے نام سے
پکرا جاتا ہے۔ یہ وہی خالد تھا جس نے اُحد کی

آوساما کی فوج شام تک بڑی چلی گئی۔ رومی سنا
پیچھے ہٹ چکی تھی۔ آوساما شام کی سرحد پر گئے کچھ
سرکھ عیسائی قبیلوں کو سزائیں دے کر جرمانے کے دھن
اور باغیوں کے ضبط شدہ مال کے ساتھ درمہلمہ کے بعد مدینہ
لوٹ آیا۔ شہر کی حفاظت کی فکر اب جانی رہی۔ ابوبکر نے
پھر تھوڑی سی سیلا لے کر مدینہ پر حملہ کرنے والے باغیوں
کو جو خدرا کے میدان میں پھر سے اکٹھا ہو رہے تھے، آخری
شکست دی۔ اس کے بعد ابوبکر پھر کبھی مدینہ سے باہر
جنگ کے اہل نہیں نکلا۔

اب صرف مدینہ سے باہر کی بغاوتوں کو ختم کرنے کا
مسئلہ باقی تھا۔ ابوبکر نے کل وفادار عرب سرداروں کو جمع
کھا اور جتنی فوج جمع کی جاسکی اُس کی ایک ایک گھڑیاں
بٹا کر انہیں الگ الگ دشاؤں میں روانہ کر دیا۔ ان سب
بغاوتوں کو شانت کر کے عرب کو پھر سے ایک راہبرہ شاسن
کے ادھیں لائے میں ابوبکر کو پورا ایک سال لگ گیا۔ ان
فوجی دلیں میں جو خالد ابن ولید کے ماتحت بھیجا گیا اُس
نے بغاوت کو دبانے میں بہت تعریف کے قابل کام کیا۔ خالد کے
چرنے کو بیان کرتے ہوئے انہیں اس کے سرورہم مہور لکھتا ہے—

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے شروع کے دنوں
میں ابوبکر اور عمر کے بعد سب سے ادھک مہار دہنکی ولید
کا بیٹا خالد تھا۔ اس بات کا سہرا سب سے ادھک اُس کے
سر ہالندنا چاہئے کہ اسلام نے اتنی جلدی اپنی حالت کو
پھر سے مضبوط کر لیا اور اس کے بعد وہ اتنی ادھک تیزی کے
ساتھ پھیلنا چلا گیا۔ خالد ایک جانباز سپاہی تھا۔ اُس
کی بہادری جلدبازی کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن
بہادری کے ساتھ ساتھ اُس میں ٹھنڈے دل سے اور تروت
نصیلے تک پہنچنے کی بھی قابلیت تھی۔

”جن جنگ کے مہدائوں میں ایران کی بادشاہت اور
شام کی رومی شہنشاہیت دونوں کی ذمہ دت کا فیصلہ ہو گیا
انہیں خالد نے جو عملی ہوشیاری دکھائی، اُس کے سبب اُسے
دنیا کے بڑے سے بڑے سپہ سالاروں میں گنا جاتا ہے۔
بار بار لیکن ہوشہ عجیب و غریب ہوشیاری اور جانبازی کے
ساتھ اُس نے ایسی مصیبتوں کے وقت پائسہ پھینک دیا جن
میں اگر وہ ہار جاتا تو اُس کی ہار کا مطلب اسلام کا خاتمہ
ہوتا۔“

خالد کی فہر معمولی بہادری کے سبب اسلام کے
انہیں میں اُسے ”سرف اللہ“ یعنی ”اللہ کی تلوار“ کے نام سے
پکرا جاتا ہے۔ یہ وہی خالد تھا جس نے اُحد کی

अबुबक्र ने धीरज के साथ उमर को जवाब दिया—

“यदि शहर के चारों तरफ खूंखार भेड़ियों के मुण्ड के मुण्ड फिर रहे हों और मैं शहर के अन्दर अकेला रह गया हूँ तब भी सेना जायगी, मेरे मालिक (मोहम्मद साहब) के मुँह से निकला हुआ एक तपत्र भी खाली नहीं जा सकता.”

मुमकिन है दूरन्देश अबुबक की निगाहें इस समय इस बात की ओर भी रही हों कि इन तमाम बराबतों का असली सरचश्मा कहाँ है, सेना गई, अबुबक कुछ दूर तक पैदल ओसामा के साथ साथ गया, बिदाई के वक़्त अबुबक ने ओसामा को इन लफ्ज़ों में आदेश दिया—

“देखना बेबफाई से खबरदार रहना, अदल और इन्साफ़ (न्याय) के रास्ते से ज़र्रा भर भी इधर उधर न होना। किसी को अंग-भंग की सजा न देना। न किसी बालक, या बूढ़े या औरत का क़त्ल करना। खज़ूर के दरख़्तों का आग न लगाना न उन्हें किसी तरह का नुक़सान पहुँचाना, न किसी ऐसे दरख़्त को काटना जिससे आव़मियों या जानवरों को खाना मिलता हो। सिवाय जोबन निर्बाह की ज़रूरत के किसी पशु-पक्षी या ऊँट का न मारना। उस मुल्क के लोग जो खाना तुम्हारे खाने के लिये अपने बतनों में लाएँ उसे अल्लाह का नाम लेकर खा लेना। सिर मुँहाए साधू अगर तुम्हारी मुखालफ़त न करें तो उन्हें किसी तरह की तक़लीफ़ न पहुँचाना अब अल्लाह के नाम पर आगे बढ़ो। अल्लाह तलवारों और बबाओं से तुम्हारी हिफ़ाज़त करे !”

ओसामा के जाने के बाद अरब की जो हालत हुई उसे एक लेखक ने इन लक्षणों में बयान किया है—

“अरब में चारों ओर बगावत होने लगी. लोग इसलाम छोड़ने लगे. नई क्रौमी सरकार के खिलाफ ईसाई और यहूदी गरदन उभारने लगे. विश्वासी मुसलमानों की हालत ऐसी हो गई जैसे बिना गड़रिये की भेड़ें ! उनका रसूल जा चुका था, उनकी तादाद घट रही थी और उनके दुश्मन बढ़ रहे थे.”

मौका पाकर कुछ बागियों ने फौरन मदीने पर चढ़ाई कर दी. मुख्य सेना आंसामा के साथ रवाना हो चुकी थी. अबुबक्र ने हर बालिग आदमी को हथियारबन्द होने और शहर की हिफाजत करने के लिये सबको जमा होने का हुक्म दिया. खुद फौज की कमान्दारी की, लड़ाई हुई. बागी परास्त होकर तितर-बितर हो गए. इस छोटी सी जीत का आम अरबों के दिलों पर बहुत अच्छा असर पड़ा. नतीजा यह हुआ कि आस पास के कबीलों से खिराज मदीने आने लगा.

ابوبکر نے دھڑچ کے ساتھ عمر کو جواب دیا۔

’بدی شہر کے چاروں طرف خونخوار بیڑیوں کے جھنڈ
کے جھنڈ پھرتے ہیں اور میں شہر کے اندر اٹھا رہ گیا ہوں
قب بیو سیٹھا جانتی ہوں۔ مہرے مالک (محمّد صاحب) کے
منہ سے نکلا ہوا ایک اغظا بھی خالی نہیں جاسکتا۔“

ممكن ہے دور اندیشی ابوبکر کی نگاہیں اِس سمت اِس بات کی اُور بھی رہی رہیں کہ اِن تمام ہنراتوں کا اصلو سرچشمہ کہل ہے۔ سینا کئی۔ ابوبکر کچھ دور تک پوندل اوساما کے ساتھ ساتھ گیا۔ بدائی کے وقت ابوبکر نے اوساما کو اِن اخطوں میں آدھس دیا۔

”دیکھنا ہے دفائی سے خبردار رہنا۔ عدل اور انصاف (نہانے) کے راستے سے رزہ پور ہوئی ادھر ادھر نہ ہونا۔ کسی کو انگ پھٹک کی سزا نہ دینا۔ نہ کسی ہاک، یا پورے یا عورت کو قتل کرنا۔ کھجور کے درختوں نہ آگ نہ لگانا نہ انہیں کسی طرح کا نقصان پہنچانا، نہ کسی ایسے درخت کو کاٹنا جس سے آدمیوں یا جانوروں کو کھانا ملتا ہو۔ سوائے جڑوں نرواہ کی ضرورت کہ کسی پھو پکشی یا آونٹ کو نہ مارنا۔ اُس ملک کے لوگ جو کھانا تمہارے کھانے کے لئے اپنے درختوں میں لائیں اُسے اللہ کا نام لے کر کھا لیا۔ سر ماذانہ سادھو اگر تمہاری مخالفت نہ کریں تو انہیں کسی طرح کی تکالیف نہ پہنچانا۔ اب آئے کے نام پر آگے بڑھو۔ اللہ نلوروں اور وہاؤں سے تمہاری حفاظت کرے۔“ ❀

اوسلما کے جانے کے بعد عرب کی جو حالت ہوئی اُسے ایک ایسک نے اِن لفظوں میں بیان کیا ہے۔
عرب میں چاروں اُرد بغاوت ہرنے لگی۔ لوگ اسلحہ چھوڑنے لگے۔
نئی قسمی سرکار کے خالق عیسائی اور یہودی گردن اُٹارنے لگے۔
وہولسی مسلمانوں کی حالت ایسی ہوگئی جیسے ہلا گتیرہ
کی بیڑیوں اُن کا رسول جاچکا تھا، اُن کی تعداد گھٹ
دھنی تھی اور اُن کے دشمن بڑھ رہے تھے۔“

موقع پائر کچھ بلخیں نے نوراً مدینہ پر چڑھائی کردی۔ مہمہ سہنا اوساما کے ساتھ روانہ ہو چکی تھی۔ ابوہر نے ہر بالغ آدمی کو ہتھار بند۔ ہولے اور شہر کی حفاظت کے کر لے لئے سب کو جمع ہولے کا حکم دیا۔ خود فوج کی کمانداری لی۔ لڑائی ہوئی۔ باقی پراسٹ ہو کر تتر بتر ہو گئے۔ اِس چھوٹی سی جہت کا عام عربوں کے دلوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس پلس کے قبیلوں سے خراجِ مدینہ اُلی لگا۔

The Caliphate, its Rise, Decline and Fall, by William Muir, pp. 10-11.

عرب کی کلچر، سبھیتا اور اسلام

بشیر ناظم پانڈے

[4]

بغداد کی پہلی خبر اتر میں شام کی سرحد پر کے ان صوبوں سے آئی جو محمد صاحب کے اسم میں بھی رومی سازشوں کا مرکز (کینٹر) رہ چکے تھے۔ دوسرے دھیرے دوسرے انہیں صوبوں سے بھی اسی طرح کی خبریں مدینہ پہنچنے لگیں۔ لیکن یہ سب بغاوتیں اتر، پور اور دکن کے صرف ان پرانتوں میں ہوئیں جو روم یا ایران دونوں میں سے کسی کے ماتحت رہ چکے تھے۔ ان بغاوتوں میں حصہ لہے والے صرف یا تو کچھ عیسائی عرب قبیلے تھے یا وہ قبیلے تھے جو حال میں عیسائی سے مسلمان ہوئے تھے۔ قدرتی طور پر انہیں میں رومی لوگوں کی سازشیں سب سے زیادہ کامیاب ہوسکتی تھیں۔ روم اور ایران کی سرحد سے ہی یہ سب بغاوتیں شروع ہوئیں۔ ان بغاوتوں کا سب سے بڑا کھنڈر عرب کی سرحد سے بھی دور عراق کے اتر میں تھا جہاں سے سجادہ نام کی ایک عیسائی استری نے نکل کر عرب پر دھاوا کیا اور محمد صاحب کے بعد خود پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا۔

ایک بار معلوم ہوتا تھا کہ 23 برس کی ساری کوششیں بے کار گئیں۔

اسلام کے کوچ سے پہلے ہی اُس زمانے کے دوسرے سب سے بڑے عرب ٹیکٹیک عمر نے آکر ابوبکر کو ان بغاوتوں کی افواہوں کی خبر دی۔ اُس نے اطلاع دی کہ کئی اور سے مدینہ پر حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور یہ صلح دی کہ مہینا نو شام جانے سے روک کر مدینہ کی حفاظت کے لئے رکھا جائے۔

ابوبکر کے نازک اور ان اہمیت کدھوں پر اس سب سے بڑی گہری زمرداری تھی۔ کدول اُس کی سچائی، اُس کے دھڑج، اُس کے سانس، اُس کی وہاواہارک بدھی اور ان سب سے بڑے کر ایک اللہ اور اُس کے رسول محمد پر اُس کی گہری شردھا نے اس سنگت کے سب سے اُس کا ساتھ دیا۔ اسلام اور ابوبکر نے اُس قسم کی مدینہ، مکتا اور طائف جیسے خاص خاص عرب شہروں اور کوچ کے وہ سب عرب قبیلے جو سیاسی نقطہ نظر سے کبھی دوسروں کے ماتحت نہ ہونے تھے اپنے ایمان پر نئی قومی سرکار کی اور اپنی وفاداری میں یکہ رہے۔

بغداد کی پہلی خبر اتر میں شام کی سرحد پر کے ان صوبوں سے آئی جو محمد صاحب کے اسم میں بھی رومی سازشوں کا مرکز (کینٹر) رہ چکے تھے۔ دوسرے دھیرے دوسرے انہیں صوبوں سے بھی اسی طرح کی خبریں مدینہ پہنچنے لگیں۔ لیکن یہ سب بغاوتیں اتر، پور اور دکن کے صرف ان پرانتوں میں ہوئیں جو روم یا ایران دونوں میں سے کسی کے ماتحت رہ چکے تھے۔ ان بغاوتوں میں حصہ لہے والے صرف یا تو کچھ عیسائی عرب قبیلے تھے یا وہ قبیلے تھے جو حال میں عیسائی سے مسلمان ہوئے تھے۔ قدرتی طور پر انہیں میں رومی لوگوں کی سازشیں سب سے زیادہ کامیاب ہوسکتی تھیں۔ روم اور ایران کی سرحد سے ہی یہ سب بغاوتیں شروع ہوئیں۔ ان بغاوتوں کا سب سے بڑا کھنڈر عرب کی سرحد سے بھی دور عراق کے اتر میں تھا جہاں سے سجادہ نام کی ایک عیسائی استری نے نکل کر عرب پر دھاوا کیا اور محمد صاحب کے بعد خود پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا۔

ایک بار معلوم ہوتا تھا کہ 23 برس کی ساری کوششیں بے کار گئیں۔

اسلام کے کوچ سے پہلے ہی اُس زمانے کے دوسرے سب سے بڑے عرب ٹیکٹیک عمر نے آکر ابوبکر کو ان بغاوتوں کی افواہوں کی خبر دی۔ اُس نے اطلاع دی کہ کئی اور سے مدینہ پر حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور یہ صلح دی کہ مہینا نو شام جانے سے روک کر مدینہ کی حفاظت کے لئے رکھا جائے۔

ابوبکر کے نازک اور ان اہمیت کدھوں پر اس سب سے بڑی گہری زمرداری تھی۔ کدول اُس کی سچائی، اُس کے دھڑج، اُس کے سانس، اُس کی وہاواہارک بدھی اور ان سب سے بڑے کر ایک اللہ اور اُس کے رسول محمد پر اُس کی گہری شردھا نے اس سنگت کے سب سے اُس کا ساتھ دیا۔ اسلام اور ابوبکر نے اُس قسم کی مدینہ، مکتا اور طائف جیسے خاص خاص عرب شہروں اور کوچ کے وہ سب عرب قبیلے جو سیاسی نقطہ نظر سے کبھی دوسروں کے ماتحت نہ ہونے تھے اپنے ایمان پر نئی قومی سرکار کی اور اپنی وفاداری میں یکہ رہے۔

गजल

श्री सच्चादत 'नजीर' एम.ए.

कई इन्कलाब 1 देखे, सुने कितने ही फसाने 2 !
 मुझे क्या फरेब 3 दे'गे तेरे वादे या बहाने !
 मेरे तजरबों ने आखिर किया राक्ष आशकारा 4,
 कि हैं जालसाजियों 5 के यह तमाम कारखाने.
 न वह बलबले 6 हैं बाक्री, न बुलन्द होसले 7 हैं,
 उन्हें आखें ढूँढ़ती हैं, जो गुश्चर गये जमाने,
 मेरी कमनसीबियों ने मेरी आस 8 को न तोड़ा.
 मेरी खिन्दगी ने ठुकरा दिये मर्ग 9 के बहाने.
 कहीं अज 10 बन के बरसे, कहीं मिस्त राव 11 गरजे,
 बने इन्कलाब आवर 12 मेरे इश्क 13 के तराने.
 मैं मिटा के चैन लूँगा तेरे नादरी चलन को,
 मैं लुटा ही के रहूँगा तरे जौर 14 के खजाने.
 मुझे! बर्क 15 देखना है! तू जलाएगी कहाँ तक?
 मैं नये-नये बनाता ही रहूँगा आशियाने 16.
 मेरी कोशिशों यही हैं कि बहार ऐसी आये,
 कि जहाँ से बुलबुलों की सुने गुल 17 नये तराने.
 मेरा इश्क एक मोअम्मा, 18 मेरी जीस्त 19 एक ओक़दा 20,
 जो है खीराऊर 21 समझे, जो है दर्दमन्द, जाने
 तेरी बज्म 22 में पलट कर मैं अब आऊँ या न आऊँ,
 न मुला सकेगी दुनिया मेरे दर्द के फसाने
 यह 'नजीर' ! रंज 23 कैसा ? वही फिर बना ले माला !
 कि फ़क़त समेटना हैं, जो बिखर गये हैं दाने.

1. क्रान्ति 2. कहानी 3. धोखा 4. भेद का खुल जाना 5. धोखेबाजियाँ 6. जोश 7. इरादे 8. चरम मोड़ 9. मृत्यु 10. बादल 11. बिजली 12. क्रान्ति लानेवाले 13. प्रेम 14. अत्याचार 15. बिजली 16. चोसले, घर 17. फूल 18. समस्या 19. जीवन 20. भेद 21. बुद्धिमान 22. सभा 23. दुख.

ग़ज़ल

शरी सعادत 'नظير' ایم. اے .

कئی انقلاب 1 دیکھے، سارے کتنے ہی فسانے 2 !
 مجھے کیا فریب 3 دیکھے ترے وعدے یا بہانے !
 میرے تجربوں نے آخر کیا راز آشکارا 4،
 کہ میں جعل سازیں 5 کے یہ تمام کارخانے .
 نہ وہ دالے 6 میں باقی، نہ بلند حوصلے 7 میں،
 انہیں انہیں قہر نہتھی میں، جو گزر گئے زمانے .
 میری کم نصیبیوں نے میری آس 8 کو نہ توڑا،
 میری زندگی نے ٹھکرا دینے مرگ 9 کے بہانے .
 کہیں ابر 10 بن کے بر سے، کہیں مثل وعد 11 گرچے،
 بلکہ انقلاب اور 12 میرے عشق 13 کے ترانے .
 میں مٹ کے چاروں لونگا ترے نادری چلن کو،
 میں لٹا ہی کے رہنمائی ترے جور 14 کے خزانے .
 مجھے! برق 15 دیکھنا ہے! تو جلائیگی کہاں تک ?
 میں لٹے لٹے بنانا ہی رہوں گا آشیانے 16 .
 میری کوششوں بھی ہیں کہ بہار ایسی آئے،
 کہ جہاں سے بلبلوں کی سلیں گل 17 لٹے ترانے .
 مرا عشق اک معمہ، 18 میری زیست 19 ایک عقدہ 20،
 جو ہے فی شہر 21 سمجھے، جو ہے درد مند، جانے .
 میری بزم 22 میں پلٹ کر میں اب آؤں یا نہ آؤں،
 نہ پہلا سکے گی دنیا میرے درد کے فسانے .
 یہ 'نظیر' ! رنج 23 کوسا ? وہی پھر بنائے نہ لا !
 کہ فقط سمیٹنا ہیں، جو بکھر گئے ہیں دالے .

1. کرانٹی: 2. کہانی: 3. دھوکا: 4. بھेद का खुल जाना: 5. दूध के बाजियाँ: 6. जोश: 7. इरादे: 8. अमर: 9. मरणा: 10. बादल: 11. बिजली: 12. क्रान्ति लाने वाले: 13. प्रेम: 14. अत्याचार: 15. बिजली: 16. चोसले, घर: 17. फूल: 18. समस्या: 19. जीवन: 20. भेद: 21. बुद्धिमान: 22. सभा: 23. दुख.

کيا کيس سے	صفحہ	صفحہ	کيا کيس سے
1. غزل	...	251	...
— شری سعادت ’نظیر‘ ایم۔ اے۔	...	251	...
2. عرب سبھتا اور اسلام	...	252	...
— وشومبہر ناتھ پانڈے	...	252	...
3. ہندوستان اور اسلام	...	260	...
— ڈاکٹر سید محمود — انگریزی سے انوادک	...	260	...
— ڈاکٹر سید محمود — انگریزی سے انوادک	...	260	...
4. سن 1905 کا سوبدیشی آندولن اور مہرا	...	265	...
— پंडित सुन्दरलाल	...	265	...
5. محمد صاحب کی کچھ حدیثیں	...	272	...
— ڈاکٹر میرزا ابو الفضل	...	272	...
— ڈاکٹر میرزا ابو الفضل	...	272	...
6. رباعیات محمد	...	277	...
— شری ’محمد‘	...	277	...
7. انہما میں ایکٹا یعنی کثرت میں وحدت	...	282	...
— ڈاکٹر بھوانی داس	...	282	...
8. ٹوپیاں اور جھنڈیاں	...	290	...
— شری عبداللہم انصاری	...	290	...
9. کچھ کتابیں	...	295	...
10. دیہی کی حالت پر ایک خط — پंडित सुन्दरलाल	...	297	...
— دیہی کی حالت پر ایک خط — پंडित सुन्दरलाल	...	297	...

हिन्दुस्तान नव्या हिन्द

نمبر 6 نمبر 24 جلد 24 جلد

دسمبر 1957

ہندوستانی کلچر سوسائٹی
145، مٹی کچہ، لاہور
ہندوستان کا کلچر
145، مٹیا گنج، ایس۔ایم۔

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editor

Suresh Ramabhai

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.

Can be had from —

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

نیا حصہ

اس نمبر کے خاص لیکھ

عرب کی کلتور، سہمت اور اسلام

—ویربھرناتھ پانڈے

—ویربھرناتھ پانڈے

ہندوستان اور اسلام

ہندوستان اور اسلام

—ڈاکٹر سید محمد

—ڈاکٹر سید محمد

انگریزی سے انگریزی

—انگریزی سے انگریزی

—دی. نا. پانڈے

دی. نا. پانڈے

سن 1905 کا سب سے بڑا
اور میرا راجنیتک جیون

سن 1905 کا سب سے بڑا
اور میرا راجنیتک جیون

—پنڈت سندر لال

—پنڈت سندر لال

انہی میں ایک ہی
کثرت میں وحدت

انہی میں ایک ہی
کثرت میں وحدت

—ڈاکٹر بھگوان داس

—ڈاکٹر بھگوان داس

ہماری رائے

ہماری رائے

دہلی کی حالت پر ایک خط

دہلی کی حالت پر ایک خط

—پنڈت سندر لال

—پنڈت سندر لال



گھر

کتابوں پر ہر طرح کی کتابیں
کا ایک بڑا کنٹرول ہاؤس ہندی
اور انگریزی کی من پسند کتابوں کے
لئے ہمیں لکھیں

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

লেখক—گاندھیवाद کے ماننے جانے
विद्वान : श्री मंचर अली साठवा
सके 225, क्रिमल दो रुपया

—:0:—

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

লেখিকা—क्रुसिया जैदी

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू
मोटा कागज, मोटा टाइट, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें
दाम दो रुपया

—:0:—

पंडित मुन्वरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम दारु रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सके, दाम बारह आने

महामा गान्धी के बलिदान से सबक

क्रिमल बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

क्रिमल बार आने

बंगाल और उससे सबक

क्रिमल दो आने

हिन्दी साहित्य कलचर सोसायटी

145 मुहम्मद इकबाल

ظہور پر ہر طرح کی کتابیں
کا ایک بڑا کنٹرول ہاؤس ہندی
اور انگریزی کی من پسند کتابوں کے
لئے ہمیں لکھیں

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

লেখক—گاندھیवाद کے ماننے جانے
विद्वान : श्री मंचर अली साठवा
सके 225, क्रिमल दो रुपया

—:0:—

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

লেখিকা—क्रुसिया जैदी

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू
मोटा कागज, मोटा टाइट, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें
दाम दो रुपया

—:0:—

पंडित मुन्वरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम दारु रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सके, दाम बारह आने

महामा गान्धी के बलिदान से सबक

क्रिमल बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

क्रिमल बार आने

बंगाल और उससे सबक

क्रिमल दो आने

हिन्दी साहित्य कलचर सोसायटी

145 मुहम्मद इकबाल

ہجرت موہممہ اور اسسٹام

لکھک—پرنسٹن سندرلال، مکتب—تین روپيا
اسلام کے گمان کے سمبندھ میں भारतीय भाषाओं में इस से
سुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

ہجرت ईसा और ईसाई धर्म

لکھک—پرنسٹن سندرلال، مکتب—دو روپيا

مہاتما جراثुत्र और ईरानी संस्कृति

لکھک—विश्वम्भरनाथ पांडे, क्रीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लकहक—विश्वम्भरनाथ पांडे, क्रीमत—दो रुपया

प्राचीन मिला की सभ्यता और संस्कृति

लकहक—विश्वम्भरनाथ पांडे, क्रीमत—दो रुपया

सुमेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लकहक—विश्वम्भरनाथ पांडे, क्रीमत—दो रुपया

प्रचीन यूनानी सभ्यत और संस्कृति

लकहक—विश्वम्भरनाथ पांडे, क्रीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लकहक—श्री मुजीब रिजवी, क्रीमत—दो रुपया

अ।ग और आँसू

(भाषपूने सामाजिक कहानियाँ)

लकहक—डाक्टर अखतर हुसेन रायपुरी, क्रीमत—दो रुपया

कुरान और धर्मिक मतभेद

लकहक—मोलाना अबुलकलाम आझाद, क्रीमत—दो रुपया

मंकर

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लकहक—रघुपति सहाय किराक, क्रीमत—तीन रुपया

मिलने का पता

ہجرت عیسیٰ اور اسلام

لکھک—پرنسٹن سندرلال، مکتب—تین روپيا
اسلام کے گمان کے سمبندھ میں भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

ہجرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

لکھک—پرنسٹن سندرلال، مکتب—دو روپيا

مہاتما زر تہستہ اور ایرانی سنسکرتی

لکھک—विश्वम्भरनाथ पांडे, क्रीमत—दो रुपया

یہودی دھرم اور سامی سنسکرتی

لکھک—विश्वम्भरनाथ पांडे, क्रीमत—दो रुपया

پراچین مصر کی سبھیتا اور سنسکرتی

لکھک—विश्वम्भरनाथ पांडे, क्रीमत—दो रुपया

سبیر بابل اور اسوریائی پراچین سنسکرتی

لکھک—विश्वम्भरनाथ पांडे, क्रीमत—दो रुपया

پراچین یونانی سبھیتا اور سنسکرتی

लकहक—विश्वम्भरनाथ पांडे, क्रीमत—दो रुपया

گنگا سے گوتمی تک

(پرگتی شیل کہانی سترہ)

लकहक—श्री मुजीब रिजवी, क्रीमत—दो रुपया

اک اور انسو

(ہاؤپرین سماجک کہانیاں)

लकहक—डाक्टर अखतर हुसेन रायपुरी, क्रीमत—दो रुपया

قرآن اور دھارمک متبھید

लकहक—मोलाना अबुलकलाम आझाद, क्रीमत—दो रुपया

جھنکار

(پرگتی شیل کہانیوں کا سترہ)

लकहक—रघुपति सहाय किराक, क्रीमत—तीन रुपया

ہندستانی کلچر سوسائٹی

145 سٹی گنج، دہلی

कर्मों से मुक्त है कि उनके सामने लड़कती प्रिय भाविका का
वर्णन। कसली प्रश्न पं० जवाहर लाल नेहरू और उनकी
सरकार को गिराने का है, देश की इस समय की स्थिति में यह
जानकर कि इस तरह के नासमझ और खतरनाक लोग भी
अभी तक देश में मौजूद हैं हमारा दिल काँप उठता है। कुछ
सिख भाइयों, सिख अफसरों, वगैरह के पक्षपात पूर्ण व्यक्-
ति और कुचरित्र तक की शिकायतें सुनने में आई हैं। यदि
ऐसा है तो जिन्हें ऐसी शिकायतें हैं उनका कर्म है कि उन्हें
प्रेम के साथ मास्टर तारासिंह और शिरोमणि गुरुद्वारा
प्रबन्धक कमेटी के नोटिस में लायें। और मास्टर तारासिंह
और शिरोमणि गुरुद्वारा प्रबन्धक कमेटी का धर्म है कि
इस तरह की शिकायतों की पूरी जाँच करके पंजाब के अन्दर
सिखों के चरित्र को ऊँचा, निष्पक्ष और सबके लिये प्रेम भरा
बनाने की पूरी कोशिश करें। कम से कम इस तरह के रोग
का यह इलाज नहीं है कि देश भर में या प्रान्त भर में वैमन-
स्य की आग भड़कायी जावे।

भाषाएँ और लिपियाँ सदा बदलती रही हैं, और बदलती रहेगी. हिन्दी भाषा के प्रेमियों से हमारी बिनम्र प्रार्थना है कि वे देश की सब दूसरी भाषाओं से प्रेम दर्शाकर और उनकी उन्नति चाह कर ही राष्ट्र-भाषा हिन्दी का सच्चा भला कर सकते हैं. दूसरों भाषाओं से देश पैदा करके कदापि नहीं कर सकते. पंजाब की जनता और पंजाब के सब देश-सेवकों से हमारी प्रार्थना है कि वे जिस तरह भी और जितनी जल्दी हो सके इस भगड़े को खतम करें और सिखों, हिन्दुओं और सब पंजाब निवासियों में प्रेम और मेल-मिलाप को बढ़ाने, मजबूत करने और बनाए रखने का हर तरह प्रयत्न करें. इसी में उनका भला है, इसी में देश का भला है. इसके विपरीत रास्ता बरबादी का रास्ता है.

और इससे कि हिन्दी को जो चरमा हम नहीं कर रहे हैं .
 हम इस हिन्दी को जिस की भाव हिन्दी हैं तो हमें
 और जो हिन्दी हिन्दी के पंजाबी हिन्दी कहा
 करते हैं कि हिन्दी पंजाबी हिन्दी कर रहा है ? कौन
 किसका हिन्दी पंजाबी हिन्दी कर रहा है ? हाल के पंजाब
 के दूरे में हम जो हिन्दी पंजाबी से बात कर चुके हैं, कोई भी.
 जिस हिन्दी पंजाबी से हिन्दी नहीं कर रहा है . इनकार
 बसल कुछ हिन्दी की जो पंजाबी या गुजराती पढ़ने से है .
 एक हिन्दी इस आन्दोलन का नाम हिन्दी रखा आन्दोलन
 की जगह पंजाबी हिन्दी आन्दोलन कायद ज्यादा ठीक
 होता . इससे हिन्दी हिन्दी है . दो ही उपाय हो सकते हैं .
 जो दो ही हिन्दी हिन्दी की बोल बोल की आवाज
 पंजाबी के हिन्दी पंजाबी सुवा और जिन में बोल
 हिन्दी की हिन्दी हिन्दी है उनका एक हिन्दी सुवा, दो अलग
 अलग सुवा हिन्दी हिन्दी के साथ बना दिये जावे और या
 अगर सारे हिन्दी का एक 'सुवा' या एक 'राज' रखना है
 तो जरूरी है कि पंजाबी हिन्दी के अधिकतर काम पंजाबी में
 हो और हिन्दी हिन्दी के में हिन्दी में, और सिख और हिन्दू
 और और सब लोग, पंजाबी बोलने वाले और हिन्दी बोलने
 वाले सब प्रेम के साथ दोनों भाषाएँ और दोनों लिपियाँ
 अच्छी तरह सीखें जिस से सारे पंजाब के सब कामों में
 सबको आसानी हो . जरूरत इस बात की है कि दिलों में
 बजाय नफरतों, डरों और दुश्मनियों के प्रेम, विश्वास और
 भाई चारे के भाव हों .

اور اس سے پہلے میں نے بڑے خطرے کی چھٹی چھٹی نہیں کر
 جب ہم ”ہندی کی شکشا“ کی بات سنتے ہیں تو ہمیں
 پور ہی اچرچ ہوتا ہے۔ پنجاب کے اندر ہندی کہاں خطرہ
 میں ہے؟ کون ہندی پر حملہ کر رہا ہے؟ کون کس کس
 ہندی پڑھ پڑھنے سے روک رہا ہے؟ حال کے پنجاب کے
 دورے میں ہم سینکڑوں سکھ بھائیوں سے باتیں کر چکے ہیں
 کوئی بھی سکھ ہندی پڑھنے سے انکار نہیں کر رہا ہے۔ انکار تو
 کچھ ہندوؤں کو پنجابی یا گرمی پڑھنے سے ہے۔ تب پھر اس
 آندولن کا نام ہندی رکھا آندولن کی جگہ پنجابی وندو
 آندولن شاید زیادہ ٹھیک ہوتا۔ علی بالکل صاف ہے۔ دو ہی
 لپائی ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ جن عقلمندوں کی بول چال
 کی زبان ہندی ہے ان کا ایک ہندی صوبہ، دو الگ الگ
 صوبہ ایمپرائی کے ساتھ بنادئے جائیں۔ اور یا اگر سارے پنجاب
 کا ایک ”صوبہ“ یا ایک ”راج“ رکھا جائے تو ضروری ہے کہ پنجابی
 علاقہ میں اہمتر کام پنجابی میں ہو اور ہندی علاقہ میں
 ہندی میں، اور سکھ اور ہندو اور سب لوگ، پنجابی بولنے
 والے اور ہندی بولنے والے سب پریم سے ساتھ دونوں بھائیوں اور
 دونوں لہیاں اچھی طرح سمجھیں جن سے سارے پنجاب کے
 سب گھروں میں سب کو آسانی ہو۔ ضرورت اس بات کی ہے
 کہ دلوں میں بھائیوں، بھائیوں اور دشمنوں کے درمیان
 اور بھائی چارے کے بھاؤ ہو۔

کہیں کہیں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ ہندی پنجابی چاہتے ہیں کہ پنجابی بڑھتا اُن کے لہ لڑی نہیں۔ اُن کی بات کو چھوڑ کر ہم اسے بھی بالکل نہیں سمجھ سکتے۔ اِس قول میں کون کون دہ لڑی ہیں اور کون کون اختیاری یہ بات بہت چوڑی اور شکشا دینا کے چلے کر لے کی ہے۔ ہمیں یوکرل کے لڑی ہونے میں کوئی اعتراض نہیں، شاید انگریزوں کے لڑی ہونے میں بھی کوئی اعتراض نہیں۔ ہمیں اعتراض ہے کہل پنجابی کے لڑی ہونے میں اور وہ بھی پنجاب میں رہ کر۔ آخر پنجابی پر چاری سے اِنٹی ناراضی کہیں؟ پنجابی نہ جالم سے ہندی والوں کر پرائنٹ ہو کی نوکریاں کام کاج اور دو پار میں جو نصیبی رہے گا وہ ظاہر ہی ہے۔

ہم نے اپنے پیچھے کے دروازے میں اور بھی کئی طرح کی باتیں سنی ہیں۔ کچھ جانتا ہے کہ یہ سارا جھوٹا کچھ لوگوں کی منشیہ مزاج اور مہموں کا جھوٹا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو جلتا اور آگ میں سوکھنے کو اس پر بھی جلتا ہے جتنی جلدی ہو گی ان جلتے۔ ہم نے کچھ پڑھ لکھ آدھیں کو یہ کہتے ہیں اپنے

کی مدد دے کر سرییا پر حملہ کرنے کے لیے اُنکے ساتھ گیا، روس نے ہڈرل کو آگاہ کر دیا، پھر سے بھی ساملا رک گیا کیر ترکی کو مدد دے کر سرییا پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا گیا، روس نے کیر ترکی کو بھی بتا دیا۔ ساملا اس وقت بھی پڑا ہوا ہے۔ دنیا بھر کے لیے جس طرح کے خطرے کا مقام آج سہرا بنا ہوا ہے اسی طرح کے خطرے کے مقام ایک درجن اور چاروں طرف، خاص کر بھارت کے چاروں طرف، پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں میں سے ایک مقام ہمارے قریب انڈیا پر بھی ہے۔ ان ملکوں میں آجکل کی کوئی لڑائی ساری دنیا کو اپنے ہمتیوں میں لہاتے بنا نہیں رہ سکتی۔ کسی کی بھی بھول، غلطی یا پرواہی سے کل نہیں کیا ہو جاوے کوئی نہیں کہہ سکتا۔ ہمیں اپنے دیہی کی حالت اور سہراہوں کا بھی پتہ ہے۔ اسی پرستی میں پنجاب جیسی سرحد کے اوپر دیہی واسیوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے وردہ بڑکا دینے سے بڑھ کر دیہی کی نئی آزادی کو خطرے میں ڈال دینا دوسرا کام نہیں دو سکتا اور وہ اس لئے کہ دیہی کی دو پھاری بھاشاؤں، پنجابی اور ہندی، میں سے ہر ایک کا ایک ایک لکھ چاروں یا دوسری میں یا دونوں میں، یا اس لئے کہ ہر ایک کے اکھبر ایک طرح لکھے جارہیں یا دوسری طرح۔

ہم اپنے ہندی رक्षा समिति के भाइयों से यह कहे बिना भी नहीं रह सकते कि अपने इस हालत और कुमभव के आन्दोलन से उन्होंने सबसे अधिक नुकसान राष्ट्र भाषा हिन्दी को पहुँचाया है۔ हमने पचास बरस हिन्दी की सेवा की है, हमें यह देखकर दुख होता है कि बंगाल के और खासकर दक्षिण के वह भाई जो पहले भी हमारे इसी अंधे-पन और हमारी कट्टरता के कारण हिन्दी से कुछ बिल्कुल बिल्कुल रहते थे और अंगरेजी को उसकी आजकल की जगह से हटाना नहीं चाहते थे उनकी आशाकार्य पं गाव के इस हिन्दी रक्षा आन्दोलन से बेहद बढ़ गई हैं। पूर्व और दक्खिन के हिन्दी विरोधी आन्दोलन को बेहद बल मिल गया है। हिन्दी रक्षा समिति के नेताओं के बयान दक्षिण में खूब छापे जा रहे हैं। उनका कहना है कि अगर पंजाब के पंजाबी बोलने वाले हिन्दी-प्रेमी पंजाबी को नहीं सह सकते तो इस तरह हिन्दी प्रेमियों से तमिल और तेलगू के भले की क्या आशा हो सकती है! उनके कहने में बहुत कुछ सच्चाई भी बिखर गई है। इसमें जरा भी सन्देह नहीं कि यदि यह हिन्दी रक्षा आन्दोलन उसी तरह कुछ दिनों और चलता रहा तो भारत की पार्लिमेन्ट के अन्दर राष्ट्र भाषा हिन्दी का अंगरेजी का स्थान दिया जा सकता पीछियों दूर चला जावेगा। देश के कई कई ठिकाणों

की मदद दے کر سرییا پر حملہ کرنے کے لیے اُنکے ساتھ گیا، روس نے ہڈرل کو آگاہ کر دیا، پھر سے بھی ساملا رک گیا کیر ترکی کو مدد دے کر سرییا پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا گیا، روس نے کیر ترکی کو بھی بتا دیا۔ ساملا اس وقت بھی پڑا ہوا ہے۔ دنیا بھر کے لیے جس طرح کے خطرے کا مقام آج سہرا بنا ہوا ہے اسی طرح کے خطرے کے مقام ایک درجن اور چاروں طرف، خاص کر بھارت کے چاروں طرف، پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں میں سے ایک مقام ہمارے قریب انڈیا پر بھی ہے۔ ان ملکوں میں آجکل کی کوئی لڑائی ساری دنیا کو اپنے ہمتیوں میں لہاتے بنا نہیں رہ سکتی۔ کسی کی بھی بھول، غلطی یا پرواہی سے کل نہیں کیا ہو جاوے کوئی نہیں کہہ سکتا۔ ہمیں اپنے دیہی کی حالت اور سہراہوں کا بھی پتہ ہے۔ اسی پرستی میں پنجاب جیسی سرحد کے اوپر دیہی واسیوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے وردہ بڑکا دینے سے بڑھ کر دیہی کی نئی آزادی کو خطرے میں ڈال دینا دوسرا کام نہیں دو سکتا اور وہ اس لئے کہ دیہی کی دو پھاری بھاشاؤں، پنجابی اور ہندی، میں سے ہر ایک کا ایک ایک لکھ چاروں یا دوسری میں یا دونوں میں، یا اس لئے کہ ہر ایک کے اکھبر ایک طرح لکھے جارہیں یا دوسری طرح۔

ہم اپنے ہندی رक्षा समिति के भाइयों से यह कहे बिना भी नहीं रह सकते कि अपने इस हालत और कुमभव के आन्दोलन से उन्होंने सबसे अधिक नुकसान राष्ट्र भाषा हिन्दी को पहुँचाया है۔ हमने पचास बरस हिन्दी की सेवा की है, हमें यह देखकर दुख होता है कि बंगाल के और खासकर दक्षिण के वह भाई जो पहले भी हमारे इसी अंधे-पन और हमारी कट्टरता के कारण हिन्दी से कुछ बिल्कुल बिल्कुल रहते थे और अंगरेजी को उसकी आजकल की जगह से हटाना नहीं चाहते थे उनकी आशाकार्य पं गाव के इस हिन्दी रक्षा आन्दोलन से बेहद बढ़ गई हैं। पूर्व और दक्खिन के हिन्दी विरोधी आन्दोलन को बेहद बल मिल गया है। हिन्दी रक्षा समिति के नेताओं के बयान दक्षिण में खूब छापे जा रहे हैं। उनका कहना है कि अगर पंजाब के पंजाबी बोलने वाले हिन्दी-प्रेमी पंजाबी को नहीं सह सकते तो इस तरह हिन्दी प्रेमियों से तमिल और तेलगू के भले की क्या आशा हो सकती है! उनके कहने में बहुत कुछ सच्चाई भी बिखर गई है। इसमें जरा भी सन्देह नहीं कि यदि यह हिन्दी रक्षा आन्दोलन उसी तरह कुछ दिनों और चलता रहा तो भारत की पार्लिमेन्ट के अन्दर राष्ट्र भाषा हिन्दी का अंगरेजी का स्थान दिया जा सकता पीछियों दूर चला जावेगा। देश के कई कई ठिकाणों

اور کرمی ایشیائی قوم . سام ہی پہچانی میں گندے سے گندے گالے بھی سبکوں سے ظہور اور اسنسر کی گلیوں میں گٹے جارہے ہیں اور آج تک گٹے جاتے ہیں . سچ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی بھاشا پاک ہے نہ ناپاک . نہ سنسکرت عربی سے زیادہ پاک اور نہ عربی سنسکرت سے زیادہ پاک اور نہ ان دونوں میں سے کوئی چینی ، جاپانی ، روسی ، لاطینی ، فرانسیسی یا دنیا کی کسی اور بھاشا سے پاک ہے . یا ہوں کہہ کہ دنیا کی سب بھاشائیں ایک برابر پاک اور ایک برابر ناپاک ہیں . نہ کوئی بھاشا دیوتاؤں کی بھاشا ہے اور نہ کوئی بولی فرشتوں کی بولی ہے . بھاشائیں اور بولیاں سب آدمیوں کی بولیاں ہیں . کم یا ادھک سب میں اچھی چیزیں بھی مایں گی اور بری چیزیں بھی . بھاشا قبول ایک سامعین ہے وچاروں کے آدان پردان کا . بھاشا کوئی دیوی یا دیوتا نہیں . جو بھاشا جس سمے جہاں جس حالت میں ہمیں سب سے اچھا کام دے وہی اس سمے کے لئے سب سے آدھک اچت ہے . ایں طرح کے آدھک و شواہس یا مز گواہ کسی بھی دیہی یا قوم کو مٹا مٹا دے ، ان میں بدورت ڈال سکتے ہیں ، انہیں برباد کر سکتے ہیں ، پر ان کی آفتنی یا دکھ میں سہایک نہیں ہو سکتے . بہ الگ بات ہے کہ کسی کو کسی بھاشا میں اپنے دھرم گرنتم ہونے کے کارن یا اس کے اپنی ماتر بھاشا ہونے کے کارن اس سے وشیش پریم یا دلچسپی کسی دوسری بھاشا سے دوش کا کارن نہیں ہونی چاہئے . ایں طرح کی سب باتیں میں یہ اپنے دل پر جما ایسا چاہئے نہ سب کی آفتنی اور سب کے ہالے میں ہی ہو ایک کا بھلا ہے .

دنیا کی انتہر راشتری استہتی سے جو آدمی کچھ بھی پرپچت ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ دنیا ایں وقت ایک بہت بڑے سلنٹ میں سے نکل رہی ہے . جگہ جگہ وہ خطرناک مسالے جما ہو رہے ہیں . اور بھینکر استہتیاں پیدا ہو رہی ہیں جو کسی سمے بھی کہیں بھی بھڑک کر ساری دنیا کی آزادی ، خوشحالی اور اس کے وجود تک کو خطرے میں ڈال سکتی ہے . قبول ایک مثال کافی ہو گی . حال میں سوریہ یعنی شام کی سرکار کو عہدہ داروں کی ضرورت پڑی ، انہوں نے امریکہ سے ہتھیار خریدنا چاہا ، امریکہ نے یہ تکی شرطیں پیش کر دیں . سوریہ نے روس سے ہاتھ کی ، روس نے ہلکا شرط سوریہ کے ہاتھ ہتھیار پہنچانا منظور کر لیا ، ہتھیار خرید لئے گئے ، امریکہ نے سوریہ کو دھمکی دی ، امریکی جہازیں یوزا سوریہ کے کنارے پر آدھمکا ، سوریہ گھبرایا ، آتمے میں روسی جہازیں یوزا بھی دھلی آ پہنچا ، امریکی منصوبہ کچھ دیر کے لئے ٹھہرتے ہوئے اب اعزائل کو عہدہ داروں

دنیا کی انتہر راشتری استہتی سے جو آدمی کچھ بھی پرپچت ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ دنیا ایں وقت ایک بہت بڑے سلنٹ میں سے نکل رہی ہے . جگہ جگہ وہ خطرناک مسالے جما ہو رہے ہیں . اور بھینکر استہتیاں پیدا ہو رہی ہیں جو کسی سمے بھی کہیں بھی بھڑک کر ساری دنیا کی آزادی ، خوشحالی اور اس کے وجود تک کو خطرے میں ڈال سکتی ہے . قبول ایک مثال کافی ہو گی . حال میں سوریہ یعنی شام کی سرکار کو عہدہ داروں کی ضرورت پڑی ، انہوں نے امریکہ سے ہتھیار خریدنا چاہا ، امریکہ نے یہ تکی شرطیں پیش کر دیں . سوریہ نے روس سے ہاتھ کی ، روس نے ہلکا شرط سوریہ کے ہاتھ ہتھیار پہنچانا منظور کر لیا ، ہتھیار خرید لئے گئے ، امریکہ نے سوریہ کو دھمکی دی ، امریکی جہازیں یوزا سوریہ کے کنارے پر آدھمکا ، سوریہ گھبرایا ، آتمے میں روسی جہازیں یوزا بھی دھلی آ پہنچا ، امریکی منصوبہ کچھ دیر کے لئے ٹھہرتے ہوئے اب اعزائل کو عہدہ داروں

دنیا کی انتہر راشتری استہتی سے جو آدمی کچھ بھی پرپچت ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ دنیا ایں وقت ایک بہت بڑے سلنٹ میں سے نکل رہی ہے . جگہ جگہ وہ خطرناک مسالے جما ہو رہے ہیں . اور بھینکر استہتیاں پیدا ہو رہی ہیں جو کسی سمے بھی کہیں بھی بھڑک کر ساری دنیا کی آزادی ، خوشحالی اور اس کے وجود تک کو خطرے میں ڈال سکتی ہے . قبول ایک مثال کافی ہو گی . حال میں سوریہ یعنی شام کی سرکار کو عہدہ داروں کی ضرورت پڑی ، انہوں نے امریکہ سے ہتھیار خریدنا چاہا ، امریکہ نے یہ تکی شرطیں پیش کر دیں . سوریہ نے روس سے ہاتھ کی ، روس نے ہلکا شرط سوریہ کے ہاتھ ہتھیار پہنچانا منظور کر لیا ، ہتھیار خرید لئے گئے ، امریکہ نے سوریہ کو دھمکی دی ، امریکی جہازیں یوزا سوریہ کے کنارے پر آدھمکا ، سوریہ گھبرایا ، آتمے میں روسی جہازیں یوزا بھی دھلی آ پہنچا ، امریکی منصوبہ کچھ دیر کے لئے ٹھہرتے ہوئے اب اعزائل کو عہدہ داروں

بار دھرا نا پکاتا تھا اور سونے والوں کے آنانند پر۔
 رات سے حال بار بار گونج اٹھا تھا، اسی طرح کا تجربہ ہمیں اور بھی انیک
 بار ہوا ہے اور ہمیں دشواری ہے کہ پنجاب کے اور بھی ہزاروں
 اور لاکھوں کو ہوا ہو گا۔ پنجابی ایک جیت بھاشا ہے اور بڑی
 سندر، بھابی اور دھاندی بھاشا ہے۔

پنجاب میں آجکل ایک "ہندی رक्षा समिति" ہے۔ سنا
 ہے اسکی آواز سے کہا جاتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ
 ہے کہ ہندیوں کی بھاشا ہندی ہے۔ یہ کہنا بھی بہت غلط اور خطرناک
 ہے۔ اگر ہندیوں کی بھاشا ہے تو یہ طے کرنا پڑے گا کہ شری راج
 گوبالا آجاریہ ہندو کہہ جاسکتے ہیں یا نہیں، اور سویم ہندو
 سپہا کے پچھلے صدر شری این۔ سی۔ چتر جی ہندو ہیں یا
 نہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا ہندو پدمی مدراسی یا بنگالی یا
 گجراتی یا مہاراشٹری ہندی تو اپنی مادری بھاشا ماننے کو تیار
 نہیں ہوگا۔ وہ ہندی تو بھارت کی راج بھاشا یا راشٹر بھاشا
 ماننے کو تیار ہو سکتا ہے پر اپنی مادری بھاشا پورے گرو کے ساتھ
 اسی بھاشا کو کہہ گا جو وہ اپنی ماں بھائی کے ساتھ گھر میں
 بولتا ہے۔ بھاشائیں دھرموں کی نہیں ہوا کرتیں۔ بھاشائیں
 علاقوں اور دیشوں کی ہوتی ہیں۔

اس طرح کی غلط فہمیوں کی جو ہمیں ایک خاص وجہ
 کام کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھاشا پاک ہے اور کوئی
 اپاک۔ یہ وجہ بھی بہت غلط وجہ ہے۔ ہمارے ایک سکر
 جنہیں اردو سے کچھ ناراضگی ہے اور جو سنسکرت کے بڑے بہت
 ہیں ایک بار ہم سے کہتے تھے کہ اردو سادہ اور خاص کر اردو
 شاعری میں اشلل بہت ہوتی ہے۔ پر جب ہم نے اس
 رشتہ میں سنسکرت سادہ کا انہیں حال بتایا تو وہ کچھ
 سوچنے لگے۔ آج سے چوں برس پہلے ہم ہی۔ اے میں سنسکرت
 پڑھتا تھا۔ مہادی کالیداس رچت کمار سمبھو پڑھتے پڑھتے
 کچھ کچھ وہ پرسنگ آجاتے تھے جہاں ہمارے مہاراشٹر
 پروفیسر شری رام چندر ہری ہرئکر کچھ چہتے ہوتے اور کچھ
 مسکراتے ہوتے دہاتھوں سے کہہ دیتے تھے: "اے آپ اپنے من
 ہی من میں پڑھ لیجئے۔" شاید کوئی بتا اپنی بکری کے سامنے
 اُن شلوکوں کو پڑھ کر اُن کا اُرتہ نہیں کر سکتا۔ ہم مان لیتا
 نہیں چاہتے، پر اس سے بھی نہیں اسدک اشلل سادہ
 سنسکرت میں پورا پڑا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ سنسکرت میں
 وہ سادہ بکھی ہے جو دنیا کے اونچے سے اونچے سادہ
 میں استوان پڑ سکتا ہے۔ عربی قرآن کی بھاشا ہے۔ ساتھ ہی
 عربی کے اندر محمد صاحب سے پہلے کی اور اُن کے بعد
 کی اشلل سے اشلل کویتانیں بھی ملے گی۔ پنجابی
 وہ بھاشا ہے جس میں گرونانک نے اپنے پریم پورے

وہاں کے سرکاری دفتروں کا کام ہو۔ پر ہم اس ہندو کو نہیں سمجھ سکتے جو اس کے ساتھ یا جالندھر میں جملے کر اپنی ماں بھائی کے ساتھ پکائی ہوئی ہے اور اپنی ماں بھائی کے ساتھ ہے۔ ماں بھائی اس اور بھائی اس بھائی کو کہتے ہیں جس میں ہندی ماں سب سے پہلے بھائی کے ساتھ ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں رہ سکتے کہ جو اپنی ماں بھائی سے پریم نہیں رکھتا اس کا کسی بھی دوسری بھائی کے ساتھ پریم نہ ہوگا یا وشواس کی چیز نہیں ہو سکتا۔ ہرانا جیسے علاقے کے لوگ جو سچ سچ ہندی ہوتے ہیں اگر ہندی میں ہی اپنی تعلیم اور اپنا دفتری کربار چاہتے ہیں تو ان کی بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

یہ کہنا بھی کہ پنجابی کوئی بھائی نہیں، بلکہ بھائی بھائی ہندی کی ہی ایک ذاتی لکھت یعنی 'آپ بھائی'، بالکل غلط اور ایمانی ہے۔ ذاتی لکھت یا آپ بھائی کسی بھی پورنامک دستک میں دیکھ سکتے ہیں۔ بھارت کے دھان میں دہلی کی چودہ سیکھ بھائی گنتی گنتی ہیں، جن میں سے ایک پنجابی ہے۔ آپ بھائی بھارت بھر میں بھائی ہو گئے لگ بھگ ہوں۔ جو آدمی پنجاب سے لچھ بھی پرچت ہو وہ جانتا ہے کہ پنجابی کی اپنی ایک اپ بھائی ہیں جو سب صاف صاف ایک ہی بھائی کی ایک ایک شہلیاں دکھائی دیتی ہیں۔

یہ دلیل کہ پنجابی کا کوئی اپنا سامتہ نہیں اور یہی ادھک لچر دلیل ہے۔ گرنہ صاحب سے پوچھ کر اونچا اور ایسوی سامتہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور اگر شنگار رس کی چیزیں ہی سامتہ مانی جاتی ہیں تو "مہر رانجھا" دنیا کے سامتہ میں کم قیمت کی چیز نہیں ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ چرمی کے کئی وشودہا ہوں میں "مہر رانجھا" اونچے سے اونچے ڈگری کے کورسوں میں پڑھایا جاتا تھا اور آج بھی دنیا کے وشودہا ہوں میں اسے ادب کا استہان ملتا ہوا ہے۔

آزادی سے لچھ برس پہلے کی بات ہے کہ لاہور کے بڑے ہال میں ایک بہت بڑا کوی سہیل اور مشاعرہ ہو رہا تھا۔ ہم بھی موجود تھے۔ اسٹک کونٹوں نے ہندی میں اپنی رچنائیں پڑھ کر سناہن اور اسٹک شاعروں نے اردو میں اپنی نظمیں سناہن۔ بڑے ہال شروکاروں سے تہناتس ہو رہا تھا۔ اردو اور ہندی دونوں طرح کی کوینائیں پڑھی پڑھی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی سہلہ والوں کے دروں کو چبھتی ہوئی معلوم نہیں دیتی تھی۔ انہی میں ادھت عمر کے ایک مسلمان نوری نے جن کا تخلص ہوں آج تک یاد ہے "مشق الہول" تھا۔ پنجابی میں اپنی دینانیں پڑھی اور سارا حال پورک آٹھا۔ ایک ایک شعر کو انہیں ہار

مہجہ اٹھوڑا ہے۔ بھائی اور بڑائی بھی سب میں ہوتی ہے
 پر انتظار کوئی نہیں کر سکتا کہ آریہ سماج کا اس دیہے کے اُردو
 بہت ہوا احسان ہے۔ الیک چیتکروں میں اس کے پرچار اور
 کلم کی دیہے کو اب بھی بڑی ضرورت ہے۔ بھائی گنہگار سنگھ
 گھٹ، جو آریہ سروریشک سپا کے ادویعہ کی حیثیت سے
 پنجاب کے اس ہندی آندولن کو چلا رہے ہیں، ہمارے پچاس
 برس سے اُردو کے گہنشتہ متروں میں سے ہیں۔ اُن کی تعلیمی
 اور سچائی کا ہمارے دل میں بہت بڑا مان ہے۔

ہندو سبھا کے ٹیٹا بھائی پرہانند کے ساتھ برسوں ہمارا گہرا
 سلسلہ رہا ہے۔ بھائی سادو کر کے ساتھ ہمارا پکڑا بیوہار لوکمانہ
 ناک کی معرفت سن 1907 میں اُس سمے ہوا تھا جب وہ انڈیہ
 میں پڑھ رہے تھے اور وہیں بیٹھے بیٹھے دیہی کی آزادی کے پیمانے
 دیکھ رہے تھے۔ راشٹریہ سہیوگ سنگھ کے مسائل پکڑ کر
 گول ولکر کے ریگڑ، اکثر ہڈ گوار کے ساتھ ناکھور میں ہم نے برسوں
 گاندھی جی کے آندولن میں مل کر کام کیا ہے۔ اُن دنوں کے
 آسہیوگ آندولن میں قاضی ہڈ گوار کے شوہر کا پولیس کی
 لائیو سے چور چور کیا جانا ہمیں آج تک پریم اور درد کے
 ساتھ یاد ہے۔

جہاں تک سکھ دھرم کا سمبندھ ہے ہم نے گزشتہ صاحب کو
دھیان اور شردھا کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہم انیک بار کہہ چکے ہیں
اور ہمارے دل میں یہ وشواس جما ہوا ہے کہ ہندی پنجاب نے
گردانک ہی کی شکشا پر عمل کیا ہوتا تو پنجاب میں ہندو
مسلم، ہندو سکھ یا کسی طرح کے بھی سامبردانک جھگڑوں کا
ہو سکنا اسمبھو ہوتا اور پنجاب آج سامبردانک میل ملاپ کی
نقاد سے مارے بھارت کا سورج نہکائی دیتا۔

ہمارا دل مرکز ہے، ماننے کو تیار نہیں ہے نہ کسی بھی دھرم، دل یا سامہودانہ کا کوئی بھی بھارت واسی جان بوجھ کر دیہی مہن پھوٹ ڈالنا چاہتا ہے یا دیہی کے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔ دیہی دلوں کا نہیں ہے دیہی کیوں سمجھ کا یا دیہی کی مسماؤں پر سوچنے اور انہیں سمجھنے کے اُن طریقوں کا ہے جو آزادی سے پہلے کے دو سو برس تک ویدیشی شاسک اپنے تئیں سوارانہ کے لئے ہمیں سمجھاتے پڑھاتے رہے۔

اس طرح کے جھکڑوں میں عام طور پر کچھ کچھ ذمہ داری
دونوں طرف کی ہوتی ہے۔ کچھ نہ کچھ سیکہ بھی دونوں
طرف ہوتا ہی ہے۔ پھر بھی ہونے والے طور پر ہم اس کو سمجھ
سکتے ہیں جو اس کے لیے یا جالبند میں رہ کر اپنی
میں بہتوں کے ساتھ پنجابی ہوتا ہے۔ پنجابی کو اپنی
ماتر بھاننا کہتا ہے اور چاہتا ہے کہ پنجابی میں

ہندی اور پنجابی کا جھگڑا

پنجاب میں ہندو اور پنجابی کا جمہور کافی زہروں سے
چل رہا ہے۔ عام طور پر وہاں کے ہندو ہندی کے طرفدار ہیں
اور سکھ پنجابی کے۔ اس طرح اس جھگڑے نے ہندو سکھ
وہمسیہ کا رومپ لے لیا ہے۔ معاملہ یہاں تک بڑھ چکا ہے کہ کہیں
کبھی شہروں میں دونوں دہوں کے جلوس نکلتے ہیں جن
میں سکھوں کی طرف سے ”توبی دعوتی جمن پار“ اور ہندو
کی طرف سے ”فہلجی اُسترا ہے تیار!“ کے نازک حک ہلد
کئے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں اس سے بھی ادھک شرمذک اور
لردنگ گرفتاروں ہو چکی ہیں، جنہوں نے اس جتنی جلد
بھول جارہے ہیں اُنہی اچھا ہے۔ بدی یہ حالت اُسی طرح جاری
رہی اور وہمسیہ بڑھتا گیا تو رہے کہ دیہی کے اور ادھک
تکڑے کرنے پر جاریں اور آبادی کے تبادلے میں حراب اور طرح
طرح کے بابوں کے وہی دہش ہو دیکھنے پڑیں جو سن 47
میں دیکھنے پڑے تھے۔ آج کل کی انٹراشریہ استھمی میں
دیہی کی عزت، سوانہیتا اور سرکشائیں کا کٹنا برا اثر ہو سکتا
ہے یہ سوچنے کی چیز ہے۔ کچھ نیک لوگوں کی طرف سے میل
اور سمجھوتے کی کوششیں بھی جاری ہیں۔

اِس سارے گھریلو جہیز کے مومن کچھ سنسٹھاؤں اور دلوں کے نام خاص طور پر سامنے آ رہے ہیں، جیسے آرہی سماج، ہندو سماج اور جن سنگھ، راشٹریہ سیوک سنگھ، اکالی دل، کچھ سنسکرت اتھوا، سامہردانک، درشتی کورن والے کانگریسی، اینائی۔ خبر ہے کہ کچھ ودیشی سامراج پریمی بھی کچھ دیہی پولیٹی پیڈیوں کے معرفت، ہمارے اِس گھریلو جہیز میں دھچکائی لے رہے ہیں۔

وچاروں یا آدرشوں کا مت بھونڈ ایک انگ چڑھ ہے۔ غلط وچاروں یا غلط آدرشوں پر چلنے کی کوشش کر کے قوم میں مت بھی سنکتیں ہیں اور مت چکی ہیں۔ پورہم یہ نہیں مانتے کہ دیہی کا کوئی بھی دل یا کوئی بھی وبھتی جان بوجھ کر دیہی میں پھوٹ ڈالنے اور دیہی واسیوں کو ایک دوسرے سے لڑنے کی کوشش کرے گا۔ آریہ سماج کے ساتھ ہمارا ساتھ برس کا گہرا سمبندھ ہے۔ برسوں ہم نے لاہور کے دیانند ایٹکنکو ویدک کالج میں شکھا پائی ہے۔ وہیں سے ہم نے سن 1905 میں بی۔ اے کیا ہے۔ مہاتما ہنسراج کے چرنوں میں بھونڈ کر ہم پڑھے ہیں۔ انہ لچھت رائے کے ساتھ ہمارا گھلشت سمبندھ رہا ہے۔ شوامی شردھا نند کا بھی ہمیں پریم پراپت رہا ہے۔ دیہی بھکتی اور دیہی سدوا کے سب سے بھلے پائے ہم نے آریہ سماج ہی کی گود میں پڑھے ہیں۔ ویدکدور کی طرح سنسکھڑوں اور سوسنکھڑوں کی بھی عمریں ہونگی ہوں، ان کا بھی جنم، جوانی، بڑھاپا اور

रुस सीरिया के हाथ बिना शर्त हथियार बेचने को तैयार हो गया, हथियार रुस से ख़रीद लिये गए, इस पर अमरीका ने तरह तरह से पतराज किया, सीरिया एक आजाद देश है, उसने जो कुछ किया उसका उसे पूरा अधिकार था, किसी बाहर की ताकत को उसमें दखल देने का हक़ नहीं पहुँचता, फिर भी अमरीका का छै नम्बर फौजी जहाज़ी बेड़ा सीरिया के किनारे पर आ धमका, सीरिया को ख़तरा हुआ, बेजा शर्तों सीरिया की सरकार के सामने पेश की जाने लगीं जिन्हें मानने से सीरिया ने फिर इनकार कर दिया, रुस को ख़बर लगी, सीरिया की इजाजत से एक रुसी बेड़ा भी उसी जगह पहुँच गया, इन पंक्तियों को लिखते समय मामला शायद यहीं पर अटका हुआ है, यू. एन. ओ. में भी सीरिया के मामले पर बहस हो रही है, सीरिया इस समय दुनिया के नाजुक से नाजुक स्थानों में से है, पर सीरिया के लोग बहादुर हैं, देश-भक्त हैं और सचाई और इन्साफ़ उनके तरफ़ है, सार अरब देशों और अरब क़ौम की उनके साथ हमदर्दी है, अन्त में इस मामले में सीरिया का सर ऊँचा रहेगा, इसमें हम कोई शक़ नहीं हो सकता,

हमारा अनुभव यह है कि दुनिया के सब देश अन्त में सम्मिलित होकर काम लेंगे और दुनिया बरबादी से बची रहेगी। यह हमारी और दुनिया की जनता की हार्दिक इच्छा भी है, किन्तु हमारे अनुमानों के विरुद्ध कब कहाँ क्या हो जावे यह शायद कोई नहीं कह सकता अच्छो से-अच्छी आशा करते हुए भी और दिल से सब का मला चाहते हुए भी हमें हर आजमायश के लिये तैयार रहना चाहिये।

हमें पूरा विश्वास है कि यदि कम के बाईन कराइ लोग, चाहे वे साठ कराइ जनता, भारत की आजीम कराइ संस्था और पुराया इतिहास के आधार पर देश, उनके सब आवाद पृथ्वी के कुछ आवाद के आधे से कहीं अधिक हाता है, एकता, प्रेम और सच्चाई के साथ मिलकर खड़े हों और मिलकर खड़े रहें तो साम्राज्यवाद, युद्धवाद और पूँजीवाद के यह काले काले बादल छूटे बगैर नहीं रह सकते. हमारे इस एके के सामन ऐटम और हड्डोजिन बमों के अन्वार पानी होते हुए दिखाई देंगे. दुनिया का भविष्य हमारे इसी एके पर निर्भर है. यही आज समय की सब से बड़ी माँग है.

روس سیریا کے ساتھ ہمارا ساتھ دے گا۔ سیریا کے لئے ہمیں ایک آزاد
دیس ہے۔ اسی نے جو کچھ کیا اسی کا املہ پورا ادا کیا تھا۔
کسی باہر کی طاقت کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں
پہنچتا۔ پھر بھی امریکہ کا چہ تبر فوجی جہازیں بھڑا سیریا کے
گمارے پر ادا کیا۔ سیریا کو خطرہ ہوا۔ بیجا شرطیں سیریا
کی سرکار کے سامنے پیش کی جانے لگیں جنہیں ماننے سے
سیریا نے پھر انکار کر دیا۔ روس کو خبر لگی۔ سیریا کی اجازت
سے ایک روسی بھڑا بھی اسی جگہ پہنچ گیا۔ ان ہتھیاروں کو
لکھتے سمے معاملہ شاید یہیں پر اٹکا ہوئے۔ یہ وہ ہیں۔ اور میں
یہی سیریا کے معاملہ پر بحث ہو رہی ہے۔ سیریا اس سہ
دنیا کے نازک اسفہانوں میں سے ہے۔ پھر سیریا کے لوگ بہادر
ہیں، دیہے بہت ہیں اور سچائی اور انصاف ان کی طرف
ہے۔ سارے عرب دیہوں اور عرب قوم کی ان کے ساتھ ہمدردی
ہے۔ اُنٹ میں اس معاملہ میں سیریا کا سر اونچا رہے گا۔ اس
میں ہمیں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

ہمارا انوکھو یہ ہے کہ دنیا کے سب دہش انت میں
سمجھداری سے کام لیں گے اور دنیا پر بادی سے بچ رہے گی ۔
یہ ہفتی اور دنیا کی چٹائی ہارنگ اچھا ہے ۔ دتو
ہمارے آدمیانوں نے وردہ دب نہاں تھا جو شاید کوئی
نہیں کہہ سکتا ۔ اچھ سے اچھی آتا کرتے ہوئے بھی اور دل سے
سب کا بولا جائے ہوئے بھی ۔ ازمائش کے لئے نیل رہا
چاہئے ۔

ہمیں پورا دیش اس کے لئے دی گئی ہے۔ روٹس مائنس روز نوک
چین کی سلسلہ شروع ہوئی ہے۔ تائی چائس روز جن سکے
اور ایشیا اور امریکہ کے اسکے پڑھیں جن سب کے اسکے
پڑھیں کی کل آبادی کے آدھے سے کم اسکے پڑھیں کے پڑھیں
یونیم اور سچائی کے سلسلہ ملکر کھڑے ہوں اور مل کر کھڑے رہیں
تو سب اس کے پڑھیں وان اور پڑھیں وان کے یہ کلمے پڑھیں
چھٹے پڑھیں نہیں رہ سکے۔ ہمارے اس اسکے کے سلسلہ اہم اور
ہائپر جین ہوں کے امبار پائی ہوتے ہوئے دہائی ہیں گے۔ دنیا
کا ہر شے ہمارے اس ایک پر پڑھیں ہے۔ یہی آج سے کی سب
سے پڑھیں مانگ ہے۔

हमारा ध्यान इस तरफ भी जाए बिना नहीं रह सकता कि एशिया के सब से ऊपर रूस, उसके नीचे और उससे मिला हुआ चीन, उसके नीचे और उससे मिला हुआ भारत, और इनके इधर-उधर और सब छोटे बड़े देश हैं। यह सब खतरनाक अम्बार अधिकतर कहा जाता है कि रूस के खिलाफ जमा किये जा रहे हैं। पर यदि कभी यह भाग भङ्की, या कभी यह फन्दा कसा, तो भारत इसका सहज शिकार हो सकता है। यह भी मानी हुई बात है कि इन पातक हथियारों का असर बहुत दूर-दूर तक जाता है और प्रायः कोई भी देश इनके खतरे से नहीं बच सकता। जो तजरबे आजकल किये जा रहे हैं उनकी बाबत भी कहा जाता है कि उनका अहरीला माहा वो घंटे के अंदर सारी धरती का चक्कर लगा जाता है।

भारत न रूसी गुट में है और न अमरीकी में. वह ईमानदारी के साथ इस गुटबन्दी से अलग, तटस्थ और रौर जानिबदार है और रौर जानिबदार ही रहना चाहता है. वह अमरीका, इंगलैण्ड, फ्रांस, रूस, चीन, जॉपान और दुनिया के सब देशों के साथ दोस्ती निवाहना चाहता है. पर ऊपर का चित्र यह साफ़ दर्शा देता है कि रूस, चीन, भारत और एशिया के लगभग सब देश, यहाँ तक कि पूरब और उत्तर अफ़्रीका के देश भी एक क़शती के अन्दर हैं. मालूम होता है कि ये सब तरंगे तो साथ और डूबेंगे तो साथ.

हम यह भी नहीं भूल सकते कि स्वेज नहर के ऊपर से इंग्लैंड और फ्रांस की कौजें उस समय हटीं जब रूसी सरकार ने हमला करने वालों को यह साफ-साफ आगाह कर दिया कि यदि और अधिक देर तक हमला करने वाले पीछे न हटे तो रूस मिस्र की रक्षा के लिये कदम बढ़ाने पर मजबूर हो जायगा. बहादुर प्रेजीडेन्ट नासिर को एन संकट के समय सबसे बड़ा सहारा रूस ही का मिला. कशमीर के ऊपर अगर अभी तक आग भड़कने से रको हुई है तो इसका कम-से-कम एक कारण यह भी जरूर है कि रूसी नेता खुशराचेव जब कशमीर गये थे तो उन्होंने कशमीरियों से कहा था कि यदि कोई अचानक आगति आ जावे तो पास की पहाड़ी पर से खड़े होकर हमें आबाज दे देना हम आ जायेंगे. रूस के लिये यह कदवती और लाजमी भी है. रूस के कुछ बड़े-से-बड़े कारखाने कशमीर की सरहद से थोड़ी ही दूर पर हैं.

हाल में अरब देश सीरिया ने जिसे 'शाम' भी कहते हैं, कुछ हथियार खरीदना चाहा। सीरिया की सरकार ने अमरीका से बात की, अमरीकी सरकार ने हथियार बेचने के लिये बेजा और शरारत भरी शर्तें लगाईं। सीरिया की सरकार ने मानने से इंकार किया। उन्होंने रुख से बात की,

ہمارا دھیان اس طرف ہی جاتا تھا کہ ہمیں وہ سنا کر
ایسیا کے سب سے اوپر روس' اس کے نیچے اور اُس سے م
ہوا چھن' اُس کے نیچے اور اُس سے لا ہوا بھارت' اور ان کے
اُدھر اُدھر اور سب چہرے بڑے دیس ہیں۔ یہ سب خطرناک
امبار اکتھک کہا جاتا ہے کہ روس کے خلف جمع کئے جا رہے
ہیں۔ پر پتی کبھی اک بھڑکی' یا کبھی یہ پلدا 'کسا' تو
بھارت اُس کا سہج شکار ہو سکتا ہے۔ یہ ہی مانی ہوئی بات
ہے کہ ان گھاتک ہتھیاروں کا اثر بہت دور دور تک جاتا ہے اور
پرانہ کئی ہی دیس ان کے خطرے سے نہیں بچ سکتا۔ جو
تھوڑے آجکل کئے جا رہے ہیں اُن کی بابت بھی کہا جاتا ہے
کہ اُن کا مزید مادہ دو گھنٹے کے اندر ساری دھرتی کا چکر لگا
جاتا ہے۔

بھارت نے روسی گٹ میں ہے اور نہ امریکی میں ۔ وہ
 اہم اندازی کے ساتھ اِس گٹ بندی سے الگ تھلست اور غیر
 جانب دار ہے اور غیر جانبدار ہی رہنا چاہتا ہے ۔ وہ امریکہ
 انٹیلیجنس ، فرانس ، روس ، چین ، جاپان اور دنیا کے سب دیشوں
 کے ساتھ دوستی نبھانا چاہتا ہے ۔ پر اوپر کا چتر یہ صاف درشا
 دیتا ہے کہ روس ، چین ، بھارت اور ایشیا کے لگ بھگ سب
 دیش ، یہاں تک کہ یورپ اور اتر افریقہ کے دیش بھی ایک
 کھتی کے اندر ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب توہینگی تو ساتھ
 اور توہینوں کے تو ساتھ ۔

ہم یہ بھی نہیں بھول سکتے کہ سبز نہر کے اوپر سے
 اٹلینڈ اور فرانس کی فوجیں اُس سے ہٹیں جب روسی
 سرکار نے حملہ کرنے والوں کو یہ صاف صاف آگاہ کر دیا کہ بدی
 اور ادھک دہر تک حملہ کرنے والے پیچھے نہ ملے تو روس مصر
 کی رکشا کے لئے قدم بڑھانے پر مجبور ہو جائیگا۔ بہادر
 بربوڈنٹ ناصر کو عین منکب کے ساتھ سب سے بڑا سہارا
 دے رہی تھی۔ مگر اُس کے اوپر اگر ابھی تک آگ بھڑکنے سے
 رکھی ہوئی ہے تو اُس کا کم سے کم ایک کارن یہ بھی ضرور ہے
 کہ روسی لینا خرشچوہو جب کشمیر گئے تھے تو انہوں نے
 کشمیر میں سے لیا تھا کہ بدی کوئی اچانک اپنی آجادہ
 تو پاس کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر ہمیں آواز دے لینا ہم آجائیں
 گے۔ روس کے لئے یہ قدرتی اور لازمی بھی ہے۔ روس کے کچھ
 بڑے سے بڑے کارخانے کشمیر کی مہرحد سے تھوڑی ہی دور پر
 ہیں۔

حال میں عرب دیہی سوریہ نے جیسے 'شام' بھی کہتے ہیں، کچھ ہٹکا خریدنا چاہا۔ سوریہ کی سرکار نے امریکہ سے ہات کی۔ امریکی سرکار نے ہتھیار بیچنے کے لئے بیچنا اور شہادت دہری شہر میں لگانے۔ سہیا کی سرکار نے ملکہ سے انکار کیا۔ انہوں نے روس سے ہات کی۔

اس مہینے پر ہم امریکا کے ان بہادر سत्याग्रہیوں کی اور اپنی شہداء اور اپنا پریم پھر سے پرگٹ کئے بنا نہیں رہ سکتے جو اپنی ہی سرکار کے اس طرح کے تجربوں کے درمیان ستمنا کر کے اٹھ دن گرفتار کئے جا رہے ہیں اور اپنی جانوں تک جو کہم میں ڈال رہے ہیں۔ انگلینڈ کے اندر بھی بہت سے لوگ اپنی سرکار کے اس طرح کے تجربوں کے خلاف طرح طرح سے آندولن کر کے سچی بہادری، ستمنا، اور مانو پریم کا ثبوت دے رہے ہیں۔

ایشیا مہادیپ کے وسط میں اننت اور اگمہ برف کے پہاڑ ہیں۔ باقی تین طرف سمندر ہے یا یورپ کی سرحد۔ ان تینوں طرف امریکہ کی طرف سے جگہ جگہ ایٹم اور ہائڈروجن بموں کے امبار لگائے جارہے ہیں۔ اُردی ناوا جاپان کا ایک بڑا ٹاپو ہے جس کے اُس پلس اُسی سلسلے کے کچھ اور چھوٹے چھوٹے ٹاپو ہیں۔ اُردی ناوا پر شدہ امریکی قبضہ اور امریکی حکومت ہے۔ اُردی ناوا میں امریکہ کی طرف سے ایٹم اور ہائڈروجن بموں کا امبار جمع ہے اور بڑھایا جا رہا ہے۔ اُردی ناوا سے ذرا دُور کر دکھ کروریا میں امریکہ کی طرف سے اُردی طاح کے ہتھیار کا دوسرا امبار جمع ہے۔ کچھ اور نیچے اور تو ٹانڈوان یعنی فارموسا کے ٹاپو میں بھی—جہاں دھن ٹھانگ چڑانگ کائی شیک امریکی سینکڑوں کے بل ابھی تک نئے جن وادی چین کی چھاتی پر تھر کی طرح اُٹھا ہوا ہے—امریکہ کی طرف سے ایٹم اور ہائڈروجن بموں کا ایک بہت بڑا امبار جمع ہے۔ اور نیچے اتر کر اُسی طرح کا ایک امریکی امبار دکھن دیکھن میں جمع ہے۔ اور ادھک دکھن کے اُن امباروں کو چھڑ کر جو اُن دیشوں میں ہیں جو امریکہ اور انگلینڈ کے ساتھ ہیں میں گم جاتے ہیں، پاکستان میں بھی، بھارت کی ٹھیک اتر پچھم سرحد پر امریکہ کے ٹیپہ ٹیکل نہر ٹیکل ہتھیاروں کا امبار جمع ہے۔ اور ادھک پچھم اور پھر اتر کی طرف چلتے ہوئے اُسی طرح کے امبار اسرائیل، پچھم جرمنی وغیرہ میں جمع کئے جا رہے ہیں۔

یہی ہم دنیا کے نقشہ کی طرف نگاہ ڈالیں تو یہ سب امبار ایشیا کے تینوں طرف ایشیا کے کئے میں ایک دہر دست اور گھانک پلنسے کی طرح ہے۔ ہو سکتا ہے اور اُشا کی جانی ہے کہ دنیا کے سامراج پریمی دیشوں کی سرحدوں کو اب بھی ہوش آجائے اور وہ دنیا کا سرورٹھ کرنے سے بچے رہیں۔ پر حد درجہ خطرناک مصلحت سب طرف جمع ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کہاں کسی ایک کی چھٹی سی بھول یا شرارت سے اُس مصلحت میں کسی طرح چٹکاری نہ پڑ جائے جو ساری دنیا کو اندر خفاہی کر سارے ایشیا کو اپنے لپٹ میں لے لے؟

ایشیا مہادیپ کے اتر میں اننت اور اگمہ برف کے پہاڑ ہیں۔ باقی تین طرف سمندر ہے یا یورپ کی سرحد۔ ان تینوں طرف امریکہ کی طرف سے جگہ جگہ ایٹم اور ہائڈروجن بموں کے امبار لگائے جارہے ہیں۔ اُردی ناوا جاپان کا ایک بڑا ٹاپو ہے جس کے اُس پلس اُسی سلسلے کے کچھ اور چھوٹے چھوٹے ٹاپو ہیں۔ اُردی ناوا پر شدہ امریکی قبضہ اور امریکی حکومت ہے۔ اُردی ناوا میں امریکہ کی طرف سے ایٹم اور ہائڈروجن بموں کا امبار جمع ہے اور بڑھایا جا رہا ہے۔ اُردی ناوا سے ذرا دُور کر دکھ کروریا میں امریکہ کی طرف سے اُردی طاح کے ہتھیار کا دوسرا امبار جمع ہے۔ کچھ اور نیچے اور تو ٹانڈوان یعنی فارموسا کے ٹاپو میں بھی—جہاں دھن ٹھانگ چڑانگ کائی شیک امریکی سینکڑوں کے بل ابھی تک نئے جن وادی چین کی چھاتی پر تھر کی طرح اُٹھا ہوا ہے—امریکہ کی طرف سے ایٹم اور ہائڈروجن بموں کا ایک بہت بڑا امبار جمع ہے۔ اور نیچے اتر کر اُسی طرح کا ایک امریکی امبار دکھن دیکھن میں جمع ہے۔ اور ادھک دکھن کے اُن امباروں کو چھڑ کر جو اُن دیشوں میں ہیں جو امریکہ اور انگلینڈ کے ساتھ ہیں میں گم جاتے ہیں، پاکستان میں بھی، بھارت کی ٹھیک اتر پچھم سرحد پر امریکہ کے ٹیپہ ٹیکل نہر ٹیکل ہتھیاروں کا امبار جمع ہے۔ اور ادھک پچھم اور پھر اتر کی طرف چلتے ہوئے اُسی طرح کے امبار اسرائیل، پچھم جرمنی وغیرہ میں جمع کئے جا رہے ہیں۔

یہی ہم دنیا کے نقشہ کی طرف نگاہ ڈالیں تو یہ سب امبار ایشیا کے تینوں طرف ایشیا کے کئے میں ایک دہر دست اور گھانک پلنسے کی طرح ہے۔ ہو سکتا ہے اور اُشا کی جانی ہے کہ دنیا کے سامراج پریمی دیشوں کی سرحدوں کو اب بھی ہوش آجائے اور وہ دنیا کا سرورٹھ کرنے سے بچے رہیں۔ پر حد درجہ خطرناک مصلحت سب طرف جمع ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کہاں کسی ایک کی چھٹی سی بھول یا شرارت سے اُس مصلحت میں کسی طرح چٹکاری نہ پڑ جائے جو ساری دنیا کو اندر خفاہی کر سارے ایشیا کو اپنے لپٹ میں لے لے؟

یہی ہم دنیا کے نقشہ کی طرف نگاہ ڈالیں تو یہ سب امبار ایشیا کے تینوں طرف ایشیا کے کئے میں ایک دہر دست اور گھانک پلنسے کی طرح ہے۔ ہو سکتا ہے اور اُشا کی جانی ہے کہ دنیا کے سامراج پریمی دیشوں کی سرحدوں کو اب بھی ہوش آجائے اور وہ دنیا کا سرورٹھ کرنے سے بچے رہیں۔ پر حد درجہ خطرناک مصلحت سب طرف جمع ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کہاں کسی ایک کی چھٹی سی بھول یا شرارت سے اُس مصلحت میں کسی طرح چٹکاری نہ پڑ جائے جو ساری دنیا کو اندر خفاہی کر سارے ایشیا کو اپنے لپٹ میں لے لے؟

ہماری رائے

ایشیا کے گلے میں ہندا

لگبگ سارے संसार کی जनता, जिसमें पाँचों महा द्वीपों और सब देशों के लोग शामिल हैं, एक आवाज से यह मांग कर चुकी है, करनी रही है और कर रही हैं कि न्युक्लीयर और थर्मो न्युक्लीयर हथियारों यानी ऐटम और हाइड्रोजिन बमों के तजरबे बन्द किये जावें. दुनिया के सैकड़ों बड़े से बड़े साइन्सदाँ, जिनमें अमरीका के बड़े से बड़े साइन्सदाँ शामिल हैं, साफ साफ कह रहे हैं कि इन तजरबों से मानव जाति की तन्दुरुस्ती का बहुत सख्त नुकसान पहुँच रहा है, इनप्रलुएंजा और दूसरी इसी तरह की महामारियाँ जो आजकल जगह जगह फैल रही हैं इन तजरबों ही का नतीजा हैं, और अगर यह तजरबे कुछ दिनों और जारी रह गए तो इनका सबसे खतरनाक प्रभाव सारी मानवजाति का जननेन्द्रियाँ पर पड़ेगा, जिसके नतीजे की शकल में हो सकता है कि सैकड़ों बरस तक बहुत से इनसानी बच्चे अजीब अजीब शक्लों के अजीब-अजीब और तरह-तरह के अंगों वाले, यहाँ तक कि आधे इनसान और आधे जानवर पैदा हों. फिर भी अमरीका, रूस और इंगलैण्ड तीनों की तरफ से हाइड्रोजिन बमों के नित नए तजरबे आए दिन हाते रहते हैं, जिनकी ख़बरें दुनिया भर के अख़बारों में छपती रहती हैं.

रूस के शासक बार बार यह कह चुके हैं कि अगर अमरीका और इंगलैण्ड इस तरह के तजरबे बन्द कर दें तो रूस भी इन्हें फौरन बन्द करने को तैयार है. रूस. सरकार कीतरफ से यह प्रस्ताव भी यू० एन० १० के सामने पेश है, पर अमरीका किसी तरह हामी भरने को तैयार नहीं. यू० एन० १० या उसकी कमेटियों के सामने जब कभी इस तरह के प्रस्ताव आते हैं अमरीका और इंगलैण्ड हज़ार तरह से अड़ने लगाकर उन्हें टालत रहते हैं, इस तरह के प्रस्ताव इस समय भी यू० एन० १० के सामने पेश हैं.

ایشیا کے گلے میں ہندا

لگ بگ سارے سلسار کی جنتا جس میں پانچوں مہادیپوں اور سب دیشوں کے لوگ شامل ہیں، ایک آواز سے یہ مانگ کر چکی ہے، کرتی رہی ہے اور کر رہی ہے کہ نیوکلیر اور تھرمو نیوکلیر ہتھیار یعنی ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کے تجربے بند کئے جائیں. دنیا کے سیکڑوں بڑے سے بڑے سائنسدانوں، جن میں امریکہ کے بڑے سے بڑے سائنسدان شامل ہیں، صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ ان تجربوں سے مانو جانی کی تندرستی کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے، انپرنزا اور دوسری ایسی طرح کی مہاماریاں جو آجکل جگہ جگہ پھیل رہی ہیں ان تجربوں ہی کا نتیجہ ہے، اور اگر یہ تجربے کچھ دنوں اور جاری رہ گئے تو ان کا سب سے خطرناک پریاؤ ساری مانو جانی کی جانلندریں پر بڑے کا جس کے نتیجے کی شکل میں ہو سکتا ہے کہ سیکڑوں برس تک بہت سے انسانی بچے عجیب عجیب شکلوں کے، عجیب عجیب اور طرح طرح کی انگوں والے، یہاں تک کہ آدمے انسان اور آدمے جانور، پیدا ہوں۔ یہ بھی امریکہ، روس اور انگلینڈ نیلوں کی طرف سے ہائڈروجن بموں کے نئے نئے تجربے آئے دن ہوتے رہتے ہیں.

روس کے شاہک بار بار یہ کہہ چکے ہیں کہ اگر امریکہ اور انگلینڈ اس طرح کے تجربے بند کر دیں تو روس بھی انہیں فوراً بند کرنے کو تیار ہے. روسی سرکاری طرف سے یہ پرستار بھی ہو. این. او. کے سامنے پیش ہے. پر امریکہ کسی طرح حاسی کرنے کو تیار نہیں ہو. این. او. یا اس کی کمیٹیوں کے سامنے جب بھی اس طرح کے پرستار آتے ہیں امریکہ اور انگلینڈ ہزار طرح سے اونٹ لگا کر انہیں ٹالتے ہیں. ایسی طرح کے پرستار اس سے بھی ہو. این. او. کے سامنے پیش ہیں.

ناک اور دھنناک بھڑکار نوآبادی اور بھار کے قتل عام دیکھی دیکھے۔ گاندھی جی نے اپنے بدل نوآبادی کی بات شروع کی۔ قمر اور سہمہ ہونے ہندوں کو دلالت اور نسلی دی۔ راج نیلی میں جس 'نرو یا مرو' کے اصول کو انہوں نے چالو کیا تھا اس پر فرقہ وارانہ جنگ کو ختم کرنے میں بھی عمل شروع کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے کو جیتا اور نفرت کو بچھانے میں کامیاب ہوئے۔ پھر وہ بھار آئے وہاں مقامی مسلمانوں کے آنسو پونچھے اور ہندوں کے دلوں میں اپنی وحشیانہ حرکتوں کے لئے شرم پیدا کی۔ ساری کتاب میں سمجھوتہ کھٹانوں درج ہیں جن سے گاندھی جی کی اس وقت کی دماغی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب کیا ہے اصول کرتے ہے۔ ملک کی راج نیلی 'انہاس' سماج شاستر اور جن آندولن کے ویدارتہوں کو نہ صرف اس کتاب کو پڑھنا ضروری ہے۔ آج ہی ہمارے دلوں سے وہ فرقہ وارانہ زہر ختم نہیں ہوا ہے بلکہ طرح طرح کی شکلوں میں وہ ملک کی اب دھوا کو زہریلا بنا رہا ہے یہ کتاب ہمیں اس زہر کو اپنے دلوں سے نکال دیکھ میں مدد دیتی۔

—وی۔ نا۔ پانڈے۔

سرदार بھللم भाई पटेल (जिल्द दूसरी अंगरेजी)—
मूल गुजराती के लेखक नरहरि डी० परीख; प्रकाशक ऊपर
के; सफे 492; कीमत 5 रुपया.

इस किताब के हिन्दी एडीशन की आलोचना हम अक्टू-
बर '57 के नया हिन्द में कर चुके हैं. किताब की छपाई
सफाई बहुत अच्छा है. हिन्दी और गुजराती न जानने वालों
के लिए सरदार पटेल की जिन्दगी और उनके महान् कामों
के समझने में यह अंगरेजी एडीशन मदद देगा.

वि० ना० पांडे.

शाहकार; माहाना रिसाला; कीमत १); निकालने वाले
मकतबा-शाहकार-इलाहाबाद.

इलाहाबाद की अदबी फ़िस्सा में कितने ही रिसालों ने
जन्म लिया और भीठी नौद सो गये. इस वक्त कोई राज-
नामा यहाँ से नहीं निकल रहा है. रिसालों में किसी को
मयारी नहीं कहा जा सकता.

शाहकार का पहला नम्बर मेज पर है. पढ़ने के बाद
यक गुला आसुदगी हुई. हुनर साहब की मेहनत और तज-
स्सुस की दाद देनी ही पड़ेगी. बाक़ई इसके देखने के बाद
साबित होता है कि इस रिसाले में अदब बराये अदब से
लेकर अदब बराये जिन्दगी सभी कुछ, बिला तख़सीस
मोजूद है. यानी मुमताज शीरी के 'नया जहन्नुम' से लेकर

[बाक़ी सफ़ा 236 पर]

اور فردناک اظہار نوآبادی، اور بھار کے قتل عام دیکھی
دیکھے۔ گاندھی جی نے اپنے بدل نوآبادی کی بات
شروع کی۔ قمر اور سہمہ ہونے ہندوں کو دلالت اور نسلی
دی۔ راج نیلی میں جس 'نرو یا مرو' کے اصول کو
انہوں نے چالو کیا تھا اس پر فرقہ وارانہ جنگ کو ختم کرنے
میں بھی عمل شروع کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے کو جیتا اور
نفرت کو بچھانے میں کامیاب ہوئے۔ پھر وہ بھار آئے وہاں مقامی
مسلمانوں کے آنسو پونچھے اور ہندوں کے دلوں میں اپنی
وحشیانہ حرکتوں کے لئے شرم پیدا کی۔ ساری کتاب میں
سمجھوتہ کھٹانوں درج ہیں جن سے گاندھی جی کی اس وقت
کی دماغی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب کیا ہے اصول کرتے
ہے۔ ملک کی راج نیلی 'انہاس' سماج شاستر اور جن آندولن
کے ویدارتہوں کو نہ صرف اس کتاب کو پڑھنا ضروری ہے۔ آج
ہی ہمارے دلوں سے وہ فرقہ وارانہ زہر ختم نہیں ہوا ہے بلکہ
طرح طرح کی شکلوں میں وہ ملک کی اب دھوا کو زہریلا بنا
رہا ہے یہ کتاب ہمیں اس زہر کو اپنے دلوں سے نکال دیکھ
میں مدد دیتی۔

—وی۔ نا۔ پانڈے۔

سرदार رلیہ بھائی پٹیل (جلد دوسری انگریزی) مول گجراتی
لیکھک نرہر دی. پارلی، پرکاشک اوپر والہ؛ صفحے 492؛
قیمت 5 روپیہ.

اس کتاب کے ہندی ایڈیشن کی پونچا ہم اکتوبر 57 کے
لیاہند میں کو چکے ہیں. کتاب کی چھاپی صفائی بہت عمدہ ہے.
ہندی اور گجراتی نا جاننے والوں کے لئے سرदार پٹیل کی زندگی
اور ان کے مہان کاموں کے سمجھنے میں یہ انگریزی ایڈیشن مدد
دے گا.

—وی۔ نا۔ پانڈے۔

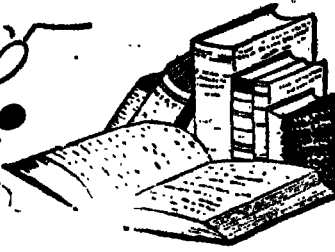
شاہکار؛ ماہانہ رسالہ؛ قیمت ایک روپیہ؛ نکالنے والے قیمت ایک
روپیہ مکتبا شادکار الہ آباد.

الہ آباد کی ذہا میں کئی ہی رسالے اور اخبارات نے جنم
لیا اور مہینے نوبت سو گئے. اس وقت کوئی روزنامہ یہاں سے
نہیں نکل رہا ہے. رسالوں میں کسی کو مہاری نہیں کہا
جا سکتا.

شاہکار کا پہلا نمبر میز پر ہے. پڑھنے کے بعد ایک گونہ
آسودگی ہوئی. ہنر صاحب کی محنت اور تجسس کی داد
دینی پڑے گی. واقعی اس کے دیکھنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ اس
رسالے میں اور پرانے ادب سے لے کر ادب پرانے زندگی سبھی کچھ ہے
نقص یہی موجود ہیں. یعنی ممتاز شہریں کے 'نیا جہلم' کے لئے کر

[باقی صفحہ 236 پر]

کتابیں



کتابیں

MAHATMA GANDHI, The Last Phase;

لکھنؤ پبلیشرز، جیلڈ پبلیشنگ، پبلیشرز-نیشنل پریس، انڈیا-
مہاراجہ-14؛ صفحہ 750، قیمت 20 روپے؛ چھاپہ سہ ماہی کے
سوی سے چھاپہ سہ ماہی کے، کراچی، لاہور، کراچی،
میں اور ساک؛ لاہور کی جیلڈ اور لاہور کی جیلڈ
کراچی۔

کتاب، جیسا کہ بہت مناسب تھا، شری مہادیو دھاندی کو
سپرنٹنڈنٹ ہے۔ شروع کی योजना یہی تھی کہ گاندھی جی کی
آٹو بائیو گرافی کے سلسلے کو مہادیو بھائی پورا کریں گے۔ اس
کے لئے ان کے پاس بے حد سادگی تھی لیکن موت نے انہیں
چھین لیا اور مہادیو پارے لال جی کے کندھوں پر پڑی۔
پسٹک کی ہر صفحہ 10 صفحوں میں ڈاکٹر راجندر پرساد نے
لکھی ہے۔

جیسا کہ پسٹک کے نام سے صاف ہے کہ اس میں گاندھی
جی کی زندگی کے آخری پہلو کو درج کیا گیا ہے۔ پسٹک اس
دن کے مہان سے شروع ہوتی ہے جب بھارت چاروں آندولن کے
بعد آغا خاں کے متعل سے گاندھی جی کو نظر بندی کے قید سے
رہائی ہوئی ہے۔ اور ختم ہوتی ہے اس وقت جب گاندھی
جی فروری 1947 میں نواکھالی سے لوٹ کر بہار آئے ہیں۔
پسٹک کو پانچ حصوں میں بانٹا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں چار
دوسرے حصہ میں چار تیسرے حصہ میں چار چوتھے حصہ میں پانچ اور
پانچویں حصہ میں پانچ ادھیائے ہیں۔ آخری حصہ میں گاندھی
جی کے خاص لیکچر کا سکرپٹ ہے۔ پسٹک کے آخر میں
نوٹ، گلسری اور انڈیکس جوڑ کر پسٹک کو بہت ہی کام کی
چیز بنا دیا گیا ہے۔

کتاب کی اس پہلی جلد میں گاندھی جی کی عظیم الشان
ان کوششوں کا ذکر کر رہے ہیں انہوں نے فرقہ وارانہ
تفریق کے خلاف زبردست لڑائی لڑی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب
ہندوؤں کو ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کے دہلی
کو کامیابی کے ساتھ پہنچا دیا گیا اور ملک کے ہندو
کی داغ بیل قال دی تھی۔ چاروں طرف ہندو
مسلمانوں کے کوئی دنکے ہو رہے تھے جن کے خوفناک

MAHATMA GANDHI, The Last Phase;

جلد پہلی؛ پراکاش-انوجیون پریس، احمد آباد-14؛ صفحہ
750؛ قیمت 20 روپے؛ چھاپہ سہ ماہی کے میں سو سے زیادہ
تصویریں، گلف مونا اور عمدہ، چھاپہ سہ ماہی کے اور صاف؛ کراچی
کی جلد اور خوبصورت ڈسٹ کور۔

کتاب جیسا کہ بہت مناسب تھا، شری مہادیو دھاندی کو
سپرنٹنڈنٹ ہے۔ شروع کی योजना یہی تھی کہ گاندھی جی کی
آٹو بائیو گرافی کے سلسلے کو مہادیو بھائی پورا کریں گے۔ اس
کے لئے ان کے پاس بے حد سادگی تھی لیکن موت نے انہیں
چھین لیا اور مہادیو پارے لال جی کے کندھوں پر پڑی۔
پسٹک کی ہر صفحہ 10 صفحوں میں ڈاکٹر راجندر پرساد نے
لکھی ہے۔

جیسا کہ پسٹک کے نام سے صاف ہے کہ اس میں گاندھی
جی کی زندگی کے آخری پہلو کو درج کیا گیا ہے۔ پسٹک اس
دن کے مہان سے شروع ہوتی ہے جب بھارت چاروں آندولن کے
بعد آغا خاں کے متعل سے گاندھی جی کو نظر بندی کے قید سے
رہائی ہوئی ہے۔ اور ختم ہوتی ہے اس وقت جب گاندھی
جی فروری 1947 میں نواکھالی سے لوٹ کر بہار آئے ہیں۔
پسٹک کو پانچ حصوں میں بانٹا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں چار
دوسرے حصہ میں چار تیسرے حصہ میں چار چوتھے حصہ میں پانچ اور
پانچویں حصہ میں پانچ ادھیائے ہیں۔ آخری حصہ میں گاندھی
جی کے خاص لیکچر کا سکرپٹ ہے۔ پسٹک کے آخر میں
نوٹ، گلسری اور انڈیکس جوڑ کر پسٹک کو بہت ہی کام کی
چیز بنا دیا گیا ہے۔

کتاب کی اس پہلی جلد میں گاندھی جی کی عظیم الشان
ان کوششوں کا ذکر کر رہے ہیں انہوں نے فرقہ وارانہ
تفریق کے خلاف زبردست لڑائی لڑی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب
ہندوؤں کو ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کے دہلی
کو کامیابی کے ساتھ پہنچا دیا گیا اور ملک کے ہندو
کی داغ بیل قال دی تھی۔ چاروں طرف ہندو
مسلمانوں کے کوئی دنکے ہو رہے تھے جن کے خوفناک

”آدمی کو چاہئے کہ اپنے من پر سستی کرے اور اسے مسلم رہے۔ اپنے دل کی آگ کھلا ضروری ہے۔ اگر باہری آنکھوں میں ابھور کی دیکھنے کی طاقت ہوتی تو جانور بھی ابھور کو دیکھ لیتے۔“

”آدمی کو چاہئے کہ اپنے من پر سستی کرے اور اسے مسلم رہے۔ اپنے دل کی آگ کھلا ضروری ہے۔ اگر باہری آنکھوں میں ابھور کی دیکھنے کی طاقت ہوتی تو جانور بھی ابھور کو دیکھ لیتے۔“

[16]

(16)

چوکنے تو ’مذہب‘ کواہے پریشاں سے کہیں،
ہاں اُنہوں تو خورنہیزی انسان سے کہیں،
صوفی کی مٹے صاف جو چمکے یورپ
ہو بادہ پرستی بھی نہ شیطان سے کہیں !

چوکنے تو ’مذہب‘ کواہے پریشاں سے کہیں،
ہاں اُنہوں تو خورنہیزی انسان سے کہیں،
صوفی کی مٹے صاف جو چمکے یورپ
ہو بادہ پرستی بھی نہ شیطان سے کہیں !

کواہے پریشاں—دو:سبب، خورنہیزی—خون بھانا،
سوفی—بدانتی، مٹے صاف—صاف شراب (یہاں تاہم پریم سے ہے)، بادہ پرستی—شراب پینا (جو اسلام میں پاپ ہے)،
شیتان—ہیشتان کا ویرودی فرشتہ،

کواہے پریشاں—دو:سبب، خورنہیزی—خون بھانا،
سوفی—بدانتی، مٹے صاف—صاف شراب (یہاں تاہم پریم سے ہے)، بادہ پرستی—شراب پینا (جو اسلام میں پاپ ہے)،
شیتان—ہیشتان کا ویرودی فرشتہ،

”اے ’مذہب‘ کاہا دنیا کے لوگ اس (لہارے کے) دو:سبب سے چوکنے اور آدمی کا خون نہ بہاتے۔ اگر یورپ والے صوفی کے پریم کا انوہو کریں تو اُن کی کون کہہ شیطان تک سے اپ نہ ہو سکے۔“

”اے ’مذہب‘ کاہا دنیا کے لوگ اس (لہارے کے) دو:سبب سے چوکنے اور آدمی کا خون نہ بہاتے۔ اگر یورپ والے صوفی کے پریم کا انوہو کریں تو اُن کی کون کہہ شیطان تک سے اپ نہ ہو سکے۔“

[سفر 238 سے آگے]

[صفحہ 238 سے آگے]

خوبصورتی مقرر کے ’دولت‘ تک اس ریسالے میں شافعی انرجان اور کشمیری لالہ جاکیر بھی دہرا-دہرا ہے لیکن مہینے الگ-الگ۔

خوبصورتی مقرر کے ’دولت‘ تک اس ریسالے میں شافعی انرجان اور کشمیری لالہ جاکیر بھی دہرا-دہرا ہے لیکن مہینے الگ-الگ۔

یہ ریسالہ ان لوگوں کے لیے تو ایک نعمت ثابت ہوگا جن کے پاس نہ اتنے پیسے ہیں کہ سارے رسالوں کو خرید کر پڑھ سکیں اور نہ اتنا وقت جو ان کے دل میں صرف ہو۔

یہ ریسالہ ان لوگوں کے لیے تو ایک نعمت ثابت ہوگا جن کے پاس نہ اتنے پیسے ہیں کہ سارے رسالوں کو خرید کر پڑھ سکیں اور نہ اتنا وقت جو ان کے دل میں صرف ہو۔

راجاؤں کا ہمتیاد اور نوجوانوں کا ہمتیاد ہے۔ بہتر ہوتا کہ شاہکار میں ہلکی اور تکیہ کی مہمان-مین بھی شامل کیے جاتے۔ فیراک شاہ کا آئینہ کمال کمال کا ہے۔ ریسالے کی کپڑائی اور شاہ کا ہمارے ہندو شاہ نے، کمال کمال رکھا ہے۔ اور قیمت کے لحاظ سے 144 صفحات کا ریسالہ سستا ہی کہا جاسکتا۔

راجاؤں کا ہمتیاد اور نوجوانوں کا ہمتیاد ہے۔ بہتر ہوتا کہ شاہکار میں ہلکی اور تکیہ کی مہمان-مین بھی شامل کیے جاتے۔ فیراک شاہ کا آئینہ کمال کمال کا ہے۔ ریسالے کی کپڑائی اور شاہ کا ہمارے ہندو شاہ نے، کمال کمال رکھا ہے۔ اور قیمت کے لحاظ سے 144 صفحات کا ریسالہ سستا ہی کہا جاسکتا۔

—میرے ہائی۔

“کوئی دین سیکرے اسلئے ہائی نہیں بٹاتا کہ اس میں
کئی دین ہیں۔ نہ دھرم کی اور نہ کسی کو جلا
سکتی ہے۔ کوئی چاہے ہندو ہو یا مسلمان، دھرم کے
بدلنے سے دین نہیں بدلتا۔“

[13]

ہندوؤں-مسلمانوں میں تھوسوہ جو نہیں،
تو کسرتے مچھڑ سے نہیں ہرے کہیں،
ہے نام مسلمانوں کا 'مذہب' سبھلال
اور نام ہے ہندو کا یہاں گنگاویں !

تھوسوہ—دھرمیہ مچھڑ، کسرت—مچھڑ ہونا،

“اگر ہندو اور مسلمان میں یہاں نہ تو دھرموں کی
سبھلا میں ادھک ہونے سے کوئی مچھڑ نہیں ہے۔ ہمارے
یہاں تو مسلمان کا نام سید لال ہوتا ہے اور ہندو کا گنگاویں۔“

[14]

انسان میں کمال ہے دھرم سے بچنا،
ہے کو نہیں دھرمیہ توہیہ سبھلا،
ہے کو بھی بھڑک ہے 'مذہب' بھڑک انسان،
جو سبھلا کو اور ہرے کو سمبھلا ہے جہاں !

کمال—پورنہ، دھرم—دھرم ہونے کی مابھنا،
ہے کو (ہے کو) —پش، دھرم—سبھلا،
توہیہ—پش ہونا، بھڑک—پش، گنگاویں،
سبھلا—دھرمیہ، ہرے—ہرے،

“آدمی کی پورنہ اسی بات میں ہے کہ وہ ایشور اور اسی کی
سبھلا کو ایک ایک نہ سمبھلا۔ جانور کو بھوکا کے ایک
ہونے کی سمبھلا نہیں ہے۔ لیکن اسی 'مذہب' وہ آدمی تو
جانوروں سے بھی برا ہے جو ایشور اور اسی کی دنیا کو ایک
دھرم سے ایک سمبھلا ہے۔“

[15]

کھن نپس پے اپنے تو جفا کی ہوتی،
کھن بھریہ بھریہ بھی تو جفا کی ہوتی،
ان آئیں میں گھر نرے سبھلا—بھریہ ہوتا !
ہے کو بھی ماریفٹ سبھلا کی ہوتی !

نپس—سن، جفا—سبھلا
بھریہ بھریہ—دھرم کی آئیں، جفا—سبھلا،
نرے—دھرمیہ، سبھلا—سبھلا کا دھرمیہ ہونا،
ہے کو—جانور، ماریفٹ—ہرے کے پاس ہونا،

“کوئی دھرم سیکرے اسلئے ہائی نہیں بٹاتا کہ اس میں
کئی دھرم ہیں۔ نہ دھرم کی اور نہ کسی کو جلا
سکتی ہے۔ کوئی چاہے ہندو ہو یا مسلمان، دھرم کے
بدلنے سے دین نہیں بدلتا۔“

(13)

ہندوؤں مسلمان میں تھوسوہ جو نہیں،
تو کسرتے مچھڑ سے نہیں ہرے کہیں،
ہے نام مسلمان کا 'مذہب' سید لال
اور نام ہے ہندو کا یہاں گنگاویں !

تھوسوہ—دھرمیہ مچھڑ، کسرت—مچھڑ ہونا۔

“اگر ہندو اور مسلمان میں یہاں نہ تو دھرموں کی
سبھلا میں ادھک ہونے سے کوئی مچھڑ نہیں ہے۔ ہمارے
یہاں تو مسلمان کا نام سید لال ہوتا ہے اور ہندو کا گنگاویں۔“

(14)

انسان میں کمال ہے دھرم سے بچنا،
ہے کو نہیں دھرمیہ دھرمیہ تھوسوہ،
ہے کو بھی بھڑک ہے 'مذہب' وہ انسان،
جو خلق کو اور حق کو سمبھلا ہے جہاں !

کمال—پورنہ، دھرم—دھرم ہونے کی مابھنا،
ہے کو (ہے کو) —پش، دھرم—سبھلا،
توہیہ—پش ہونا، بھڑک—پش، گنگاویں،
سبھلا—دھرمیہ، ہرے—ہرے،

“آدمی کی پورنہ اسی بات میں ہے کہ وہ ایشور اور اسی کی
سبھلا کو ایک ایک نہ سمبھلا۔ جانور کو بھوکا کے ایک
ہونے کی سمبھلا نہیں ہے۔ لیکن اسی 'مذہب' وہ آدمی تو
جانوروں سے بھی برا ہے جو ایشور اور اسی کی دنیا کو ایک
دھرم سے ایک سمبھلا ہے۔“

(15)

کھن نپس پے اپنے تو جفا کی ہوتی،
کھن بھریہ بھریہ بھی تو جفا کی ہوتی،
ان آئیں میں گھر نرے سبھلا—بھریہ ہوتا !
ہے کو بھی ماریفٹ سبھلا کی ہوتی !

نپس—سن، جفا—سبھلا
بھریہ بھریہ—دھرم کی آئیں، جفا—سبھلا،
نرے—دھرمیہ، سبھلا—سبھلا کا دھرمیہ ہونا،
ہے کو—جانور، ماریفٹ—ہرے کے پاس ہونا،

لکھتے ہیں کہ کبھی بات یہ ہندو مسلمان
کبھی انکا، کبھی اور ہے اور انکا اور !

لکھتے ہیں کہ کبھی بات یہ ہندو مسلم
کبھی ان کا خدا ہے اور ہے اور ان کا اور !

تکلیف-مذہب-مذہب، مذہب کا بیان

تکلیف-مذہب-مذہب، مذہب کا بیان

”ہندو میں مذہب کا بیان کیا گیا ہے، یہ
مذہب ہم سب کو مل کر نہیں کرتے۔
آخر یہ ہندو مسلمان کبھی بات پر لکھتے ہیں؟ کیا
دونوں کے مذہب الگ الگ ہیں۔“

”دنیا میں مذہب کا بیان کیا گیا ہے۔ اے مذہب
لوگ مذہب پر کبھی بھی غور نہیں کرتے۔ آخر یہ ہندو مسلمان
کبھی بات پر لکھتے ہیں؟ کیا دونوں کے مذہب الگ الگ
ہیں؟“

(10)

(10)

ہندو-مسلمانوں کے نہیں دو ہیں، خدا،
دونوں میں ہیں ایک شان خداوندِ عالم،
جب ان کا وطن ایک ہے اور شکلیں ایک
کبھی تفریق دین سے ہیں دونوں یہ جدا !

ہندو و مسلمان کے نہیں دو خدا
دونوں میں ہیں ایک شان خداوندِ عالم
جب ان کا وطن ایک ہے اور شکلیں ایک
کبھی تفریق دین سے ہیں دونوں یہ جدا !
خداوندِ عالم—مہمانِ ایشور، وطن—دھرم، تفریق—مذہب
ہاؤ، دین—(دین) دھرم۔

خداوندِ عالم—مہمانِ ایشور، وطن—دھرم، تفریق—مذہب
ہاؤ، دین—(دین) دھرم۔

”ہندو اور مسلمانوں کے نہیں دو خدا
دونوں میں ہیں ایک شان خداوندِ عالم،
جب ان کا وطن ایک ہے اور شکلیں ایک
کبھی تفریق دین سے ہیں دونوں یہ جدا !“

”ہندو اور مسلمانوں کے نہیں دو خدا
دونوں میں ہیں ایک شان خداوندِ عالم،
جب ان کا وطن ایک ہے اور شکلیں ایک
کبھی تفریق دین سے ہیں دونوں یہ جدا !“

(11)

(11)

کھانے سے رکتیوں کے ’مذہب‘ ہیں مذہب،
میل جائے گا پھر ہندو ہندو میں پڑے،
ہندو-مسلمانوں میں تنازعہ، کبھی ہے
ہے مذہب کے یہ دونوں لکھتے !

کہتے ہیں رکتیوں کے ’مذہب‘ ہیں مذہب،
میل جائے گا پھر ہندو ہندو میں پڑے،
ہندو-مسلمانوں میں تنازعہ، کبھی ہے
ہے مذہب کے یہ دونوں لکھتے !

رکتیوں—ہندو، ہندو ہندو—مذہب
میل جائے گا پھر ہندو ہندو میں پڑے،
ہندو-مسلمانوں میں تنازعہ، کبھی ہے
ہے مذہب کے یہ دونوں لکھتے !

رکتیوں—ہندو، ہندو ہندو—مذہب
میل جائے گا پھر ہندو ہندو میں پڑے،
ہندو-مسلمانوں میں تنازعہ، کبھی ہے
ہے مذہب کے یہ دونوں لکھتے !

”یہ ’مذہب‘ یہ (ہندو اور مسلمان) ہندو
کھانے پر پڑے ہیں (اور آپس میں لکھتے ہیں) مذہب
اور سمجھ جانے پر یہ ایک ہو جائے گا۔ ان دونوں کو ایک
مذہب سے نکلنے کبھی ہے؟ دونوں ہی ہندو ہندو کے پتر ہیں۔“

”یہ ’مذہب‘ یہ (ہندو اور مسلمان) ہندو
کھانے پر پڑے ہیں (اور آپس میں لکھتے ہیں) مذہب
اور سمجھ جانے پر یہ ایک ہو جائے گا۔ ان دونوں کو ایک
مذہب سے نکلنے کبھی ہے؟ دونوں ہی ہندو ہندو کے پتر ہیں۔“

(12)

(12)

کھانے سے مذہب کے پھلتا نہیں مذہب،
آپس میں سمجھ جانے کے بھی مذہب نہیں مذہب،
ہندو ہو جائے گا یا مسلمان ہو جائے
مذہب کے پھلتا نہیں مذہب۔

کثرت سے مذہب کے پھلتا نہیں مذہب،
آپس میں سمجھ جانے کے بھی مذہب نہیں مذہب،
ہندو ہو جائے گا یا مسلمان ہو جائے
مذہب کے پھلتا نہیں مذہب۔

کثرت سے مذہب کے پھلتا نہیں مذہب،
آپس میں سمجھ جانے کے بھی مذہب نہیں مذہب،
ہندو ہو جائے گا یا مسلمان ہو جائے
مذہب کے پھلتا نہیں مذہب۔

کثرت سے مذہب کے پھلتا نہیں مذہب،
آپس میں سمجھ جانے کے بھی مذہب نہیں مذہب،
ہندو ہو جائے گا یا مسلمان ہو جائے
مذہب کے پھلتا نہیں مذہب۔

وہ تیری سمجھ اور ہے، آؤں کا کسور
تو بھی ہے وہی اور تیرا بھی ہے وہی !

جوش—میل، گول—کول، توت—موت

”وہ (ہیو) کون سے میلا بھی ہے اور ابلان
میں، وہی توتوتوت ہے، وہی کول اور ہوا بھی وہی ہے۔
موت اور توت ایک ہی ہیں۔ اگر تو اسے نہ سمجھ پاوے
تو یہ تیری سمجھ اور آؤں کا کسور ہے۔“

(7)

دیل بولتا ہر دم ہے ’مذہب‘ ابلان،
وہ دیکھنے کی ایک کو متعلق نہیں،
وہ سب کو سمجھتا ہے وہی ذات احد
صوفی کو برابر ہے مسلمان ہندو !

ابلان—ہیو کا نام، متعلق—بالکل،
خ—آدھ، جاتے آدھ—ایک ہیو،
سوفی—مسلمانوں میں بدانت جیسا ایک

پہ ’مذہب‘ ہمارا دیل تو ہر دم ہیو کا نام
لیا کرتا ہے۔ ہم جیسے (ہیو اور سوشی کو) ایک
سمجھتے ہیں اسے دی سمجھنے کی ہمیں بالکل
آدھ نہیں ہے۔ سوفی کے لئے
ہندو مسلمان دونوں برابر ہیں کہہ سکتے ہیں
تو سبھی لوگ
اسی ہیو کے روپ دکھائی دیتے ہیں۔“

(8)

ہے تفریق ذات صفت وحشت میں،
آدھ—آدھ، ایک ہے سب وحدت میں،
آدھ میں ہے، نہ توپوں میں نہ وہ لشکر میں
جو زور خدائی ہے ’مذہب‘ ابلان میں !

تفریق—ایو، ذات—ذات، وحشت—وحشت اور گن
وحشت—جنگلی پن، آدھ—آدھ (شہ کا بہر پن)
آدھ، وحدت—آدھ کا ایک ہونا، زور خدائی—ایو کی طاقت
ایو—ایو

”ہیو کے (ہیو اور گن) وحشت اور جنگلی پن کے
کرن آتے ہیں۔ ساری چیزیں آتی ایک ہیو کا روپ ہیں۔
آدھ ’مذہب‘ جو آدھ کی طاقت پریم میں پانی جاتی ہے وہ
دھن دولت، توپ، لشکر کسی میں نہیں۔“

(9)

تفریق کا دنیا میں مچا ہے کیا شور،
کرتے نہیں مذہب پہ ’مذہب‘ ہم کچھ نور،

تفریق کا دنیا میں مچا ہے کیا شور،
کرتے نہیں مذہب پہ ’مذہب‘ ہم کچھ نور،

“سُخار کی پرتک دیا ایشور کو ہم سے جیانی ہے۔ ہم کتابوں کتابوں پڑھ کر کے (ایشور کے بارے میں) شکائیں دے لگتے ہیں۔ یہ (کتابی) یوگتا تو دراصل اندھاہن ہے۔ ”محب“ دنیا کے لئے جو ہر شکاری ہے وہ سب سے بڑی ہند ہے۔“

”سُخار کی پرتک دیا ایشور کو ہم سے جیانی ہے۔ ہم کتابوں کتابوں پڑھ کر کے (ایشور کے بارے میں) شکائیں دے لگتے ہیں۔ یہ (کتابی) یوگتا تو دراصل اندھاہن ہے۔ ”محب“ دنیا کے لئے جو ہر شکاری ہے وہ سب سے بڑی ہند ہے۔“

(4)

(4)

ہے کُفر ’مُحِب‘ غور کر اُس کو ماننا،
ہم نے تو بتوں کو بھی خدا ہی جانا،
تشریح سے غفلت کا نتیجہ یہ ہوا
موسوی نے جو دیکھا بھی تو کیا پہچانا !

ہے کُفر ’مُحِب‘ غور کر اُس کو ماننا،
ہم نے تو بتوں کو بھی خدا ہی جانا،
تشریح سے غفلت کا نتیجہ یہ ہوا
موسوی نے جو دیکھا بھی تو کیا پہچانا !

کُفر—ادھارمکتا، تشریح—ایمان،
غفلت—پرورائی، ہمت—موررتی

کُفر—ادھارمکتا، تشریح—ایمان،
غفلت—پرورائی، ہمت—موررتی

”مُسا—اگر نہی، ہجرت مُسا نے ایشور سے پُراپنا کی کہ تُو مُسے اپنا مُخ دیکھا، ایشور نے اُن کے بہت کلمے سننے پر اپنا چہرہ تو نہیں جلوہ (دہتی) دکھایا۔ لیکن حضرت موسیٰ اُسے بھی دیکھنے کی قاب نہ لے سکے۔ وہ بے ہوش ہو گئے اور جس طور پہاڑ پر وہ کُرتے تھے وہ جل گیا۔“

”مُسا—اگر نہی، ہجرت مُسا نے ایشور سے پُراپنا کی کہ تُو مُسے اپنا مُخ دیکھا، ایشور نے اُن کے بہت کلمے سننے پر اپنا چہرہ تو نہیں جلوہ (دہتی) دکھایا۔ لیکن حضرت موسیٰ اُسے بھی دیکھنے کی قاب نہ لے سکے۔ وہ بے ہوش ہو گئے اور جس طور پہاڑ پر وہ کُرتے تھے وہ جل گیا۔“

”اے ’مُحِب‘ ایشور سے کسی کو الگ سمجھنا ادھارمکتا ہے۔ ہم تو سورتوں میں بھی ایشور کو دیکھتے ہیں۔ ایشور کے اپ ناموں پر دھواں نہ دینے کا پیل یہ ہوا کہ موسیٰ ایشور کو دیکھ کر بھی نہ پہچان سکے۔“

”اے ’مُحِب‘ ایشور سے کسی کو الگ سمجھنا ادھارمکتا ہے۔ ہم تو سورتوں میں بھی ایشور کو دیکھتے ہیں۔ ایشور کے اپ ناموں پر دھواں نہ دینے کا پیل یہ ہوا کہ موسیٰ ایشور کو دیکھ کر بھی نہ پہچان سکے۔“

(5)

(5)

پدے میں ہیں مخلص کے وہ جاتے خُدا،
بے پدے نجر آئے یہ ایمکان ہیں کیا،
تشریح کا ہوتا جہاں ’مُحِب‘ کُفر بھی مذاق
سُناتے نہ راجر سے لائن تارانی مُسا !

پدے میں ہیں مخلص کے وہ جاتے خُدا،
بے پدے نظر آئے یہ ایمکان ہیں کیا،
تشریح کا ہوتا جہاں ’مُحِب‘ کُفر بھی مذاق
سناتے نہ راجر سے لائن تارانی مُسا !

مخلص—دُنیا، ایمکان—سَمبھانا،
تشریح—اُپما، مذاق—کُفر،

مخلص—دُنیا، ایمکان—سَمبھانا،
تشریح—اُپما، مذاق—کُفر،

راجر—پد، لائن تارانی—ایشور کا رہس (ہجرت مُسا کو ایک پد نے ایشور کا رہس بتایا تھا)۔

راجر—پد، لائن تارانی—ایشور کا رہس (ہجرت مُسا کو ایک پد نے ایشور کا رہس بتایا تھا)۔

”ایشور سُخار کے ہی پدے میں جیانی ہے۔ وہ بے پدے (جانی دُنیا سے الگ) نہیں دیکھا دے سکتا۔ اے ’مُحِب‘ موسیٰ میں اگر ایشور کی آپ ناموں کے لئے کچھ رچی ہوئی تو (ہر ایک چیز میں ایشور کو نہ دیکھ کر) وہ پدے کیوں آدھی لیتے۔“

”ایشور سُخار کے ہی پدے میں جیانی ہے۔ وہ بے پدے (جانی دُنیا سے الگ) نہیں دیکھا دے سکتا۔ اے ’مُحِب‘ موسیٰ میں اگر ایشور کی آپ ناموں کے لئے کچھ رچی ہوئی تو (ہر ایک چیز میں ایشور کو نہ دیکھ کر) وہ پدے کیوں آدھی لیتے۔“

(6)

(6)

وہ کُفر سے ملا اور جدا بھی ہے وہی،
بُل بُل بھی ہے گُل بھی ہے، دُعا بھی ہے وہی،

وہ کُفر سے ملا اور جدا بھی ہے وہی،
بُل بُل بھی ہے، گُل بھی ہے، دُعا بھی ہے وہی،

रुबाइयात मुहिब

श्री 'मुहिब'

(1)

अल्लाह कहो, राम कहो, गाढ कि रब, 2 :
हर नाम उसी का है "मुहिब" कर न अजब
हिन्दू-आ-मुसलमाँ-आ-नसारा-आ-यहूद
सबका है वही एक उत्तुले मजहब !

गाढ—ईश्वर (), रब—भगवान, अजब—आश्चर्य,
नसारा—ईसाई, उत्तुले—सिद्धांत,

"चाहे उसे अल्लाह कहाँ, चाहे राम कहाँ, चाहे गाढ
कहाँ चाहे रब—यह सब उसी एक ईश्वर के नाम हैं ।
ऐ "मुहिब" तू इस बात पर आश्चर्य न करे. हिन्दू,
मुसलमान, ईसाई, यहूदी सब के धर्मों के सिद्धांत एक
ही हैं ।"

(2)

अल्फाज पे लड़ते हैं, अजब है इद्बार,
मानी को जो समझें तो नहीं कुछ तकरार,
जो देखते हैं हक को "मुहिब" आँखों से
सुम उनको पयम्बर कहाँ चाहे अवतार.

अल्फाज—शब्द (लफ्ज का बहुवचन), इद्बार—दुर्भाग्य
हक—परमात्मा. पयम्बर—ईश्वरीय संदेश लाने वाला,

"यह हमारा दुर्भाग्य है कि हम शब्दों पर ही फगड़ने
लगे हैं. यदि शब्दों के अर्थ पर गौर करें तो फगड़ा
ही न रहे. 'ऐ' 'मुहिब' जो लोग ईश्वर को अपनी आँखों
से देखते हैं चाहे उन्हें पयम्बर कह लो चाहे अवतार
कहो ।"

(3)

पर्दा है कल्ले ज्ञात पे हर इल्मे जहाँ,
पढ़ पढ़ के किताबों को बढ़ा वहमो गुमाँ,
यह दानिशो बीनश भी तो है कोरिचरम,
बेदारीए दुनिया है 'मुहिब' ख्वाबेगारों.

कल्लेज्ञात—ईश्वर का चेहरा, वहमो गुमाँ—शंकाएं
दानिश—योग्यता, विद्वत्ता, बीनश—देखने की ताकत
कोर—अंधापन, चरम—आँख, बेदारी—जागना, हाशियारी
ख्वाबे गरों—गहरी नींद

रुबाइयात मुहिब

शरी मुहिब

(1)

1957 'الله' کہو 'رام' کہو 'گان' کہ 'رب'
ہر نام اسی کا "محب" کرنے عجیب
ہندو-مسلمان-نصارا-یہود
سب کا ہے وہی ایک اصول مذہب !

گان—ایشور (God), رب—بہکوان, عجیب—اشچریہ,
نصارا—عیسائی, اصول—سہانیت.

"چاہے اے اللہ کہو, چاہے رام کہو, چاہے گان کہو, چاہے رب—
یہ سب اسی ایک ایشور کے نام ہیں. اے "محب" تو اس بات
میں اشچریہ نہ کر. ہندو, مسلمان, عیسائی, یہودی سب کے
دھرموں کے سدھانت ایک ہی ہیں."

(2)

الفاظ پہ لڑتے ہیں عجیب ہے ادبار
معنی کو جو سمجھیں تو نہیں کچھ تکرار
جو دیکھتے ہیں حق کو "محب" آنکھوں سے
تم اُن کو پوچھ کر کہو چاہے اوتار !

الفاظ—شبد (لفظ کا بہو بچن) ادبار—درہانگہ, حق—پرمانہ,
پوچھ—ایشوری سندیس لے والا

"یہ ہمارا درہانگہ ہے کہ شبدوں پر ہی جھگڑتے لگتے ہیں.
بدی شبدوں کے اُترتے پر غور کریں تو جھگڑا ہی نہ رہے. اے
"محب" جو لوگ ایشور کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں چاہے
انہیں پوچھ کر کہ لو چاہے اوتار کہو."

(3)

بدی ہے رخ ذات پہ ہر علم جہاں
پڑھ پڑھ کے کتابوں کو بڑھا وہم و گماں
یہ دانہ بیٹھ ہی تو ہے کوری چشم
بیداری دنیا ہے "محب" خواب گراں

رخ ذات—ایشور کا چہرہ, وہم گماں—شکائیں دانہ—
یوگتا, ودنا—بیٹھ دیکھنے کی طاقت, کوری—اندھاریں,
چشم—آنکھ بیداری—جاگنا, خواب گراں—گہری
نیند

جاءا۔ ہارکر میں اپنے ایک رشتہ دار شری گوہند پرست کے پاس پہنچا۔ وہ ہائی کورٹ کے ایک اچھے ایڈووکیٹ تھے اور آج چہل انیکلو بنگالی انٹرمیڈیٹ کالج ہے، وہیں ان کا بنگلہ تھا۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ وہ اپنے بنگلے کے ٹینس کورٹ پر لوکمانیہ کی سیٹھیا کرنے کی اجازت دے دیں۔ گوہند پرست جی ٹرینٹ راضی ہو گئے۔ اب ہمارے آفسا کا ٹھکانہ نہ رہا۔ ہم نے جلسہ کا نوٹس نکالا جس پر مہرے، ایم۔ این۔ دھوا کے اور کے۔ بی۔ مشرا کے دستخط تھے۔ سارا انتظام تین چار گھنٹوں کے اندر کرنا پڑا۔ شام کو چھ بجے لوکمانیہ ٹک کا آسی لان کے اوپر وہاں ہوا۔ وہ تھا ورناسان راج نیتک اسٹوڈیو۔ سوال تھا، سیٹھیا کا سیٹھیا کیسی بنایا جائے گا؟ بڑے بڑے لوگوں میں سب انکار کرچکے تھے۔ تب ہم نے انیکلو بنگالی ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر بابو نیوال چندر رام کو پکڑا۔ نیوال بابو بڑے ہی نیک طبیعت اور پرگئی شیل وچاروں کے آدمی تھے۔ سیٹھیا میں قریب دو ہزار آدمی اکٹھا ہوئے۔ لوکمانیہ جوشیلے وقتا نہیں تھے۔ لیکن ان کا ایک ایک شہد دل کی گہرائی سے نکلتا معلوم ہوتا تھا۔ جلسے میں ایک سماں سا بندھا ہوا تھا۔ الہ آباد میں لوکمانیہ کا وہ پہلا راج نیتک ویڈیو تھا۔ اس نے نہ صرف الہ آباد کے شہر میں ہی نہیں بلکہ سارے صوبے میں ایک نئے راج نیتک جیون کی بنیادیں ڈال دیں۔ اگلے دن پورے پنجپ کے ہیڈنگ دے کو اخباروں نے چھاپا۔ ”الہ آباد میں نئے وچاروں کا پھمیز“۔ ”انڈین پیپل“ نے ”جو“ ”نیتک“ سے پہلے اس وقت الہ آباد سے نکلتا تھا“ لکھا۔ ”بڑھی آفسا پورن ویڈیو“۔

اس کے بعد تو ویڈیو بنانوں کا سلسلہ ہی شروع ہو گیا۔ مارچ 1907 میں بابو بیپن چندر پال الہ آباد آئے۔ الہ آباد میں ان کے تین ویڈیو بنائے گئے۔ ان کے ویڈیو بنانوں کے لئے اسٹوڈیو روڈ پرستھیا چرن بابو ویڈیو کے بنگلے کا احاطہ ٹھہک گیا۔ ہر ویڈیو بنان میں قریب تین چار ہزار لوگوں کی بھیڑ ہوتی تھی۔ اپریل سن 1907 میں لالہ لاجپت رائے الہ آباد آئے۔ لوکمانیہ ٹک کی میٹنگ رام ایلا گروونڈ میں نہ ہو سکی تھی اس کے لئے رام ایلا کمیٹی کے ممبر بہت شرمندہ تھے۔ سمریتری سے انہوں نے اسٹوڈیو لے لیا تھا اور لالہ جی کی میٹنگ رام ایلا گروونڈ میں کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ وہیں لالہ جی کا ویڈیو بنایا ہوا۔ دس ہزار سے زیادہ آدمی انہیں سننے کے لئے اکٹھا ہوئے۔ جنتا کے ادیش اور آفسا کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

(باقی آگے نمبر میں)

[باقی آگے نمبر میں]

कलकत्ता कांग्रेस के समय पहली बार हमें तिलक महाराज से ढेर तक रुक बैठकर बातें करने का सौभाग्य प्राप्त हुआ। वे उस समय श्री पद्मराज जैन के यहाँ ठहरे हुये थे। हमने तिलक महाराज से कहा कि यू० पी० और खासकर इलाहाबाद में उनके व्याख्यान होने चाहियें। उन्होंने हमारी बात का समर्थन किया। वे चाहते थे कि यू० पी० के कोई नेता उन्हें बुलावें। बंगाल, पंजाब और महाराष्ट्र में उन दिनों गरम दल का जोर था। यू० पी०, बम्बई और मद्रास नरम दल के गढ़ थे। तिलक महाराज ने हमसे वादा किया कि कांग्रेस के दो तीन दिन बाद वे कलकत्ते से इलाहाबाद होते हुए पूना जायेंगे और अगर इलाहाबाद में उनके व्याख्यान का प्रबन्ध हो सका तो वे उसके लिये भी तैयार रहेंगे। उन्होंने यह भी वादा किया कि अपने इलाहाबाद पहुँचने की वे हमें पहले से सूचना दे देंगे।

जहाँ तक मुझे याद है जनवरी सन् 1907 की 6 तारीख थी। सुबह की किसी गाड़ी से तिलक महाराज इलाहाबाद पहुँचे। बहुत से विद्यार्थी और शहर के लोग उनके स्वागत के लिए स्टेशन पहुँचे। वे दारारगंज में अपने दामाद श्री साने के यहाँ ठहरे। स्टेशन पर ही हमने उनसे उनके व्याख्यान की बातें छेड़ीं। उन्होंने कहा कि वे दो एक घंटे के बाद पंडित मदन मोहन मालवीय से मिलने के लिये उनके मकान पर पहुँचेंगे और वहाँ अगर तय हुआ तो व्याख्यान देंगे।

हम भी भारती भवन मालवीय जी के मकान पर पहुँच गए। वहाँ उस समय पंडित मदन मोहन मालवीय के अलावा कांग्रेस के कई बड़े बड़े नेता तिलक महाराज से मिलने के लिए जमा थे। हमने तिलक महाराज से उनके व्याख्यान की चर्चा की। वे खुशी से राजी थे। पर वहाँ बैठे हुए अधिकतर नेता उनके व्याख्यान के खिलाफ थे और चाहते थे कि अगर तिलक महाराज इलाहाबाद में बोलें ही तो "वैदिक साहित्य" पर बोलें, "राजनीति" पर नहीं। मैंने तिलक महाराज से पूछा कि अगर मैं और मेरे साथी विद्यार्थी उनके व्याख्यान का प्रबन्ध कर सकें तो वे व्याख्यान देंगे या नहीं। वे राजी हो गए। मैंने यह भी कहा कि इलाहाबाद की जनता आपको वैदिक साहित्य पर सुनना नहीं चाहती, 'राजनीतिक स्थिति' पर सुनना चाहती है। तिलक महाराज ने स्वीकार कर लिया।

व्याख्यान कराने की जिम्मेदारी तो हमने अपने ऊपर ले ली, लेकिन सबसे बड़ी दिक्कत हमें जगह की पड़ी। जहाँ जाते नरम दल के नेताओं के दूत हमसे पहले पहुँच जाते और वहाँ से हमें इन्कार, हो जाता। हमने सोचा था कि रामलीला ग्राउंड में सभा कर लें मगर उसके मंत्री को ऐसा सबक पढ़ा दिया गया कि उसने साफ इन्कार कर दिया। हम सब की तबियतों में बेहद मायूसी

कलकत्ता कांग्रेस के समय पहली बार हमें तिलक महाराज से ढेर तक रुक बैठकर बातें करने का सौभाग्य प्राप्त हुआ। वे उस समय श्री पद्मराज जैन के यहाँ ठहरे हुये थे। हमने तिलक महाराज से कहा कि यू० पी० और खासकर इलाहाबाद में उनके व्याख्यान होने चाहियें। उन्होंने हमारी बात का समर्थन किया। वे चाहते थे कि यू० पी० के कोई नेता उन्हें बुलावें। बंगाल, पंजाब और महाराष्ट्र में उन दिनों गरम दल का जोर था। यू० पी०, बम्बई और मद्रास नरम दल के गढ़ थे। तिलक महाराज ने हमसे वादा किया कि कांग्रेस के दो तीन दिन बाद वे कलकत्ते से इलाहाबाद होते हुए पूना जायेंगे और अगर इलाहाबाद में उनके व्याख्यान का प्रबन्ध हो सका तो वे उसके लिये भी तैयार रहेंगे। उन्होंने यह भी वादा किया कि अपने इलाहाबाद पहुँचने की वे हमें पहले से सूचना दे देंगे।

जहाँ तक मुझे याद है जनवरी सन् 1907 की 6 तारीख थी। सुबह की किसी गाड़ी से तिलक महाराज इलाहाबाद पहुँचे। बहुत से विद्यार्थी और शहर के लोग उनके स्वागत के लिए स्टेशन पहुँचे। वे दारारगंज में अपने दामाद श्री साने के यहाँ ठहरे। स्टेशन पर ही हमने उनसे उनके व्याख्यान की बातें छेड़ीं। उन्होंने कहा कि वे दो एक घंटे के बाद पंडित मदन मोहन मालवीय से मिलने के लिये उनके मकान पर पहुँचेंगे और वहाँ अगर तय हुआ तो व्याख्यान देंगे।

हम भी भारती भवन मालवीय जी के मकान पर पहुँच गए। वहाँ उस समय पंडित मदन मोहन मालवीय के अलावा कांग्रेस के कई बड़े बड़े नेता तिलक महाराज से मिलने के लिए जमा थे। हमने तिलक महाराज से उनके व्याख्यान की चर्चा की। वे खुशी से राजी थे। पर वहाँ बैठे हुए अधिकतर नेता उनके व्याख्यान के खिलाफ थे और चाहते थे कि अगर तिलक महाराज इलाहाबाद में बोलें ही तो "वैदिक साहित्य" पर बोलें, "राजनीति" पर नहीं। मैंने तिलक महाराज से पूछा कि अगर मैं और मेरे साथी विद्यार्थी उनके व्याख्यान का प्रबन्ध कर सकें तो वे व्याख्यान देंगे या नहीं। वे राजी हो गए। मैंने यह भी कहा कि इलाहाबाद की जनता आपको वैदिक साहित्य पर सुनना नहीं चाहती, 'राजनीतिक स्थिति' पर सुनना चाहती है। तिलक महाराज ने स्वीकार कर लिया।

व्याख्यान कराने की जिम्मेदारी तो हमने अपने ऊपर ले ली, लेकिन सबसे बड़ी दिक्कत हमें जगह की पड़ी। जहाँ जाते नरम दल के नेताओं के दूत हमसे पहले पहुँच जाते और वहाँ से हमें इन्कार, हो जाता। हमने सोचा था कि रामलीला ग्राउंड में सभा कर लें मगर उसके मंत्री को ऐसा सबक पढ़ा दिया गया कि उसने साफ इन्कार कर दिया। हम सब की तबियतों में बेहद मायूसी

جاغیسار میں 60 کروڑ روپے سالانہ کا سرکاری کپڑا تھا۔ देश के कारीगर भूखे मर रहे थे, देश घरीब होता जा रहा था, 'स्व-देशी' का मतलब था कि हम अपने देश के उद्योग-धंधों को फिर से चमकाएँ और अपने रोजमर्रा के इस्तेमाल में जहाँ तक हो सके, देश की बनी हुई चीजें ही काम में लाएँ. दूसरा था 'बायकाट' यानी यह कि हम अंग्रेजों के अन्याय के जवाब में इंगलैण्ड के बने हुये हर तरह के माल का ख़ास तौर से बहिष्कार करें. इस 'बायकाट' में सरकारी नौकरियाँ और ख़िताब भी शामिल थे. तीसरा था 'राष्ट्रीय शिक्षा' यानी अंग्रेजों के बनाये स्कूलों और कालेजों को छोड़कर राष्ट्रीय ढंग की शिक्षा हासिल करें. इस सिलसिले में मुल्क भर में जगह-जगह नेशनल कालेज और स्कूल कायम किये गये. चौथा था 'स्वराज' यानी देश को आज़ाद करना. हमारी टोली के प्रसिद्ध राष्ट्र कवि पंडित माधव शुक्ल ने उस चौमुखी कार्यक्रम पर नीचे लिखी कविता लिखी:—

“जय-जय श्री तिलक देव ! भारत हितकारी !

स्वदेशी अन्न बहिष्कार, राष्ट्रीय शिक्षा प्रसार,

हिन्द में स्वराज—चारि पन्थ के पुजारी !”

नरम दल के नेता लोकमान्य तिलक के नये चतुर्मुखी कार्यक्रम के खिलाफ थे. काँग्रेस के ज्यादातर पुराने नेता इसी नरम दल में थे. लेकिन देश भर में जनता के अन्दर गरम दल का असर तेज़ी के साथ बढ़ता जा रहा था.

अंग्रेज शासकों ने नये दल को दबाने और बंग भंग के मकसद को पूरा करने के लिये ज़ोरदार कोशिश की. ढाका के नवाब सलीमुल्ला खाँ को चौदह लाख रिश्वत देकर मुसलिम लीग कायम कराई गई और वही साल लाहौर में हिन्दू सभा की स्थापना हुई. लाहौर के जिस जल्ले में हिन्दू सभा कायम हुई उसमें मैं भी इत्तफाक से मौजूद था. मैं पंजाब यूनिवर्सिटी के कानवोकेशन में अपनी डिग्री लेने गया था.

दिसम्बर सन् 1906 में कलकत्ते में काँग्रेस का बाईसवाँ इजलास हुआ. मैं, धर्मा और दूसरे साथी कलकत्ते की काँग्रेस में भी बालंटियरों की हैसियत से शामिल हुए. जनता का जोश हद को पहुँच चुका था. सरकार की चालों का वल्टा असर हो रहा था. सलीमुल्ला खाँ और उनकी मुसलिम लीग के ज़बाब में उनके भाई अलीक़उल्ला खाँ ने काँग्रेस में खूब खुलकर हिस्सा लिया. गरम दल के सौभाग्य से दादा भाई नौरोजी, जो तीस साल के राजनीतिक वज़रबे के बाद वही साल इंगलैण्ड से भारत आये थे, काँग्रेस के सभापति थे. दादा भाई नौरोजी ने सभापति के आसन से गरम दल वालों का खुलकर साथ दिया और काँग्रेस के मंच से इतिहास में पहली बार 'स्वराज' शब्द का उपयोग किया. गरम दल के सब प्रस्ताव थोड़े बहुत बदल बदल के साथ पास हो गये. देश में जोश बढ़ता चला गया.

تھا . جس میں 60 کروڑ روپہ سالانہ کا صرف کپڑا تھا . دیہی کے کاریگر بھوکے مر رہے تھے ، دیہی دیب ہوتا جا رہا تھا ، خوددیشی کا مطلب تھا کہ ہم اپنے دیہی کے اُدیوگ دھندوں کو پھر سے چمکائیں اور اپنے روزمرہ کے استعمال میں جہاں تک ہو سکے ، دیہی کی بلی ہوئی چیزیں کم میں لائیں . دوسرا تھا ہائیکٹ ، یعنی یہ کہ ہم انگریزوں کے اٹھائے گئے جواب میں انگریزوں کے بنے ہوئے ہر طرح کے مال کا خاص طور سے بھشکار کریں گے ، اس ہائیکٹ میں سرکاری نوکریاں اور خطابات بھی شامل تھے . تیسرا تھا ، 'راشٹری شکھا' انگریزوں کے بنائے اسکولوں اور کانچوں کو چھوڑ کر راشٹری تھانگ کی شکھا حاصل کریں . اس سلسلے میں ملک بھر میں جگہ جگہ نیشنل کالج اور اسکول قائم کئے گئے . کا 'سوراج' یعنی دیہی کو آزاد کرنا . ہمارے ٹولی کے پرسدھ راشٹر کوئی پنڈت مادھو شکل نے اُس چومکھی گریہ کرم پر نیچے لکھی کہتا لکھی .

”جے جے شوی تلک دیو ! بہارت ہت کاری !

سودیشی اور بھشکار ، راشٹری شکھا پر سار

ہند میں سوراج چاری پنٹھ کے بچاری !”

نرم دل کے نیتا لوکمانیہ تلک کے نئے چتورمکھی گریہ کرم کے خلاف تھے . کانگریس کے زیادہ تر پرانے نیتا اسی نرم دل میں تھے . لیکن دیہی بھر میں جنتا کے اندر گرم دل کا اثر تیزی کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا .

انگریزی شاموں نے نئے دل کو دہانے اور ہنگ ہنگ کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے زوردار کوشش کی . تھاکا کے نواب سلیم اللہ خاں کو چودہ لاکھ رشوت دے کر مسلم لیگ قائم کرانی گئی اور اسی سال لاہور میں ہندو سبھا کی استھاپنا ہوئی . لاہور کے جس جلسے میں ہندو سبھا قائم ہوئی اُس میں میں بھی اتفاق سے موجود تھا . میں پنجاب یونیورسٹی کے کانووکیشن میں یہ ڈگری لینے گیا تھا .

دسمبر سن 1906 میں کلکتہ میں کانگریس کا بائیسواں اجلاس ہوا . میں ، دھرم اور دوسرے ساتھی کلکتہ کی کانگریس میں بھی والنتھیں کی حیثیت سے شامل ہوئے . جلد کا جوش حد کو پہنچ چکا تھا . سرکار کی چالوں کا اتنا اثر ہو رہا تھا . سلیم اللہ خاں اور اُن کی مسلم لیگ کے جواب میں اُن کے بھائی قتیق اللہ خاں نے کانگریس میں خوب کھل کر حصہ لیا . گرم دل کے سوبھانگہ سے دادا بھائی نوروجی جو تیس سال کے راجپوتک تجربے کے بعد اُس سال انگریز سے بہارت آئے تھے ، کانگریس کے سبھانگہ تھے . دادا بھائی نوروجی نے سبھا پتی کے آسن سے گرم دل والوں کا ہل کر ساتھ دیا اور کانگریس کے ملبے سے انہیں میں پہلی بار 'سوراج' شبد کا اُدیوگ کیا . گرم دل کے سب پرستار نوروجی بہت اُدل بدل کے ساتھ پاس ہو گئے ، دیہی میں جوش بڑھتا گیا .

ہم چاہتے ہیں کہ اٹلی بھی ہمارے ساتھ مل کر کام کرے۔
ن سب سے نہیں ملوگا۔ گت رہ کر ہی ارونڈ بابو اور ہمارے
چ میں ملدیں، ادھک (قاعد) کا کام کرونگا۔ اس کے بعد
چھوٹن دوس ہمارے اور ارونڈ بابو کے بیچ میں لگی ہوس
س پوسٹ آفس کا کام کرتے رہے۔

اس حالت میں دسمبر سن 1905 میں بنارس میں کانگریس
کا انکوائسری آفیشیشن ہوا۔ شری گوپال کرشن کوٹلی
سہا پتی تھے۔ دہش میں کالی جوش تھا۔ انہماک سے ساتھیوں
کوہ کر میں بنارس پہنچا۔ ہم لوگ سویم سیوک کی حیثیت سے
کانگریس میں شامل ہوئے تھے۔ اس سے کانگریس کی عجیب
لچھت تھی۔ اس کے ہواجلس میں سب سے پہلے پرسنل انکوائسری
ہدایت کی طرف وفاداری کا ہوتا تھا۔ اس سال ہی سب سے پہلے
یہی پرسنل آف پبلی ہار دیس کے کچھ نیٹاؤں نے اس کا وردہ
کیا۔ ان کے آگوا تھے لوکمانہ لک اور لالہ لچھت رائے
لوکمانہ کے یہ لفظ آج تک یاد ہیں۔

“We have been over loyal up to this time
let us decrease our loyalty.”

لوکمانہ کا سامنے کرتے ہوئے لالہ لچھت رائے نے کہا:—

“Let the prince go and tell his father that
there is no welcome for him in the Indian
heart.”

میں نام بھول گیا لیکن ایک بکاک کے منہ سے یہ لفظ اب
تک یاد ہیں:—

“کانگریس ابھی تک نابالغ تھی۔ اسے شاکس کی دیکھ
رہی تھی ضرورت تھی، اب وہ 21 سال کی یعنی بالغ ہو چکی۔
اب اسے اپنا کام خود سنبھالنا چاہئے۔”

مگر پھر بھی کانگریس میں پرانے نیٹاؤں کا زور تھا اور وفاداری
کا پرسنل کسی طرح پاس ہو ہی گیا۔

اس سے دیس میں دو راج نیک دل صاف دکھائی دیئے
لگے۔ ایک جسے انگریزوں نے ‘راشتری گرم دل کہا جاتا تھا’
جس کے خاص نیٹا ناک مہاراج، بہت راج، لالہ لچھت رائے شری
دین چندر پال، اور شری ارونڈ بابو تھے، اور دوسرے جو ساقریٹ
پرسنل یا نرم دل کہلاتا تھا، جس کے مکھ نیٹا سرفروڑ شاہ مہتا
شری دلشا ایدولجی راج، پلڈت مدن موہن مالویہ اور شری گوپال
کرشن کوٹلی تھے۔ بنارس کانگریس کے بعد ہی ہنگ ہلک کے
چوالب میں ملک مہاراج نے جو بھی پروگرام دیس کے سامنے رکھا
ان میں پہلے سوریسی ہے۔ دیس کے اڈیوگ دھندلے اس سے
پھرت دیے ہوئے تھے۔ دیس روپہ کا مال یورپ سے آتا

کانگریس میں انہماک کی ترقی ہی ہمارے ساتھ مل کر کام کرے۔
ن سب سے نہیں ملوگا۔ گت رہ کر ہی ارونڈ بابو اور ہمارے
چ میں ملدیں، ادھک (قاعد) کا کام کرونگا۔ اس کے بعد
چھوٹن دوس ہمارے اور ارونڈ بابو کے بیچ میں لگی ہوس
س پوسٹ آفس کا کام کرتے رہے۔

اس حالت میں دسمبر سن 1905 میں بنارس میں کانگریس
کا انکوائسری آفیشیشن ہوا۔ شری گوپال کرشن کوٹلی
سہا پتی تھے۔ دہش میں کالی جوش تھا۔ انہماک سے ساتھیوں
کوہ کر میں بنارس پہنچا۔ ہم لوگ سویم سیوک کی حیثیت سے
کانگریس میں شامل ہوئے تھے۔ اس سے کانگریس کی عجیب
لچھت تھی۔ اس کے ہواجلس میں سب سے پہلے پرسنل انکوائسری
ہدایت کی طرف وفاداری کا ہوتا تھا۔ اس سال ہی سب سے پہلے
یہی پرسنل آف پبلی ہار دیس کے کچھ نیٹاؤں نے اس کا وردہ
کیا۔ ان کے آگوا تھے لوکمانہ لک اور لالہ لچھت رائے
لوکمانہ کے یہ لفظ آج تک یاد ہیں۔

“We have been over loyal up to this time,
let us decrease our loyalty.”

لوکمانہ کا سامنے کرتے ہوئے لالہ لچھت رائے نے کہا:—

“Let the prince go and tell his father that
there is no welcome for him in the Indian
heart.”

میں نام بھول گیا لیکن ایک رقت کے یہ لفظ اب تک یاد
ہیں:—

“کانگریس ابھی تک نابالغ تھی۔ اسے شاکس کی دیکھ
رہی تھی ضرورت تھی، اب وہ 21 سال کی یعنی بالغ ہو چکی۔
اب اسے اپنا کام خود سنبھالنا چاہئے۔”

مگر پھر بھی کانگریس میں پرانے نیٹاؤں کا زور تھا اور وفاداری
کا پرسنل کسی طرح پاس ہو ہی گیا۔

اس سے دیس میں دو راج نیک دل صاف دکھائی دیئے
لگے۔ ایک جسے انگریزوں نے ‘راشتری گرم دل کہا جاتا تھا’
جس کے خاص نیٹا ناک مہاراج، بہت راج، لالہ لچھت رائے شری
دین چندر پال، اور شری ارونڈ بابو تھے، اور دوسرے جو ساقریٹ
پرسنل یا نرم دل کہلاتا تھا، جس کے مکھ نیٹا سرفروڑ شاہ مہتا
شری دلشا ایدولجی راج، پلڈت مدن موہن مالویہ اور شری گوپال
کرشن کوٹلی تھے۔ بنارس کانگریس کے بعد ہی ہنگ ہلک کے
چوالب میں ملک مہاراج نے جو بھی پروگرام دیس کے سامنے رکھا
ان میں پہلے سوریسی ہے۔ دیس کے اڈیوگ دھندلے اس سے
پھرت دیے ہوئے تھے۔ دیس روپہ کا مال یورپ سے آتا

सदरत में यह जलसा हुआ। जलसे में गिने चुने क़रीब दो सौ आदमी थे, जिसमें कुफ़िया पुलिस के आदमियों का भी एक जत्था था। आज तो जलसों में लाखों की भीड़ होती है मगर उस समय जलसे में जाना भी बड़ी हिम्मत का काम समझा जाता था। बहुत घुंघली सी याद रह गई है उस जलसे की, क्योंकि उसे बीते ठीक ५१ बरस हो चुके हैं। लेकिन इतना मुझे साफ़ साफ़ याद है कि जब पंडित बालकृष्ण भट्ट बहुत गरमा गरम तक्रार कर रहे थे तो किसी ने पीछे से उनके अँगरखे का पल्ला खींचा। भट्ट जी इस पर बिगड़ पड़े। कहने लगे—

“हमारे अँगरखे का पल्ला खींचत है, चाहत है हम बोली न. हिए में तो लागी है आग, कही काहे न.”

हम नौजवान शहर में घूमते और लोगों से स्वदेशी व्रत की प्रतिज्ञा लेने को कहते। बंगाल का उस समय का नारा था—

‘भाई भाई एक ठाँई’
भेद नाई भेद नाई !

लोगों से बादा लेते कि जब तक हमारा मुल्क आजाद न हो जाए हम आपस के सब भेद भाव भुला देंगे।

रोज रोज तो आम जलसे हो नहीं सकते थे लिहाजा हम नौजवान बोर्डिंग हाउस से एक स्टूल लेकर शाम को बंटाघर पहुँचते थे और बारी बारी से स्टूल पर खड़े हाकर व्याख्यान देते थे। हममें से जो कवि या शायर थे, वह कवि-साएँ या नज़में पढ़ते। रोज रोज की मीटिंगों का यह अखंड सिलसिला उसी वक्त टूटता जबकि कोई दूसरी बड़ी आम सभा होती या हम सब के सब शहर के बाहर होते। एक मुसलमान नौजवान दोस्त की तक्रार का एक फ़िरा अब तक मुझे याद रह गया है, हालांकि खुद उनका नाम मुझे याद नहा रहा, वह कहा करते—“हिन्दू और मुसलमान ! तुम दोनों चने की दाल की तरह हो ? जब तक इत्तफ़ाक़ यानी एकता का छिलका तुम दानों के ऊपर रहेगा तब तक तुम सलामत रहोगे, बरना मिट जाओगे।”

दिसम्बर १९०५ की बात है, एक दिन मैं बोर्डिंग हाऊस में अपने कमरे में बैठा हुआ था कि एक नौजवान दस्तक देकर भीतर आया। २६-२७ बरस की उम्र हागी, गठीला बदन, चेहरे से क्रवत और हिम्मत प्रगट होती थी, आकर पूछा—“तुम्ही सुन्दरलाल हो ?”

मैंने कहा—“हाँ”

“मेरा नाम ज्योतिन बोरस है, यहाँ मैं कीडगंज में डहरा हूँ। अरविन्द बाबू ने मुझे तुमसे मिलने भेजा है।

सदरत में यह जलसे हुआ। जलसे में गिने चुने क़रीब दो सौ आदमी थे, जिसमें कुफ़िया पुलिस के आदमियों का भी एक जत्था था। आज तो जलसों में लाखों की भीड़ होती है मगर उस समय जलसे में जाना भी बड़ी हिम्मत का काम समझा जाता था। बहुत घुंघली सी याद रह गई है उस जलसे की, क्योंकि उसे बीते ठीक ५१ बरस हो चुके हैं। लेकिन इतना मुझे साफ़ साफ़ याद है कि जब पंडित बालकृष्ण भट्ट बहुत गरमा गरम तक्रार कर रहे थे तो किसी ने पीछे से उनके अँगरखे का पल्ला खींचा। भट्ट जी इस पर बिगड़ पड़े। कहने लगे—

“हमारे अँगरखे का पल्ला खींचत है, चाहत है हम बोली न. हिए में तो लागी है आग, कही काहे न.”

हम नौजवान शहर में घूमते और लोगों से स्वदेशी व्रत की प्रतिज्ञा लेने को कहते। बंगाल का उस समय का नारा था—

‘भाई भाई एक ठाँई’
भेद नाई भेद नाई !

लोगों से बादा लेते कि जब तक हमारा मुल्क आजाद न हो जाए हम आपस के सब भेद भाव भुला देंगे।

रोज रोज तो आम जलसे हो नहीं सकते थे लिहाजा हम नौजवान बोर्डिंग हाउस से एक स्टूल लेकर शाम को बंटाघर पहुँचते थे और बारी बारी से स्टूल पर खड़े हाकर व्याख्यान देते थे। हममें से जो कवि या शायर थे, वह कवि-साएँ या नज़में पढ़ते। रोज रोज की मीटिंगों का यह अखंड सिलसिला उसी वक्त टूटता जबकि कोई दूसरी बड़ी आम सभा होती या हम सब के सब शहर के बाहर होते। एक मुसलमान नौजवान दोस्त की तक्रार का एक फ़िरा अब तक मुझे याद रह गया है, हालांकि खुद उनका नाम मुझे याद नहा रहा, वह कहा करते—“हिन्दू और मुसलमान ! तुम दोनों चने की दाल की तरह हो ? जब तक इत्तफ़ाक़ यानी एकता का छिलका तुम दानों के ऊपर रहेगा तब तक तुम सलामत रहोगे, बरना मिट जाओगे।”

दिसम्बर 1905 की बात है, एक दिन मैं बोर्डिंग हाऊस में अपने कमरे में बैठा हुआ था कि एक नौजवान दस्तक देकर भीतर आया। २६-२७ बरस की उम्र हागी, गठीला बदन, चेहरे से क्रवत और हिम्मत प्रगट होती थी, आकर पूछा—“तुम्ही सुन्दरलाल हो ?”

मैंने कहा—“हाँ”

“मेरा नाम ज्योतिन बोरस है, यहाँ मैं कीडगंज में डहरा हूँ। अरविन्द बाबू ने मुझे तुमसे मिलने भेजा है।

یہ نہیں کہ اس گرم منڈلی میں خالی نوجوان ہی تھے۔ کچھ بزرگ بھی اندر ہی اندر ہماری مدد کرتے اور ہمارے ساتھ پوری ہمدردی رکھتے تھے۔ ان بزرگوں میں مارنگ پور اور پڑوسی کے مشہور سپہاگ بابو راماند چتر جی، ہندی کے مشہور لہیک پنڈت ہال کرشن بہت، دہلی کلکٹر اور مشہور ودولن پنڈت شری کرشن جوشی اور ان کے علاوہ گورنمنٹ کالج کے سائنس کے ادھیا پک بابو ششی ہوشلتر چتر جی تھے۔ راماند بابو کاسٹم ہائے شالا کالج کے پرنسپل تھے۔ پنڈت ہال کرشن بہت اسی کالج میں سنسکرت اور ہندی کے پروفیسر تھے۔ پنڈت شری کرشن جوشی تھے تو دہلی کلکٹر اور سرکاری انسپر لیکن ان کے دل میں اپنے ملک کی آزادی کے لئے ایک قہرپ نہیں۔ ششی بابو ان بزرگوں میں سے تھے جن کی قابلیت اور چتر نے انہیں لوگوں کی نظروں میں بہت اونچا اٹھا دیا تھا۔ ششی بابو کو سنگیت اور گیتان چرچا کا بے حد شوق تھا۔ یہ بزرگ منڈلی اکثر ان کے یہاں اکٹھا ہوتی تھی۔ کبھی کبھی اُس منڈلی میں اردو کے مشہور شاعر اکبر حسین اور پنڈت مدن موہن مالویہ بھی شامل ہوجاتے تھے۔

نوجوانوں میں دوستوں میں پنڈت ببال کھنن بھٹ کے پوتہ महादेव भट्ट, और शशि बाबू के सबसे बड़े बेटे नित्यानन्द चटरजी थे. रास बिहारी शुक्ल को हम सब लोग प्रेम से 'राशी' कहकर पुकारते थे. बाद में जमाने ने पलटा खाया, राशी को मजबूर होकर सरकारी नौकरी करनी पड़ी. अपनी क्राबलियत के लिए वह रायसाहब भी बने और सेक्रेटरी-यट में हेल्थ डिपार्टमेंट के सुपरिन्टेन्डेन्ट के पद से रिटायर हुए. टीकाराम त्रिपाठी डिस्ट्रिक्ट बोर्ड के स्कूल के अध्यापक थे लेकिन बाद में उन्हें अपनी अध्यापकी से स्तीफा देना पड़ा. टीकाराम को छोड़कर और सभी साथियों को मौत ने अपनी गोद में समेट लिया है, और जब मैं यह लाइन लिख रहा हूँ, मेरी आँखों के सामने इन देश प्रेमी साथियों के चेहरे घूम रहे हैं.

इलाहाबाद में अभी हमारी टोली को संगठित हुए दो महीने भी न बीत पाए थे कि बंगाल में एक ऐसी घटना घटी जिसने सारे मुल्क की निगाहें अपनी तरफ कर लीं. 16 अक्टूबर सन् 1905 को बंगाल के दो टुकड़े कर दिए गये. बंग-भंग ने एक आन्दोलन की शकल ले ली. बंगाल के दो टुकड़े हो गए मगर बंग-भंग के आन्दोलन ने बिखड़े हुए दिलों को मिला दिया.

इलाहाबाद में हम नौजवानों की टोली अगला कदम उठाने की तजवीजें करने लगी. हम लोगों ने फैसला किया - 31 अक्टूबर को जमना के किनारे बलुआघाट पर पहला आम اجتماع किया जाए. پنڈت ببالکھنن بھٹ کی

انہاں میں بھی ہماری ٹولی کو سنگیت ہوئے دو مہینے بھی نہ ہوئے تھے کہ بنگال میں ایک ایسی گھٹنا کہتی جس نے سارے ملک کی نگاہیں اپنی طرف کر لیں. 17 اکتوبر سن 1905 کو بنگال کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے. بنگ بھنگ نے ایک آندولن کی شکل لے لی. بنگال کے دو ٹکڑے تو ہوئے مگر بنگ بھنگ کے آندولن نے بچھڑے ہوئے دلوں کو ملا دیا.

انہاں میں ہم نوجوانوں کی ٹولی اکا قدم اٹھانے کی تجویزیں کرتے لگی. ہم لوگوں نے فیصلہ کیا کہ 31 اکتوبر کو جمنائے کنارے بلوا کھات پر پہلا عام جلسہ کیا جائے. پنڈت ہال کرشن بہت کی

انہاں میں بھی ہم نوجوانوں کی ٹولی اکا قدم اٹھانے کی تجویزیں کرتے لگی. ہم لوگوں نے فیصلہ کیا کہ 31 اکتوبر کو جمنائے کنارے بلوا کھات پر پہلا عام جلسہ کیا جائے. پنڈت ہال کرشن بہت کی

انہاں میں بھی ہم نوجوانوں کی ٹولی اکا قدم اٹھانے کی تجویزیں کرتے لگی. ہم لوگوں نے فیصلہ کیا کہ 31 اکتوبر کو جمنائے کنارے بلوا کھات پر پہلا عام جلسہ کیا جائے. پنڈت ہال کرشن بہت کی

بھ جمانا ہی ऐसा था जब सियासत और बकालत एक ही तसवीर के दो पक्ष थे. उन्ही की सलाह से मैंने इलाहाबाद पहुँचकर ला कालेज में नाम लिखाने का फैसला किया. इत्फाक से मेरे पिता जी को भी यही मशविरा पसंद आया. मगर एक दूसरे नुकतेनजर से. वह चाहते थे कि मैं मुंसिफ बनूँ क्योंकि उस जमाने में मुंसिफी से हाईकोर्ट का जजी तक एक खुला सीधा रास्ता था और मुंसिफी के लिये बकालत पढ़ना जरूरी था. नतीजा यह हुआ कि सन् 1905 में यूनिवर्सिटी खुलने पर मैं इलाहाबाद पहुँच गया और हिन्दू बोर्डिंग हाउस में दाखिल हो गया.

सर सुन्दरलाल और उनके भाई पंडित कन्हैयालाल, जो बाद में हाईकोर्ट के जज बने, मेरे पिता जी के दोस्तों में से थे. पिता जी के हुक्म के मुताबिक इलाहाबाद पहुँचते ही मैं उनसे भी मिलने गया. उन्होंने मुझे सलाह दी कि मैं एम० ए० और लॉ दोनों में ही अपना नाम लिखा लूँ. चुनांचे एम० ए० में फिलासफी और एल-एल० बी० में मैंने अपना नाम लिखा लिया.

पंजाब में उस जमाने में कालेजों और यूनिवर्सिटी के विद्यार्थी आम तौर पर पगड़ी बाँधा करते थे. बाद में पगड़ी की जगह टोपी ने ले ली और अब तो टोपी की जगह नंगा सर ही लोग पसंद करने लगे. मगर उस जमाने में सर खुला रखना तहजीब के खिजाफ बात समझी जाती थी. मालवीय जी एक निराली किस्म की पगड़ी बाँधते थे. वह तरीका मुझे इतना पसंद आया कि लाहौर ही से मैंने मालवीय जी की तरह पगड़ी बाँधनी शुरू कर दी. इतनी अच्छी पगड़ी मैं बाँध लेता था कि मेरे साथी, मालवीय जी के बड़े पुत्र पंडित रामकान्त मालवीय को भी मुझसे ईर्ष्या होती थी. किन्तु इस पगड़ी का यह असर पड़ा कि लोग मुझे निहायत नरम बिचारों का समझने लगे, लेकिन धीरे-धीरे लोगों की यह रासलतकहमी दूर हो गई, और लोग यह जान गये कि मालवीय छाप पगड़ी के नीचे एक गरम सिर है.

यूनिवर्सिटी के विद्यार्थियों में गरम खयाल के दो विद्यार्थियों की तरफ मेरी नज़र गई, एक बुरहानपुर के के० पी० भिन्न थे और दूसरे नागपुर निवासी एन० एम० धरमा. दोनों ही मेरे साथ एल-एल० बी० में पढ़ते थे. कुछ महीनों के बाद ही गरम बिचार के नौजवानों की मंडली काफी ताकत पकड़ने लगी और धीरे धीरे इलाहाबाद गरम दल का एक खास अङ्ग बन गया. नए साथियों में बाबू नित्यानन्द चटर्जी, महादेव भट्ट, रास बिहारी शुक्ल, टीका-राम त्रिपाठी और माधा शुक्ल थे. माधा शुक्ल बड़ी लय के साथ अपनी देश-प्रेम से भरो कविताएँ पढ़ते और नौजवानों के दिलों को अपनी आँर कर लेते थे.

वे زمانه ہی ایسا تھا جب سیاست اور وکالت ایک ہی تصویر کے دو پہلو تھے. انہیں کی صلاح سے میں نے اہلآباد پہنچ لا کالج میں نام لکھانے کا فیصلہ کیا. اتفاق سے میرے پتا جی کو بھی یہی مشورہ پسند آیا. مگر ایک دوسرے نقطہ نظر سے. وہ چاہتے تھے کہ میں مصلحت بنوں کیونکہ اُس زمانہ میں ماضی سے مائی کورٹ کی ججی تک ایک کھلا سیدھا راستہ تھا اور ماضی کے ائمہ وکالت پڑھنا ضروری تھا. نتیجتاً یہ ہوا کہ سن 1905 میں یونیورسٹی کھلنے پر میں اہلآباد پہنچ گیا اور ہندو برتننگ ہاؤس میں داخل ہو گیا.

سر سندر لال اور اُن کے بھائی پنڈت کھنیا لال، جو بعد ہی ہائی کورٹ کے جج بنے، میرے پتا جی کے دوستوں میں سے تھے. پتا جی کے حکم کے مطابق اہلآباد پہنچنے ہی میں اُن سے ملنے گیا. انہوں نے مجھے صلاح دی کہ ایم۔ اے اور لا دونوں ہی میں اپنا نام لھالوں. چنانچہ ایم۔ اے میں فلاسفی اور اور ایل۔ ایل۔ بی میں میں نے اپنا نام لھالیا.

پنجاب میں اُس زمانے میں کالجوں اور یونیورسٹی کے ودبارتھی عام طور پر پگڑی باندھا کرتے تھے. بعد میں پگڑی کی جگہ ٹوپی نے لے لی اور اب تو ٹوپی کی جگہ ننگا سر ہی لہج پسند کرنے لگے. مگر اُس زمانے میں سر کھلا رکھنا تہذیب کے خلاف بات سمجھی جاتی تھی. مالویہ جی ایک نوالی قسم کی پگڑی باندھتے تھے. اور وہ طریقہ مجھے اتنا پسند آگیا کہ لاہور ہی سے میں نے مالویہ جی کی طرح پگڑی باندھنی شروع کر دی. اتنی اچھی پگڑی میں باندھ دیتا تھا کہ میرے ساتھی مالویہ جی کے بڑے پتر پنڈت رامکانت مالویہ کو بھی مجھ سے ایرشا ہوتی تھی. ہندو اِس پگڑی کا یہ اثر پڑا کہ لوگ مجھے نہایت نرم و چاروں کا سمجھنے لگے. لیکن دھیرے دھیرے لوگوں کی یہ غلط فہمی دور ہوئی اور ارگ یہ جان گئے کہ مالویہ چھاپ پگڑی کے نیچے ایک گرم سر ہے.

یونیورسٹی کے ودبارتھیں میں گرم خیال کے نوجوان ودبارتھیں کی طرف سری نظر تھی. ایک بڑھان پور کے تھے. مشر تھے اور دوسرے ناگپور نواسی ایل۔ ایم۔ دھرما. دونوں ہی میرے ساتھ ایل۔ ایل۔ بی میں پڑھتے تھے. کچھ مہینوں کے بعد ہی گرم و چار کے نوجوانوں کی منڈی لانی طاقت پکڑنے لگی اور دھیرے دھیرے اہلآباد گرم دل کا ایک خاص اڈا بن گیا. نئے ساتھیوں میں بابو نیتانند چٹرجی، مہادیو بھٹ، راس بھاری شکل اور تمکا رام تریباٹی اور مادھو شکل تھے. مادھو شکل بڑی لے کے ساتھ اپنی دیہی رویم سے پہری اپنی کونیتانوں پڑھتے اور نوجوانوں کے دلوں کو اپنی اور کر لیتے تھے.

سن 1905 کا سوانحی بیان

اور میرا راج نیتک جیون

پندرہ سال

سن 1905 کی بات ہے !

سی۔ پی۔ کالج لاہور سے بی۔ اے پاس کرنے کے بعد میرے سامنے آگے کی پڑائی کا سوال تھا۔

لاہور میں لالا لاجپت رائے کے ساتھ ساتھ نوابی کی تعلیمات بھی پڑھیں۔ ان کے قدموں کے پاس بیٹھ کر راج نیتک کے پہلے ہاتھ پڑھے۔ میں انہیں اپنے پتائی طرح پوچھتا تھا اور انہیں مجھ سے بیٹھ کر بھی زیادہ صحبت تھی۔ انہیں کی ہدایت کے مطابق سن 1904 میں بی۔ اے کے پورے شعبوں میں اگل پڑھنے کی سہولت ساروجنک جیون میں مل رہی تھی۔

میرے سامنے سوال تھا کہ میں ایم۔ اے پاس کر کے شمشک، ہنوں یا وکالت پاس کر کے راج نیتک میں کم آئی سے حصہ لوں۔ لالہ جی سے میں نے مشورہ کیا۔ ان کی رائے تھی کہ سیاسی زندگی کے لئے وکالت پڑھنا ہی ٹھیک ہے۔

[پچھلے صفحہ سے آگے]

افلاطون نے ایسور کو ایک بڑے گنہگار کے روپ میں ہی دیکھا تھا۔ یہی بات ویدانت اور ویدانتوں میں بھی گئی تھی۔ افلاطون کے سوتروں کی پہلی شکل بالکل بھارت کے 'شوری پتھر' سے ملتی ہے جس میں ایک اعلیٰ انسانی برہم چکر کے روپ میں دکھایا جاتا ہے اور اس کے اندر چار چار چار شریک دو ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے تریکوں کے روپ میں۔ یہ چکر کبھی کبھی ایک سانپ کی شکل میں بھی دکھایا جاتا ہے جس کا منہ خود اپنی دم کو کھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

یہی سلسلہ یعنی چمکتا ہے۔ یہی مایا یعنی یوم ہے۔

اس طرح پتائی گنہگار افلاطون دھو آتا، پرکرتی اور ان دونوں کے مزل سے پیدا ہونے والی ماری سوتلی کو نکال کر دیا ہوا اپنی پستک کو پڑھتا رہتا ہے۔

دھانی ماری سانس انہیں تپوں کے سہارے قائم ہیں۔

دور، کال اور حرکت انہی تینوں سے ساری دنیا سمجھی جا سکتی ہے۔ اسی لئے گزرتے سب سائنسوں کی جڑ ہے۔ اسی لئے اصلی گوان کو سائنس کے میں 'سمیک-کوانٹم' کہا گیا ہے۔ اسی سے 'سکھیا' بنا ہے جس کا اردو کلتی ہے۔ اس سے سائنس کے شاستر کا نام 'سائنس' پڑا۔ جب کھتا لکھی گئی تھی اس سے ویدانت سائنس میں شامل تھا۔

سر جے۔ جینس اپنی पुस्तक 'दि मिस्टیریजس यूنیवर्स' کے آخری میں لکھتا ہے:—

"चेतन और जड़ यानी रूह और माहा के बीच की पुरानी दुई (द्वैत) अब मिटती हुई मालूम होती है..... क्योंकि जिसे हम ठास माहा कहते हैं वह अब चेतन की हो रचना और उसका ही एक जड़ मालूम होने लगा है। यह चेतन एक ऐसी कल्पना शक्ति और नियन्त्रण शक्ति है जो उसी तरोके से सोचने की आदी है जिस तरीके को हम गणित का तरीका कहते हैं।"

जोह अपनी पुस्तक 'गाइड टु मार्बन थाट' में लिखता है:—

"यदि हम यह प्रश्न करें कि इस सारे बज्र की असल हकीकत क्या हो सकती है तो इसके जबाब में सर जे० जीन्स की राय है, कि वह असल हकीकत एक बहुत बड़े गणितज्ञ (ईश्वर, का मस्तिष्क है, प्रोफेसर एडिंग्टन के अनुसार असल हकीकत एक सवैव्यापक मस्तिष्क है, प्रोफेसर बाइटहेड के अनुसार असल हकीकत एक तरह की शारीरिक इकाई है जो एक व्यक्ति या मनुष्य सी है, और बर्गसन के अनुसार असल हकीकत जीवन की धारा या शक्ति है।"

वेदान्त के अद्वैतवाद यानी 'सांख्य' में यह सब सिद्धान्त समा जाते हैं। योग का वैज्ञानिक विचार तरह-तरह से घूम फिर कर वेदान्त के ठीक बराबर तक पहुँच जाता है लेकिन वहाँ जाकर रुक जाता है, अन्दर जाने की उसे अभी हिम्मत नहीं हो रही है जहाँ जाकर वह यह देख सके कि एक ही आत्मा विश्वात्मा यानी रूहेकुल सबमें रमी हुई है और बड़ी सब है।

मराहूर यूनानी गणितज्ञ क्लैडस ने अपनी रेखा गणित के सूत्रों में पहली शकल त्रिकोण को ही क्यों रेखा इसकी कोई खास बजह नहीं बताई जाती। इतिहासकारों का कहना है कि रेखागणित की विद्या मिस्र से यूनान गई थी जहाँ क्लैडस ने अपनी किताब ईसा से तीन सौ बरस पहले लिखी। इतिहासकारों की यह भी राय है कि यह रेखा-गणित मिस्र में भारत से गया था। कुछ की यह भी राय है कि मिस्र के पहले राजकुल का कायम करने वाला 'मैनी' आबे जात के आदि-मनुष्यों में से था। इससे मालूम होता है कि क्लैडस के दिमाग में गणित और दर्शन शास्त्र (फज-सके) में गहरा सम्बन्ध था। पाइथागोरस और प्लेटो (अकला-तून) भी गणित और दर्शन शास्त्र को एक ही मानते थे।

दिव्य, कल और حرکت انہیں تینوں سے ساری دنیا سمجھی جا سکتی ہے۔ اسی لئے گزرتے سب سائنسوں کی جڑ ہے۔ اسی لئے اصلی گوان کو سائنس کے میں 'سمیک-کوانٹم' کہا گیا ہے۔ اسی سے 'سکھیا' بنا ہے جس کا اردو کلتی ہے۔ اس سے سائنس کے شاستر کا نام 'سائنس' پڑا۔ جب کھتا لکھی گئی تھی اس سے ویدانت سائنس میں شامل تھا۔

سر جے جنس اپنی پستک 'دی میسٹریس یونیورس' کے اخیر میں لکھتا ہے:—

"چیتن اور جڑ یعنی روح اور مادہ کے بیچ کی پرانی دوئی (دویت) اب مٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے... کیونکہ جسے ہم ٹھوس مادہ کہتے ہیں وہ اب چیتن کی ہی رچنا اور اس کا ہی ایک ظہور معلوم ہونے لگا ہے۔ یہ چیتن ایک ایسی ناپنا شکتی اور نہایت شکتی ہے جو اسی طریقہ سے سوجنے کی عادی ہے جس طریقہ کو ہم گزرتے کا طریقہ کہتے ہیں۔"

جوتے یعنی پستک 'گٹر تو مارن تھات' میں لکھتا ہے:—

"یہی ہم یہ پرشن کریں کہ اس سارے وجود کی اصل حقیقت کیا ہو سکتی ہے تو اس کے جواب میں سر جے۔ جینس کی رائے ہے کہ وہ اصل حقیقت ایک بہت بڑے گزرتے (ایشر) کا مستشک ہے، پروفیسر ایڈنگٹن کے انوسار اصل حقیقت ایک سرو ویاک مستشک ہے، پروفیسر وائٹ ہیڈ کے انوسار اصل حقیقت ایک طرح کی شاپیرک اکائی ہے جو ایک دیکتی ایشیہ سی ہے، اور برگسن کے انوسار اصل حقیقت جین کی دھارا یا شکتی ہے۔"

ویدانت کے ادویت، واد یعنی 'سوام' میں یہ سب سدھانت سما جاتے ہیں۔ یورپ کا دیکھناک وچار طرح سے گھوم پھر کر ویدانت کے ٹھیک دروازے تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن وہاں جا کر رک جاتا ہے، اندر جانے کی اسے ابھی ہمت نہیں ہو رہی ہے جہاں جائز وہ یہ دیکھ سکے کہ ایک ہی آتما وشو آتما یعنی روح کل سب میں رمی ہوئی ہے اور وہی سب ہے۔

مشہور یونانی گزرتے اقلیدس نے اپنی دیکھا گزرتے کے سوتروں میں پہلی شکل تریکون کو ہی کہاں رکھا اس کی کوئی خاص وجہ نہیں بتائی جاتی۔ انہماکاروں کا کہنا ہے کہ دیکھا گزرتے کی ویدا مصر سے یونان گئی تھی جہاں اقلیدس نے اپنی کتاب اسی سے تین سو برس پہلے لکھی۔ انہماکاروں کی یہ بھی رائے ہے کہ یہ دیکھا گزرتے مصر میں بھارت سے گیا تھا۔ کچھ کی یہ بھی رائے ہے کہ مصر کے پہلے راج کل کا قائم کرنے والا 'مینی' آریہ جاتی کے آدمی مٹوں میں سے تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقلیدس کے دماغ میں گزرتے اور درشن شاستر (فلسفہ) میں گہرا سمبندھ تھا۔ پائیتھاگورس اور پلٹو (اٹلاطون) کی گزرتے اور درشن شاستر کو ایک ہی مانتے تھے۔

آسٹل ہکریکات کےवल एक है और वह 'निर्विकार' है 'निर्विशेष' है, 'प्रशान्त' है, 'पूर्ण' है वही 'आत्मा' है, वही 'स्वयं-सिद्ध' यानी खुद अपना प्रमाण है, सारी दुनिया उसके अन्दर है, वही 'निरपेक्ष' यानी ऐश्वर्यालु है, और सब 'सापेक्ष' यानी 'रैलेटिव' है, हिर फिर कर यही आइन्स्टाइन का सिद्धान्त है और यही वेदान्त का उसूल। यही असली 'विज्ञान' है, यही प्राचीन 'प्रज्ञान' है, मुसलिम सूफियों के अनुसार यही बहदतुलबजूद है।

आजकल के बड़े-बड़े साइन्सदानों का बयान वेदान्त के असूलों से बेहद मिल जाता है। मिसाल के लिये सर जे. जीन्स की 'दि मिस्टीरियस यूनीवर्स', और डाक्टर एलैक्सिस कैरल की 'मैन दि अन्नोन' पढ़ने योग्य किताबें हैं। सर जे. जीन्स लिखता है कि:—“आजकल की साइन्स इसी नतीजे पर पहुँच रही है कि दुनिया की सब चीजों का बजूद एक अनादि और अनन्त आत्मा के मन के अन्दर है。” “दुनिया की घटनाएँ घटित नहीं होतीं, केवल हम उन्हें घटित होते हुए देखते हैं। प्लैटो (अफलातून) कहता था कि:—“हम ‘था’ ‘हैं’, और ‘हागा’ कहते हैं लेकिन सचाई यह है कि हमें केवल ‘है’ ही कहना चाहिये。” ऊपर के सब वाक्य सर जे. जीन्स की किताब से लिये गये हैं।

डाक्टर एलैक्सिस कैरल ने लिखा है कि:—“हम अभी तक ऐसे संसार में डूबे हुये हैं जिसे बेजान माँह की साइन्सों ने पैदा किया है। यह संसार हमारी समझ की गलती से पैदा हुआ है। हम अपनी असली आत्मा को नहीं जान पाये इसीलिये यह दुनिया पैदा हुई। आजकल के शाहों के शोर शर के अन्दर भी जो अपनी अन्तरात्मा की शान्ति का क्लायम रखते हैं वह तरह-तरह की दिमागी और दूसरी बीमारियों से बचे रहते हैं। जा आत्मा ईश्वर के अन्दर डूब जाती है उसकी राशनी के सामने मौत भी मुसकराकर रह जाती है。”

लेकिन आजकल की साइन्स अभी यह कहने का तैयार नहीं है कि वह अनादि और अनन्त आत्मा, वह हमारी सच्ची आत्मा, हमारी अन्तरात्मा, ईश्वर, वही एक आत्मा सब के अन्दर है। और वही सब है। तत्त्वमसि, अहम ब्रह्मा-सूमि, अनलःक जैसी सच्चाइयाँ अभी तक साइन्स की समझ के दायरे से दूर हैं। इसीलिये अभी साइन्स का अस-लियत तक पहुँचने में दिक्कत पड़ रही है।

समय का गणित अंकगणित है जिसमें जोड़, बाँकी और शून्य (सफ़र) सब हमारी कल्पनाएँ हैं। देश का गणित रेखागणित है, जिसमें पाँच यानी नुक्ता, लाइन, सतह, कोण, त्रिकोण, दायरा, समानान्तर सब दार्शनिक कल्पनाएँ हैं। इनमें से कोई कहीं असली शकल में देखी नहीं जा सकती।

اصل حقیقت کبرل ایک ہے اور وہ نروکار، ہے، 'نروشوی' ہے، 'برداشت' ہے، 'یون' ہے، 'وہی' 'اتما' ہے، 'وہی' 'سہم سده' یعنی خود اپنا پرمان ہے۔ ساری دنیا اُس کے اندر ہے۔ 'وہی' 'نرہیکھن' یعنی ایسوار ہے۔ اور سب 'ساہیکھن' یعنی 'رہایکو' ہے۔ ہر ہر کر یہی انسان کا سدھانت ہے اور یہی ویدانت کا اصل۔ یہی اصلی 'دیکھل' ہے یہی 'پراجپن' 'برگمان' ہے۔ مسلم صوفیوں کے انوسار یہی وحدۃ الوجود ہے۔

آجکل کے بڑے بڑے سائنسدانوں کا بیان ویدانت کے اھولوں سے بہت جانا ہے۔ مثال کے لئے سر جے۔ جینس کی 'دی میسٹریس یونیورس' اور ڈاکٹر الیکسس کیرل کی 'میں دی ان نون' پڑھنے والے دیکھیں ہوں۔ سر جے۔ جینس لکھتا ہے کہ:—“آجکل کی سائنس اسی نتیجے پر پہنچ رہی ہے کہ دنیا کی سب چیزوں کا وجود ایک انادی اور اننت انا کے من کے اندر ہے، ”دنیا کی کھٹناؤں کھٹ نہیں ہوتیں؛ کبرل ہم انہیں کھٹ ہوتے ہوئے دیکھتے ہوں۔ پلٹو (اطلاطوں) کہتا ہے کہ:—ہم دیکھتے ہیں۔ اور 'ہوگا' کہتے ہیں کہ لیکن سچائی یہ ہے کہ ہمیں کبرل' ہوں ہی کہنا چاہیے۔ ”اور کے سب رائیہ سر جے۔ جینس کی کذب سے لکھ گئے ہیں۔

ڈاکٹر الیکسس کیرل نے لکھا ہے کہ:—”ہم ابھی تک ایسے سنسار میں ڈوبے ہوئے ہیں جسے بے جان مادے کی سائنسوں نے پیدا کیا ہے۔ یہ سنسار ہماری سمجھ کی غلطی سے پیدا ہوا ہے۔ ہم اپنی اصلی آتما کو نہیں جان پائے اس لئے یہ دنیا پیدا ہوئی۔ آجکل کے شہروں کے شور و شر کے اندر بھی جو اپنی انتر انا کی شانتی کو باہم رکھتے ہیں، وہ طرح طرح کی دھاتی اور دوسری بیماریوں سے بچے رہتے ہیں۔ جو انا ایشور کے اندر قرب جانی ہے اسی کی روشنی کے سامنے موت بھی مسکرا کر رہ جاتی ہے۔“

لیکن آجکل کی سائنس ابھی یہ کہنے کو تیار نہیں ہے کہ وہ انادی اور اننت انا، وہ ہماری سچی آتما، ہماری انتر انا، ایشور، وہی ایک انا سب کے اندر ہے۔ اور وہی سب ہے۔ 'توسسی' اہم برعہامسی، اسالحق جیسی سچائیاں ابھی تک سائنس کے سمجھ کے دائرے سے دور ہیں۔ اسی لئے ابھی سائنس کو اصلیت تک پہنچنے میں دقت پڑ رہی ہے۔

سب سے کم گنوت انک گنوت ہے جس میں جزو باقی اور شونہ (صفر) سب ہماری کھٹناؤں ہیں۔ دیکھ کا گنوت رکھا گنوت ہے جس میں پانڈت یعنی نقطہ، 'لن'، 'سطح'، 'کونٹر'، 'نہکر'، 'دائرہ'، 'سماندر' سب دارجنک کھٹناؤں ہیں۔ ان میں سے کوئی کہیں اصلی شکل میں دیکھی نہیں جا سکتی۔

اپنی عمر ہے۔ ہر ایک کا جنم ہے، ہر ایک کی موت ہے اور ہر ایک کا بچہ کا زمانہ ہے اور یہ سب بھی دکھاوا ہی دکھاوا ہے کیونکہ ایک دوسرے سے علیحدگی اور پروردگار کی کرنا ہی انت میں دکھاوا ہے، سننا ہے، مایا ہے۔

پرکرتی یعنی قدرت کے دو پہلو ہیں۔ مول پرکرتی اور دیوی پرکرتی۔ مول پرکرتی مادہ ہے اور دیوی پرکرتی شکتی ہے۔ یہ شکتی برابر جنم، مرن، عمل، ردعمل کے روپ میں کام کرتی رہتی ہے۔ اس کا چلانی والا برہما کہا جاتا ہے۔ وہی وشو کی آتما ہے۔ جب ایک رچنا (خفقت) ختم ہو جاتی ہے تو اُس کی جگہ دوسری جنم لے لیتی ہے۔ ٹھیک جس طرح کچھ آدمی مرتے ہیں تو دوسرے پیدا ہوتے دھتے ہیں۔ جو حالت چھوٹے سے چھوٹے کی ہے وہی حالت بڑے سے بڑے کی بھی ہے۔ جو چھوٹے سے چھوٹے پانڈویں ہے وہی بڑے سے بڑے برہماند میں بھی ہے۔ یہ سب سدا بدلتی ہوئی صورتیں آتما یعنی اصل وجود کا کیوں ایک سہنا ہے۔

آتما ہے کہ انسٹائن کی تھیوری آف ریلیٹیویٹی اور ویدانت انت میں ایک دوسرے کے بہت ٹمٹ دکھائی دیں گے۔ آئنسٹائن کے سدھانت کے اوپر نئے نئے وچاروں کی چونکائیں نکل رہی ہیں اُن سے یہ بات اور بھی صاف دکھائی دے جاتی ہے۔

آتما میں کوئی دو سمانانتر رہتا ہے وہی نہیں سکتیں، میں ہی نہیں۔ سب چھوڑیں چکر لگتے رہی ہیں یا پیچ کی چوڑیوں کی طرح حرکت کر رہی ہیں۔ دیش، کال اور سنسار سب ناشرمان ہیں، سوسپٹی یا پرلے میں جانر این سب کا انت ہو جاتا ہے۔ پاشچت گوت جو سب سے پکی سائنس گینی جاتی ہے، سب سے کراچی अधिक कल्पनाओं के आधार पर चल रहा है۔ बड़े से बड़े साइन्सदानों में मतभेद हैं, बहसे हैं। एडिंगटन कहता है कि आधे बड़े से बड़े साइन्सदानों का कहना है कि 'ईश्वर' नाम की चीज का वजूद है, और बाक़ी आधे बड़े से बड़े साइन्सदानों का कहना है कि 'ईश्वर' का कोई वजूद ही नहीं। इसपर एक और विद्वान जोड लिखता है कि इन दोनों का मतलब एक ही है केवल शब्दों का भगड़ा है। सर विलियम ब्रैग कहता है कि:— "हम हर सामवार; बुधवार और शुक्रवार को एक सिद्धान्त से काम लेते हैं और हर मंगलवार, बीरवार और शनिवार को दूसरे सिद्धान्त से काम लेते हैं।"

आइन्स्टाइन के सिद्धान्त के वैज्ञानिक नतीजे कुछ भी निकलें वह सिद्धान्त वेदान्त के बिल्कुल निकट और उसके अन्दर शामिल हैं। यह सब जो कुछ हम देखते हैं सापेक्ष है यानी कवल एक दूसरे की मुनासबत से वजूद रखता है।

آتما میں کوئی دو سمانانتر رہتا ہے وہی نہیں سکتیں، میں ہی نہیں۔ سب چھوڑیں چکر لگتے رہی ہیں یا پیچ کی چوڑیوں کی طرح حرکت کر رہی ہیں۔ دیش، کال اور سنسار سب ناشرمان ہیں، سوسپٹی یا پرلے میں جانر این سب کا انت ہو جاتا ہے۔ پاشچت گوت جو سب سے پکی سائنس گینی جاتی ہے، سب سے کراچی अधिक कल्पनाओं के आधार पर चल रहा है۔ बड़े से बड़े साइन्सदानों में मतभेद हैं, बहसे हैं। एडिंगटन कहता है कि आधे बड़े से बड़े साइन्सदानों का कहना है कि 'ईश्वर' नाम की चीज का वजूद है, और बाक़ी आधे बड़े से बड़े साइन्सदानों का कहना है कि 'ईश्वर' का कोई वजूद ही नहीं। इसपर एक और विद्वान जोड लिखता है कि इन दोनों का मतलब एक ही है केवल शब्दों का भगड़ा है। सर विलियम ब्रैग कहता है कि:— "हम हर सामवार; बुधवार और शुक्रवार को एक सिद्धान्त से काम लेते हैं और हर मंगलवार, बीरवार और शनिवार को दूसरे सिद्धान्त से काम लेते हैं।"

آتما میں کوئی دو سمانانتر رہتا ہے وہی نہیں سکتیں، میں ہی نہیں۔ سب چھوڑیں چکر لگتے رہی ہیں یا پیچ کی چوڑیوں کی طرح حرکت کر رہی ہیں۔ دیش، کال اور سنسار سب ناشرمان ہیں، سوسپٹی یا پرلے میں جانر این سب کا انت ہو جاتا ہے۔ پاشچت گوت جو سب سے پکی سائنس گینی جاتی ہے، سب سے کراچی अधिक कल्पनाओं के आधार पर चल रहा है۔ बड़े से बड़े साइन्सदानों में मतभेद हैं, बहसे हैं। एडिंगटन कहता है कि आधे बड़े से बड़े साइन्सदानों का कहना है कि 'ईश्वर' नाम की चीज का वजूद है, और बाक़ी आधे बड़े से बड़े साइन्सदानों का कहना है कि 'ईश्वर' का कोई वजूद ही नहीं। इसपर एक और विद्वान जोड लिखता है कि इन दोनों का मतलब एक ही है केवल शब्दों का भगड़ा है। सर विलियम ब्रैग कहता है कि:— "हम हर सामवार; बुधवार और शुक्रवार को एक सिद्धान्त से काम लेते हैं और हर मंगलवार, बीरवार और शनिवार को दूसरे सिद्धान्त से काम लेते हैं।"

آتما میں کوئی دو سمانانتر رہتا ہے وہی نہیں سکتیں، میں ہی نہیں۔ سب چھوڑیں چکر لگتے رہی ہیں یا پیچ کی چوڑیوں کی طرح حرکت کر رہی ہیں۔ دیش، کال اور سنسار سب ناشرمان ہیں، سوسپٹی یا پرلے میں جانر این سب کا انت ہو جاتا ہے۔ پاشچت گوت جو سب سے پکی سائنس گینی جاتی ہے، سب سے کراچی अधिक कल्पनाओं के आधार पर चल रहा है۔ बड़े से बड़े साइन्सदानों में मतभेद हैं, बहसे हैं। एडिंगटन कहता है कि आधे बड़े से बड़े साइन्सदानों का कहना है कि 'ईश्वर' नाम की चीज का वजूद है, और बाक़ी आधे बड़े से बड़े साइन्सदानों का कहना है कि 'ईश्वर' का कोई वजूद ही नहीं। इसपर एक और विद्वान जोड लिखता है कि इन दोनों का मतलब एक ही है केवल शब्दों का भगड़ा है। सर विलियम ब्रैग कहता है कि:— "हम हर सामवार; बुधवार और शुक्रवार को एक सिद्धान्त से काम लेते हैं और हर मंगलवार, बीरवार और शनिवार को दूसरे सिद्धान्त से काम लेते हैं।"

آتما میں کوئی دو سمانانتر رہتا ہے وہی نہیں سکتیں، میں ہی نہیں۔ سب چھوڑیں چکر لگتے رہی ہیں یا پیچ کی چوڑیوں کی طرح حرکت کر رہی ہیں۔ دیش، کال اور سنسار سب ناشرمان ہیں، سوسپٹی یا پرلے میں جانر این سب کا انت ہو جاتا ہے۔ پاشچت گوت جو سب سے پکی سائنس گینی جاتی ہے، سب سے کراچی अधिक कल्पनाओं के आधार पर चल रहा है۔ बड़े से बड़े साइन्सदानों में मतभेद हैं, बहसे हैं। एडिंगटन कहता है कि आधे बड़े से बड़े साइन्सदानों का कहना है कि 'ईश्वर' नाम की चीज का वजूद है, और बाक़ी आधे बड़े से बड़े साइन्सदानों का कहना है कि 'ईश्वर' का कोई वजूद ही नहीं। इसपर एक और विद्वान जोड लिखता है कि इन दोनों का मतलब एक ही है केवल शब्दों का भगड़ा है। सर विलियम ब्रैग कहता है कि:— "हम हर सामवार; बुधवार और शुक्रवार को एक सिद्धान्त से काम लेते हैं और हर मंगलवार, बीरवार और शनिवार को दूसरे सिद्धान्त से काम लेते हैं।"

آتما میں کوئی دو سمانانتر رہتا ہے وہی نہیں سکتیں، میں ہی نہیں۔ سب چھوڑیں چکر لگتے رہی ہیں یا پیچ کی چوڑیوں کی طرح حرکت کر رہی ہیں۔ دیش، کال اور سنسار سب ناشرمان ہیں، سوسپٹی یا پرلے میں جانر این سب کا انت ہو جاتا ہے۔ پاشچت گوت جو سب سے پکی سائنس گینی جاتی ہے، سب سے کراچی अधिक कल्पनाओं के आधार पर चल रहा है۔ बड़े से बड़े साइन्सदानों में मतभेद हैं, बहसे हैं। एडिंगटन कहता है कि आधे बड़े से बड़े साइन्सदानों का कहना है कि 'ईश्वर' नाम की चीज का वजूद है, और बाक़ी आधे بड़े से बड़े साइन्सदानों का कहना है कि 'ईश्वर' का कोई वजूद ही नहीं। इसपर एक और विद्वान जोड लिखता है कि इन दोनों का मतलब एक ही है केवल शब्दों का भगड़ा है। सर विलियम ब्रैग कहता है कि:— "हम हर सामवार; बुधवार और शुक्रवार को एक सिद्धान्त से काम लेते हैं और हर मंगलवार, बीरवार और शनिवार को दूसरे सिद्धान्त से काम लेते हैं।"

آج کل یورپ میں آئنسٹائن کی 'ظہری آفاق ریلے-ٹیلڈی' کی بہت چرچا ہے۔ سادہ طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا لکھی جاتی ہے کہ دنیا کی سب چیزوں کا وجود، کال اور کرپا ہی شامل ہیں، کہل-اپنے ہی دوسری چیزوں کی ملکیت سے ہے۔ ان کا اپنا اصل وجود کچھ نہیں۔ آئنسٹائن کے اس مفہوم کو لے کر یورپ میں طرح طرح کی چرچاؤں ہو رہی ہیں اور بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ کچھ کا کہنا ہے کہ سب کوئی چیز نہیں، کہل چیزائی، لمبائی اور گہرائی کی طرح سب ہی ایک فرضی دہا ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ دیہی یعنی جگہ انت میں چاکر مڑجانی ہے یعنی کل ہو جاتی ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ سائنس یعنی متوازی لکھیں اگر کافی دور تک بڑھاتی جاویں تو آخر میں مل جاویں گی۔ کچھ کہتے ہیں کہ دیہی، کال اور دھو سب سائنس یعنی فانی اور معطل ہیں۔ کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ دھو کہیں بڑھ رہا ہے، کہیں سکڑ رہا ہے اور ہر صورت میں اس کی شکلی کے چھان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دن نہٹ ہو جاوے گا، انسانی آبادی۔ کچھ کا یہ بھی کہنا ہے کہ دھو کی اصلیت کو سوائے بڑے گہرے سائنسدانوں کے اور کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔

اس دہی کا پرانا دشمن شاکر ہمیشہ سے ماننا چلا آیا ہے کہ دیہی، کال اور کرپائیں توں ہیں، پھر بھی ان میں سے کسی ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا اور تینوں ایک برابر مابا یعنی فریب ہیں۔ ان کا وجود آدمی کے سپہ سے پہلے حیثیت نہیں رکھتا۔ جو دنیاؤں، چاند، سورج وغیرہ میں دکھائی دیتے ہیں ان کے بیچ بیچ میں اور ان میں کو نکلی ہوئی اور بھی دنیاؤں ہیں جو بالکل دوسرے ہی طرح کے مادے سے بنی ہیں۔ ان دنیاؤں میں دیہی، کال اور حرکت کے بھی اور ہی ارتہ ہوتے ہیں۔ یہ دنیاؤں ہمارے جائگے سے ہی دنیاؤں ہیں اور سپہ کے سب سے کی دنیاؤں ہیں۔ ہمارے نیچے ہی ہیں اور اوپر ہی ہیں۔ یورپین ودوان نورلوف قوی۔ انہوں نے اس روش پر ایک بہت اچھی کتاب 'نور و آس' یعنی در نئی دنیاؤں لکھی ہے۔ اس کے انوسار ان میں سے ایک دنیا وہ ہے جو بنا حور دہی کے نہیں دیکھی جاسکتی۔ وہ ہی کررہا کررہا سنگ جنوں کی دنیا ہے۔ اور دوسری وہ دنیا ہے جو بنا دور بیوں کے نہیں دیکھی جاسکتی جس میں اربوں چھوٹے بڑے ستارے، سیارے، چاند، سورج اور سورجوں کے سورج شامل ہیں۔

یورپ کا سائنس آئنسٹائن کے ہدایت کی اس لکھنا کی ترکساک بڑھ رہا ہے کہ ان میں سے ایک چیز اور حرکت گالاکار بکلا میں رہ جاتی ہے۔ اس سلسلے میں کال ن کاہی آئی ہے اور ن کاہی ان میں سے ایک چیز کی

یورپ کا پرانا دشمن شاکر ہمیشہ سے ماننا چلا آیا ہے کہ دیہی، کال اور کرپائیں توں ہیں، پھر بھی ان میں سے کسی ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا اور تینوں ایک برابر مابا یعنی فریب ہیں۔ ان کا وجود آدمی کے سپہ سے پہلے حیثیت نہیں رکھتا۔ جو دنیاؤں، چاند، سورج وغیرہ میں دکھائی دیتے ہیں ان کے بیچ بیچ میں اور ان میں کو نکلی ہوئی اور بھی دنیاؤں ہیں جو بالکل دوسرے ہی طرح کے مادے سے بنی ہیں۔ ان دنیاؤں میں دیہی، کال اور حرکت کے بھی اور ہی ارتہ ہوتے ہیں۔ یہ دنیاؤں ہمارے جائگے سے ہی دنیاؤں ہیں اور سپہ کے سب سے کی دنیاؤں ہیں۔ ہمارے نیچے ہی ہیں اور اوپر ہی ہیں۔ یورپین ودوان نورلوف قوی۔ انہوں نے اس روش پر ایک بہت اچھی کتاب 'نور و آس' یعنی در نئی دنیاؤں لکھی ہے۔ اس کے انوسار ان میں سے ایک دنیا وہ ہے جو بنا حور دہی کے نہیں دیکھی جاسکتی۔ وہ ہی کررہا کررہا سنگ جنوں کی دنیا ہے۔ اور دوسری وہ دنیا ہے جو بنا دور بیوں کے نہیں دیکھی جاسکتی جس میں اربوں چھوٹے بڑے ستارے، سیارے، چاند، سورج اور سورجوں کے سورج شامل ہیں۔

یورپ کا پرانا دشمن شاکر ہمیشہ سے ماننا چلا آیا ہے کہ دیہی، کال اور کرپائیں توں ہیں، پھر بھی ان میں سے کسی ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا اور تینوں ایک برابر مابا یعنی فریب ہیں۔ ان کا وجود آدمی کے سپہ سے پہلے حیثیت نہیں رکھتا۔ جو دنیاؤں، چاند، سورج وغیرہ میں دکھائی دیتے ہیں ان کے بیچ بیچ میں اور ان میں کو نکلی ہوئی اور بھی دنیاؤں ہیں جو بالکل دوسرے ہی طرح کے مادے سے بنی ہیں۔ ان دنیاؤں میں دیہی، کال اور حرکت کے بھی اور ہی ارتہ ہوتے ہیں۔ یہ دنیاؤں ہمارے جائگے سے ہی دنیاؤں ہیں اور سپہ کے سب سے کی دنیاؤں ہیں۔ ہمارے نیچے ہی ہیں اور اوپر ہی ہیں۔ یورپین ودوان نورلوف قوی۔ انہوں نے اس روش پر ایک بہت اچھی کتاب 'نور و آس' یعنی در نئی دنیاؤں لکھی ہے۔ اس کے انوسار ان میں سے ایک دنیا وہ ہے جو بنا حور دہی کے نہیں دیکھی جاسکتی۔ وہ ہی کررہا کررہا سنگ جنوں کی دنیا ہے۔ اور دوسری وہ دنیا ہے جو بنا دور بیوں کے نہیں دیکھی جاسکتی جس میں اربوں چھوٹے بڑے ستارے، سیارے، چاند، سورج اور سورجوں کے سورج شامل ہیں۔

یورپ کا پرانا دشمن شاکر ہمیشہ سے ماننا چلا آیا ہے کہ دیہی، کال اور کرپائیں توں ہیں، پھر بھی ان میں سے کسی ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا اور تینوں ایک برابر مابا یعنی فریب ہیں۔ ان کا وجود آدمی کے سپہ سے پہلے حیثیت نہیں رکھتا۔ جو دنیاؤں، چاند، سورج وغیرہ میں دکھائی دیتے ہیں ان کے بیچ بیچ میں اور ان میں کو نکلی ہوئی اور بھی دنیاؤں ہیں جو بالکل دوسرے ہی طرح کے مادے سے بنی ہیں۔ ان دنیاؤں میں دیہی، کال اور حرکت کے بھی اور ہی ارتہ ہوتے ہیں۔ یہ دنیاؤں ہمارے جائگے سے ہی دنیاؤں ہیں اور سپہ کے سب سے کی دنیاؤں ہیں۔ ہمارے نیچے ہی ہیں اور اوپر ہی ہیں۔ یورپین ودوان نورلوف قوی۔ انہوں نے اس روش پر ایک بہت اچھی کتاب 'نور و آس' یعنی در نئی دنیاؤں لکھی ہے۔ اس کے انوسار ان میں سے ایک دنیا وہ ہے جو بنا حور دہی کے نہیں دیکھی جاسکتی۔ وہ ہی کررہا کررہا سنگ جنوں کی دنیا ہے۔ اور دوسری وہ دنیا ہے جو بنا دور بیوں کے نہیں دیکھی جاسکتی جس میں اربوں چھوٹے بڑے ستارے، سیارے، چاند، سورج اور سورجوں کے سورج شامل ہیں۔

آئیسٹاइन کا سیدھانت اور ویدانت

ڈاکٹر بھگوانداس

یہ دنیا کیا ہے ؟

آتما، رُہ یا نی 'میں' کیا ہیں اور اناتما یا نی ماسا یا نی یہ سب جو دیکھا ہے وہاں ہے یہ کیا ہے، اور ان دونوں میں کیا سمبندھ ہے ؟ یہی سوال دھرم شاستر (فلسفہ) کا मुख्य سوال ہے اور یہی سوال تہی کے ساتھ سائنس کا मुख्य سوال ہوتا جا رہا ہے۔

آتما اور اناتما کے مہل کے دو پہلو ہیں۔ اک پہلو ہے جسے ہم دہش، کال، اور کریا، یا نی مکان، زمان اور ہرکت کھکر بیان کرتے ہیں، اور دوسرا پہلو شکتی کے رُپ میں دیکھا ہے، جسے ہم کریا، پرانی کریا اور کاربہ کرن سمبندھ یعنی عمل، رد عمل اور عامت اور معاول کا رشتہ کہہ سکتے ہیں۔ دنیا میں ہمارے سارے اونیو انہیں میں آجاتے ہیں۔

جب ہمیں چیزیں ایک دوسرے کے بعد ہوتی معاوم ہوتی ہیں تو کال (سمہ) کی کلہنا پیدا ہوتی ہے۔ بہت سی چیزیں کے ایک ساتھ وجود سے دہش (جکہ) کی کلہنا پیدا ہوتی ہے۔ چیزوں کے ادلہ بدلنے سے کریا (ہرکت) کی کلہنا پیدا ہوتی ہے۔ ان تہوں کال، دہش اور کریا کا ایک دوسرے کے ساتھ اثرات سمبندھ ہے۔

کال (سمہ) کے تین کرم ہیں بیوت، بوشیہ اور دونوں کو ملانے والا ورتمان۔ دہش (جکہ) کے تین یاد (قدم) ہیں۔ اوپر، نیچے اور دونوں کو ملانے والا بیچ۔ انہیں کو پیچھے، آگے اور ملانے والا تہاں ہی کہہ سکتے ہیں۔ انہیں کے رُپ لمبائی، چوڑائی اور گہرائی ہیں۔

کریا (ہرکت) کی تین دشاہیں (تین سمت) ہیں۔ انہیں کو تین 'پرکار' ہی کہہ سکتے ہیں۔ آگے، پیچھے اور گول چکر دوسرے شہدوں میں پرمنا، سکونا اور سربلا پن۔ یا وہ شکتی جو سب چیزوں کو مرکز کی طرف کھینچتی ہے، وہ جو سب کو مرکز سے دور پھینکتی ہے، اور وہ جو چیزوں کو گولا کر گمانی ہے۔

یہ سب کیول لہنائیں ہیں، تصور ہیں، سب خام خیالی ہیں۔ ان کا رُپ جب بنتا ہے جب ان کے ساتھ کسی درویہ کسی تہو، کسی طرح کے ٹیوس مادہ کا سمبندھ ہوتا ہے۔ سب یہ سب کھنائیں ہماری زندگی کے تجربے بن جاتی ہیں۔

آئیسٹاइन کا سیدھانت اور ویدانت

ڈاکٹر بھگوانداس

یہ دنیا کیا ہے ؟

آتما، روح یعنی 'میں' کیا ہوں اور ان آتما یعنی مادہ یعنی یہ سب جو دیکھا ہے یہ کیا ہے، اور ان دونوں میں کیا سمبندھ ہے ؟ یہی سوال دھرم شاستر (فلسفہ) کا मुख्य سوال ہے اور یہی سوال تہی کے ساتھ سائنس کا मुख्य سوال ہوتا جا رہا ہے۔

آتما اور ان آتما کے مہل کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو ہے جسم ہم دہش، کال، اور کریا، یعنی مکان، زمان اور ہرکت کہہ کر ہم بیان کرتے ہیں، اور دوسرا پہلو شکتی کے رُپ میں دیکھا ہے، جسے ہم کریا، پرانی کریا اور کاربہ کرن سمبندھ یعنی عمل، رد عمل اور عامت اور معاول کا رشتہ کہہ سکتے ہیں۔ دنیا میں ہمارے سارے اونیو انہیں میں آجاتے ہیں۔

جب ہمیں چیزیں ایک دوسرے کے بعد ہوتی معاوم ہوتی ہیں تو کال (سمہ) کی کلہنا پیدا ہوتی ہے۔ بہت سی چیزیں کے ایک ساتھ وجود سے دہش (جکہ) کی کلہنا پیدا ہوتی ہے۔ چیزوں کے ادلہ بدلنے سے کریا (ہرکت) کی کلہنا پیدا ہوتی ہے۔ ان تہوں کال، دہش اور کریا کا ایک دوسرے کے ساتھ اثرات سمبندھ ہے۔

کال (سمہ) کے تین کرم ہیں بیوت، بوشیہ اور دونوں کو ملانے والا ورتمان۔ دہش (جکہ) کے تین یاد (قدم) ہیں۔ اوپر، نیچے اور دونوں کو ملانے والا بیچ۔ انہیں کو پیچھے، آگے اور ملانے والا تہاں ہی کہہ سکتے ہیں۔ انہیں کے رُپ لمبائی، چوڑائی اور گہرائی ہیں۔

کریا (ہرکت) کی تین دشاہیں (تین سمت) ہیں۔ انہیں کو تین 'پرکار' ہی کہہ سکتے ہیں۔ آگے، پیچھے اور گول چکر دوسرے شہدوں میں پرمنا، سکونا اور سربلا پن۔ یا وہ شکتی جو سب چیزوں کو مرکز کی طرف کھینچتی ہے، وہ جو سب کو مرکز سے دور پھینکتی ہے، اور وہ جو چیزوں کو گولا کر گمانی ہے۔

یہ سب کیول لہنائیں ہیں، تصور ہیں، سب خام خیالی ہیں۔ ان کا رُپ جب بنتا ہے جب ان کے ساتھ کسی درویہ کسی تہو، کسی طرح کے ٹیوس مادہ کا سمبندھ ہوتا ہے۔ سب یہ سب کھنائیں ہماری زندگی کے تجربے بن جاتی ہیں۔

چترکلا اور ایرانی اور ہنلاں کی چترکلا کو ملتا کر ایک بہت ہی خوبصورت چتر نکلتا ہے۔ چترکلا کو جنم دیا گیا۔ ایرانی اور ہندو چترکلا کے چتروں نے ہمارے چترکاروں کے پاس بہت سے نئے نئے چترکلا کے سندر اور شروں کو اپنی کلپنا کی اڑان سے اڑا دیا۔ اور زیادہ مانجھا اور سندر بنایا۔ دونوں 'ہندو اور مسلمان' کلاکاروں نے اس نئی شہابی کو یکساں اپنایا۔ اس سے کسی چتر کو دیکھ کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کا ہمارے والا ہندو چترکار ہے یا مسلمان چترکار۔ جگہ جگہ اس نئی کلا کے کینڈر یا مرکز قائم کیے گئے۔ راجہ رانہ کے راجپوت راجاؤں 'کاکڑا' کی ریاستوں اور مدھیہ بھارت کے شہروں نے اس نئی چترکلا کو بڑھا دیا۔ اس کے علاوہ مختلف صوبوں میں بچپان میں بڑھا دیا۔ اس کو بچہ بڑھا دیا۔ الگ الگ صوبوں میں اور الگ الگ درباروں میں مقامی حالات کی وجہ سے تھوڑا تھوڑا فرق ان چترکاروں کی کلا میں دکھائی دیتا ہے لیکن اصلی روح ایک ہی ہے۔ وہی سندرنا وہی چمک دمک 'وہی رومانی انداز' وہی رھسواں۔ اس نئی کلا کے روحہ روپوں میں دکھائی دیتا ہے اور اس کلا کی ایک کلا کو قائم رکھتا ہے۔

سنگیت

سنگیت کلا

کلا میں سنگیت کی ایک خاص جگہ ہے۔ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ مسلمان سنگیت کار اور گویے جس سنگیت کا अभ्याس کرتے ہیں وہ بالکل ہندو کا ہی سنگیت ہے۔ یوں اتر اور بھارت کی سنگیت میں شہابی اور بڑی فرق ہے یا ایک شہابی اور دوسری شہابی میں تھوڑا بہت فرق ہے لیکن یہ اتر مذہب کی وجہ سے نہیں ہے۔ اس کی وجہ صرف مقامی ہے۔ ہندوستانوں نے ہندو سنگیت کی مہارت حاصل کی اور نئے نئے ہاجوں، نئے نئے راگوں، نئی شہابیوں سے سنگیت کے دائرے کو بڑھایا۔ ہندوؤں نے بھی ان نئے ہاجوں اور نئی راگ راگروں کو اپنے دل سے دیکھا۔ ہندو استادوں کے مسلم شاگرد اور مسلم استادوں کے ہندو شاگرد ایک نام بات تھے۔ استاد اور شاگردوں میں اگر آج ہم کوئی فرق نہ دیکھنا چاہیں تو دیکھنا ناممکن ہے۔ سنگیت اور ناچ کی میں کلا بڑی کامیابی کے ساتھ دونوں نکلنے کا میل جول رہتا گیا۔

لیکن کلچری میل جول کا کوئی بیان اس سہمہ تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک ہم اس بات کو نہ جان لیں کہ مذہبی دائرے میں ہندو مذہب نے اسلام پر کیا کیا اثرات ڈالے۔ ہم آگے نہیں آسکتے اس مذہبی میل جول کو اور اسلام پر ہندو دھرم کے اثر کو بیان کریں گے۔

[انگریزی سے ترجمہ—وشومہر نامہ پانچ]

[اگریجی سے تاجو—بیرنارناہ پانچ]

ہوئے تھے، یہی پلے تھے اور یہی بڑے ہوئے تھے۔ انکی رگ رگ میں ہندوستانیت پھرتی تھی۔ ان کی رگ رگ میں ہندوستان کا اثر کیوں نہ پڑتا۔ حالانکہ ان کے راستے میں روڑیں تھیں اور وہ چرٹی کے ٹیکر بھی تھے۔ یہ بھی ان کی چھائی اور ہتھکڑیوں نے ان عمارتوں پر ہندوستان کی ناک کی صاف چھاپ چھوڑی ہے۔ اس طرح اس زمانے کی مسلم عمارتوں پر ہندوستانی کلچر کا گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔ ہر ترائی میں ہندو طرز تعمیر لہجہ ہے۔ یہ زوردار نظروں میں آتا ہے کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں رہتے رہتے انہوں نے اپنی جڑیں اتنی گہری کر لی ہیں کہ ان کی ناک پر ہندوستان کا گہرا پٹ چڑھتا گیا ہے۔“

مغلوں کی تामीری کلا

مغلوں کی تामीری کلا کے متعلق یہاں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مغل کا نگار انہی کے زمانے میں ہوا۔ انہی کے درجے کے ایک خاص ہندوستانی آرٹ نو چیم دیا۔ شامجہاں کا چھٹا ایرانی آرٹ کی طرف تھا۔ لیکن شامجہاں بھی انہی کے آرٹ کی روح کو نہ بدل سکا۔ تعمیری ناک کے جائزہ والوں کا بیان ہے کہ شامجہاں کی عمارتوں کا ہندو حصہ ایرانی طرز کا ہے لیکن عمارتوں کے بیشتر خاص ہندوستانی ناک کے تھوس نمونے نظر آتے ہیں۔

اگر ہم اس اصل کو جان لیں کہ وہ ناک کے ہی ذریعہ کسی ملک یا قوم کی آتما کا پتہ چلتا ہے تو یہ اردہ ہے کثرت سچائی ہے کہ منجملے زمانے کے بہارت کی تعمیری ناک میں ایک ہی آتما اور ایک ہی کلچر کے درشن ملتا ہے۔ پندرہویں صدی کے بعد سے ہندو یا مسلمانوں کی بلوائی ہونی ایک ہی عمارت ایسی نہ ملے گی، چاہے وہ نلے ہو یا محل، مندر ہو یا مسجد جس پر ملی جلی ہندوستانی ناک کی چھاپ نہ پڑی ہو۔ ایسی ناک جسے مسلمان حکمرانوں کے ساتھ میں ہندو شاہی اور سکندر اشو نے ترقی دی۔ پندرہویں صدی میں گواہ کے راجہ مان سنگھ کے ہوائے ہوئے محل اس بھارتیہ مسلم ناک کے سب سے پہلے نمونے ہیں۔ جس طرح مسلمان شاسکوں کے ہوائے ہوئے مقبروں، محلوں اور مسجدوں پر بھارتیہ ہندو ناک کی چھاپ ہے اسی طرح راجاؤں کے دیشاو ملدروں، ہندو راجاؤں اور سادھوؤں کی سادھوؤں اور چھتروں پر اور بہارت میں پہلی ہوئی بے شمار ہندو عمارتوں پر بھارتیہ مسلم ناک کی یعنی ملی جلی بھارتیہ ناک کی چھاپ ہے۔

چتر ۱۱

تصویر سازی

تصویر سازی کے دائرہ میں بھی اسی ملی جلی ناک کے ہمیں درشن ملتے ہیں۔ قدیم بھارتیہ

چتر ۱۱ کی یعنی تصویر سازی کے دائرہ میں بھی اسی ملی جلی ناک کے ہمیں درشن ملتے ہیں۔ قدیم بھارتیہ

हिन्दुस्तान की कश्मीर और इसलाम

हिन्दुस्तान के पुरातत्त्व यानी आर्कियालाजी डिपार्टमेंट के साबिक डायरेक्टर जनरल सर ज्ञान मार्शल ने 'कम्प्रेन हिस्ट्री आफ इण्डिया' के भाग तीन के 'मुसलिम जमाने की इमारतें' नामक अध्याय में लिखा है:—

“जब हिन्दू और मुसलिम तामारी कला यानी इमारत साजी का समन्वय (मेल) हुआ तो मुसलिम तामारी कला ने हिन्दू तामारी कला से बहुत कुछ साखा. हिन्दू फलसफे को आहिर करने वाला हिन्दू शकल, बेज बूटे और नक्काशी किसी न किसी शकल में मुसलिम इमारतों में शामिल कर ली गई. इस तरह जो हिन्दू चीजें मुसलिम इमारतों में ली गईं उनकी तादाद बेशुमार है. मुसलिम आर्ट के ऊपर हिन्दू शैली का यह करार ता ठोस और ऊपर दिखाई देता है लाकिन हिन्दुस्तानी मुसलिम आर्ट पर हिन्दू कला की दो बातों ने सबम ज्यादा असर डाला और वे दो बातें हैं—इमारतों का मजबूती और मजबूती के साथ साथ उनका आलौशान हाना. दूसरे मुल्क में मुसलिम तामारी कला की कुछ दूसरी खूसासयत है. यह मुसलिम में हरे और सुनहले पत्थरों के स्लेब (बाक) फश पर या कमरा का दीवारों पर लगाये जाते हैं. इरान में मकानों के टाइल बाँधिया से बाँधिया रंग में रंगे जाते हैं. स्पेन की मुसलिम तामारी कला में अजाया गराब तज्जे पेदा किये लाकिन किसी भी मुल्क में मुसलिम तामारी कला में इमारतों का मजबूती और खूब-सूरतों का उससे बहुत मेल नहीं बैठाया गया जितना हिन्दुस्तान में. ये दाना खासयत हिन्दुस्तान का अपना है और ये ऐसी खासयत है जिनकी तामारी कला में और दूसरी खासयत से ज्यादा अहमयत है.”

हिन्दुस्तान में पहला मुसलिम इमारत सन 1911 में तामीर हुई. यह 'कुतुबुल इस्लाम' नाम का एक मसजिद है जिस 'कुतुबुद्दीन ऐबक' ने तामीर कराया. इस मसजिद के मुताल्लिक सर जान भाराल लिखते हैं:—

“इस मसजिद का चाहे भीतर से देखिये चाहे बाहर से, यही मालूम होता है कि यह काई हिन्दू इमारत है. सिर्फ पीछे दीवार के पाँच मेहराबों को झाँककर इस इमारत में एक भी चिह्न ऐसा नहीं है जिससे इसका मुसलमानी होना जाहिर होता हो.”

कुतुबुद्दीन के दो सौ बरस बाद फ़ीरोज़शाह तुग़लक़ को भी इमारतें बनाने का बेहद शौक हुआ, इतिहास लेखक उसके बनवाये हुये शहरों, क़िला, न लों, मसजिदों और मक़बरों आदि की एक लम्बा फ़ेडरिस्त पेश करते हैं। तुग़लक़ ख़ाने के फ़ने तामोर के मुतालिज़क़ कहा जाता है कि उस पर से हिन्दू असर कम हो गया था, ताहस—

“जिन संगतराशों और मेमारों ने इन तुरलकी
इमारतों का तामीर किया वे सब के सब हिन्दुस्तान में पैदा

مجلسین کی طرح اردو

ہندوستان کے 'پرائیوٹ' پبلی آرکیالاجی ڈیپارٹمنٹ کے سابق
ڈائریکٹر سر جان ہارشل نے 'کیمبرج ہسٹری آف انڈیا' کے یہاں
'ہندو' کے 'مسلم زمانے' کی عمارتوں' نامک ادھیانے میں لکھا

”جب ہندو اور مسلم تعمیری کا یہی عمل عبارت سازی کا منہلہ (مہل) ہوا، تو مسلم تعمیری کا یہ ہندو تعمیری کا یہ بہت کچھ سیکھا۔ ہندو فلسفہ کو ظاہر کرنے والی ہندو شکلیں، پہل بولنے اور نقاشی کسی نہ کسی شکل میں مسلم عمارتوں میں شامل کر لی گئیں۔ اس طرح جو ہندو چیزیں مسلم عمارتوں میں آئیں، ان کی تعداد بے شمار ہے۔ مسلم آرٹ کے آرہو ہلکی شہلی کا یہ فرضہ تو ٹھوس اور آرہو دیہاتی دیکھا ہے لیکن ہندوستانی مسلم آرٹ پر ہندو کا کی دو ہاتھ لے سب میں زیادہ اثر ڈالا اور وہ دو ہاتھ ہیں—عمارتوں کی مضبوطی اور مضبوطی کے ساتھ ساتھ ان کا عالیشان ہونا۔ دوسرے ملکوں میں مسلم تعمیری کا یہ کچھ دوسری خصوصیتیں ہیں۔ یرو شلم میں ہرے اور سنہلے رنگوں کے سادہ (چڑے) فرش پر یا کمروں کی دیواروں پر لگے جاتے ہیں۔ ایران میں مکانوں کے قنل پرہا سے ہرما رنگن مہن رنگے جاتے ہیں۔ اسہن ہی مسلم تعمیری کا یہ عجیب و غریب طرز پیدا کیے لیکن کسی بھی ملک میں مسلم تعمیری کا یہ عمارتوں کی مضبوطی اور خوبصورتی کا اس سے بہار مہاں نہیں بیتھایا گیا، جتنا ہندوستان میں۔ یہ دونوں خاصیتیں ہندوستان کی اپنی ہیں اور یہ ایسی خاصیتیں ہیں جن کی تعمیری کا یہ اور دوسری خاصیتوں سے زیادہ اہمیت ہے۔“

ہندستان میں پہلی مساجد عمارت سن 1191 میں تعمیر ہوئی۔ یہ ’’نبوۃ اسلام‘‘ نام کی ایک مسجد ہے جسے قطب الدین ایبک نے تعمیر کرایا۔ اس مسجد کے متعلق سید جان مارشل لکھتے ہیں:—

”اِس مسجد کو چاہے ہیتر سے دیکھئے چاہے باہر سے، یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ہندو عمارت ہے۔ صرف پیچھے دیوار کے پانچ سٹکراہوں کو چھوڑ کر اِس عمارت میں ایک ہی جگہ ایسا نہیں ہے جس سے اِس کا مسلمانی ہونا ظاہر ہوتا ہو۔“

قطب الدین کے دو سو برس بعد فیروز شاہ تغلق کو بھی عسارتیں ہانپنے کا بچہ حد شوق ہوا۔ انہاس لہلہک جس کے ہاتھ ہوئے شہروں، دلوں، محلوں، مسجیدوں اور مقبروں اسی فی ایک لبنی بھرست پڑھ لڑتے ہیں۔ تغلق زمانے کے فنِ بزمی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس پر سے ہندو اثر کم ہو گیا تھا۔

”جن سنگتراشوں اور معماروں نے ان قطعی عمارتوں کو تعمیر کیا وہ سب کے سب مہنگانہ میں پیدا

مسلمان اور سوائے زبانوں

یہاں اس کا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان کی دوسری صوبائی زبانوں کو ترقی دینے میں کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھی۔ پنجاب، غدی اور ہنگا کی ترقی کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمان نوابوں، امراؤں اور مسلمان مصنفوں اور شاعروں نے ان زبانوں کو ترقی دینے اور مالا مال کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ آج اگر ان زبانوں کو اپنی ترقی پر ناز ہے تو اس کے لئے ہندو اور مسلمان دونوں کو بھائی دینی چاہئے۔ یہ بھی اہم کی ضرورت نہیں کہ ہندو اور مسلمان دونوں کا طرز ادب اور طرز سخن یکساں تھا۔ لوگوں کے لئے یہ بتا سکتا ناممکن ہے کہ ایک نظم کسی مسلمان کی لکھی ہے یا ہندو کی۔ پنجابی اور ہنگا کے ہندو اور مسلمان لکھنوں کا لکھنے کا طرز بالکل ایکسا ہے۔ اس میں کسی طرح کا فرق نہیں پایا جاتا۔ دوسروں میں کلچر کی ایک ہی دھارا دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ اگر ہندوستان کے مسلمان لکھنوں اور شاعروں کی رجحانوں اور ایران، قرنی اور مصر کے شاعروں اور لکھنوں کی رجحانوں کا مقابلہ کیا جائے تو صاف فرق نظر آئیگا۔ ہندوستان کے مسلمانوں اور باہر کے مسلمانوں کی کلچر، سوچنے کے طریقوں اور لکھنے کے طرز میں بہت فرق ہے۔ انگریزوں کے آئے سے پہلے مختلف صوبوں کے رہنے والے مسلمانوں نے اپنے اپنے صوبوں کی زبانوں اپنا ہی نہیں۔ وہ انہیں میں ہوتے تھے انہیں میں لکھتے تھے اور انہیں میں سوچتے تھے۔

مسلمان اور صوبائی زبانیں

مسلمانوں نے ہندوستان میں آئے سے پہلے کے دائرے میں ایک نئی طرح کی کلا یعنی آرٹ کو جنم دیا تھا۔ لیکن جب وہ اس ملک میں آ کر بسے انہوں نے ہندوستان کی کلا کی خاص خاص باتوں کو اپنی کلا میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ تدرہویں صدی سے لے کر انیسویں صدی تک مسلمانوں نے جو عمارتیں بنائیں اور مقبرے بنائے ان میں ایسا اور مول چول کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ دونوں کلاؤں کا سنگم صاف چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

مسلم تعمیری کلا

کھجری یا سانسکونک مول چول کی یہ دھارا صرف زبان اور ادب تک ہی محدود نہیں رہی۔ اس کا اثر فلسفہ، سائنس اور آرٹ پر بھی پڑا۔ گنیت، جیو-تیش، بھوگول، دیکمات، دھرم، شاستر، بھوگول، سبھی باتوں میں ایک دوسری کی اچھی باتوں کا ایک دوسرے سے سیکھا گیا۔ لیکن انہوں نے کلاؤں کا سنگم آرت کے دائرے میں ہوا۔

مسلمانوں نے ہندوستان میں آنے سے پہلے کلا کے دائرے میں ایک نئی طرح کی کلا یعنی آرٹ کو جنم دیا تھا۔ لیکن جب وہ اس ملک میں آ کر بسے انہوں نے ہندوستان کی کلا کی خاص خاص باتوں کو اپنی کلا میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ تدرہویں صدی سے لے کر انیسویں صدی تک مسلمانوں نے جو عمارتیں بنائیں اور مقبرے بنائے ان میں ایسا اور مول چول کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ دونوں کلاؤں کا سنگم صاف چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

مسلم تعمیری کلا

کھجری یا سانسکونک مول چول کی یہ دھارا صرف زبان اور ادب تک ہی محدود نہیں رہی۔ اس کا اثر فلسفہ، سائنس اور آرٹ پر بھی پڑا۔ گنیت، جیو-تیش، بھوگول، سبھی باتوں میں ایک دوسرے سے سیکھا گیا۔ لیکن انہوں نے کلاؤں کا سنگم آرت کے دائرے میں ہوا۔

مسلمانوں نے ہندوستان میں آئے سے پہلے کے دائرے میں ایک نئی طرح کی کلا یعنی آرٹ کو جنم دیا تھا۔ لیکن جب وہ اس ملک میں آ کر بسے انہوں نے ہندوستان کی کلا کی خاص خاص باتوں کو اپنی کلا میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ تدرہویں صدی سے لے کر انیسویں صدی تک مسلمانوں نے جو عمارتیں بنائیں اور مقبرے بنائے ان میں ایسا اور مول چول کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ دونوں کلاؤں کا سنگم صاف چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

مسلکین اور هندستان کے ذوالنہیں

اگر ہم مادری زبانوں کو چھوڑ کر تہذیب، تمدن اور کلچر (سلسلہ کرتی) پر غور کریں، تو ہم دیکھیں گے کہ یہاں بھی اُسی طرح کا میل ملاپ کا مذہم ہوا ہے۔ ذرا اس بات پر غور کیا جائے کہ سچی ہندوستانی کلچر کی تعمیر میں مسلمانوں نے کتنی قربانی کی ہے۔ زبان (بھاشا) کی ہی مثال کو لیتے۔ کس قوم کے جذباتوں اور اُس کے خیالوں کو ظاہر کرنے کا سب سے اہم ذریعہ زبان ہی ہے۔ اسلام کی پاک زبان عربی ہے۔ جو حملہ آور مسلمان سب سے پہلے سندھ میں آئے عربی اُن کی مادری اور وطنی زبان تھی۔ حالانکہ پڑھے لکھے لوگ ہی عربی کی تعلیم لیتے تھے تاہم عربی ہندستان کے ہر حصہ میں رائج ہو گئی۔ مدھیہ ایشیا سے جو حملہ آور یہاں آئے اُن کی مادری زبان ترکی تھی۔ ہندستان میں مسلمانوں کی حکومت کے آغاز اور خاتمہ کے وقت تک سرکاری زبان فارسی تھی۔ آج ہندوستانی مسلمان اِن تینوں زبانوں میں سے ایک بھی زبان نہیں بولتے اور نہ حملہ آوروں نے ہی ہمارے ہوڑوں پر اِن زبانوں کو لگایا۔

اُس کے برعکس مسلمانوں نے ہندوؤں کی ہوبانی زبانوں کو اپنا لیا اور اپنی بھاشاؤں کے شدتوں اور محکازوں سے انھیں سنجایا اور منہلرا۔ پنجاب کے مسلمان پنجابی بولتے ہیں، بنگال کے مسلمان بنگالی بولتے ہیں، گجرات کے مسلمان گجراتی اور مہاراشٹر کے مسلمان مراٹھی بولتے ہیں۔ غرض یہ کہ مسلمان جس صوبے میں رہتے ہیں اُس صوبے کی زبان بولتے ہیں۔ اِس صوبے کے ہندو اور مسلمان ایک ہی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ صرف ایک ہی زبان رہ جاتی ہے اور وہ ہے اردو۔ لیکن اردو مسلمانوں کی زبان ہے ہی نہیں۔ وہ ہندوستان کے باہر کسی ملک میں نہیں بولی جاتی۔ اُسے کوئی مسلم وجہتا باہر سے یہاں نہیں لایا۔ اردو ہندی بھاشا کا ہی ایک روپ ہے۔ اُس کے زیادہ تر الفاظ اُس کا دیان سب یہیں سے لیا گیا۔ اصل اردو کا مول روپ وہ بھاشا ہے جو دلی کے اُس پلس بولی جاتی ہے اور جسے بھڑی بولی کہتے ہیں۔ جب مسلمان دلی اور اُس کے اُس پلس کے علاقے میں پس گئے تو وہ بھی بھڑی بولی ہی بولنے لگے۔ وہی بعد میں ادبی زبان بن گئی۔ ہندو اور مسلمان دونوں نے اُس کے ادب کو پرمایا اور سنجایا۔ سچ بوجھا جائے تو انگریزی کے پرچار کے پہلے اردو ہندستان کی بول چال کی زبان تھی۔

دہد ملتوں کی دھن کے ساتھ ساتھ یہاں نہیں ڈالتے ہیں، مسلمانوں میں قاضی قرآن کی آیت پر کون فلاح کرا دیتا ہے۔ چھوٹی عمر میں لڑکیوں کی شادی، دھوا دوا کی روک، عربوں کے اوپر سردوں کا قطعی حق اور پردہ یہ سب باتیں ہندو اور مسلمانوں دونوں میں ایک سی ہیں۔

یہ مصحف ہے کہ مذہبی تیسوار، ریت، آبِ اوس اور روزہ دونوں کے الگ الگ ہیں لیکن ان کے ملانے کا قاعدہ گہت کچھ ایک سا ہے۔ معتمد اور مشہورہ ایک طرح سے منایا جائے گا۔ شبِ برات اور شہورِ اتری، رمضان اور نو، اتری، دیوالی اور عید کے آئسو ایک ہی طرح سے مولے لکے۔ اِس کے علاوہ اور بہت سے مولے، تیج اور تیسوار ہوتے تھے جن میں ہندو اور مسلمان دونوں مل جل کر حصہ لیتے تھے۔ ہزاروں مسلمان ہولی کو، بلکہ تھے اور لاکھوں ہندو معتمد مناتے تھے۔ مسلمانوں نے مولے کے بعد کے کرپا کرم میں بہت سے ہندو رواج اپنا لئے، جیسے تیجا، دسواں وغیرہ۔ اُس کے علاوہ حاملہ عورت کا بیچ ماسا، ست ماسا، اور بچے کی پیدائش کی چھٹ، بچے کی تھیر چٹائی، سال گرہ، مونتن، کن چھندن، ہندو مسلمان دونوں ایک ہی طرح سے مناتے لکے۔ ایسے رسم رواج جو خالص ہندو تھے جیسے مٹی اور جوہر کا رواج، یہ بھی مسلمان عورتیں اپنے خاوند کے مرنے پر کرتی تھیں۔ انہں بطور صلہ محمد بن تغلق اور عین الملک کی لڑائی کا حال لکھتا ہے، جس میں عین الملک کے ہارنے پر اُس کی بیگم نے جوہر بہت کر کے اپنے کو زندہ جلا دیا تھا۔ 'جعفر نامہ' میں لکھا ہے کہ بھنگیوں کے صوبیدار کمال الدین کی بیگم نے اپنے شوہر تیمور کے خلاف لڑائی میں جاتے سمے جوہر بہت کر کے اپنے کو جلا ڈالا تھا۔ اس پر خسرو نے اِس پر لکھا تھا:—

”چون زن ہندی کسے در عاشقی دیوانہ است،
سرخکن بر شمع شوہر کار آرد پروانہ است!“

لباس اور پہناؤ

کسی بھی سماج کے اندرونی جذبات کی سب سے نمایاں مثال اُس سماج کے لوگوں کی ہرشاک ہے۔ اِس نقطہ نظر سے اگر ہم دیکھیں تو ہمیں پتہ چلیگا کہ کس طرح ہندوستان کے مسلمان نے عرب، ایران اور مدیہ ایشیائی ممالک کے لباس اور پوشاک کو چھوڑ کر ہندوستان کے لباس اور پہناوے کو قبول کیا۔ عربی عمامہ، جھبہ، رھا، تہمد، نسیم، مدیہ ایشیا کا دلاہ، نیمہ، موز، سب یہاں اُ کر رہ گئے اور اُن کی جگہ ہندو بگڑا، چڑا، کرنا، انگرکھا، پٹکا، قدینہ، پا جاما اور جوتے نے لے لی۔

ایشیا کی جین اور دوسری مسلمان کئیوں نے ہندوستان پر حملہ کر کے یہاں راج قائم کیا اور جن کی اولادوں نے قریب پانچ سو برس یہاں حکومت کی ان سب کا آج پتہ تک نہیں چلتا۔ مسلمان حکمرانوں نے نہ تو اپنے قومی غرور کی پرواہ کی اور نہ اپنے خون کو پاک بنانے کی۔ انہوں نے ہندوستان کے قومی سمندر میں اپنے آپ کو مٹا دیا۔ مسلم حکومت کے زمانے میں جن قومیں، قریبوں، قبیلوں اور خاندانوں کی دھوم تھی آج نہ ان کا چرچا ہے اور نہ کوئی انہیں جانتا ہے۔ وہ سب دل دہل کر ایک ہو گئے۔ یہ کام کوئی ایک دو دنوں میں نہیں ہوا، سیکڑوں برسوں تک ساتھ ساتھ۔ ہند کا یہ نتیجہ ہے۔ اسی ملک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بس جانے کی خواہش، اسی شادی بیاہ، مذہب میں تبدیلی، اپنے وطن سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھنا، وغیرہ ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے مسلمان قومی لحاظ سے بالکل ہندوستانی بن گئے۔ ہندو اور مسلمانوں کا مذہب بے شک، جدا جدا ہے مگر رنگ ایک ہے، روپ ایک ہے، فعل ایک ہے اور قلم ایک ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے ہندو بھائیوں کی طرح اپنا سماجی نظام قائم کیا۔ باہر کے مسلمانوں میں جانت پانت نہیں مگر یہاں کے مسلمانوں نے ہندوؤں کی طرح اپنی الگ الگ برادریاں بنا لی ہیں۔ سیدوں کا رتبہ برہمنوں کی طرح، مغل اور پٹانوں کا چترپوں یا راجپوتوں کی طرح، شیخ بھٹوں کی طرح اور بلوچوں اور دیگر پیشہ والوں کو شہرہ کی طرح سمجھا جانے لگا۔ یہ فرق نہ صرف کام دھندوں اور روپے پیسے کی وجہ سے ہو گئے بلکہ ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کی یہ برادریاں پیدائشی ہو گئیں۔ اونچے برادری کے مسلمانوں میں ایک غرور پیدا ہو گیا۔

کلچری میل جول کا سنگم

ہر سماج کے سنگٹن میں اورت کی ایک خاص جگہ ہے۔ اس معاملے میں اُردو، تہذیب اور ہندوؤں میں بہت فرق ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں نے اُردو اور تہذیب کے فرق کو نہیں دیکھا۔ مسلمانان اورتوں نے اپنی ہندو بھائیوں کا ہی چلن اپنا لیا۔ ساج سنگار، پہناؤ، گہنے اور زیور، ملتے جلتے اور روزمرہ کے ہر کام میں انہوں نے ہندوؤں کی طرح ہی چلن چلتا شروع کیا۔ مسلمانوں کے شادی بیاہ بالکل ہندوؤں کی طرح ہونے لگے۔ نسبت، ہندی، مہندی، تیل، مقدوا، برات، جلاوا، کلن وغیرہ کی رسمیں مسلمانوں نے جنہوں کی تھیں ہندوؤں سے لیں۔ شادی کی رسم میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں صرف ایک فرق رہ گیا اور وہ یہ کہ ہندوؤں میں ہر طرف کلن کے چاروں طرف دولہا اور دولہن

ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے ہندو بھائیوں کی طرح اپنا سماجی نظام قائم کیا۔ باہر کے مسلمانوں میں جانت پانت نہیں مگر یہاں کے مسلمانوں نے ہندوؤں کی طرح اپنی الگ الگ برادریاں بنا لی ہیں۔ سیدوں کا رتبہ برہمنوں کی طرح، مغل اور پٹانوں کا چترپوں یا راجپوتوں کی طرح، شیخ بھٹوں کی طرح اور بلوچوں اور دیگر پیشہ والوں کو شہرہ کی طرح سمجھا جانے لگا۔ یہ فرق نہ صرف کام دھندوں اور روپے پیسے کی وجہ سے ہو گئے بلکہ ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کی یہ برادریاں پیدائشی ہو گئیں۔ اونچے برادری کے مسلمانوں میں ایک غرور پیدا ہو گیا۔

کلچری میل جول کا سنگم

ہر سماج کے سنگٹن میں اورت کی ایک خاص جگہ ہے۔ اس معاملے میں اُردو، تہذیب اور ہندوؤں میں بہت فرق ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں نے اُردو اور تہذیب کے فرق کو نہیں دیکھا۔ مسلمانان اورتوں نے اپنی ہندو بھائیوں کا ہی چلن اپنا لیا۔ ساج سنگار، پہناؤ، گہنے اور زیور، ملتے جلتے اور روزمرہ کے ہر کام میں انہوں نے ہندوؤں کی طرح ہی چلن چلتا شروع کیا۔ مسلمانوں کے شادی بیاہ بالکل ہندوؤں کی طرح ہونے لگے۔ نسبت، ہندی، مہندی، تیل، مقدوا، برات، جلاوا، کلن وغیرہ کی رسمیں مسلمانوں نے جنہوں کی تھیں ہندوؤں سے لیں۔ شادی کی رسم میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں صرف ایک فرق رہ گیا اور وہ یہ کہ ہندوؤں میں ہر طرف کلن کے چاروں طرف دولہا اور دولہن

گھڑی اُن کے سامنے سے تیزی کے ساتھ نکل گئی اور نظر سے
مٹ گئی۔

ہرف اب اور زیادہ تھوڑی کے ساتھ گر رہا تھا۔ اُس ہرف
میں سے ہی بچپن کے سوال کا جواب آتا ہوا معلوم پڑتا تھا۔
یہ ہرف۔ یہ ہوا اور یہ جواب بچپن کی طرف سے لڑائی کے
اُس مہدان سے آ رہا تھا جہاں ہرف نام کے لڑکوں کے 'قریب'
انکسور کی ٹانگوں میں' یہی ہرف استخوان کی قدر کے اوپر جما
ہونا چاہتا تھا !

ہندستان کی کلچر اور اسلام

ق. اکتبر ۱۹۷۵ء

مسلمانوں پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ چونکہ وہ حملہ آور و دیشیوں کی حمایت سے اِس ملک میں آئے اِس لئے وہ ملک کے لوگوں سے بالکل الگ تہلگ رہے۔ یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کے بیچ کوئی بات مہل کی نہیں ہے اِس لئے ملک کی بھائی بھائی کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں اور باہر کے مسلمانوں میں سب باتیں ملتی جلتی اور مہل کی ہیں اِس لئے باہر کے مسلمانوں کے ساتھ یہاں کے مسلمانوں کی خوب نہہ سکتی ہے۔ اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ نفس مہملے میں اِنہاس کیا روشنی ڈالتا ہے ؟

!دوسوں کی ملاقات

یہ بات سبھی قبول کریں گے کہ تہذیب سے لوگوں کو چھڑ کر
کے لحاظ سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی بھد یا فرق
ہیں ہے۔ دونوں کی جسمانی بناوٹ، گھن، رنگ، روپ، چہرہ
ہر، بالکل یکساں ہے۔ پورے حملہ آور عربوں، ترکوں، اور ایرانیوں کا
جہ ہندستان میں پتہ تک نہیں چلا۔ جن عرب فوجیں نے ہند
یا قاسم کی جنوبی میں حملہ کے صوبے پر حملہ کیا تھا یا
جن عرب خاندانوں نے حملہ ہو سکے ان برسوں تک حکومت
پا تھی، ان کا آج نام و نشان تک نہیں ملتا۔ غزنی،
اموی، غزنوی، ترک اور افغانستان کے طور وسط (مدریہ)

अफसर रुक गये और हैरान होकर लड़की की तरफ देखने लगे.

उनमें से एक अफसर ने पूछा:—“तुम्हारा भाई कौन है ?”

राहुलचो ने घबराये हुये जबाब दिया—“स्तोयान मैया ! हमारा भाई स्तोयान !” राहुलचो को इस बात पर अचरज मालूम होता था कि फौजी बरदी पहने हुये कप्तान यह न जानता हो कि स्तोयान उनका भाई है.

अफसर ने फिर हैरान होकर पूछा:—“कौन स्तोयान ?”

कीना ने बड़ी दृढ़ता के साथ जबाब दिया:—“वेतरेन गाँव का रहने वाला स्तोयान !”

अफसर ने अपने साथी से कुछ कहा और फिर बड़े ध्यान के साथ कीना से पूछा:—

“क्या तुम्हारा भाई घुड़सवार फौज में है ?”

बेचारी कीना ने बिना कुछ समझे जबाब दे दिया:—“हाँ, हाँ.”

अफसर ने कहा:—“बेटी ! वह हमारे साथ नहीं है.”

दूसरे अफसर ने बच्चों से कहा:—“गाँव को लौट जाओ, नहीं तो तुम यहाँ सरदी में जम जाओगे.”

यह कहकर दोनों अफसर अपने घोड़े को हफ्टर लगाते हुये बाक़ी सवारों के पीछे-पीछे चल दिये.

कीना अब चिल्ला रही थी. राहुलचो के टपाटप आंसू गिर रहे थे. दोनों के हाथ और पैर सरदी से ठिठुर रहे थे. उनके गाल नीले पड़ गये थे. सामने गाँव का रास्ता साफ़ दिखाई दे रहा था. पर उस पर अब कोई आदमी या आदम-जाद न था. सब अपने-अपने घर चले गये थे. शाम हो गई थी. अँधेरा बढ़ रहा था. ठन्डी हवा और ज्यादा काटती हुई मालूम होती थीं. केवल दूर फ़ासले पर घुड़सवारों का वह गिराह एक काले बादल की तरह चला जाता हुआ और गुम होता हुआ नज़र आता था. ठन्डी हवा के साथ सवारों के गाने की आवाज़ भी बच्चों के कानों में पड़ रही थी. कीना और राहुलचो ने अब अपने गाँव की तरफ़ लौटना शुरू किया.

रात होती जा रही थी. दोनों ने अपने-अपने हाथ अपने कपड़ों में छिपा रखे थे. दोनों धीरे-धीरे रोते हुये चले जा रहे थे. उन्हें बार-बार यह खयाल आ रहा था कि माँ दरवाज़े पर खड़ी हुई मैया की बात जोह रही होगी.

पहाड़ी के पीछे की तरफ़ से एक और गाड़ी आती हुई दिखाई दी जिसमें तीन बाड़े जुते हुये थे.

कीना ने फिर चिल्लाकर पूछा:—“जनाब ! क्या फ़ौज के कुछ और सिपाही अभी पीछे आ रहे हैं ?”

अफसर रुक गये और हैरान होकर लड़की की तरफ देखने लगे.

उनमें से एक अफसर ने पूछा:—“तुम्हारा भाई कौन है ?”

राहुलचो ने घबराये हुये जबाब दिया:—“स्तोयान मैया ! हमारा भाई स्तोयान !” राहुलचो को इस बात पर अचरज मालूम होता था कि फौजी बरदी पहने हुये कप्तान यह न जानता हो कि स्तोयान उनका भाई है.

अफसर ने फिर हैरान होकर पूछा:—“कौन स्तोयान ?” कीना ने बड़ी दृढ़ता के साथ जबाब दिया:—“वेतरेन गाँव का रहने वाला स्तोयान !”

अफसर ने अपने साथी से कुछ कहा और फिर बड़े ध्यान के साथ कीना से पूछा:—

“क्या तुम्हारा भाई घुड़सवार फ़ौज में है ?” बेचारी कीना ने बिना कुछ समझे जबाब दे दिया:—“हाँ, हाँ.”

अफसर ने कहा:—“बेटी ! वह हमारे साथ नहीं है.” दूसरे अफसर ने बच्चों से कहा:—“गाँव को लौट जाओ, नहीं तो तुम यहाँ सरदी में जम जाओगे.”

यह कहकर दोनों अफसर अपने घोड़ों को हफ्टर लगाते हुये बाक़ी सवारों के पीछे-पीछे चल दिये.

कीना अब चिल्ला रही थी. राहुलचो के टपाटप आंसू गिर रहे थे. दोनों के हाथ और पैर सरदी से ठिठुर रहे थे. उनके गाल नीले पड़ गये थे. सामने गाँव का रास्ता साफ़ दिखाई दे रहा था. पर उस पर अब कोई आदमी या आदम-जाद न था. सब अपने-अपने घर चले गये थे. शाम हो गई थी. अँधेरा बढ़ रहा था. ठन्डी हवा और ज्यादा काटती हुई मालूम होती थीं. केवल दूर फ़ासले पर घुड़सवारों का वह गिराह एक काले बादल की तरह चला जाता हुआ और गुम होता हुआ नज़र आता था. ठन्डी हवा के साथ सवारों के गाने की आवाज़ भी बच्चों के कानों में पड़ रही थी. कीना और राहुलचो ने अब अपने गाँव की तरफ़ लौटना शुरू किया.

रात होती जा रही थी. दोनों ने अपने-अपने हाथ अपने कपड़ों में छिपा रखे थे. दोनों धीरे-धीरे रोते हुये चले जा रहे थे. उन्हें बार-बार यह खयाल आ रहा था कि माँ दरवाज़े पर खड़ी हुई मैया की बात जोह रही होगी.

पहाड़ी के पीछे की तरफ़ से एक और गाड़ी आती हुई दिखाई दी जिसमें तीन बाड़े जुते हुये थे.

कीना ने फिर चिल्लाकर पूछा:—“जनाब ! क्या फ़ौज के कुछ और सिपाही अभी पीछे आ रहे हैं ?”

ہوئی تھی۔ دو سپاہی انہیں موز پر آئے دکھائی دیئے۔ دونوں کے اوپر کافی برف جمع ہوا تھا۔ بچوں نے انہیں دیکھا۔ استریان ان میں نہیں تھا۔

کینا نے ان سپاہیوں سے پوچھا:—”کیوں جی! کیا فوج اُدھر کو آ رہی ہے؟“

ان میں سے ایک نے جواب دیا:—”اے لڑکی ہمیں نہیں معلوم تم کس کے انتظار میں کھڑی ہو؟“

راڈولچو نے جواب دیا:—”اپنے بھائی کے انتظار میں!“

سپاہی تھکے ہوئے تھے۔ وہ آگے بڑھ گئے۔

کینا نے پھر دور تک دیکھنے کی کوشش کی۔ دونوں کو سردی لگنے لگی۔ کینا لڑکھانے لگی۔ راڈولچو کو کپکپی لگ گئی۔ وہ ان کے استریان بھائی کے ساتھ آئے والے تھے، اس لئے وہ دونوں بھیا کا انتظار کرتے رہے۔ انہیں یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ بھیا کو اپنے ساتھ کھڑے نہ لے گئے تو وہیں ڈاکوئی اور روٹے کی۔

سामنے سے ایک گاڑی آئی۔ اس میں دو مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں پہنچ کر کھال کے نیچے گرم کرک پہنچے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر اونچے گرم ٹوپیوں تھیں۔ گاڑی جب دونوں بچوں کے برابر میں آئی تو کینا گھڑوں کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے گاڑی میں بیٹھے دو مسافروں سے پوچھا:—”جواب! کیا اُدھر سے کوئی فوج آ رہی ہے؟“

مسافروں میں سے ایک نے جواب دیا:—”جی ہاں! ہمیں نہیں معلوم۔“ مسافر نے اپنی ٹوپی کو نیچے اونچا کر کے حیرانی کے ساتھ لڑکی کو دیکھا۔ لڑکی سردی سے لال اور نیلی ہو رہی تھی۔

گاڑی آگے بڑھی چلی گئی۔

دونوں بچے اُسی جگہ ڈٹے کھڑے رہے۔ گھنٹوں بہت گئے۔ ٹنڈی پہاڑی ہوا اور جیادھ تیز ہوا گیا اور ان کے چہروں پر تھپہڑے دینے لگی۔ ان کے کپڑے ہوا میں اڑنے لگے۔ برف بھی تیزی کے ساتھ گرنا رہا۔ لیکن دونوں بچے وہاں سے نہ ہٹے۔ ان کی آنکھیں سڑک کے موز پر نیکی ہوئی تھیں۔ وہ انتظار میں تھے کہ کوئی اور آدمی اُدھر سے آتا ہوا دکھائی دے۔

یہاں تک کینا کا دل آشا سے اچھلنے لگا۔ کچھ گھومنا موز پر دکھائی دیئے جو انہیں ہی طرف آ رہے تھے۔ سوار بہت سے تھے۔ کینا نے سوچا کہ وہاں سے کچھ بھیا بھی آ رہے ہوں گے۔ سوار اُن کی طرف دیکھتی رہی۔ سوار آگے بڑھتے گئے اور دونوں بچوں کے سامنے سے جالے لگے۔ ان کے پیچھے دو آدمی، معلوم ہوتے تھے۔ کینا نے ہاتھ اٹھا کر ان انیسروں کی طرف اشارہ کر کے روتے ہوئے کہا:—”بھائی صاحب! کیا میرا بھیا آ رہا ہے؟“

کینا نے ان سپاہیوں سے پوچھا:—”کیوں جی! کیا فوج اُدھر کو آ رہی ہے؟“

ان میں سے ایک نے جواب دیا:—”اے لڑکی ہمیں نہیں معلوم تم کس کے انتظار میں کھڑی ہو؟“

راڈولچو نے جواب دیا:—”اپنے بھائی کے انتظار میں!“

سپاہی تھکے ہوئے تھے۔ وہ آگے بڑھ گئے۔

کینا نے پھر دور تک دیکھنے کی کوشش کی۔ دونوں کو سردی لگنے لگی۔ کینا لڑکھانے لگی۔ راڈولچو کو کپکپی لگ گئی۔ وہ ان کے استریان بھائی کے ساتھ آئے والے تھے، اس لئے وہ دونوں بھیا کا انتظار کرتے رہے۔ انہیں یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ بھیا کو اپنے ساتھ کھڑے نہ لے گئے تو وہیں ڈاکوئی اور روٹے کی۔

سामنے سے ایک گاڑی آئی۔ اس میں دو مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں پہنچ کر کھال کے نیچے گرم کرک پہنچے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر اونچے گرم ٹوپیوں تھیں۔ گاڑی جب دونوں بچوں کے برابر میں آئی تو کینا گھڑوں کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے گاڑی میں بیٹھے دو مسافروں سے پوچھا:—”جواب! کیا اُدھر سے کوئی فوج آ رہی ہے؟“

مسافروں میں سے ایک نے جواب دیا:—”جی ہاں! ہمیں نہیں معلوم۔“ مسافر نے اپنی ٹوپی کو نیچے اونچا کر کے حیرانی کے ساتھ لڑکی کو دیکھا۔ لڑکی سردی سے لال اور نیلی ہو رہی تھی۔

گاڑی آگے بڑھی چلی گئی۔

دونوں بچے اُسی جگہ ڈٹے کھڑے رہے۔ گھنٹوں بہت گئے۔ ٹنڈی پہاڑی ہوا اور زیادہ تیز ہو گئی اور ان کے چہروں پر تھپہڑے دینے لگی۔ ان کے کپڑے ہوا میں اڑنے لگے۔ برف بھی تیزی کے ساتھ گرنا رہا۔ لیکن دونوں بچے وہاں سے نہ ہٹے۔ ان کی آنکھیں سڑک کے موز پر نیکی ہوئی تھیں۔ وہ انتظار میں تھے کہ کوئی اور آدمی اُدھر سے آتا ہوا دکھائی دے۔

یہاں تک کینا کا دل آشا سے اچھلنے لگا۔ کچھ گھومنا موز پر دکھائی دیئے جو انہیں ہی طرف آ رہے تھے۔ سوار بہت سے تھے۔ کینا نے سوچا کہ وہاں سے کچھ بھیا بھی آ رہے ہوں گے۔ سوار اُن کی طرف دیکھتی رہی۔ سوار آگے بڑھتے گئے اور دونوں بچوں کے سامنے سے جالے لگے۔ ان کے پیچھے دو آدمی، معلوم ہوتے تھے۔ کینا نے ہاتھ اٹھا کر ان انیسروں کی طرف اشارہ کر کے روتے ہوئے کہا:—”بھائی صاحب! کیا میرا بھیا آ رہا ہے؟“

اِس سے اُس نے موم بکھیاں خریدیں اور انہیں گرچہ میں
سب موم بکھیاں کے سامنے چلا کر رکھ دیں۔ خوشی خوشی وہ
گھر لوٹیں۔

— ”اچھا، اچھا، آج کا دن یہ ہے، کل بڑا دن ہے... ابھی ابھی وقت ہے۔ اے پرہیز عیسوی کی ماں! مہرا فرشتہ جیسا، گل مجھ تک پہنچا دو... اے پرہیز عیسوی مسیح! مہرے سر جھانے ہوئے دل کو خوشی عطا کرو۔“

”کیسا دروڑی ہوئی گھر میں اُنی اور ماں سے کہنے لگی:—
 ”میں! کٹوں کے کچھ اور نوجوان لڑائی کے مہدان سے لڑت آئے
 ہیں۔“

ہو رہی تھی، اس لیے کہ غصہ سا آ گیا۔ اُس نے اُن منہ دال سے جواب دیا:—”مجھے دوسروں کے سلیڈز ہی لا کر مت دو، بلکہ جس طرح اور دوسری لوہیاں اپنے ہاتھوں سے ملے جا رہی ہیں تم ہی جا کر اپنے بھائی کا سواگت کرو۔“

ہالک رادال چو نے بیچ مہں دخل دے کر کہا:—میں !
میں بھی کیذا بہن کے ساتھ جاؤنگا۔“

دونوں بچے درختے ہوئے ہر طرف سے قہقہے ہونے لگیں تو بار کر گئے۔ وہ گاؤں کے باہر ہی بڑی سڑک تک پہنچ گئے اور سڑک کے اُس پار ہندوؤں میں جا کر کھڑے ہو گئے۔

ہوڑھی تسبیحا اپنے دروازے کے باہر کیڑی ہوئی بیٹے کا انتظار کرنے لگی۔

پہاڑ کی طرف سے ٹھنڈی سسٹاتی ہوا چلی آ رہی تھی ۔
پہاڑوں کی چوٹیوں، گھاٹیوں اور مہدائیں سب ہرف سے سفید ہو
رہے تھے ۔ ہادل گھرے چلے آ رہے تھے ۔ کالے کوٹے سوک کے اڈر
پر پھر پڑا رہے تھے ؛ درختوں کی نئی شاخوں پر بیٹھے ہوئے
تھے ۔ وہ سوک اختیوان کھائی تک جاتی تھی ۔ سوک پر جگہ
جگہ نوجوان لڑکیوں، بچوں اور بوڑھی عورتوں کے جھنڈ جمع
تھے ۔ ہر جھنڈ کسی نہ کسی کے انتظار میں تھا... سہاوی ابھی
تک گھر لوٹ رہے تھے ۔ کوئی اکیلے اکیلے آ رہے تھے اور کوئی نئی نئی
کے گروہ میں ۔ کینا اور رادل چو پہلے ایک گروہ کی طرف گئے
پھر دوسرے کی طرف، اور پھر تیسرے کی طرف اور پھر اور آگے بڑھ
گئے ۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ہی استہبان کو سب سے پہلے دیکھیں
اور اس سے ملیں۔ انہیں رشواس تھا کہ وہ اسے ترنت ہی پہچان
لیں گے ۔ ہرف پڑنا شروع ہو گیا تھا اور ہرف کے گرتے ہوئے گالے
ان کی آنکھوں کے سامنے ہار ہار پردہ سا ڈال دیتے تھے ۔

سڑک پہلے اوروں کو جانتی تھی اور پھر پہاڑی کے ہاتھ سے
کم ہو جاتی تھی۔ تو اس اور رانل چو اس پہاڑی کی چوٹی
پر پہنچ گئے۔ ہوا وہاں اور بھی زیادہ تیز اور کانٹکی

پر دیمیترو کو بھی استویان کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اُس نے جواب دیا:—”شاید اُسے وہیں کی طرف بھیجا گیا ہے۔“
ماں کی جاننا دیکھ کر دیمیترو کو بھی دکھ ہوا۔ اُس نے پھر کہا —”شاید وہ کہیں سے کسی دوسرے راستے سے آنا ہوگا۔“ یہ کہہ کر دیمیترو اچھے سوچنے لگا۔

تسینا نے ٹنڈی سانس بھر کر کہا:—”ہے ईश्वर ! हे प्रभू ! मेरा लाल इस समय कहाँ होगा !”

وہاں سے وہ استویانکا کے گھر گئی۔ دروازے پر پہنچتے ہوئے اُس کا دل کانپنے لگا۔ وہ سوچنے لگی شاید استویانکا سے اُسے اپنے بیٹے کا کچھ سناچار مل سکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ استویانکا بڑے دن کے تھوڑا نک گھر آ جائے گا یا نہیں۔ وہ استویانکا سے کچھ خرخری خبری سننا چاہتی تھی۔ پر استویانکا چپ رہی۔ کچھ اُس کی آنکھوں لال دکھائی دیں۔

[4]

आज सारे गाँव में चहल-पहल है. लड़ाई के मैदान से पहली पलटन वापिस आ रही है. गाँव वाले उसके स्वागत की तैयारियाँ कर रहे हैं. गली के बीच में तसेना के घर के पास एक दूसरे के आमने सामने दो बस्तियाँ गाड़ी गई. उन दोनों के ऊपर मेहराब के तौर पर एक हरी शाख मोड़कर बाँध दी गई. इस तरह पलटन के स्वागत के लिए एक फाटक बना दिया गया. लोगों ने चीड़ के दरखतों की खुशबूदार टहनियाँ पहाड़ों पर से लाकर दोनों बस्तियों और मेहराब के ऊपर लपेट दीं. पास के शहर पाञ्चरजिक से एक तख्ता लाकर उस मेहराब पर लटका दिया गया. तख्ते पर लिखा हुआ था:—बहादुर सिमाहियो ! स्वागत ! चारों तरफ़ तिरंगे राष्ट्रीय झण्डे लगा दिए गए.

विजया पलटन आई और चली गई.

बेचारी माँ सोचने लगी:—

”हो सकता है कि मेरा बेटा पीछे आ रहा हो. शायद वह त्यौहार से ठीक एक दिन पहले पहुँचना चाहता है. उसे परदेस में बड़ा दिन बिताने की क्या जरूरत ! अभी तो सिपाही आ ही रहे हैं. एक-एक कर चले आ रहे हैं. शाम तक उसके आने के लिए काफी समय है. उसे मालूम है कि यहाँ घर पर इतने आदमी बेचैनी के साथ उसकी तरफ़ आँख लगाए बैठे हैं.”

[5]

सुबह के बत्त बूढ़ी तसेना बहुत जल्दी गिरजा गई. स्नो-बान ने जो लेब उसके पास भेजा था उसे उसने सुना डाला.

تسینا نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا:—”ہے ईश्वर ! हे प्रभू ! मेरा लाल इस समय कहाँ होगा !”

وہاں سے وہ استویانکا کے گھر گئی۔ دروازے پر پہنچتے ہوئے اُس کا دل کانپنے لگا۔ وہ سوچنے لگی شاید استویانکا سے اُسے اپنے بیٹے کا کچھ سناچار مل سکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ استویانکا بڑے دن کے تھوڑا نک گھر آ جائے گا یا نہیں۔ وہ استویانکا سے کچھ خرخری خبری سننا چاہتی تھی۔ پر استویانکا چپ رہی۔ کچھ اُس کی آنکھوں لال دکھائی دیں۔

[4]

آج سارے گاؤں میں چہل پھل ہے. لڑائی کے میدان سے پہلی پلٹن واپس آ رہی ہے. گاؤں والے اُس کے स्वागत کی تैयारियाँ کر رہے ہوں. گلی کے बीच میں तसेना के घर के पास एक दूसरे के आमने सामने दो बस्तियाँ गाड़ी गई. उन दोनों के ऊपर मेहराब के तौर पर एक हरी शाख मोड़कर बाँध दी गई. इस तरह पलटन के स्वागत के लिए एक फाटक बना दिया गया. लोगों ने चीड़ के दरखतों की खुशबूदार टहनियाँ पहाड़ों पर से लाकर दोनों बस्तियों और मेहराब के ऊपर लपेट दीं. पास के शहर पाञ्चरजिक से एक तख्ता लाकर उस मेहराब पर लटका दिया गया. तख्ते पर लिखा हुआ था:—बहादुर सिमाहियो ! स्वागत ! चारों तरफ़ तिरंगे राष्ट्रीय झण्डे लगा दिए गए.

विजया पलटन आई और चली गई.

बेचारी माँ सोचने लगी:—

”हो सकता है कि मेरा बेटा पीछे आ रहा हो. शायद वह त्यौहार से ठीक एक दिन पहले पहुँचना चाहता है. उसे परदेस में बड़ा दिन बिताने की क्या जरूरत ! अभी तो सिपाही आ ही रहे हैं. एक-एक कर चले आ रहे हैं. शाम तक उसके आने के लिए काफी समय है. उसे मालूम है कि यहाँ घर पर इतने आदमी बेचैनी के साथ उसकी तरफ़ आँख लगाए बैठे हैं.”

[5]

صبح کے وقت بوڑھی تسینا بہت جلدی گرچا گئی. اسنو-بان نے جو لوہ اس کے پاس بھیجا تھا اسے اُس نے سنا ڈالا.

فیر اسنے ون کڑدیوں کو مسخاٹیب کرکے کھڑا :—
”بہڑو ! یک منٹ ٹھہرو۔“

یہ کھڑے رہ کر اپنے گھر درزی ہوئی گئی اور ایک منٹ کے اندر لوگ پہنچا راکھا ہوا میں لئے ہوئے لوٹ آئی . اس نے سروبا کے آن قیدی سہاویوں سے کہا :—”ذرا ٹھہرو“ : ہوتا ہوتا راکھا ہی لو۔“ اس نے انہیں راکھا پہنے کو دی . باغریہ کا جو سہاوی اُن قیدیوں کو لے جا رہا تھا اس نے مسکرائے سب کو رکنے کی اجازت دے دی . تھکے ہوئے قیدی سہاویوں نے راکھا ہی اور تسینا کا بہت بہت شکریہ ادا کیا . راکھا ہی کو اُن کی سردی کچھ کم ہوئی .

باغریہ کے سہاوی نے یہ دیکھ کر تھکے ہوئے میں کچھ راکھا ہی گئی ہے بڑی خوشی کے ساتھ اس نے اپنے منہ میں ڈال لیا اور ہر وہی ماں کو بہت بہت سلام دیا .

تسینا نے پھر حیران ہو کر کہا :—”یہ سب عسائی ہیں“ سب ایک ہی ایشور کے بندے ہیں۔۔۔۔۔ یہ ایک دوسرے سے لڑتے کیوں ہیں ؟“

اس کے دیکھتے دیکھتے وہ لوگ چلے گئے .

[3]

جنگ رک گئی . صلح کی بات چیت شروع ہو گئی .

بڑے دن کا توہار نزدیک آئے لگا . سہاوی لوگ چھٹی لے کر کھڑے آئے تھے . بیٹریں سے گئے ہوئے بہت سے سپاہی بھی لوٹ آئے . پر ستریاں ابھی نہیں آئے تھیں نہ اس کا کوئی ساندیش آیا . ہر وہی تسینا کو چیتا ہونے لگی . وہ گھبرائے لگی . اس کے دل میں بڑے بڑے حیران آئے تھے۔۔۔۔۔ دن گزرتے چلے گئے . تسینا کی آنکھیں برابر دروازے ہی طرف لگی رہتیں . نہ جانے کب آستریاں آئے اور دروازہ کھولے .

نکل آستریاں دور لڑائی سے لوٹ کر اس سے ملنے آیا . دنکو کا بیٹا پیٹر بھی اس سے ملنے آیا . دونوں بھائی اسٹا میٹلی اس سے ملنے آئے . وہ اُن کو باہر جا کر لوگوں سے پوچھتی . پر آستریاں کی کسی سے کوئی خبر نہ ملتی . ان سب نے کچھ دن پہلے آستریاں کو دیکھا تھا . لیکن اس کے بعد ہی انہیں خبر نہ تھی .

ہر وہی ماں کا دل گھبرائے . اس کی آنکھوں کے سامنے ہار ہار اندھرا آجاتا . وہ کھڑے اس پاس چکر کاٹتی اور ہار ہار آستریاں کو یاد کرتی .

اس کی بیوی کھانا دروازے سے دہائی ہوئی آئی اور پلا کر کہنے لگی :—”ماں ! دیمیتھر چا چا لڑائی سے آئے !“

ماں فوراً اٹھی اور دیمیتھر کے یہاں گئی . دیمیتھر نے یہاں پہنچ کر اس کے کہا :—”دیمیتھر ! سواکت ! آستریاں کو تم نے کہاں چھوڑا ؟“

جی جا رہا تھا۔ تसेنا اس خط کو پڑھانے کے لیے دوڑ کر اسے اپنے پوروں کے پاس لے گئی۔

چٹھی یہ تھی:—

“مائی! میں یہ چٹھی تمہیں یہ بتانے کے لیے لکھ رہا ہوں کہ میں زندہ اور خیریت سے ہوں۔ ہم نے سرور کے لوگوں کو ہرا دیا ہے۔ بلغاریہ زندہ باد! میں اچھی طرح ہوں۔ رگل استوبانور بھی اچھی طرح ہے۔ چچا دیمتر بھی اچھی طرح سے ہیں اور اپنی ماں کو سلام بھیجتے ہیں۔ سرور کے لوگ ہمیشہ ایک ساتھ اپنی بلدیوں میں چہرتے ہیں۔ پو جب ہم جواب میں لکھا کہ تم کو بڑھتے ہیں تو وہ دے کر جاتے ہیں۔ میں اپنا ہسٹر بلدیوں کے یہاں بھول آیا تھا وہ وہاں سے منگا لیتا۔ بچے اسے کہیں خراب نہ کر دیں۔ تل ہم ترائوستان کی کھانسیں میں سے نیڑی کے ساتھ نکل جائیں گے۔ میں جب گھر لوٹوں گا تو لینا کے لئے نہیں شہر سے کوئی اچھی سی چیز لیتا آؤں گا۔ تمہارے خرچ کے لئے میں ایک لیو (بلغاریہ کا ایک سکہ) بھیج رہا ہوں۔ جب گھر آؤں گا تو رادل جو کو بٹونگا کہ تپ کے گولہ کس طرح آواز کرتے ہیں۔

ستویان دوئے و

“بڑے پیٹر کو میرا بہت بہت سلام کہنا۔ میں انہیں سرور کی ایک بندوق بھیجنا چاہتا تھا پر انتظام نہیں کر سکا۔ وہ لوگ بندوق تو بہت دور سے چلاتے ہیں پر ان کا نشانہ ٹھیک نہیں پڑھتا۔ ماں! استویان کو بھی میرا سلام کہنا۔“

تसेنا کا دھڑکنے والا دل ٹپکا۔ اپنے بڑے ہاتھوں میں چٹھی لیتے وہ ستویان کے گھر گئے۔ سب کا بڑا خوشی ہوئی۔ پر سب سے زیادہ خوشی رادل جو کو ہوئی۔ وہ خوش ہو کر یہ سوچنے لگا کہ میرا بڑا بیٹا جب گھر لوٹے گا تو مجھے ایک نیا گانا سکھائے گا۔

گلی میں پھرتے ہی تसेنا کو لڑائی کے کھیلوں کا ایک نیا گانا مل گیا۔ ستویان کا ایک سپاہی ان کے پیچھے-پیچھے تھا۔ اس سپاہی کی شکل ستویان سے اتنی ملتی ہوئی تھی کہ بار بار تسیفا کو شک ہوا کہ وہ ستویان ہی ہے۔ پر وہ کوئی اور نہ تھا۔ تسیفا نے جھٹ سے بڑھ کر اس سے پوچھا چاہا کہ اسے ستویان کی بیوی کچھ خبر ہے یا نہیں۔ پر ملو بولنے سے پہلے اس کا دلہان سرور کے دروازوں کی طرف گیا۔ جنگ کے فوری اس نے جھڑپوں میں پہلے بار دیکھ لیا۔

تسیفا نے ان قیدیوں کی طرف دیکھ کر کہا:—“اے ایشور! کیا یہی سرور کے لوگ ہیں؟ خاصہ اچھے آدمی ہیں..... ان بچاروں کی ماںیں کہاں ہونگی؟ کیا کہتی ہونگی؟..... انہیں کیا پتہ ان کے بچے کہاں ہیں؟“

क्या वह घर आ रहा है ?

कपड़े उठाए, उनके नीचे से उसने एक मोमबत्ती निकाली और घर के छोटे से उपासनाघर के सामने उस बत्ती को जलाकर दुआ माँगनी शुरू की।

ठीक उस समय डूंग-मान के मैदान में तापें गोले उगल रही थीं, नवम्बर 1885 की चौथी तारीख थी।

[2]

बुढ़िया तसेना ने उस रात को एक सपना देखा:—

एक बहुत बड़ा बादल है, और एक कौज उस बादल के अन्दर घुसी चली जा रही है, स्तोयान भी उसी कौज में है।

तसेना ने सपने ही के अन्दर डरकर कहा:—“ऐ माता मेरी ! ऐ प्रभु ईसा की माँ ! मेरा जी डरता है !”

बादल गरजा, आसमान में बिजली कड़की, धरती हिल गई—जंग की सी हालत मालूम हुई, उसी बादल में स्तोयान गुम हो गया, कहाँ चला गया ! अब क्या होगा !

माँ काँपकर जाग उठी, कांठरी में घुम अँधेरा था, बाहर ठण्डी हवा सन-सन कर रही थी, लड़ाई का नक़्शा माँ की आँखों के सामने से फिर रहा था।

माँ ने कहा:—“ऐ ईश्वर ! ऐ प्रभु ! ऐ ईसा मसीह ! उसका रक्षा करना.....प्रभु ईसा की माँ मेरी ! स्तोयान पर दया करना !”

उसके बाद सुबह तब बुढ़िया तसेना को सोद न आई, सुबह होते ही वह गाँव के सयाने बूढ़े पीटर के पास गई, उसने पीटर से पूछा—“चचा पीटर ! सन में बादल दिखाई देने का क्या मतलब होता है ?”

पीटर ने जवाब दिया:—“बादल वा तरह के हाते हैं, कुछ बादल वह हाते हैं जो बरसते हैं और कुछ बादल वह हाते हैं जो बारिश का इधर-उधर छिटका देते हैं, तसेना ! तुमने सपने में किस तरह का बादल देखा था ?”

तसेना ने अपना सपना बयान कर दिया, बूढ़ा पीटर कुछ देर सांचता रहा, उसे याद नहीं आ रहा था कि उसकी पाथी में उस तरह के बादल का जिक्र है या नहीं, पर जब उसने तसेना के चेहरे पर डर और घबराहट देखी और यह देखा कि तसेना टिकटिका लगाए उसका आर देख रही है, तो उसने तसेना पर दया करके कहा:—“तसेना ! फ़िक्र मत करा, सुन्दारा सनना अच्छा सनना है, बादल का मतलब यहाँ सन्देस स है, तुम्हें स्तोयान की बिड्ढा मिलेगी।”

बुढ़िया का चेहरा चमक उठा।

दो दिन के बाद एक वालन्टियर ने जो स्तोयान का दास्त था, स्तोयान की माँ का स्तोयान की एक बिड्ढो लाकर दी, स्तोयान उस समय सरावया के कुछ युद्ध के कैदियों को

कामे आता, उन के लिये से उस ने एक मेमबत्ती लगी और घर के चोरे से आसनाघर के सामने उस बत्ती को जलाकर दुआ माँगनी शुरू की।

ठीक उस समय डूंग-मान के मैदान में तापें गोले उगल रही थीं, नवम्बर 1885 की चौथी तारीख थी।

[2]

बुढ़िया तसेना ने उस रात को एक सपना देखा:—

एक बहुत बड़ा बादल है, और एक कौज उस बादल के अन्दर घुसी चली जा रही है, स्तोयान भी उसी कौज में है।

तसेना ने सपने ही के अन्दर डरकर कहा:—“ऐ माता मेरी ! ऐ प्रभु ईसा की माँ ! मेरा जी डरता है !”

बादल गरजा, आसमान में बिजली कड़की, धरती हिल गई—जंग की सी हालत मालूम हुई, उसी बादल में स्तोयान गुम हो गया, कहाँ चला गया ! अब क्या होगा !

माँ काँपकर जाग उठी, कांठरी में घुम अँधेरा था, बाहर ठण्डी हवा सन-सन कर रही थी, लड़ाई का नक़्शा माँ की आँखों के सामने से फिर रहा था।

माँ ने कहा:—“ऐ ईश्वर ! ऐ प्रभु ! ऐ ईसा मसीह ! उसकी रक्षा करना.....प्रभु ईसा की माँ मेरी ! स्तोयान पर दया करना !”

उसके बाद सुबह तब बुढ़िया तसेना को सोद न आई, सुबह होते ही वह गाँव के सयाने बूढ़े पीटर के पास गई, उसने पीटर से पूछा—“चचा पीटर ! सन में बादल दिखाई देने का क्या मतलब होता है ?”

पीटर ने जवाब दिया:—“बादल दो तरह के हाते हैं, कुछ बादल वह हाते हैं जो बरसते हैं और कुछ बादल वह हाते हैं जो बारिश का इधर-उधर छिटका देते हैं, तसेना ! तुमने सपने में किस तरह का बादल देखा था ?”

तसेना ने अपना सपना बयान कर दिया, बूढ़ा पीटर कुछ देर सांचता रहा, उसे याद नहीं आ रहा था कि उसकी पाथी में उस तरह के बादल का जिक्र है या नहीं, पर जब उसने तसेना के चेहरे पर डर और घबराहट देखी और यह देखा कि तसेना टिकटिका लगाए उसका आर देख रही है, तो उसने तसेना पर दया करके कहा:—“तसेना ! फ़िक्र मत करा, सुन्दारा सनना अच्छा सनना है, बादल का मतलब यहाँ सन्देस स है, तुम्हें स्तोयान की बिड्ढा मिलेगी।”

बुढ़िया का चेहरा चमक उठा।

दो दिन के बाद एक वालन्टियर ने जो स्तोयान का दास्त था, स्तोयान की माँ का स्तोयान की एक बिड्ढो लाकर दी, स्तोयान उस समय सरावया के कुछ युद्ध के कैदियों को

انکے ساتھ ایک پلٹن بھی جو ہرمانلی سے آ رہی تھی۔ ہرمانلی میں وہ تڑپوں سے لڑے۔ کئی تھی۔ اب وہ صوفیا کے مردان پر جا رہی تھی جہاں اسے سروریا والوں سے لڑنا تھا۔

رنگروٹوں کو دیکھ کر گاؤں والوں کی بھیڑ میں سے ایک نے کہا:—”وہ دیکھو، جارجی کا بھٹا سوئیٹکو جا رہا ہے! سوئیٹکو! خدا حافظ!“

دوسرے نے کہا:—”وہ دیکھو، رنگل جا رہا ہے!“

تیسرے نے کہا:—”اور وہ ندلکا کا بیٹا آئیہوں جا رہا ہے۔ آئیہوں! دیکھو تمہاری ماں تھڑی ہے!“

جلدی جلدی میں بھیڑ میں سے کچھ نے کچھ رنگروٹوں کو پھول دیئے۔ گاؤں کے لوگوں سے آنسو بہتے جاتے تھے۔ شدید آدمے منہ سے نکلتے تھے اور آدمے اندر ہی اندر تھٹ تڑ رہ جاتے تھے۔ رنگروت فوج کے ساتھ آگے بڑھتے جاتے تھے۔

انہوں نے کہا:—”وہ دیکھو، رنگل جا رہا ہے!“

آٹھ برس کے ایک لڑکے نے جو اسی لڑکی کے پاس کھڑا تھا اپنے ہاتھ رنگروٹوں کی طرف بڑھا کر چلا کر کہا:—”استویان بھیا!“

ماں نے روتے روتے کہا:—”میرے بیٹے! میرے لال!“

کالی آنکھوں والا ایک سندر تندرست نوجوان قطار میں سے باہر نکل پڑا۔ اس نے اپنی ماں کا ہاتھ چومنا، اپنی بہن اور اپنے بھائی کا ہاتھ چومنا، ان سے لے کر کچھ پھول اس نے اپنی چھاتی میں لگائے۔ ایک اور نوجوان لڑکی نے بھی اسے کچھ پھول دیئے۔ انہیں اس نے اپنے کانوں پر رکھ لیا۔ پھر جلدی سے دور کر وہ قطار میں جا ملا اور سب کے ساتھ گانا گاتا چلا گیا۔

ماں نے دور سے بھلا کر کہا:—”میرے لال! خدا حافظ!“

بہن نے قریب قریب دھڑکیں ہوتے ہوئے چھٹ کر کہا:—”استویان!“

ان سب کی آوازیں گونج کر رہ گئیں۔ استویان ہائی سپاہیوں کے اندر نظر سے اوجھل ہو گیا۔ رنگروت کھڑے کھڑے میں دکھائی دینے بند ہو گئے۔

ماں کچھ دیر تک انہیں ہٹا ہٹا کر اُسی طرف دیکھتی رہی پر اب دیکھنے کو کچھ نہ تھا۔

نوجوان لڑکی نے اپنی جلدی کا دھارداریلہ اپنے سر پر ڈال لیا۔

گھر لوٹ کر استویان کی ماں بٹھی رہی۔ اس نے ایک پرانا ٹوٹا ہوا صندوق کھولا۔ اس میں سے کچھ قمیضیں اور

ان کے ساتھ ایک بلنگن تھی جو ہرمانلی سے آ رہی تھی۔ ہرمانلی میں وہ تڑپوں سے لڑے۔ کئی تھی۔ اب وہ صوفیا کے مردان پر جا رہی تھی جہاں اسے سروریا والوں سے لڑنا تھا۔

رنگروٹوں کو دیکھ کر گاؤں والوں کی بھیڑ میں سے ایک نے کہا:—”وہ دیکھو، جارجی کا بھٹا سوئیٹکو جا رہا ہے! سوئیٹکو! خدا حافظ!“

دوسرے نے کہا:—”وہ دیکھو، رنگل جا رہا ہے!“

تیسرے نے کہا:—”اور وہ ندلکا کا بیٹا آئیہوں جا رہا ہے۔ آئیہوں! دیکھو تمہاری ماں تھڑی ہے!“

جلدی جلدی میں بھیڑ میں سے کچھ نے کچھ رنگروٹوں کو پھول دیئے۔ گاؤں کے لوگوں سے آنسو بہتے جاتے تھے۔ شدید آدمے منہ سے نکلتے تھے اور آدمے اندر ہی اندر تھٹ تڑ رہ جاتے تھے۔ رنگروت فوج کے ساتھ آگے بڑھتے جاتے تھے۔

انہوں نے کہا:—”وہ دیکھو، رنگل جا رہا ہے!“

آٹھ برس کے ایک لڑکے نے جو اسی لڑکی کے پاس کھڑا تھا اپنے ہاتھ رنگروٹوں کی طرف بڑھا کر چلا کر کہا:—”استویان بھیا!“

ماں نے روتے روتے کہا:—”میرے بیٹے! میرے لال!“

کالی آنکھوں والا ایک سندر تندرست نوجوان قطار میں سے باہر نکل پڑا۔ اس نے اپنی ماں کا ہاتھ چومنا، اپنی بہن اور اپنے بھائی کا ہاتھ چومنا، ان سے لے کر کچھ پھول اس نے اپنی چھاتی میں لگائے۔ ایک اور نوجوان لڑکی نے بھی اسے کچھ پھول دیئے۔ انہیں اس نے اپنے کانوں پر رکھ لیا۔ پھر جلدی سے دور کر وہ قطار میں جا ملا اور سب کے ساتھ گانا گاتا چلا گیا۔

ماں نے دور سے بھلا کر کہا:—”میرے لال! خدا حافظ!“

بہن نے قریب قریب دھڑکیں ہوتے ہوئے چھٹ کر کہا:—”استویان!“

ان سب کی آوازیں گونج کر رہ گئیں۔ استویان ہائی سپاہیوں کے اندر نظر سے اوجھل ہو گیا۔ رنگروت کھڑے کھڑے میں دکھائی دینے بند ہو گئے۔

ماں کچھ دیر تک انہیں ہٹا ہٹا کر اُسی طرف دیکھتی رہی پر اب دیکھنے کو کچھ نہ تھا۔

نوجوان لڑکی نے اپنی جلدی کا دھارداریلہ اپنے سر پر ڈال لیا۔

گھر لوٹ کر استویان کی ماں بٹھی رہی۔ اس نے ایک پرانا ٹوٹا ہوا صندوق کھولا۔ اس میں سے کچھ قمیضیں اور

کیا وہ گھر آ رہا ہے؟

آئی آئی بن بن بن بن

[1]

سن 1885 کی بات ہے۔ نومبر کی چوتھی تاریخ تھی۔ جنگ جاری تھی۔ آگرہ کے میدان میں توپیں گولہ اگل رہی تھیں۔

ہندوستان کے بہترین گاؤں میں کھڑا کھڑا ہوا تھا۔ چاروں طرف نمی تھی، ہانسی ہانسی ہانسی ہو رہی تھی۔ گلوں کے چھوٹے، معلوم ہوتا تھا، دے جا رہے ہیں۔ گلوں میں کچھ نہیں ہے۔ ہر ایک لوگ جگہ جگہ جمع تھے اور کچھ چلتا کے ساتھ ہاتھ کر رہے تھے۔

گاؤں کے اندر دو چھوٹی چھوٹی سرائیں ایک دوسرے کے آگے سامنے تھیں۔ دونوں کے بیچ کی سڑک پر سے بیلوں کے بکڑے اور دھاتی ڈھانچے گاڑیوں پر فوجی رسد کے سامان سے لدی ہوئی چوں چوں کرتی چلی جا رہی تھیں۔

انہیں چھوڑ کر اور گلیوں کے بیچ بیچ سے نئے فوجی رگروٹ جا رہے تھے۔ ان میں سے کچھ لمبے لمبے فوجی اور کچھ پتھر ہوئے تھے۔ کچھ بندوق کی کٹ پتھر ہوئے تھے۔ بہت سے اپنے موٹے موٹے کامیاب کی بندوقیں لے کر ان سے اپنی سرحد دور کر رہے تھے۔ پتھروں میں اونچے اونچے جوتے تھے۔ انہیں پو بندوقیں رکھی تھیں جن کے نیچے کڑتوسوں لٹک رہی تھیں۔ بندوقوں کے پتھر والے سروے سے تھیلے لٹک رہے تھے۔ تھیلوں میں گلی سامان تھا۔ سڑک پر گھٹنوں پہنچ کر کچھ نہیں تھی۔ سرحد کٹی تھی۔ بیچ بیچ میں آگے ہی ہو رہے تھے۔ ہر ایک یہ سب رگروٹ ہلستے گاتے چلے جا رہے تھے۔

ایک سرائے کے دروازے پر کچھ کسان، کچھ مسافر اور کچھ فوجی اس پر کھڑے ہوئے ان نوجوان رگروٹوں کو دھان سے دوک رہے تھے۔

ایک طرف گلوں کی کچھ عورتیں، کچھ لڑکیاں اور کچھ بچے بھی کھڑے تھے۔ ان میں سے ادھک تر چھوٹے لڑکے سرحد سے ٹیڑھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خون کی لالی کھل رہی تھی۔

یہ لوگ اس لئے کھڑے تھے کہ جو نوجوان رگروٹ ان کے گلوں سے پھری ہو کر جا رہے تھے انہیں آخری بدائی دیں۔

یہ سب رگروٹ سونپا جا رہے تھے۔

کیا وہ گھر آ رہا ہے؟

شری آئیں وارڈ

[1]

سن 1885 کی بات ہے۔ نومبر کی چوتھی تاریخ تھی۔ جنگ جاری تھی۔ آگرہ کے میدان میں توپیں گولہ اگل رہی تھیں۔

ہندوستان کے بہترین گاؤں میں کھڑا کھڑا ہوا تھا۔ چاروں طرف نمی تھی، ہانسی ہانسی ہانسی ہو رہی تھی۔ گلوں کے چھوٹے، معلوم ہوتا تھا، دے جا رہے ہیں۔ گلوں میں کچھ نہیں ہے۔ ہر ایک لوگ جگہ جگہ جمع تھے اور کچھ چلتا کے ساتھ ہاتھ کر رہے تھے۔

گاؤں کے اندر دو چھوٹی چھوٹی سرائیں ایک دوسرے کے آگے سامنے تھیں۔ دونوں کے بیچ کی سڑک پر سے بیلوں کے بکڑے اور دھاتی ڈھانچے گاڑیوں پر فوجی رسد کے سامان سے لدی ہوئی چوں چوں کرتی چلی جا رہی تھیں۔

انہیں چھوڑ کر اور گلیوں کے بیچ بیچ سے نئے فوجی رگروٹ جا رہے تھے۔ ان میں سے کچھ لمبے لمبے فوجی اور کچھ پتھر ہوئے تھے۔ کچھ بندوق کی کٹ پتھر ہوئے تھے۔ بہت سے اپنے موٹے موٹے کامیاب کی بندوقیں لے کر ان سے اپنی سرحد دور کر رہے تھے۔ پتھروں میں اونچے اونچے جوتے تھے۔ انہیں پو بندوقیں رکھی تھیں جن کے نیچے کڑتوسوں لٹک رہی تھیں۔ بندوقوں کے پتھر والے سروے سے تھیلے لٹک رہے تھے۔ تھیلوں میں گلی سامان تھا۔ سڑک پر گھٹنوں پہنچ کر کچھ نہیں تھی۔ سرحد کٹی تھی۔ بیچ بیچ میں آگے ہی ہو رہے تھے۔ ہر ایک یہ سب رگروٹ ہلستے گاتے چلے جا رہے تھے۔

ایک سرائے کے دروازے پر کچھ کسان، کچھ مسافر اور کچھ فوجی اس پر کھڑے ہوئے ان نوجوان رگروٹوں کو دھان سے دوک رہے تھے۔

ایک طرف گلوں کی کچھ عورتیں، کچھ لڑکیاں اور کچھ بچے بھی کھڑے تھے۔ ان میں سے ادھک تر چھوٹے لڑکے سرحد سے ٹیڑھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خون کی لالی کھل رہی تھی۔

یہ لوگ اس لئے کھڑے تھے کہ جو نوجوان رگروٹ ان کے گلوں سے پھری ہو کر جا رہے تھے انہیں آخری بدائی دیں۔ یہ سب رگروٹ سونپا جا رہے تھے۔

क्रौमी एकता को कायम किया था उसकी बुनियादें अभी काफी मजबूत न हो पाई थीं। सदियों की कमजोरियाँ एक पीढ़ी के अन्दर इतनी आसानी से नहीं मिट सकतीं। सदियों की पुरानी दुशमनियाँ भी अभी कहीं कहीं दिलों में पड़ी सुलग रही थीं। जिन बद्ध कर्त्रीलों को सदियों से एक तरह की मनमानी करने का आदत पड़ गई थी, जो किसी मरकजी ताकत (केन्द्रीय शक्ति) के अधीन होकर रहना, या किसी को टैक्स देना जानते ही न थे, इन सब के दिलों में फायदेमन्द सामाजिक और राष्ट्रीय बन्धनों की कद्र अभी पूरी तरह न जमी थी। इसके अलावा इस तरह के खुदशरज और मौकापरस्त लोगों की भी किसी देश या किसी जमाने में पूरी तरह कमी नहीं होती जो अपने चन्द-रोजा फायदों के लिए अपने देश के हितों के खिलाफ़ रौरी की साजिशों में मददगार हो सकें।

یہی اہمیت کو قائم کیا تھا اس کی بنیادیں ابھی کافی مضبوط نہ ہوئیں تھیں۔ صدیوں کی کمزوریاں ایک پیدہ کی اندر اتنی آسانی سے نہیں مٹ سکتیں۔ صدیوں کی پرانی دشمنیاں بھی ابھی ہیں کہیں دلوں میں پڑی سلگ رہیں تھیں۔ جن بدو جہاز کو صدیوں سے ایک طرح کی من مانی کرلے کی عادت پڑ گئی تھی، جو کسی مرکزی طاقت (کینڈریہ شکتی) کے دھن ہو کر رہتا، یا کسی کو ٹیکس دینا جانتے ہی نہ تھے، ان سب کے دلوں میں فائدہ مند سماجک اور راشتری باندھلوں کی قدر ابھی پوری طرح نہ جسی تھی۔ اس کے علاوہ اس طرح کے خودغرض اور موقع پرست لوگوں کی بھی کسی دیہی کسی زمانے میں پوری طرح کمی نہیں ہوتی جو اپنے چند روزہ اندوں کے لئے اپنے دیہی کے ہٹوں کے خلاف غوروں کی سازشوں میں مددگار ہو سکیں۔

[बाक़ी अगले नम्बर में]

[بانی اگلے نمبر میں]

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 50.

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic. the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations or a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

عراق کے ہندو سے عرب سب سے پہلے بھی تک رومی سلطنت کے حصہ بہ حصہ تھے۔ ان عربوں کے عربوں میں اسلام کا پرچار کرنے کے لئے محمد صاحب سکڑوں پرچارک بھیج چکے تھے۔ روم کے عیسائی بادشاہوں کی زندگی میں اس سے مذہبی آزادی کی گنجائش نہ تھی۔ روم کے اس سے کے انہماچوں اور وہاں کی۔ پرچار کی حالت کا ذکر ہم ایک دوسری جگہ کریں گے۔ وہاں نے جن عربوں نے نیا دھرم قبول کیا انہیں رومی شاستوں نے موت کی سزا دیلی شروع کی۔ محمد صاحب کے پہلے پہلے عربوں پرچاروں کو انہوں نے قتل کروا دیا۔ وہاں کے زیادہ تر عربوں میں اس سے نفرت تھی۔ شامی دھرم کے ساتھ پریم اور زیادہ بڑھا۔ بہت سے عرب قبیلوں نے جو عیسائی ابتدائی تھے، بغدوشی اسلام قبول کر لیا اور رومی سامراج کی اذیتنا چھوڑ کر مدینہ کی نئی راشٹریت سرکار کے ساتھ اپنا سمبندھ جوڑ لیا۔ اس پرکار انہیں عیسائی عرب قبیلوں نے بھی روم سے اپنا تعلق توڑ کر مدینہ کی عرب سرکار کے ساتھ جوڑنا چاہا۔ مدینہ کی دوسری سرکار رومی شہنشاہت کے پہلے پہلے انہماچ (لڑی) تھا۔ محمد صاحب ہی کے سے میں یہ چھڑ چکا تھا۔ واسکو میں یہ یہ عربوں کی دھارمک اور راجدھتک سوانھیت کا یہ نہا اور اسے جھوت دہنے کے لئے عربوں میں راشٹریت ایک ہی بھاؤنا بھی کافی بھدا ہو چکی تھی۔

موت سے کچھ دن پہلے محمد صاحب نے رومی سامراج کے مقابلے کے لئے شام کی سدھ پر نئی فوج بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ فوج مدینہ سے باہر میدان میں پہنچ چکی تھی۔ محمد صاحب اپنے ہاتھوں سے فوج کی کمانداری کا جھنڈا لوجوان ہونامہ کے ہاتھوں میں سونپ چکے تھے۔ ننگو محمد صاحب کی موت کے کارن اس فوج کا جانا رک گیا تھا۔

حلیفہ ہونے کے دوسرے دن ابوبکر نے فوج کی کمانداری کا جھنڈا ہونامہ کے ہاتھوں میں دے کر اسے فوج کی اور بڑھنے کا حکم دیا۔

ادھر روم کے چالاک حاکموں نے بھی محمد صاحب کی موت سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ پورے عرب میں اور خاص کر ان عربوں میں جو اس سے پہلے روم یا ایران کے ماتحت رہ چکے تھے، مدینہ کی نئی سرکار کے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ چاروں اور سے بغاوتوں کی خبریں آئے لکن یہاں تک کہ بغاوتوں کے کئی نئے دعویدار کھڑے ہو گئے۔

23 برس کی کٹھن تھیں اور قربانوں کے ذریعہ محمد صاحب نے الگ الگ قبیلوں کی جگہ جس

موت سے کچھ دن پہلے محمد صاحب نے رومی سامراج کے مقابلے کے لئے شام کی سدھ پر نئی فوج بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ فوج مدینہ سے باہر میدان میں پہنچ چکی تھی۔ محمد صاحب اپنے ہاتھوں سے فوج کی کمانداری کا جھنڈا لوجوان ہونامہ کے ہاتھوں میں سونپ چکے تھے۔ ننگو محمد صاحب کی موت کے کارن اس فوج کا جانا رک گیا تھا۔

حلیفہ ہونے کے دوسرے دن ابوبکر نے فوج کی کمانداری کا جھنڈا ہونامہ کے ہاتھوں میں دے کر اسے فوج کی اور بڑھنے کا حکم دیا۔

ادھر روم کے چالاک حاکموں نے بھی محمد صاحب کی موت سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ پورے عرب میں اور خاص کر ان عربوں میں جو اس سے پہلے روم یا ایران کے ماتحت رہ چکے تھے، مدینہ کی نئی سرکار کے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ چاروں اور سے بغاوتوں کی خبریں آئے لکن یہاں تک کہ بغاوتوں کے کئی نئے دعویدار کھڑے ہو گئے۔

23 برس کی کٹھن تھیں اور قربانوں کے ذریعہ محمد صاحب نے الگ الگ قبیلوں کی جگہ جس

ابوبکرؓ مودھماد ساھب کے سب سے شرف کے انویاھیں اور بہت بڑے بھکوں میں سے تھے۔ مودھماد ساھب کی پیاری بیوی آھیشا کے بھد پیتا تھے۔ اسلام قبول کرنے کے پہلے وہ عرب کے ایک بہت بڑے بھنے سواداگر تھے۔ اسلام قبول کرنے کے باء انھوں نے اپنی ساری جائیداد اسلام کے پھار، مسلمانوں کی خدمت اور ان مسلمانوں کو خریء خریء کر آزاد کر دیے میں خریء کر دی تھی جھیں ان کے پوتے، مذھب ماننے والے آفا ان کے مسلمان ہو جائے کے سب سے نکلیفیں پہچایا کرتے تھے۔ 15 اپنے نیاگ، اپنی اشور بھکتی، اپنی دوراندیشی، اپنی دھلیت اور اپنے چلن کی پاکیزگی کے سبب ابوبکرؓ اپنے سب ساتھیوں کے آءر کے پاتر تھے۔ کچھ انتھاکاروں کے مطابق محمد صاحب کے بعد عرب اور اسلام کے حق میں اس سے بہتر چٹاؤ نہ ہو سکتا تھا۔

جس دن محمد صاحب کا شریء دھرتی کو سوپلا گیا اسی دن مدینہ کی عالیشان مسجد میں جو مسلمان جمع ہوئے انھیں نماز پڑھانے کے لئے ابوبکرؓ ممبر پر پہنچے۔ مسلمانوں کی جماعت کو نماز پڑھانا اسلام کے انھاس میں ہمیشہ رعمنائی کی نشانی سمجھی گئی تھی۔ نماز سے پہلے موجود لوگوں نے ایک آواز سے ابوبکرؓ کو 'خلیفہ' ماننا منظور کیا۔ ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر یہ سیدھی سادی تقریر کی—

"اے لوگو! میں سب سے بہتر آدمی نہیں ہوں، پھر بھی اب میں تمھارے اور خادم ہوں۔ اگر میں بھلائی کروں تو مہربی مدد کرو اور اگر برائی کروں تو مہربی برائی بتا دینا۔ ہمیشہ سچ کے پیچھے چلنا۔ بری وفاداری ہے۔ جھوٹ سے بچنا کیونکہ اس میں دغا ہے۔ تم میں سے جو کمزور اور دھکی ہے وہ اس وقت تک مہربے لئے طاقتور ہوگا جب تک کہ میں اس کے دھور کو دور نہ کر سکوں؛ اور تم میں جو بلوان اور ظالم ہے وہ اس وقت تک مہربے لئے کمزور ہوگا جب تک کہ' بدی اللہ نے جانا تم' میں اس سے وہ سب نہ لے لوں جو اس نے آناچار دوارا دوسرے سے لیا ہے۔ اللہ کی راہ میں کوشش کرنا نہ جھوڑنا جو ظلم کرے گا اے اللہ بیشک نیچا دکھائے گا۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی ہدایتوں کے مطابق چلوں تم بھی میرا حکم ماننا اور جہاں کہیں میں ان کی ہدایتوں پر عمل نہ کروں تم میرا حکم نہ ماننا۔ اب نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے۔"

ابوبکرؓ کی راج اس وقت ساٹھ برس کی تھی۔

ابوبکرؓ کی عمر اس وقت ساٹھ برس کی تھی۔

15. Preaching of Islam, T. W. Arnold, p. 10.

کے پاس ہم سب کو لڑکر جاتا ہے، اگر وہ سب لوگ اسلام قبول کر لیں تو ان سے وہ تینوں چھڑیاں مانگنا جن کی وہ پوجا کرتے ہیں، ان میں سے ایک نمشک کی ہے جس پر سفید اور پھٹی چٹیاں ہیں۔ دوسری ہوت کی طرح گرداں ہے اور تیسری اہلوس کی طرح گالی ہے۔ ان تینوں چھڑیوں کو باہر میدان میں لڑکر جلا ڈالا۔“

ابھار لکھتا ہے کہ اس نے پیغمبر کی اکھیاں کا ٹھیکہ ڈالنا کہا۔ شامی اور ونہمہ کے ساتھ اپنے دھرم کا پرچار کیا اور کچھ دنوں میں ہی یمن کے سب لوگوں نے نہا مذہب قبول کر لیا۔

شروع کے دنوں میں انیک پرچاروں کے ذاکموت رہنے، مصیبتیں جھیلنے اور مارے جانے کا بی ڈر آنا ہے، لیکن جس ادھک پاک اور ادھک سول دسارک دشواس دو اور جس اوسچے ساماجک سنگتوں کو اسلام نے عربوں میں پیدا کیا اس کی قدر لوگوں کے دلوں میں بڑھتی چلی گئی۔ دھیرے دھیرے محمد صاحب کی زندگی میں ہی قریب قریب سب عرب قبیلوں نے نئے مذہب کو قبول کر لیا۔ مدینہ کی بڑھتی ہوئی قومی طاقت اور اسی کے ساتھ ساتھ انک ایک فیملوں کی دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی سنگتوں نے بھی اسلام کے پرچار میں بہت بڑی مدد دی۔

[۲]

[2]

محمّد صاحب ایک معمولی غریب گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنی موت سے پہلے وہ سوچے عرب کے بادشاہ تھے۔ ان کی بادشاہت سنسار میں ایک انوکھی اور نئے نمشک کی بادشاہت تھی۔ عرب میں نئے مذہب کی انہوں نے بڑھاد رکھی اور انہ کے رسول کی انہیں پوری ملی۔ اس بادشاہت کو نہ انہوں نے اپنے پرروں یا بزرگوں سے حاصل کیا تھا اور نہ اے اپنے خاندان میں جاری رکھنے کا ہی اُن کا وچار تھا۔ اُن کا دیہانت ہوتے ہی لوگوں کو اس بات کی فکر ہوئی کہ مسلمانوں کی رہنمائی اور عرب کی نئی قومی سرکار کو چلانے کے لئے اب کیا انتظام کیا جائے؟ دوسرا رسول خدا کو کوئی نہ ہو سکتا تھا لیکن مدینہ کی ندی کے لئے محمد صاحب کا وارث چنا جانا بھی ضروری تھا۔ کچھ صلاح مشورے کے بعد جس کی تفصیل میں جانا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے۔ مدینہ نے خاص خاص لوگوں نے جمع ہوکر، جن میں انصار اور محتاج دروس شامل تھے، ایک راہ سے ابوہریرہ کو محمد صاحب کا وارث چنا اور ’حذیفہ الرسول‘ یعنی رسول کے خلیفہ (پرہندہ) کی حیثیت سے ابوہریرہ نے عربوں کی اس نئی قومی طاقت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی۔

محمّد صاحب ایک معمولی غریب گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنی موت سے پہلے وہ سوچے عرب کے بادشاہ تھے۔ ان کی بادشاہت سنسار میں ایک انوکھی اور نئے نمشک کی بادشاہت تھی۔ عرب میں نئے مذہب کی انہوں نے بڑھاد رکھی اور انہ کے رسول کی انہیں پوری ملی۔ اس بادشاہت کو نہ انہوں نے اپنے پرروں یا بزرگوں سے حاصل کیا تھا اور نہ اے اپنے خاندان میں جاری رکھنے کا ہی اُن کا وچار تھا۔ اُن کا دیہانت ہوتے ہی لوگوں کو اس بات کی فکر ہوئی کہ مسلمانوں کی رہنمائی اور عرب کی نئی قومی سرکار کو چلانے کے لئے اب کیا انتظام کیا جائے؟ دوسرا رسول خدا کو کوئی نہ ہو سکتا تھا لیکن مدینہ کی ندی کے لئے محمد صاحب کا وارث چنا جانا بھی ضروری تھا۔ کچھ صلاح مشورے کے بعد جس کی تفصیل میں جانا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے۔ مدینہ نے خاص خاص لوگوں نے جمع ہوکر، جن میں انصار اور محتاج دروس شامل تھے، ایک راہ سے ابوہریرہ کو محمد صاحب کا وارث چنا اور ’حذیفہ الرسول‘ یعنی رسول کے خلیفہ (پرہندہ) کی حیثیت سے ابوہریرہ نے عربوں کی اس نئی قومی طاقت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی۔

کر لیا۔ موہممد ساہب نے اسے اپنے کنبیلے میں جا کر پرچار کرنے کی ہدایت دی۔ توفیل کو شہر میں کچھ ناامیدی ہوئی۔ اس نے مدینہ واپس آ کر محمد صاحب سے کہا—”بنوؤاس ہٹی ہیں، آپ انہیں بدعا دیجئے۔“ محمد صاحب نے ایشور سے دعا کی—”اے اللہ! بنوؤاس کو سچا راستہ دکھا۔“ انہوں نے طفیل کو دلاسا اور ہمت دلا کر دھیرج و رشتہ کی طرف لے جایا۔ توفیل نے ایک ایک گھر جا کر شانتی کے ساتھ نئے مذہب کا پرچار کیا۔ سن چہ ہجری تک بنوؤاس قبیلے کے زیادہ تر لوگوں نے نئے مذہب کو مان لیا، اس کے دو برس بعد پورے قبیلے نے اپنے پرانے بتوں کی پرچا کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ طفیل نے اب لکڑی کے اس لٹے کو جس کو اس قبیلے کے لوگ دیوتا سمجھ کر پوجا کرتے تھے، سب کی رضامندی سے آگ لگا دی۔ 14

یمن سب کے اسلام قبول کرنے کی کہانی اور بھی دلچسپ ہے۔ ذیل میں لکھتا ہے کہ موہممد ساہب نے ایشور ابن ابی اسلمہ بن ابی اسلمہ نام کے ایک شخص کے ہاتھ وہاں کے ہمیار قبیلے کے کچھ لوگوں کے پاس ایک خط بھیجا جس میں اسلام کے خاص خاص اصولوں کی طرف ان کی توجہ دلائی اور انہیں نیا مذہب قبول کرنے کی دعوت دی۔ چلتے سمے محمد صاحب نے ایشور سے کہا—

”جب تم پہنچو تو رات میں ان کے شہر میں داخل نہ ہونا۔ صبح ہونے تک شہر کے باہر ہی ٹھہرنا۔ صبح اچھی طرح نہا دھو کر دو رکعت نماز پڑھنا اور اللہ سے دعا مانگنا کہ تمہیں اپنے مشن میں کامیابی دے اور تمہاری حفاظت کرے۔ پھر اپنے دامن ہاتھ سے پورا خط ان کے دامن ہاتھ میں دینا۔ وہ اسے لے کر قرآن کی آیتوں کی صورت میں انہیں پڑھ کر سنا دے گا۔ تم ختم کر چکو تو کہنا—”محمد نے اس پر وشواس لیا ہے اور میں نے بھی وشواس کیا ہے، اللہ چاہے گا تو تم ان کی ہر شکا کا سامان کر سکو گے۔ اگر وہ کوئی بات کسی غیر بن میں پوچھیں تو ان سے ترجمہ کرا لینا اور ان سے کہا، میرے لئے ایک اللہ بس ہے۔ میں اسی کی بھیجی ہوئی کتاب میں وشواس کرتا ہوں۔ مجھے انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے دلوں کا پل ہمیں ملے گا اور تمہارے دلوں کا نہیں۔ ہم میں اور تم میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اللہ ہم سب کو ملے دے گا اور اسی

یمن سب کے اسلام قبول کرنے کی کہانی اور بھی دلچسپ ہے۔ ذیل میں لکھتا ہے کہ موہممد ساہب نے ایشور ابن ابی اسلمہ بن ابی اسلمہ نام کے ایک شخص کے ہاتھ وہاں کے ہمیار قبیلے کے کچھ لوگوں کے پاس ایک خط بھیجا جس میں اسلام کے خاص خاص اصولوں کی طرف ان کی توجہ دلائی اور انہیں نیا مذہب قبول کرنے کی دعوت دی۔ چلتے سمے محمد صاحب نے ایشور سے کہا—

”جب تم پہنچو تو رات میں ان کے شہر میں داخل نہ ہونا۔ صبح ہونے تک شہر کے باہر ہی ٹھہرنا۔ صبح اچھی طرح نہا دھو کر دو رکعت نماز پڑھنا اور اللہ سے دعا مانگنا کہ تمہیں اپنے مشن میں کامیابی دے اور تمہاری حفاظت کرے۔ پھر اپنے دامن ہاتھ سے پورا خط ان کے دامن ہاتھ میں دینا۔ وہ اسے لے کر قرآن کی آیتوں کی صورت میں انہیں پڑھ کر سنا دے گا۔ تم ختم کر چکو تو کہنا—”محمد نے اس پر وشواس لیا ہے اور میں نے بھی وشواس کیا ہے، اللہ چاہے گا تو تم ان کی ہر شکا کا سامان کر سکو گے۔ اگر وہ کوئی بات کسی غیر بن میں پوچھیں تو ان سے ترجمہ کرا لینا اور ان سے کہا، میرے لئے ایک اللہ بس ہے۔ میں اسی کی بھیجی ہوئی کتاب میں وشواس کرتا ہوں۔ مجھے انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے دلوں کا پل ہمیں ملے گا اور تمہارے دلوں کا نہیں۔ ہم میں اور تم میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اللہ ہم سب کو ملے دے گا اور اسی

وہی طرح کی کوششوں کی جاتی رہی جس طرح کہ اس سے پہلے محمد صاحب کی راج نہتک لڑتا کے دلوں میں کی جاتی تھیں۔ 11 لی. ڈاؤ. ارنلڈ نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں انہی گھنٹاؤں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک ہم نیچے نقل کرتے ہیں :-

جس طرح مکہ میں حضرت عمر ابن خطاب نے اسلام دھرم کو قبول کیا تھا اسی طرح کی کہانی مدینہ میں امر ابن وحب کی ہے۔ قریش نے محمد صاحب کی گھٹ مٹھا کے ارادے سے عمرو کو بدر کی لڑائی کے بعد مکہ سے مدینہ بھیجا۔ اسلام دھرم کے اصولوں کے بارے میں عمرو کی محمد صاحب سے دیر تک تحصیل میں بات چیت ہوئی۔ شریف زکریا عمرو جو قریشوں کی شاہی سے محمد صاحب کو قتل کر کے گیا تھا اس بات چیت کے بعد اسلام کا قائل ہو گیا اور ان کا بیعت بن کر مدینہ سے لوٹا۔

عرب کے مختلف قبیلوں کے جو نمائندے دوسرے کاموں کے لیے محمد صاحب سے ملنے مدینہ آتے تھے ان کے ساتھ محمد صاحب کا ہونا اتنا اچھا ہوتا تھا ان کی شکایات کو وہ اندہ فور سے سنا تھے اور اس طرح انصاف اور خوبصورتی کے ساتھ ان کے ایسی چیزوں کا ہٹا کر دیتے تھے کہ محمد صاحب کا نام جلدی ہی سارے عرب میں مشہور اور سرور پرے ہو گیا اور ایک مہان اور ادارہ شاکس کی حیثیت سے ان کا بھی چاروں اور پہل گیا۔ 12

قبیلوں کے جو نمائندے محمد صاحب سے ملنے آتے تھے ان کے ہاتھ کے لئے ہونے یا جو ایک موقع پر موجود ہوتے تھے ان کے لئے انہی ایسے بیان عرب کے تالاس میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ کسی دوسرے کام کے لئے آتے تھے ان پر محمد صاحب کی بات چیت کا اتنا اچھا اثر ہوتا تھا کہ وہ مسلمان ہو کر لوٹتے اور پھر خود اپنے قبیلوں میں جا کر اسلام کا پرچار کرتے تھے۔ 13

حبیبیا کی جنگ کے بعد جب عرب کے دکھنی صوبوں کے لوگ مدینہ آئے جاتے تھے یمن کے اتر سے ہندو اس قبیلے کے کچھ لوگ محمد صاحب سے ملنے آئے۔ محمد صاحب سے پہلے ہی اس قبیلے کے کچھ لوگوں میں اپنی پرانی بت پرستی کے مخالف استوہ اور کسی ادھک سے دھرم کی پہچ پیدا ہو چکی تھی۔ ارمیں سے اب ایک طفیل نام کے آدمی نے اسلام قبول

عرب کی تاریخ اور اسلام

جس طرح مکہ میں حضرت عمر ابن خطاب نے اسلام دھرم کو قبول کیا تھا اسی طرح کی کہانی مدینہ میں امر ابن وحب کی ہے۔ قریش نے محمد صاحب کی گھٹ مٹھا کے ارادے سے عمرو کو بدر کی لڑائی کے بعد مکہ سے مدینہ بھیجا۔ اسلام دھرم کے اصولوں کے بارے میں عمرو کی محمد صاحب سے دیر تک تحصیل میں بات چیت ہوئی۔ شریف زکریا عمرو جو قریشوں کی شاہی سے محمد صاحب کو قتل کر کے گیا تھا اس بات چیت کے بعد اسلام کا قائل ہو گیا اور ان کا بیعت بن کر مدینہ سے لوٹا۔

عرب کے مختلف قبیلوں کے جو نمائندے دوسرے کاموں کے لیے محمد صاحب سے ملنے مدینہ آتے تھے ان کے ساتھ محمد صاحب کا ہونا اتنا اچھا ہوتا تھا ان کی شکایات کو وہ اندہ فور سے سنا تھے اور اس طرح انصاف اور خوبصورتی کے ساتھ ان کے ایسی چیزوں کا ہٹا کر دیتے تھے کہ محمد صاحب کا نام جلدی ہی سارے عرب میں مشہور اور سرور پرے ہو گیا اور ایک مہان اور ادارہ شاکس کی حیثیت سے ان کا بھی چاروں اور پہل گیا۔ 12

قبیلوں کے جو نمائندے محمد صاحب سے ملنے آتے تھے ان کے ہاتھ کے لئے ہونے یا جو ایک موقع پر موجود ہوتے تھے ان کے لئے انہی ایسے بیان عرب کے تالاس میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ کسی دوسرے کام کے لئے آتے تھے ان پر محمد صاحب کی بات چیت کا اتنا اچھا اثر ہوتا تھا کہ وہ مسلمان ہو کر لوٹتے اور پھر خود اپنے قبیلوں میں جا کر اسلام کا پرچار کرتے تھے۔ 13

حبیبیا کی جنگ کے بعد جب عرب کے دکھنی صوبوں کے لوگ مدینہ آئے جاتے تھے یمن کے اتر سے ہندو اس قبیلے کے کچھ لوگ محمد صاحب سے ملنے آئے۔ محمد صاحب سے پہلے ہی اس قبیلے کے کچھ لوگوں میں اپنی پرانی بت پرستی کے مخالف استوہ اور کسی ادھک سے دھرم کی پہچ پیدا ہو چکی تھی۔ ارمیں سے اب ایک طفیل نام کے آدمی نے اسلام قبول

11. The Preaching of Islam by T. W. Arnold, P. 33.

12. Life of Mohammed by sir William Muir, vol iv, pp. 107-8.

13. Sprenger, vol iii and Ibn Sad Section 118.

لوگوں دونوں سے کہہ دو کہ کیا تم بھی اس اسلام کو قبول کرتے ہو؟ اگر وہ قبول کر لیں تو وہ سچے راستے پر ہیں اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کی مرضی! تمہارا کام صرف سمجھا دینا ہے اور بس۔ اللہ اپنے سب بندوں کے حال کو دیکھتا ہے۔“ 5

”ہم نے ہر کسب کے لیے ہدایت کی بات کر دی ہے۔ اس لیے جو اس کسب کے لیے ہدایت کی بات کر رہے ہیں، ان کے لیے ہدایت کی بات کر رہے ہیں۔ اس لیے جو اس کسب کے لیے ہدایت کی بات کر رہے ہیں، ان کے لیے ہدایت کی بات کر رہے ہیں۔ اس لیے جو اس کسب کے لیے ہدایت کی بات کر رہے ہیں، ان کے لیے ہدایت کی بات کر رہے ہیں۔“ 6

”ہم نے ہر کسب کے لیے ہدایت کی بات کر دی ہے۔ اس لیے جو اس کسب کے لیے ہدایت کی بات کر رہے ہیں، ان کے لیے ہدایت کی بات کر رہے ہیں۔ اس لیے جو اس کسب کے لیے ہدایت کی بات کر رہے ہیں، ان کے لیے ہدایت کی بات کر رہے ہیں۔“ 7

”نہیں، ہم نے تمہیں گواہ کی طور پر بھیجا ہے۔ تم لوگوں کو خوشخبری دو اور آگاہ کرو، تاکہ اللہ میں اور اس کے رسول میں وشواس کریں۔ اللہ کے کام میں سہاؤ دینا اللہ کی عزت کریں اور صبح شام اس کی آپاسنا کریں۔“ 8

جو لوگ ایک بار اسلام قبول کر کے اس سے پہچانیں ان کے لیے قرآن کا صاف حکم ہے۔

”اے محمد! تمہارے سون کو چھوڑ کر ہائی لوگوں میں تمہیں سدا وشواس گہانک بھی ملے گا۔ انہیں چھما کر ان سے ہٹ جاؤ۔ نہیں، اللہ دوسروں پر احسان کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔“ 6

قرآن کی جو صورت سب سے آہور میں آئی اس میں لیا گیا ہے۔

”یہی مشرکوں میں سے کوئی تمہاری شون میں آنا چاہے تو اسے اپنی شون میں لے لو تاکہ وہ اللہ کے نام کو سن سکے۔ اس کے بعد بھی یہی وہ سلام قبول کرنا نامناسب نہ سمجھے۔ تم اسے اس کے استہان تک سوزدشت پہنچا دو کیونکہ یہ نیک ہے چارے اکیانی ہیں۔“ 10

اسی طرح کی اور بہت سی باتیں مقل کی جا سکتی ہیں۔ ”اسلام کا پرچار کرنے اور وشواسی عربوں کو اپنے دھرم میں لانے کے لیے ہجرت کے بعد ٹھہر

5. قرآن 3-19.

6. قرآن 22-66, 67.

7. قرآن 2-256.

8. قرآن 48-8, 9.

9. قرآن 5-13

10. قرآن 8-6.

2. قرآن 3-19.

6. قرآن 22-66, 67.

7. قرآن 2-256.

8. قرآن 48-8, 9.

قرآن 5-13.

10. قرآن 8-6.

अरब की कल्चर, सभ्यता और इस्लाम

विश्वम्भरनाथ पांडे

[1]

इसलाम के पैगम्बर मोहम्मद साहब ने इसलाम के पचार में कौन से तरीके इस्तेमाल किये और दूसरों को इसके मुतालिक क्या दिदायतें दीं इस सिलसिले में कुरान ही कुछ आयातें गौर करने के काबिल हैं—

“ऐ पैगम्बर लोगों को अपने रक्ब की राह में बुलाओ तो अहमलमन्दी की बातों और अच्छी अच्छी नसुहतों से बुलाओ और जब उनके साथ बहस करो तो इस तरह करो के उनके जी को भाए।” 1

“अगर वे कुछ बेजा बात तुमसे कहें तो उसे सब्र के साथ
दर्शित करो और सौजन्य के साथ अलग हट जाओ।”²

“फिर अगर लोग तुम्हारे समझाने पर भी तुमसे मुँह मोड़ लें तो उनको तुम्हारा काम केवल साफ़ साफ़ समझाना है इससे ज्यादा कुछ नहीं।”³

“लेकिन अगर तुम्हारे समझाने पर भी लोग न मानें तो हमने तुम्हें उनका संरक्षक बनाकर नहीं भेजा है, तुम्हारा काम तो केवल इतना ही है कि तुम धन तक हमारा सन्देश पहुँचा दो और बस।” 4

ऊपर की आयतें उस समय की हैं जबकि मोहम्मद साहब मक्के में थे और उन्हें और उनके अनुयाइयों का अपने धार्मिक विचारों के सबब बेहद यातनाएँ भोगनी पड़ी थीं, जिस समय मदीने में पूरे अरब के अनन्य शासक की हस्तियत से मोहम्मद साहब की ताकत अपनी चांदी पर थी उस समय भी कुरान की इस नीति में कोई तब्दीली नहीं हुई.

“अगर वे तुमसे झगड़ा करें” तो उनसे कह दो कि मैंने और जो भी मेरा अनुयायी है उसने एक अल्लाह के सामने मस्तक मुका दिया है, यही इसलाम शब्द का अर्थ है, जिन लोगों के पास इससे पहले के ईश्वरीय ग्रंथ या इलहामी किताबें मौजूद हैं उनसे और अरब के अनपढ़

१. कुरान 16-125.

2. कुरान 10-73.

3 कुरान 16-23.

4. कुरान 42-48.

عرب نے کلچر، سہیتا اور اسلام

وشومبهر ناتھ پانڈے!

[1]

اسلام کے پیغمبر محمد صاحب نے اسلام کے پرچار میں کون سے طریقہ استعمال کئے اور دوسروں کو اُس کے متعلق کیا ہدایتیں دیں اس سلسلے میں قرآن کی کچھ آیتیں غور کرنے کے قابل ہیں۔

”اے پیغمبر لوگوں کو اپنے رب کی راہ میں بلاؤ تو عقل مند
کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے بلاؤ اور جب ان کے
کے ساتھ بحث کرو تو اس طرح کرو کہ ان کے جی کو
بھانے۔“ 1

”نہ دیکھ کچھ بوجھا بات تم سے کہیں تو اُسے صبر کے ساتھ
 ہوا نہت کرو اور سوچنے کے ساتھ انگ ہٹ جاؤ۔ 2
 ”پھر اگر لوگ تمہارے سمجھانے پر بھی تم سے ماہ موز لیں
 تو اُن کو تمہارا کام کیوں صاف صاف سمجھا دینا ہے۔ اِس سے
 زبانہ کچھ نہیں۔“ 3

۱ ایکن اگر تمہارے سمجھانے پر بھی لوگ نہ مانیں تو ہم نے تمہیں اُن کا ستر شک بنا کر نہیں بھیجا ہے تمہارا کام کھیل اتنا ہی ہے کہ تم اُن نک ہمارا ستر دھر پہنچا دو اور بس۔ 4

اوپر کی آنتوں اُس سمہ کی مدین جب کہ محمد صاحب مکہ میں تھے اور انہیں اور ان کے انورہائوں کو اپنے دھارمک وچاروں کے سبب بے حد باتنائوں بھونکی پڑیں تھیں۔ جس سمہ مدینہ میں یورپ کے افسانہ شاکس کی حدیث سے محمد صاحب کی حالت اپنی چوٹی پر تھی اُس سمہ بھی قرآن کی اس ندرتی مدین کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

اگر دے تم سے جیٹوا کریں تو اُن سے نہہ دو کہ
میں نے اور جو بھی میرا انویائی ہے اُس نے ایک اللہ
کے سامنے مستک جھکا دیا ہے۔ یہی اسلام شد کا ارتہ ہے۔
جن لوگوں کے پاس اِس سے پہلے کے ایشوری گرنہ یا
الہامی کتابیں موجود ہیں اُن سے اور عرب کے انپہ

1 فرأى. 16-125

2 قرآن. 10-73.

3 فرآن. 16-28.

4 قرآن. 42-48.

کس سے کیا	صفحہ نمبر	کس سے کیا
1. آخر کی کھچر، سمیتا اور اسلام —ویرمبھرناتھ پانڈے	... 193 ...	1. عرب کی کھچر، سمیتا اور اسلام —ویرمبھرناتھ پانڈے
2. کیا وہ گھر آ رہا ہے؟ —سری آئنون واکر	... 201 ...	2. کیا وہ گھر آ رہا ہے؟ —سری آئنون واکر
3. ہندوستان کی کھچر اور اسلام —ڈاکٹر سید محمد	... 210 ...	3. ہندوستان کی کھچر اور اسلام —ڈاکٹر سید محمد
4. آئنسٹائن کا سیدھانت اور ویدانت —ڈاکٹر مہاوانداس	... 218 ...	4. آئنسٹائن کا سیدھانت اور ویدانت —ڈاکٹر مہاوانداس
5. سن 1905 کا سیدھی آندولن —پنڈت سندرلال	... 223 ...	5. سن 1905 کا سیدھی آندولن —پنڈت سندرلال
6. سواہیات مہیہ —سری 'مہیہ'	... 231 ...	6. سواہیات مہیہ —سری 'مہیہ'
7. کچھ کتابیں	... 237 ...	7. کچھ کتابیں
8. ہماری راے— —پشیا کے گلیے میں پہنڈا؛ ہندی اور پنجابی کا ملگاوا —پنڈت سندرلال	... 239 ...	8. ہماری راے— —پشیا کے گلیے میں پہنڈا؛ ہندی اور پنجابی کا ملگاوا —پنڈت سندرلال

ہندوستان

نمبر 5

نمبر 5 نمبر 24 جلد 24 جلد

نمبر 1957

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 سٹیٹس، بنگالور

145 سٹیٹس، بنگالور

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editor

Suresh Ramabhai

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.

Can be had from—

Manager, NAYA HIND

15, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD

نیچر

اس نمبر کے خاص لیکر اس نمبر کے خاص لیکر

عرب کی کلچر سمیت اور اسلام

—پروفیسر ناظم پاشا

—پروفیسر ناظم پاشا

ہندوستان کی کلچر اور اسلام

—پروفیسر ناظم پاشا

—ڈاکٹر سعید محمود

—ڈاکٹر سعید محمود

آئسٹائن کا سائنس اور وراثت

—ڈاکٹر بھگوانداس

—ڈاکٹر بھگوانداس

سن 1905 کا سربویشی آنکولن

—پروفیسر ناظم پاشا

—پروفیسر ناظم پاشا

—پروفیسر ناظم پاشا

21 500 357

हिन्दी घर

ہندی گھر

कलचर पर हर तरह की किताबें मिलने का एक बड़ा केन्द्र—पाठक हिन्दी, उर्दू, अंग्रेजी की अपनी मन-पसन्द किताबों के लिये हमें लिखें।

हमारी नई किताबें

महात्मा गान्धी की वसीयत

(हिन्दी और उर्दू में)

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने

विद्वान : २२० श्री मंजर अली सांख्ता

सफे 225, कीमत दो रुपया

—:०:—

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

लेखिका—क्रुदसिया जैदी

भूमिका—पण्डित जवाहरलाल नेहरू

मोटा कागज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें

दाम दो रुपया

—:०:—

पण्डित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सफे, दाम ढाई रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सफे, दाम बारह आने

महात्मा गान्धी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत बार आने

बंगाल और उसके सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुहोमज इलाहाबाद

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کیندر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھی واد کے مانے جانے

ویدوان : ۲۲۰ شری منجر علی سانکھتا

صفحہ 225 قیمت دو روپیہ

—:۰:—

گاندھی بابا

(بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب)

لکھک—کرسٹیا جیدی

بھومیکا—پنڈت جواہر لال نہرو

موتا کاغذ، موٹا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں

دাম دو روپیہ

—:۰:—

پنڈت سندھ لال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قرآن

275 صفحہ، دام ڈھائی روپیہ

ہندو مسلم ایکتا

100 صفحہ، دام بارہ آئے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

قیمت بارہ آئے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آئے

بنگلہ اور اس سے سبق

قیمت دو آئے

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

۱۴۵ مہومج ایلاہ آباد

۱۴۵- علی کعبہ، اہلبیت

“آج اتنا تو سبھی قبول کرتے ہیں کہ ان پارلیمنٹوں کے ممبر ضرور اور ہونگی ہوتے ہیں۔ جس دل کا جو ممبر ہوتا ہے وہ آئندہ ملک کو کے کسی دل کو وٹ دیتا ہے کیونکہ تمہارے خیال سے وہ ایسا کرنے کے لئے مجبور ہے۔“

پارلیمنٹی حکومت کے طریقے کے لیے مارتے دم تک گاندھی جی کی یہ رائے رہی اور انہوں نے پیشین گوئی کی کہ اگر ہندوستان میں پارلیمنٹری راج قائم ہو گیا تو اس ملک کو پرہادی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

گاندھی جی کا دل اور دماغ دونوں پر مامولی تھے۔ ان کے سوچنے اور محسوس کرنے کے طریقے بے شمار اور بے انت تھے۔ دراصل وہ ایک شاعر یا کوئی تھے لیکن ایسے کوئی جن کی کلہا شکتی کی آواز چہرہ ہونے، حرفوں میں فہم دہائی دینی ہلکتی تھی اور کڑوں محنت کرنے والے انسانوں کی زندگی میں جھلکتی تھی۔ گاندھی جی ایک سچے فلسفہ تھے لیکن ان کا دماغ خیالی دنیا کی فرضی تصویریں نہیں گڑھتا۔ ان کا دماغ انسانوں آدرشوں اور ان کی خواہشوں کو ایک سانچے میں ڈالتا ہے۔ وہ ایک بہت بڑے نگار تھے لیکن رنگ یا سوئے نگار نہیں۔ وہ نا اُمیدوں کے چہروں کو آشا اور امنگوں کے رنگ سے چمکا دیتے تھے اور ان کے سینوں اور دلوں میں سچے اور سربلے گیت بھر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سارا ہندوستان نظر کے ساتھ کہتا تھا کہ گاندھی جی کا بڑا پیار سارے ملک کا بڑا پیار ہے اور ان کا پیار سارے ہندوستان کا پیار ہے۔

آئیے آج اس موقع پر ہم اپنے اپنے گیرہانوں میں سوئے ڈال کر یہ خیال بین کر کے کہ کھائی تک گاندھی جی کی تالیف پر ہم نے کیا کیا ہے یا کر رہے ہیں یا کرنے والے ہیں۔ اس جواب پر ہی ہندوستان کی قسمت کا دارومدار ہے۔

دارو مبارک ہے،
گاندھی جی جانتی،

2-10-57.

—بیربھرناتھ پانڈے

“آج اتنا تو سبھی قبول کرتے ہیں کہ ان پارلیمنٹوں کے ممبر ضرور اور ہونگی ہوتے ہیں۔ جس دل کا جو ممبر ہوتا ہے وہ آئندہ ملک کو کے کسی دل کو وٹ دیتا ہے کیونکہ تمہارے خیال سے وہ ایسا کرنے کے لئے مجبور ہے۔“

پارلیمنٹری حکومت کے طریقے کے لیے مارتے دم تک گاندھی جی کی یہ رائے رہی اور انہوں نے پیشین گوئی کی کہ اگر ہندوستان میں پارلیمنٹری راج قائم ہو گیا تو اس ملک کو پرہادی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

گاندھی جی کا دل اور دماغ دونوں پر مامولی تھے۔ ان کے سوچنے اور محسوس کرنے کے طریقے بے شمار اور بے انت تھے۔ دراصل وہ ایک شاعر یا کوئی تھے لیکن ایسے کوئی جن کی کلہا شکتی کی آواز چہرہ ہونے، حرفوں میں فہم دہائی دینی ہلکتی تھی اور کڑوں محنت کرنے والے انسانوں کی زندگی میں جھلکتی تھی۔ گاندھی جی ایک سچے فلسفہ تھے لیکن ان کا دماغ خیالی دنیا کی فرضی تصویریں نہیں گڑھتا۔ ان کا دماغ انسانوں آدرشوں اور ان کی خواہشوں کو ایک سانچے میں ڈالتا ہے۔ وہ ایک بہت بڑے نگار تھے لیکن رنگ یا سوئے نگار نہیں۔ وہ نا اُمیدوں کے چہروں کو آشا اور امنگوں کے رنگ سے چمکا دیتے تھے اور ان کے سینوں اور دلوں میں سچے اور سربلے گیت بھر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سارا ہندوستان نظر کے ساتھ کہتا تھا کہ گاندھی جی کا بڑا پیار سارے ملک کا بڑا پیار ہے اور ان کا پیار سارے ہندوستان کا پیار ہے۔

آئیے آج اس موقع پر ہم اپنے اپنے گیرہانوں میں سوئے ڈال کر یہ خیال بین کر کے کہ کھائی تک گاندھی جی کی تعلیم پر ہم نے کیا کیا ہے یا کر رہے ہیں یا کرنے والے ہیں۔ اس جواب پر ہی ہندوستان کی قسمت کا دارومدار ہے۔

گاندھی جی جانتی۔

—وشم: پر ناتھ پانڈے۔

2. 10. 57

کاربند کرے۔ اس کے لیے وہ چاہے کہ حکومت کی طاقت ایک جگہ جما نہ ہو کر چاروں طرف پھیل کر بٹ جائے۔ اس کے لیے وہ چاہے کہ حکومت کی طاقت ایک جگہ جما نہ ہو کر چاروں طرف پھیل کر بٹ جائے۔ اس کے لیے وہ چاہے کہ حکومت کی طاقت ایک جگہ جما نہ ہو کر چاروں طرف پھیل کر بٹ جائے۔

پارلیمنٹ ہیکٹومت میں لوماندگی کا ڈوگ تو ہے ہی اس سے بھی بدکر چناب کا ڈوگ ہے۔ چناب کا آجکل کا ڈوگ جناتا کی برباد کرے۔ والا ہے۔ اس میں ہر طرح کی بے ایمانی، دھوکا، فریب، جرم، زانی، انہماک، فضول خرچی اور دشمنی کا ایک سونا کپل جاتا ہے۔ ان چٹاؤں نے دیہی کے دیہی برباد کر دیے۔ ان کی برائیاں دنوں دن بڑھتی جا رہی ہیں۔ گاندھی جی اس کے سحر کا نیچہ لکھا تھلک بتاتے تھے:—

(1) بوٹروں کی جانکاری کو اور ان کے چلن کو، ان میں نے کی بڑی اور بڑے بڑے کے وچار کو لکھا اونسٹا کو دیا جائے کہ وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو دت دیں جو نیک ہیں، نیاگی ہوں، دوسروں کی سیوا اور بھلائی کرے والا ہوں اور جن میں ایمانداری صادگی اور نمرتا ہو۔

(2) جنٹا میں انٹی طاقت ہو کہ وہ اپنے ان نمائندوں سے سچی سیوا لے سکے اور۔

(3) جب چاہے انہیں بدل سکے گا بھی جنٹا کو حق ہو۔

پارلیمنٹ ہیکٹومت میں چناب سے بھی بڑی اس کی دل بندی ہے جسے پارٹی سسٹم کہا جاتا ہے۔ دو پارٹیاں کا ہونا پارلیمنٹ ہیکٹومت میں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بنا یہ طریقہ چل نہیں سکتا۔ ان پارٹیوں کا یہ بنیادی حق ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنی مقامی دعوں، اس پارٹی، بازی سے دیہی کو جو دھوکا پہونچتا ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پارٹی بازی دیہی بھر میں پھیل پھول کر لگوں اور لگوں کے لیے پھیل جاتی ہے۔ ہر شخص کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ انصاف غیر انصاف سچ جوت، ایمانداری بے ایمانی کا خیال نہ کرتے ہوئے اپنی پارٹی والے کو جٹائے۔ اس لکھ گندھی جی کو پچھمی طریقہ کی اس پارلیمنٹری حکومت سے سخت نفرت تھی۔ 'ہندو سراج' میں وہ لکھتے ہیں:—

"انگلیٹ نی اس سے جو حالت ہے اسے دیکھ کر تو سچ دیا آئی ہے اور میں تو ابھی سے ملتا ہوں کہ بھارت کی ایسی حالت کہی نہ ہو۔ جسے آپ پارلیمنٹ کی ماں کہتے ہیں وہ انگلیٹ کی پارلیمنٹ تو ایک بانس اور ویشا ہے۔ یہ دونوں لکھ کرے میں پر اس پر پوری طرح لگوں ہوتے ہیں۔"

پارلیمنٹ ہیکٹومت میں لوماندگی کا ڈوگ تو ہے ہی اس سے بھی بدکر چناب کا ڈوگ ہے۔ چناب کا آجکل کا ڈوگ جناتا کی برباد کرے۔ والا ہے۔ اس میں ہر طرح کی بے ایمانی، دھوکا، فریب، جرم، زانی، انہماک، فضول خرچی اور دشمنی کا ایک سونا کپل جاتا ہے۔ ان چٹاؤں نے دیہی کے دیہی برباد کر دیے۔ ان کی برائیاں دنوں دن بڑھتی جا رہی ہیں۔ گاندھی جی اس کے سحر کا نیچہ لکھا تھلک بتاتے تھے:—

(1) بوٹروں کی جانکاری کو اور ان کے چلن کو، ان میں نے کی بڑی اور بڑے بڑے کے وچار کو لکھا اونسٹا کو دیا جائے کہ وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو دت دیں جو نیک ہیں، نیاگی ہوں، دوسروں کی سیوا اور بھلائی کرے والا ہوں اور جن میں ایمانداری صادگی اور نمرتا ہو۔

(2) جنٹا میں انٹی طاقت ہو کہ وہ اپنے ان نمائندوں سے سچی سیوا لے سکے اور۔

(3) جب چاہے انہیں بدل سکے گا بھی جنٹا کو حق ہو۔

پارلیمنٹ ہیکٹومت میں چناب سے بھی بڑی اس کی دل بندی ہے جسے پارٹی سسٹم کہا جاتا ہے۔ دو پارٹیاں کا ہونا پارلیمنٹ ہیکٹومت میں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بنا یہ طریقہ چل نہیں سکتا۔ ان پارٹیوں کا یہ بنیادی حق ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنی مقامی دعوں، اس پارٹی، بازی سے دیہی کو جو دھوکا پہونچتا ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پارٹی بازی دیہی بھر میں پھیل پھول کر لگوں اور لگوں کے لیے پھیل جاتی ہے۔ ہر شخص کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ انصاف غیر انصاف سچ جوت، ایمانداری بے ایمانی کا خیال نہ کرتے ہوئے اپنی پارٹی والے کو جٹائے۔ اس لکھ گندھی جی کو پچھمی طریقہ کی اس پارلیمنٹری حکومت سے سخت نفرت تھی۔ 'ہندو سراج' میں وہ لکھتے ہیں:—

"انگلیٹ نی اس سے جو حالت ہے اسے دیکھ کر تو سچ دیا آئی ہے اور میں تو ابھی سے ملتا ہوں کہ بھارت کی ایسی حالت کہی نہ ہو۔ جسے آپ پارلیمنٹ کی ماں کہتے ہیں وہ انگلیٹ کی پارلیمنٹ تو ایک بانس اور ویشا ہے۔ یہ دونوں لکھ کرے میں پر اس پر پوری طرح لگوں ہوتے ہیں۔"

چھ مہینوں میں۔ مہینوں ایک بہت بڑے باپ کا چھ مہینوں میں۔ مہینوں کی مہینوں کے مزدور دوسروں کے نظم میں۔ مہینوں میں کام کرنے والی عورتوں کی حالت اور بھی دردناک ہے۔ اگر مہینوں کا خیال ہمارے دہش میں بوجھا گیا تو یہ دہش بڑا دکھی دیہی ہو جائیگا۔ ممکن ہے مہرے اس کہنے کو لوگ کفر سمجھیں لیکن میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ ہمارے لئے ہندوستان کے اندر ملوں کی تعداد بڑھانے کے بجائے یہ زیادہ اچھا ہے کہ ہم مانیچسٹر کا نمائندہ استعمال کریں اور اپنا روپیہ مانیچسٹر بھیجیں۔ مانیچسٹر کا کپڑا استعمال کرنے سے ہم اپنا دھن نشست کرتے ہیں لیکن ہندوستان کو مانیچسٹر بنانے سے ہمارا ایمان اور انسانیت لشت ہو جائیگی۔“

یورپ کے اقتصادی یا آرٹھک سنگٹھن کا ڈاؤن کا بڑے شہروں کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اس کے خلاف ہندوستانی سپیٹا کا کینڈر (مرکز) گاؤں ہے۔ گاندھی جی کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی آرٹھک اور تعمیراتی بوجھنا کراسوں کے ایہوگ دھندوں پر ہی قائم کرنی ہو گی ورنہ گارن شہروں کے چنگل میں پھنس کر برباد ہوتے رہیں گے اور ہندوستان مالی نقطہ نظر سے کبھی پس نہ سکیگا۔

گاندھی جی اور پارلیمنٹری راج

گاندھی جی اور پارلیمنٹری راج

دنیا کے عام لوگوں میں پارلیمنٹری راج کی اتنی چاہ نہیں ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ راج عام چننا کا راج سمجھا جاتا ہے۔ اس میں چننا اس طرح راجا بنائی جاتی ہے کہ لاہوں آدمی اپنا ایک نمائندہ چنتے ہیں۔ سو پچھ پچھانے نہ آئے جانتے ہیں اور نہ پہچانتے ہیں پھر وہ ان کا نمائندہ بنا جاتا ہے۔ چاہے چلے کے بعد یہ نمائندہ ان کی بات بھی نہیں پوچھتا۔ وہ انہیں اصلی نمائندہ ہی نہیں پہنچا سکتا کیونکہ وہ تو سیکڑوں نمائندوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ اس طرح ایک راجا ہوا کر سیکڑوں راجا بن جاتے ہیں اور سیکڑوں کی شکل میں دس دس بادشاہ بن جاتے ہیں۔ چننا بھجاری دمی لوندی اور داسی بنی رہتی ہے۔ راج کچ چلے گا خرچہ پہلے سے سیکڑوں گنا بڑھ جاتا ہے۔ سرکاری نوکروں کی گنتی، نظروں اور پچھ آناپ سلاپ بڑھ جاتے ہیں۔ انیسویں اور اشٹویں کی شان شوکت کے اقبور پرانے بادشاہوں کو بھی شرماتے ہیں اور یہ کہنا ہے 'چننا کا راج'!

گاندھی جی بولی، چننا کو ٹھیکہ والے اس پارلیمنٹری حکومت کے مایا چال کو جو سے بدل دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے کو چننا قیوم کہتے یعنی سچا لوک ملتی کہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ چننا سچ سچ راجا بنے اور اپنا

گاندھی جی بولی، چننا کو ٹھیکہ والے اس پارلیمنٹری حکومت کے مایا چال کو جو سے بدل دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے کو چننا قیوم کہتے یعنی سچا لوک ملتی کہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ چننا سچ سچ راجا بنے اور اپنا

करने के बजाय जबरदस्ती की और बनावटी एकता कायम करना है।"

गाँधी जी कहा करते थे अहिंसा कमजोर से कमजोर इंसान को भी फौजदारी की सी ताकत दे देती है। उनकी अहिंसा के अचरज भरे नतीजे हमने हिन्दुस्तान में सत्याग्रह की लड़ाइयों में देखे। भारत की स्त्रियाँ बहुत कमजोर और पिछड़ी हुई समझी जाती थीं। गाँधी जी ने उन्हें भी सत्याग्रह में शामिल होने की दावत दी। लोगों ने साचा गाँधी जी दिव्यता को नहीं समझ रहे, मगर उन्हें क्या पता था कि गाँधी जी के सामने आने वाले हिन्दुस्तान की सही तस्वीर है।

थोड़े ही दिनों के बाद नमक सत्याग्रह की लड़ाई में लोगों ने अचरज भरा नजारा देखा। हजाराँ स्त्रियाँ घरों की ममता छोड़कर आजादी की लड़ाई में कूद पड़ीं। जो स्त्रियाँ कभी चौके-चूल्हे से बाहर नहीं निकली थीं, जिन औरतों ने जानानखाने की बन्द रोशनी के बाहर कभी कदम नहीं रखा था, जो शायद ही कभी आम रास्तों पर चली हों, पुराने दकियानूसी रीत-रिवाजों में फँसा हुआ औरतों, शर्मिली और लजीली औरतों, जो घूँघट हटाने की बात न सोच सकती थीं, पुरानी तहजीब पर एतकाद रखने वाली बुजुर्ग औरतों—सब की सब ताकत और हिम्मत बटोर कर जनता के समुन्दर में कूद पड़ीं। बेपदी होते हुये भी जगह जगह उन्होंने सत्याग्रह कमेटियों की सदारत की। कमजोर होते हुये भी उन्होंने सत्याग्रहियों के जत्थों की कमानों की। उन्होंने पुलिस और उनकी लाठियों का सामना किया। धूप और बारिश में बैठकर पिकटिंग की। जेल के सीखचों के भीतर सजायें काटीं, और बाज मौकों पर मशीनगन की गोलियों का भी सामना किया। गाँव की औरतें हँसते हुये अपने खाविन्दों, बेटे और बेटियों को टीका लगाकर जेलखाने भेजतीं। सदियों की दबी और सताई हुई हिन्दुस्तानी नारी ने अपनी कुर्बानी और हिम्मत से सारी दुनिया को अचरज में डाल दिया। यह करिश्मा महान् गाँधी जी की अहिंसा की वजह से हा पाया।

गाँधी जी खादी और गाँव के धन्धों के इसलिये हक में थे कि वे समझते थे कि कल कारखाने और मशीनें शोषण की जड़ हैं। गाँधी जी ने 'हिन्द स्वराज' में लिखा है:—

"मशीनों ने ही हिन्दुस्तान को कंगाल कर दिया। मैनचेस्टर की ही वजह से हिन्दुस्तान की कारीगरी करीब करीब खोप हो चुकी है। मशीनों ने यूरोप को भी बरबाद करना शुरू कर दिया है। बरबादी इस समय अंग्रेजों के दरवाजे खटखटा रही है। आजकल की सभ्यता का खास

करने के बजाय जबरदस्ती की और बनावटी एकता कायम करना है।"

गान्धी जी कहा करते थे अहिंसा कमजोर से कमजोर इंसान को भी फौजदारी की सी ताकत दे देती है। उनकी अहिंसा के अचरज भरे नतीजे हमने हिन्दुस्तान में सत्याग्रह की लड़ाइयों में देखे। भारत की स्त्रियाँ बहुत कमजोर और पिछड़ी हुई समझी जाती थीं। गाँधी जी ने उन्हें भी सत्याग्रह में शामिल होने की दावत दी। लोगों ने साचा गाँधी जी दिव्यता को नहीं समझ रहे, मगर उन्हें क्या पता था कि गाँधी जी के सामने आने वाले हिन्दुस्तान की सही तस्वीर है।

थोड़े ही दिनों के बाद नमक सत्याग्रह की लड़ाई में लोगों ने अचरज भरा नजारा देखा। हजाराँ स्त्रियाँ घरों की ममता छोड़कर आजादी की लड़ाई में कूद पड़ीं। जो स्त्रियाँ कभी चौके-चूल्हे से बाहर नहीं निकली थीं, जिन औरतों ने जानानखाने की बन्द रोशनी के बाहर कभी कदम नहीं रखा था, जो शायद ही कभी आम रास्तों पर चली हों, पुराने दकियानूसी रीत-रिवाजों में फँसा हुआ औरतों, शर्मिली और लजीली औरतों, जो घूँघट हटाने की बात न सोच सकती थीं, पुरानी तहजीब पर एतकाद रखने वाली बुजुर्ग औरतों—सब की सब ताकत और हिम्मत बटोर कर जनता के समुन्दर में कूद पड़ीं। बेपदी होते हुये भी जगह जगह उन्होंने सत्याग्रह कमेटियों की सदारत की। कमजोर होते हुये भी उन्होंने सत्याग्रहियों के जत्थों की कमानों की। उन्होंने पुलिस और उनकी लाठियों का सामना किया। धूप और बारिश में बैठकर पिकटिंग की। जेल के सीखचों के भीतर सजायें काटीं, और बाज मौकों पर मशीनगन की गोलियों का भी सामना किया। गाँव की औरतें हँसते हुये अपने खाविन्दों, बेटे और बेटियों को टीका लगाकर जेलखाने भेजतीं। सदियों की दबी और सताई हुई हिन्दुस्तानी नारी ने अपनी कुर्बानी और हिम्मत से सारी दुनिया को अचरज में डाल दिया। यह करिश्मा महान् गाँधी जी की अहिंसा की वजह से हा पाया।

गाँधी जी खादी और गाँव के धन्धों के इसलिये हक में थे कि वे समझते थे कि कल कारखाने और मशीनें शोषण की जड़ हैं। गाँधी जी ने 'हिन्द स्वराज' में लिखा है:—

"मशीनों ने ही हिन्दुस्तान को कंगाल कर दिया। मैनचेस्टर की ही वजह से हिन्दुस्तान की कारीगरी करीब करीब खोप हो चुकी है। मशीनों ने यूरोप को भी बरबाद करना शुरू कर दिया है। बरबादी इस समय अंग्रेजों के दरवाजे खटखटा रही है। आजकल की सभ्यता का खास

جس ایک ہی ہے اور یہ سب ایک دوسرے کے
مندر ہیں۔ اور جب کبھی آپ سے میں یہ کہتا ہوں کہ
آپ اپنے دلوں سے چھوٹ چھوٹ کو نکال باہر کریں تو میں آپ
سے بھی چاہتا ہوں۔ اس سے کم کچھ نہیں کہ آپ
سموچی انسانی قوم کی برابری اور بلندی یکتا میں وشواس
کریں۔ ایشر ایک ہے۔ وہی سب کا ایشر ہے اور میں سب
سے کہتا ہوں کہ آپ اسے بھول جائے کہ ایک ایشر کے بچوں
میں کوئی نیچ کا کوئی فرق ہو سکتا ہے۔“ (ہریجن 16
نوری 1934)۔

آگے چل کر گاندھی جی نے کہا—”جب ایسا پاک اور
شہہ دن آئیگا تب اسٹوشن کے اوپر ہندو پانی اور مسلم
پانی یا ہندو چائے اور مسلم چائے کی شرمٹاک آرازیں سنائی
نہ دینگی۔ تب اسکولوں اور کالجوں میں ہندوؤں اور غیر
ہندوؤں کے الگ الگ پڑھنے کا انتظام نہ ہوگا۔ نہ الگ الگ
برتن ہونگے تب نہ ذات پات کا یا فرقوں کے نام پر اسکول یا
کالج کے نام ہونگے اور نہ مسلم، ہندو، جین سمبرداہوں کے
نام کے اسپتال ہوں گے۔“ (کنسٹرکٹو پروگرام، صفحہ 4، دسمبر
1941)۔

گجرات ودیا دہتہ میں تقریر کرتے ہوئے ایک بار گاندھی جی نے
کہا تھا—

”میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے مکان کے چاروں طرف اُچی
دیواریں کھڑی ہوں اور سب طرف کی لڑکیاں اُچھڑا کر
بند کر دی گئی ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے مکان کے چاروں
طرف سب ملکوں کی کھل کر ہوا کی طرح پوری آزادی کے ساتھ بہتی
کونی ہو۔ میرے پاؤں اکھاڑ دے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ پرانی
کچر پر ہی ہم گزارا کرتے رہیں بلکہ ہم ایک ایسی نئی
کچر کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں کہ جس کی چڑیاں ملک
کی تہذیب کی پرانی گہرائیوں میں ہوں اور جو ہمارے اب
نک کے تجربوں سے مالا مال ہو۔ ہم ان سب کچروں کے
سوا اور مہل کے طوفان ہیں کہ جو ہندوستان میں باہر سے
آ کر بس گئیں۔ جہاں نے یہاں کی زندگی پر اثر ڈالا اور جن
پر خود یہاں کی دھرتی کا اثر پڑا۔ قدرتی طور پر ہمارا یہ
کچری میل جول اور سلیو شویڈی تھنک کا ہوا جس میں
ہر کچر کو مناسب جگہ ملیگی۔ یہ امریکی تھنک کا نہ ہو
جس میں زیادہ تعداد والے لوگوں کا یا جن کا زور ہے
ان کی کچر اور سب کچروں کو اپنے اندر مضم
ہونہ میں اور جہاں سلیو یا مہل کا مقصد سب راگ
راگنوں کو مل کر ایک مدھر سرب راگ پیدا

رنگ، جاتی، یا مچھڑ کا کوئی سवाल نہیں۔ ہمیں سب کے ساتھ ایک سا محبت کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ اپنے سب کاموں میں سب کی بھلائی کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ ہر بچے، آنکھوں کا ذکر کرتے ہوئے گاندھی جی نے سن 1934 میں کہا تھا:—”اپنی ذہنی، فنی زندگی کے دور میں میں کوئی ایسا سامہور دانک کام ہاتھ میں نہیں لے سکتا جس سے عام جنتا کو کوئی نقصان پہنچے۔ ہر بچوں کی سہوا میں ہی ہر بچے دل کی گہرائی میں یہ خواہش موجود ہے کہ اس سے ساری جنتا اور سب لوگوں کا بھلا ہو۔ کیونکہ میں نہیں ماننا کہ انسان کی زندگی کوئی ایسی الگ الگ کوٹھریوں میں بندھے جن میں ایک ہی دوسرے کو ہوا نہ لگ سکے یا انسانی زندگی کے ٹکڑے ٹٹے جا سکتے ہیں۔ اس کے خلاف انسانی سماج کا جہن ایک ایسی سوچی چوڑی جس کے نہ ایک الگ ٹکڑے ہیں اور نہ ٹکڑے ٹٹے جا سکتے ہیں۔ اس لئے جو چوڑی ایک کے سچے بھلے کی ہے یا ہر سچی ہے وہ ضرور سب کے بھلے کی ہوگی۔ یہ کسوٹی کہیں دھوکا نہیں دے سکتی۔

میں نے اپنی زندگی بھر سب کی بھلائی کے اس اصول میں وشواس کیا ہے۔ اس لئے میں نے کبھی بھی کوئی ایسا کام، فیرکے بارانا یا راشٹریہ، ہاتھ میں نہیں لیا جو پوری انسانیت کو ہمت کے ساتھ نہ لیا جاسکے۔ جب میں نے یہ اچھی طرح دیکھ لیا کہ آجکل ہندوؤں میں جس طرح کی چھوٹ چھوٹ برتی جاتی ہے وہ صرف ہندوؤں کی آگے ہی ترقی کے راستے میں ہی روکاوٹ نہیں ہے بلکہ عام طور پر سب لوگوں کی ترقی کے راستے میں روکاوٹ ہے۔ سرسری نظر سے دیکھنے والا یہی یہ اچھی طرح دیکھ سکتا ہے کہ اس چھوٹ چھوٹ نے نہ صرف اونچے جاتی کے ہندوؤں کو بلکہ ہندوستان میں رہنے والے سب لوگوں کو مسلمانوں، عیسائیوں اور دوسروں کو بھی اسی طرح جکڑ رکھا ہے جس طرح سانپ کسی کو کندلوں میں جکڑ لیتا ہے۔ چھوٹ چھوٹ کے اس پشاج سے بڑھ کر ملے میں ہرے دل کے اندر یہ خواہش نہیں ہے کہ صرف ہندوؤں میں ہی بھائی چارہ قائم ہو جائے، مہاری دلی خواہش یہ ہے کہ انسان انسان کے بھچ بھائی چارہ قائم ہو جائے جس میں ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی اور یہودی سب ایک سماں شامل ہوں کیونکہ مجھے دنیا کے سب بڑے بڑے مذہبوں کی بھلائی سچائی میں وشواس ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ یہ سب مذہب ایشور کے نام ہوتے ہیں۔ اور مجھے وشواس ہے کہ یہ سب مذہب ان لوگوں کے نام ضروری تھے جنہیں یہ ایشور سے ملے۔ مجھے اس بات کا بھی وشواس ہے کہ اگر ہم سب ایک ایک دھرم مذہب کی کتابوں کو ان دھرموں کے ماننے والوں کی نگاہ سے پڑھیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ ان سب دھرموں کی

رنگ، جاتی، یا مچھڑ کا کوئی سवाल نہیں۔ ہمیں سب کے ساتھ ایک سا محبت کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ اپنے سب کاموں میں سب کی بھلائی کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ ہر بچے، آنکھوں کا ذکر کرتے ہوئے گاندھی جی نے سن 1934 میں کہا تھا:—”اپنی ذہنی، فنی زندگی کے دور میں میں کوئی ایسا سامہور دانک کام ہاتھ میں نہیں لے سکتا جس سے عام جنتا کو کوئی نقصان پہنچے۔ ہر بچوں کی سہوا میں ہی ہر بچے دل کی گہرائی میں یہ خواہش موجود ہے کہ اس سے ساری جنتا اور سب لوگوں کا بھلا ہو۔ کیونکہ میں نہیں ماننا کہ انسان کی زندگی کوئی ایسی الگ الگ کوٹھریوں میں بندھے جن میں ایک ہی دوسرے کو ہوا نہ لگ سکے یا انسانی زندگی کے ٹکڑے ٹٹے جا سکتے ہیں۔ اس کے خلاف انسانی سماج کا جہن ایک ایسی سوچی چوڑی جس کے نہ ایک الگ ٹکڑے ہیں اور نہ ٹکڑے ٹٹے جا سکتے ہیں۔ اس لئے جو چوڑی ایک کے سچے بھلے کی ہے یا ہر سچی ہے وہ ضرور سب کے بھلے کی ہوگی۔ یہ کسوٹی کہیں دھوکا نہیں دے سکتی۔

میں نے اپنی زندگی بھر سب کی بھلائی کے اس اصول میں وشواس کیا ہے۔ اس لئے میں نے کبھی بھی کوئی ایسا کام، فیرکے بارانا یا راشٹریہ، ہاتھ میں نہیں لیا جو پوری انسانیت کو ہمت کے ساتھ نہ لیا جاسکے۔ جب میں نے یہ اچھی طرح دیکھ لیا کہ آجکل ہندوؤں میں جس طرح کی چھوٹ چھوٹ برتی جاتی ہے وہ صرف ہندوؤں کی آگے ہی ترقی کے راستے میں ہی روکاوٹ نہیں ہے بلکہ عام طور پر سب لوگوں کی ترقی کے راستے میں روکاوٹ ہے۔ سرسری نظر سے دیکھنے والا یہی یہ اچھی طرح دیکھ سکتا ہے کہ اس چھوٹ چھوٹ نے نہ صرف اونچے جاتی کے ہندوؤں کو بلکہ ہندوستان میں رہنے والے سب لوگوں کو مسلمانوں، عیسائیوں اور دوسروں کو بھی اسی طرح جکڑ رکھا ہے جس طرح سانپ کسی کو کندلوں میں جکڑ لیتا ہے۔ چھوٹ چھوٹ کے اس پشاج سے بڑھ کر ملے میں ہرے دل کے اندر یہ خواہش نہیں ہے کہ صرف ہندوؤں میں ہی بھائی چارہ قائم ہو جائے، مہاری دلی خواہش یہ ہے کہ انسان انسان کے بھچ بھائی چارہ قائم ہو جائے جس میں ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی اور یہودی سب ایک سماں شامل ہوں کیونکہ مجھے دنیا کے سب بڑے بڑے مذہبوں کی بھلائی سچائی میں وشواس ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ یہ سب مذہب ایشور کے نام ہوتے ہیں۔ اور مجھے وشواس ہے کہ یہ سب مذہب ان لوگوں کے نام ضروری تھے جنہیں یہ ایشور سے ملے۔ مجھے اس بات کا بھی وشواس ہے کہ اگر ہم سب ایک ایک دھرم مذہب کی کتابوں کو ان دھرموں کے ماننے والوں کی نگاہ سے پڑھیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ ان سب دھرموں کی

کا خون بہا کر अगर آقاہادی मिलती है तो ऐसी आ-
आदी नहीं चाहिये. इसीलिये उन्होंने चौरीचौरा के कले-
आम के बाद सत्याग्रह की लड़ाई बन्द कर दी. वरजनों
बार उन्होंने लम्बे-लम्बे उपवास और फाके किये और रो-
रोकर ईश्वर से दुआएँ माँगीं.

इनسانی तारीख में शायद पहली बार जमात की हैसि-
यत से हमें यह बताया गया कि हमारा काम दूसरों को
क्रतल करना नहीं है बल्कि खुद अपने आपका बलिदान
कर देना है और फिर भी आखीर में हम फतहयाब होंगे.
गांधीजी का यह कितना शानदार पैगाम था किसी सियासी
मकसद को हासिल करने का यह पैगाम नहीं था बल्कि इन-
सानी कौम की भलाई का दुनियादी पैगाम था. जिस जंग
में सचाई की कोई जगह न हो उसमें मरना मानो अपनी
हस्ती को मिटा देना है. पर सत्य और अहिंसा के युद्ध में
कुछ बात याद रह जाती है. उसमें हार जाने पर भी जीत
होती है और मर जाने पर भी अमर जीवन मिलता है.

गांधीजी की सबसे बड़ी खासियत यह थी कि वे एक बहुत
बड़े सियासतदां थे, बहुत बड़े नेता थे, बहुत बड़े समाज
सुधारक थे लेकिन सब से ज्यादा वे एक बहुत बड़े इन-
सान थे. यदि समाज के फायदे के लिये वे किसी कुर्बानी
का विधान करते तो सब से पहले अपने आप पर उसका
अमल करके देख लेते. अगर कोई नया प्रयोग करना चाहते
तो सब से पहले उसकी तकलीफें खद बदौरत करके देख
लेते. अपना सब कुछ त्यागकर तब वे दूसरों को त्याग
करने का उपदेश देते.

गांधी जी हर कदम पर अपने आपको कसौटी पर
कसते थे. खाने में, पीने में, किसी से बात करने में, बहस
करने में, कोई भी छोटा बड़ा कदम उठाने में, हर बात और
हर फिकरे में वह बराबर अन्दर ही अन्दर देखते रहते थे
कि कहीं वह बेसम तो नहीं हो रहे हैं? माफ़ी के उसूल
को तोड़ तो नहीं रहे हैं? कोई बात खुदी या घमण्ड के
असर में तो नहीं कर रहे हैं? दूसरे का हक तो नहीं खान
रहे हैं? जायके के लिये तो नहीं खा रहे हैं? सचाई से
बाल बराबर भी तो नहीं हट रहे हैं? दिल के अन्दर कहीं
गुस्से की रमक तो नहीं है? अहिंसा के उसूल से तो नहीं
बिग रहे हैं? बरोर बरोर.

गान्धी जी जो भी काम करते उसे ताल कर देख लेते
कि क्या वह सारी इनसानी कौम के फायदे का है या नहीं!
हिन्दुस्तान की जनता के जरिये ही वह सारी इनसानी कौम
की खिदमत करने की बात सोचते. उन्होंने एक उसूल
बना लिया था कि सारी इनसानी कौमों का एक ही खान-
दान है. दुनिया के सब इन्सान भाई-भाई हैं. इसमें देश,

کا خون بہا کر اگر آقاہادی ملتی ہے تو ایسی ہی سچے نہیں چاہیے.
ایسی لٹم انہوں نے چوری چوراً کے قتل عام کے بعد ستھانگرہ کی
لڑائی بند کر دی. درجنوں بار انہوں نے لمبے لمبے اپواس اور
فائے اور رو رو کر ایشور سے دعاؤں مانگیں.

انسانی تاریخ میں شاید پہلی بار جماعت کی حیثیت سے
ہمیں یہ بتایا گیا کہ ہمارا کام دوسروں کو قتل کرنا نہیں ہے
بلکہ خود اپنے آپ کو بلودان کر دینا ہے اور پھر بھی آخر میں
ہم ناکام ہوئے. گاندھی جی کا یہ کٹا شاندار پیغام تھا.
کسی سیاسی مقصد کو حاصل کرنے کا یہ ہنگام نہیں تھا بلکہ
انسانی قوم کی بھائی کا بنیادی ہنگام تھا. جس جنگ میں
سچائی کی کوئی جگہ نہ ہو اس میں مرنا مانو اپنی ہستی
کو مٹا دینا ہے. پرست اور اہلسا کی بدھ میں کچھ بات
باقی رہ جاتی ہے. اس میں ہار جانے پر بھی جیت ہوتی
ہے اور مرنے پر بھی امر جیون ملتا ہے.

گاندھی جی کی سب سے بڑی خاصیت یہ تھی کہ وہ
ایک بہت بڑے سیاست داں تھے، بہت بڑے نیتا تھے، بہت
بڑے سماج سدھارک تھے لیکن ان سب سے زیادہ وہ ایک
بڑے انسان تھے. بدی، سچ کے فائدے کے لئے کسی قربانی
کا ودھان کرتے تو سب سے پہلے اپنے آپ پر عمل کر کے دیکھ
لیتے. اگر کوئی نیا یوگ چاہتے تو سب سے پہلے اس کی
تکلیف خود برداشت کر کے دیکھ لیتے. اپنا سب کچھ تیاگ
کر تب دے دوسروں کو تیاگ کرنے کا ایدیش دیتے.

گاندھی جی ہر قدم پر اپنے آپ کو کسوٹی پر کستہ تھے.
کھانے میں، پہنے میں، کسی سے بات کرنے میں، بحث کرنے
میں، کوئی بھی چھوٹا بڑا قدم اٹھانے میں، ہر بات اور فقرہ
میں وہ برابر اندر ہی اندر دیکھتے رہتے تھے کہ کہیں وہ بے صبر
تو نہیں ہو رہے ہیں؟ معافی کے اصول کو توڑ تو نہیں رہے
ہیں؟ کوئی بات خوشی یا کھمبذ کے اثر میں تو نہیں کر
رہے ہیں؟ دوسرے کا حق تو نہیں چھین رہے ہیں؟ ذائقہ
کے لئے تو نہیں کھا رہے ہیں؟ سچائی سے ہال برابر تو نہیں
ھٹ رہے ہیں؟ دل کے اندر، کہیں قصہ کی رمق تو نہیں
ہے؟ اہلسا کے اصول سے تو نہیں ڈگ رہے ہیں؟ وغیرہ.

گاندھی جی جو بھی کام کرتے اسے تول کر دیکھ لیتے کہ وہ
ساری انسانی قوم کے فائدے کے لئے ہے کہ نہیں! ہادستان کی
جنگ کے ذریعہ ہی وہ ساری انسانی قوم کی خدمت
کرنے کی بات سوچتے. انہوں نے ایک اصل بنا لیا تھا کہ
ساری انسانی قوموں کا ایک ہی خاندان ہے. دنیا کے
سب انسان بھائی بھائی ہیں. اس میں میں

ہر شوقین کو جنم دیتی ہے۔ اس لئے انسان 'آپ گری' بلکہ بعض چاندان کے اوپر سے مالکانہ حق چھوڑ دے۔ سب کی کٹائی سب کے لئے ہو۔ ان کی ساتویں ہدایت تھی کہ آپسی ملکی اور انٹر راشی—سب چھوڑ دے۔ ہمدردی، برہم بھائی چارے کی بھاؤ، اور بنا خون بہائے اٹھنا کے اصول پر حل کئے جائیں۔ ہر انسان ایشور کی اولاد ہے اور ایشور کہی یہ پسند نہ کریگا کہ ہم اپنی خودغرضیوں کے لئے اس کی مصلحتوں کو ایذا پہنچائیں یا ان کا خون بہائیں۔ ان کی آٹھویں ہدایت تھی کہ انسان انسان کے پیچھے نہ کوئی چھوٹا ہے اور نہ بڑا۔ ایشور کہی یہ پسند نہ کریگا کہ ہم اپنے غرور یا کھلم میں کسی کو چھوٹا یا حقیر سمجھیں۔ ایک ہی ایشور کی سلطان ہونے کے ناطے ہر انسان برابر کا دعویدار ہے۔ دراصل زمین اور پلٹ سمجھے جانے والے انسانوں کے پیچھے میں ہی ایشور نواس کرتا ہے۔ جو غرور کرتا ہے اس کا سر ٹیچا ہوتا ہے۔ جو تلوار اٹھاتا ہے وہ اسی تلوار سے مرگ جاتا ہے۔ چھوٹے بڑے اور امیر غریب کے سب بھید نفلی ہیں۔ اپنے کھلم میں انسان نے ان بھیدوں کی بنیاد ڈالی ہے۔ ان کی نہیں ہدایت تھی کہ انسان ہر طرح کی چوری سے بچے۔ اُسے وہ 'اسیتھ' کہتے تھے۔ چار روٹی کی بھوک ہے اور اگر ہم چہ روٹی کھاتے ہیں تو ہم نے دو روٹی کی چوری کی۔ غریبوں کے ملے سے اُلٹے کوہ ہم نے چھین لئے۔ اگر ہمارا کام تین کڑوں سے چلتا ہے اور ہم چہ کرتے اپنے لئے جمع کرتے ہیں تو ہم چوری کرتے ہیں۔ ہم ایک بھائی کو تنگ رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ سب انسانیں کے برابر ہی ہمارا حق ہے؛ اگر ہم زیادہ لیتے ہیں تو ہم چوری کرتے ہیں، امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ ان کی دسویں ہدایت تھی کہ سب بڑے بڑے مذہبوں میں ایک سی سچائیاں ہوں۔ اس لئے سب مذہبوں کا آدر کرو۔ ایشور اور اللہ ایک ہیں۔ انسان نے اپنی بیوقوفی میں ایشور میں بھی فرق کرنے کی بدتمیزی کی۔ ان کی گیارہویں ہدایت تھی کہ کوئی کام اُنچا نہ چھوڑ دے۔ سچا برہمن راج وہی ہے جو سچا مہتر ہے۔ ہریجنوں کو چھوٹا سمجھ کر، ان کے ساتھ نفرت کر کے ہم انسانوں کی برابری کے دعویدار نہیں بن سکتے۔ ہر طرح کا شرم برابر ہے چاہے وہ راشٹریہ کا کام ہو اور چاہے بھلی کا۔ اپنے ہر قدم کو گندھی جی نے انہیں اصولوں کی روشنی میں جاچا اور پرکھا۔ گندھی جی کی سب سے بڑی خاصیت یہ تھی کہ فوراً کام ہلانے کے لئے اپنی زندگی کے ان بنیادی اصولوں کے ساتھ انہوں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ انہوں نے بار بار کہا کہ سچائی کو تھاک کر اگر سوراخ آتا ہے تو ایسا سوراخ سچے نہیں چلے گا۔ دوسری



گاندھی جی کے جنم دن پر

گاندھی جی کے جنم دن پر

دو اکتوبر سن 1957 کو سارے ہندوستان نے راجا پیتا महात्मा गांधी کے جنم دن کو منایا۔ انہیں ہم سے بڑھ کر بڑے بڑے بزرگوں میں سے ایک ہیں۔ ان دنوں ہندوستان کے لئے کتنے ہی اٹار چڑھاؤ دیکھ رہے ہیں۔ امتحان کے کلمہ ہی موقع آئے۔ قدرتی تھا کہ ایسے موقعوں پر ہم گاندھی جی کی پاک عسلی کو یاد کرتے۔ یہ بھی یاد کرتے کہ ایسی پچیدگیوں کو سلجھانے کے لئے گاندھی جی کیا کرتے تھے۔ 1917 سے 1947 تک ملک کی سیاست پر گاندھی جی کی زبردست چھاپ تھی۔ وہ جندور ڈگ اٹھاتے تھے اور سارا ہندوستان چلاتا تھا۔ وہ ہمیں اندھیرے سے روشنی میں لائے۔ ہمیں کوئی راستہ سوجھ نہیں رہا تھا۔ انہوں نے ہمیں راستہ بتایا۔ آزادی حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ انہوں نے ہمیں اہلسا اور سٹیاگرہ کا ہتھیار دیا۔ وہ ہوتے تھے اور ملک محسوس کرنا تھا کہ وہ ملک کی پہاڑیوں کو ہی پوچھ کر رہے ہیں۔ مٹی سے انہوں نے یونہی پیدا کیا۔ وہ جہاں بیٹھے تھے وہ جگہ مندر بن جاتی تھی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے ملک انہیں بند کر کے اس پر عمل کرتا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلی ہدایت ہمیں دی کہ ہم اپنے دل سے قہر کے جذبے کو قطعی نکال دیں۔ ان کی دوسری ہدایت تھی کہ انہوں نے سلسلہ سر جھکانا ہم بند کر دیں۔ ان کی تیسری ہدایت تھی کہ جو کچھ سچ ہے اسی کا ہم آگہ کر دیں۔ اسی پر ہم زور دیں۔ ان کی چوتھی ہدایت تھی کہ اہلسا کو ہم اپنی زندگی میں ڈالیں۔ اپنے ہر کام کو اہلسا کی دھڑیوں سے دیکھیں۔ ان کی پانچویں ہدایت تھی کہ ہم ہر اُن سے تو نفرت کریں لیکن ہوائی کرنے والے سے پریم کریں۔ ان کی چھٹی ہدایت تھی کہ انسان کے ذریعہ انسان کے دشمن کے ہم سب دورازہ بند کریں۔ سیاستوں کی پہاڑی

دو اکتوبر سن 1957 کو سارے ہندوستان نے راجا پیتا महात्मा गांधी کے جنم دن کو منایا۔ انہیں ہم سے بڑھ کر بڑے بزرگوں میں سے ایک ہیں۔ ان دنوں ہندوستان کے لئے کتنے ہی اٹار چڑھاؤ دیکھ رہے ہیں۔ امتحان کے کلمہ ہی موقع آئے۔ قدرتی تھا کہ ایسے موقعوں پر ہم گاندھی جی کی پاک عسلی کو یاد کرتے۔ یہ بھی یاد کرتے کہ ایسی پچیدگیوں کو سلجھانے کے لئے گاندھی جی کیا کرتے تھے۔ 1917 سے 1947 تک ملک کی سیاست پر گاندھی جی کی زبردست چھاپ تھی۔ وہ جندور ڈگ اٹھاتے تھے اور سارا ہندوستان چلاتا تھا۔ وہ ہمیں اندھیرے سے روشنی میں لائے۔ ہمیں کوئی راستہ سوجھ نہیں رہا تھا۔ انہوں نے ہمیں راستہ بتایا۔ آزادی حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ انہوں نے ہمیں اہلسا اور سٹیاگرہ کا ہتھیار دیا۔ وہ ہوتے تھے اور ملک محسوس کرنا تھا کہ وہ ملک کی پہاڑیوں کو ہی پوچھ کر رہے ہیں۔ مٹی سے انہوں نے یونہی پیدا کیا۔ وہ جہاں بیٹھے تھے وہ جگہ مندر بن جاتی تھی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے ملک انہیں بند کر کے اس پر عمل کرتا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلی ہدایت ہمیں دی کہ ہم اپنے دل سے قہر کے جذبے کو قطعی نکال دیں۔ ان کی دوسری ہدایت تھی کہ انہوں نے سلسلہ سر جھکانا ہم بند کر دیں۔ ان کی تیسری ہدایت تھی کہ جو کچھ سچ ہے اسی کا ہم آگہ کر دیں۔ اسی پر ہم زور دیں۔ ان کی چوتھی ہدایت تھی کہ اہلسا کو ہم اپنی زندگی میں ڈالیں۔ اپنے ہر کام کو اہلسا کی دھڑیوں سے دیکھیں۔ ان کی پانچویں ہدایت تھی کہ ہم ہر اُن سے تو نفرت کریں لیکن ہوائی کرنے والے سے پریم کریں۔ ان کی چھٹی ہدایت تھی کہ انسان کے ذریعہ انسان کے دشمن کے ہم سب دورازہ بند کریں۔ سیاستوں کی پہاڑی

پوری पुस्तक छै खंडों और उननचास अध्यायों में बांटी गई है. पहले खंड में भारतीय अर्थशास्त्र की पृष्ठ भूमि यानी पसे मंजर दिया गया है. दूसरे खंड में अर्थशास्त्र के विषय को समझाया गया है. तीसरे खंड में हस्तेमाल और जरूरत के उसूल को समझाया गया है. चौथे खंड में पैदावार की मुखलिक शक्तों को दिखाया गया है. पांचवें खण्ड में बदल-बदल के सिद्धान्त पर राशनी डाली गई है और छठे खण्ड में पैदावार के बटवारे को समझाया गया है. इसी खंड में समाजवादी ढांचा और आर्थिक बराबरी के उसूलों पर बहस की गई है. पुस्तक को ईसावास्य मिदम् सर्वम्—उपनिषद् के श्लोक से शुरू किया गया है और सम्प्रतिदान से खत्म किया गया है. कीमती आंकड़ों के सहारे पुस्तक में दिये हुये उसूल समझाये गये हैं.

नये नुस्ते नजर से लिखी गई केला जी की यह पुस्तक हिन्दी अर्थशास्त्र की दिशा में एक तारीफ के लायक कदम है. हमें उम्मीद है और दूसरी जवानों में भी इसका तर्जुमा होगा.

—वि. ना. पांडे

پسے بستک چہ کہنتوں اور انکھاس احمایوں میں ہاتھی گئی ہے۔ پہلے کہنت میں ہارتھ آرٹ شاستر کی پرستہ ہومی پعلی پس منظر دیا گیا ہے۔ دوسرے کہنت میں آرٹ شاستر کے مشن کو سمجھایا گیا ہے۔ تیسرے کہنت میں استعمال اور ضرورت کے اصول کو سمجھایا گیا ہے۔ چوتھے کہنت میں پیداوار کی مختلف شکلوں کو دہرایا گیا ہے۔ پانچویں کہنت میں ادل بدل کے سدائنت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور چھٹے کہنت میں پیداوار کے بتوارے کو سمجھایا گیا ہے۔ اسی کہنت میں ساج وادی تھانچہ اور آرٹوک ہرادی کے اصولوں پر بحث کی گئی ہے۔ بستک کو 'ایسا واسیہ مدم سرور'—آنھد کے شلوک سے شروع کیا گیا ہے اور—پتی دان سے ختم کیا گیا ہے۔ تھمکی آنکڑوں کے سہارے بستک میں دیئے ہوئے اصول سمجھائے گئے ہیں۔

نئے نقطہ نظر سے لکھی گئی کیلا جی کی یہ بستک ہندی آرٹ شاستر کی دشا میں ایک تعریف کے لایق قدم ہے۔ ہمیں اُمید ہے اور دوسری زبانوں میں بھی اسکا ترجمہ ہو گا۔

—وی. نا. پانڈے

بیچارہ ہوں سو سہی۔ اکیلے رہا جا سکے تو سب سے اچھا۔
جیسے اکیلے رہنے میں تو کھڑے ہیں بچوں کے لئے سوتیلی
مائی کے لئے میں بھی کھڑا ہوں۔ اب تو بڑے سہلے بھائی کے ساتھ رہ سکوں
میں بار بار ایسا موقع نہ ملتا۔ دل کی صفائی کر لیا۔ کوئی چلتا
نہ کرنا۔ سکھ دیکھ تو دھوپ چھاؤں کی طرح آتے ہی رہتے
ہیں۔ سنسار مایا سے بھرا ہے۔ تھوڑی مایا والے کو تھوڑا دیکھ۔
اس لئے مایا اور جہنم ال بڑھانے میں کوئی فرق نہیں۔

دچار ہوں سو صحیح۔ اکیلے رہا جا سکے تو سب سے اچھا۔
جیسے اکیلے رہنے میں تو کھڑے ہیں بچوں کے لئے سوتیلی
مائی کے لئے میں بھی کھڑا ہوں۔ اب تو بڑے سہلے بھائی کے ساتھ رہ سکوں
میں بار بار ایسا موقع نہ ملتا۔ دل کی صفائی کر لیا۔ کوئی چلتا
نہ کرنا۔ سکھ دیکھ تو دھوپ چھاؤں کی طرح آتے ہی رہتے
ہیں۔ سنسار مایا سے بھرا ہے۔ تھوڑی مایا والے کو تھوڑا دیکھ۔
اس لئے مایا اور جہنم ال بڑھانے میں کوئی فرق نہیں۔

’کونا چہرو‘ کونا واچہرو‘ کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی، ’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

’کوناں جھرو، کوناں باجھرو، کونا مانے باپ جی،
’انت کالہ جہروں اکیلا‘ ساتھ پلنے لے باپ جی۔“

برصغیر جیل میں ایک بار گاندھیजी ने कहा—'रक्खा हुआ सॉप भी काम का'—पूछने पर कि यह कहावत कैसे चली ? बापू ने कहा—'एक बुढ़िया के यहाँ सॉप निकला. उसे मार दिया गया. बुढ़िया ने उसे फेंकने के बजाय छप्पर पर रख दिया. एक बकरी हुई चील ने, जो कहीं से मोतियों का हार ले आई थी, उसे देखा. हार से सॉप उसे ज्यादा क्रीमती लगा. इसलिये हार तो उसने छप्पर पर डाल दिया और सॉप चठा ले गई. इस तरह बुढ़िया को सॉप संग्रह करने से हार मिला.'

सरदार ने कहा—'बापू ! इसका मूल दूसरा है !'

बापू ने पूछा—'क्या ?'

सरदार बोले :—'एक बनिये के यहाँ सॉप निकला. उसे मारने वाला कोई मिला न था और बनिये की हिम्मत नहीं होती थी. इसलिये उसने सॉप को पतीली के नीचे डॉक दिया. रात को चोर आये. वे कुतूहल से पतीली उघाड़ने लगे तो सॉप ने काट लिया और चोरी करने के बजाय स्वर्ग सिंघार गये.' (सफा 117).

14 जून 32. गरमी में नीबू मँहगे हो गये. बापू बोले—'हम नीबू के बजाय इमली लें.'

बल्लभ भाई बोले—'इमली के पानी से वायु बढ़ेगी और हड्डियों में दर्द होगा.'

बापू 'लेकिन जमनालाल तो पीते हैं ?'

बल्लभ भाई—'जमना लाल की हड्डियों तक इमली को घुसने का रास्ता नहीं.'

बापू—'मगर एक बार मैंने इमली बहुत खाई है.'

बल्लभ भाई—'उस समय आप पत्थर भी हजम कर सकते थे. आज तो बूढ़े हैं.'

एक बार बापू ने बरवदा जेल में नारियल की रस्सी की खाट अपने सोने के लिये मँगवाई. बल्लभ भाई निवाड़ की खाट के पक्ष में थे. बापू ने कहा—'मुझे याद है कि हमारे यहाँ बचपन में इस तरह की नारियल की रस्सी की खाटें काम में आती थीं. मेरी माँ उन पर अदरक छीलती थी.'

बल्लभ भाई—'इसी लिये तो कहता हूँ कि इस पर निवाड़ लगवा लीजिये. बरना मुट्ठी भर हड्डियों की चमड़ी छिल जायगी.'

गान्धी जी ने जब हरिजन अवार्ड के खिलाफ उपवास किया तो बल्लभ भाई को नासिक जेल में हटा दिया गया. इस पर बापू ने कहा—'पिंजड़ा तो है पर पंखी उड़ गया.'

सरदार के पारिवारिक जीवन की माँ की अपनी लड़की मणि बहिन के नाम लिखे इस खत में देखें—'फिर से मन्दाकिन के बारे में डाया भाई (सरदार के बेटे) के जो

यूरोप जेल में अन्धकार में जी रहे थे—'रक्खा हुआ सॉप भी काम का'—पूछने पर कि यह कहावत कैसे चली ? बापू ने कहा—'एक बुढ़िया के यहाँ सॉप निकला. उसे मार दिया गया. बुढ़िया ने उसे फेंकने के बजाय छप्पर पर रख दिया. एक बकरी हुई चील ने, जो कहीं से मोतियों का हार ले आई थी, उसे देखा. हार से सॉप उसे ज्यादा क्रीमती लगा. इसलिये हार तो उसने छप्पर पर डाल दिया और सॉप चठा ले गई. इस तरह बुढ़िया को सॉप संग्रह करने से हार मिला.'

सरदार ने कहा—'बापू ! इस का मूल दूसरा है.'

बापू ने पूछा—'क्या ?'

सरदार बोले—'एक बनिये के यहाँ सॉप निकला. उसे मारने वाला कोई मिला न था और बनिये की हिम्मत नहीं होती थी. इसलिये उसने सॉप को पतीली के नीचे डॉक दिया. रात को चोर आये. वे कुतूहल से पतीली उघाड़ने लगे तो सॉप ने काट लिया और चोरी करने के बजाय स्वर्ग सिंघार गये.' (सफा 117).

14 जून 32. गरमी में नीबू मँहगे हो गये. बापू बोले—

'हम नीबू के बजाय इमली लें.'

बापू बोले—'इमली के पानी से वायु बढ़ेगी और हड्डियों में दर्द होगा !'

बापू बोले—'लेकिन जमनालाल तो पीते हैं ?'

बापू बोले—'जमनालाल की हड्डियों तक इमली को घुसने का रास्ता नहीं.'

बापू बोले—'मगर एक बार मैंने इमली बहुत खाई है.'

बापू बोले—'उस समय आप पत्थर भी हजम कर सकते थे. आज तो बूढ़े हैं.'

एक बार बापू ने बरवदा जेल में नारियल की रस्सी की खाट अपने सोने के लिये मँगवाई. बापू ने कहा—'मुझे याद है कि हमारे यहाँ बचपन में इस तरह की नारियल की रस्सी की खाटें काम में आती थीं. मेरी माँ उन पर अदरक छीलती थी.'

बापू बोले—'इसी लिये तो कहता हूँ कि इस पर निवाड़ लगवा लीजिये. बरना मुट्ठी भर हड्डियों की चमड़ी छिल जायगी.'

गान्धी जी ने जब हरिजन अवार्ड के खिलाफ उपवास किया तो बापू ने कहा—'पिंजड़ा तो है पर पंखी उड़ गया.'

सरदार के पारिवारिक जीवन की माँ की अपनी लड़की मणि बहिन के नाम लिखे इस खत में देखें—'फिर से मन्दाकिन के बारे में डाया भाई (सरदार के बेटे) के जो

'57 ~~2015~~

سکڑے کھانسیوں سے کامیاب سرفراز ،
جنم کے अधिकारों की गरजती हुई लहर बनकर बह
रहा है !

सिपाही और सैनिकों की कम्पनियाँ उनके बाद दीगरे
जा रही हैं !

आखिर में उन्हें याद आता है कि उनकी भी मातृ-
भूमि है !

यह क्या कम है कि अपने बस भर वे लड़े जनता की
आजादी के लिये और अपने फौजी नाम के लिये !

ईश्वर, उम्मीद और इतिहास तीनों हिन्दुस्तानियों की
तरफ थे !

पुस्तक की छपाई बरौह अच्छी है. अंगरेजीदाँ हर
देशभक्त से हमारी यह प्रार्थना है कि वह इस पुस्तक
को जरूर पढ़े,

न जाने राम और उसके साथियों का अभियान

मूल रूसी खान के लेखक एन० नसोव; मूलरूसी
से अनुवादक श्री अर्जुन गोस्वामी; अनुवाद की भाषा के
सम्पादक-डाक्टर महादेव साहा; प्रकाशक ईस्टर्न ट्रेडिंग
कम्पनी, 64 ए धरमटल्ला स्ट्रीट, कलकत्ता-13, मोल
तीन रुपया. छपाई, सफाई, जिल्द सब अच्छी.

बच्चों के साहित्य की यह रूसी पुस्तक रूस में बहुत
नाम कमा चुकी है. सरल कहानी के रूप में लेखक ने
विज्ञान के चमत्कारों को बड़ी दिलचस्पी से बच्चों को सम-
झाने की कोशिश की है. एक बार हाथ में उठा लेने से
बच्चे इसे पूरा पढ़कर ही छाँड़ते हैं. प्रकाशक बधाई के
हक्रदार हैं कि बच्चों के लिये ऐसी सरल वैज्ञानिक ईजादों
की पुस्तक उन्होंने शायद की. रंगीन चित्रों से पुस्तक की
उपयोगिता बेहद बढ़ गई है.

मानव जाति का उद्भव

मूल रूसी लेखक गगुरेव, अनुवादक और प्रकाशक
वही ऊपर की पुस्तक के; क्रोमट एक रुपया बासठ नए पैसे.
सफे 133; सचित्र; छपाई, सफाई अच्छी.

१३३ सफों की इस किताब में विद्वान लेखक ने इस
बात की छान-बीन की है कि इनसान नस्ल का आराध
क्या था ? पाँच करोड़ बरस पहले उसकी क्या शक्ल थी ?
फिर दरजेवार उसने कैसे तरक्की की और आखिर में किस
तरह बन्दर की योनि और जिस्म में तब्दील होते-होते कैसे
वह इनसान बना. लेखक ने पुस्तक के सफों में जो बाबे
पेश किये हैं उनका समझाने के लिये तस्वीरें भी दी हैं.
दूसरे वैज्ञानिक मतों को पेश करके उनकी तार्किक या मुख-
लफ्त की है. डार्विन और एंगल्स की राय की लेखक ने
अपना है और नई खोजों के आधार पर उन्हीं रायों पर
अपनी दलीलों को कायम किया है.

سکڑوں اور سہکوں کے کامیاب سرفراز !
جلتا ہے آدمیوں کی گرجتی ہوئی لہریں کریمہ رہائے !
سیپاہی اور سہنوں کی کہانیاں یکے بعد دیگرے جاگ رہی ہیں !
آکھڑ میں آکھڑ ہاں آنا ہے کہ انکی ہوں مائیں بوسے میں !
کہ کیا کم ہے کہ اپنے بس بھر وہ لڑے
جلتا کی آزادی کے لئے اور اپنے فوجی نام کے لئے !

پستک کی چھائی وغیرہ اچھی ہے ! ہر انگریزی دان
دیکھ بہکت سے ہماری یہ پرزنتا ہے کہ وہ اس پستک کو
ضرور پڑھے .

نچا نے رام اور اُس کے ساتھیوں کا ابھیان

مؤل روسی زبان کے لیکھک این. نسوؤ؛ مؤل روسی سے
انوادک شری اردھیندو گوسوامی؛ انواد کی بھاشا کے سہادک
ڈاکٹر مہادھو ساہا؛ پرکشک ایسٹرن ٹریڈنگ کمپنی؛ 64-A
دھرم تلہ اسٹریٹ؛ کلکتہ-13؛ مؤل تین روپیہ؛ چھائی؛ صفائی؛
جلد سب اچھی .

بچوں کے ساتھ کی یہ روسی پستک روس میں بہت
نام کما چکی ہے . سول کہانی کے روپ میں لیکھک نے دیکھان
کے چمکوں کو بڑے دلچسپ طریقے سے بچوں کو سمجھانے
کی کوشش کی ہے . ایک بار ہاتھ میں اُٹھا لیتے سے بچے اسے پوا
پڑھکر ہی چھوڑتے ہیں . پرکشک بھاشائی کے حقدار ہیں کہ
بچوں کے لئے ایسی سول دیکھانک ایجادوں کی پستک انہوں
نے شائع کی . رنگین چکروں سے پستک کی آہنگنا بے حد بڑھ
گئی ہے .

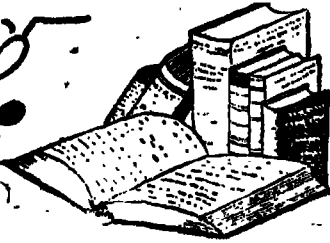
مانو جانی کا ادھر

مؤل روسی لیکھک گ. گرورپو؛ انوادک اور پرکشک
وہی اوپر کی پستک کے؛ قیمت ایک روپیہ باسٹھ نئے پوسے .
صفحہ 133؛ چھائی؛ صفائی اچھی .

133 صفحوں کی اس کتاب میں ودوان لیکھک نے اس
بات کی چھان بین کی ہے کہ انسانی نسل کا آغاز کیا تھا
پانچ کروڑ برس پہلے اُس کی کیا شکل تھی پھر درجہوار اُس نے
اُسی ترقی کی اور آخر میں کس طرح بندر کی یونی اور
جسم سے تبدیل ہوتے ہوئے کیسے وہ انسان بنا . لیکھک نے
پستک کے صفحوں میں جو دعویٰ پیش کئے ہیں اُن کو
سمجھانے کے لئے تصویروں بھی دی ہیں . دوسرے دیکھانک
متوں کو پیش کر کے اُن کی ناہید یا مخالفت کی ہے . قاریوں
اور لیکھکس کی رائے کو لیکھک نے سراہا ہے اور نئی کوجوں کے

ادھار پر انہوں رائوں پر اپنی دلیلوں کو قائم کیا ہے .
کہان دیکھان کے کوجوں کے لئے پستک کافی دلچسپ ہے .

کتابچہ کتابیں



The Revolt of Hindostan—লেখক **অর্নেস্ট**
জোন্স. সম্পাদক **শ্রী স্নেহাশু কান্ত** আচার্য্য और **श्री महा-**
देव प्रसाद साहा, प्रकाशक **ईस्टर्न ट्रेडिङ्ग कम्पनी**, 64, A
धर्मतल्ला स्ट्रीट, कलकत्ता-13, कीमत तीन रुपया, पृष्ठ
संख्या 55.

चार्टिस्ट नेता **अर्नेस्ट चार्ल्स जोन्स** का मशहूर काव्य
ग्रन्थ 'रिवोल्ट आफ हिन्दुस्तान' का यह हिन्दुस्तानी पद्यो-
शन बड़े मौके से छाप कर प्रकाशित किया गया जबकि
मुल्क सन 1853 की शताब्दी मना रहा था. कविता के
साथ साथ जोन्स के सन 1807 के मुताल्लिक लेख भी
पुस्तक के आखीर में दिये गये हैं. सम्पादक अपनी भूमिका
में लिखते हैं :—“जबकि हिन्दुस्तान में देश भर में सन
1857 की शताब्दी मनाई जा रही है यह याद करके खुशी
होती है कि कम से कम एक अङ्गरेज तो था जो 1857 के
विद्रोह को न केवल मुनासिब और ठीक समझता था बल्कि
उसे होके रहने वाली घटना मानता था.” जोन्स 26
जनवरी 1859 को पैदा हुआ और 21 जनवरी 1869 को
मरा. जोन्स ने ब्रिटिश शासण नीति की जबरदस्त मुजाल-
फत की. उसके विद्रोही विचारों के सबब उसे 6 जून सन
1848 को गिरफ्तार कर लिया गया और 9 जुलाई सन्
1850 तक उसे जेल में रहना पड़ा. जिस काल कोठरी में
उसे तनहाई में रखा गया वह 13 फुट लम्बी और सिर्फ
6 फुट चौड़ी थी. इतनी खुली हुई थी कि बारिश का पानी
और बरफिले तूफानों के थपेड़े इधर में उधर निकल जाते
थे. जोन्स की सेहत बेहद खराब हो गई. वहीं उस काल
कोठरी में जोन्स ने 'दि न्यू वर्ल्ड' नाम की कविता लिखी
जो बाद में सन 1857 में 'दि रिवोल्ट आफ हिन्दुस्तान
आर न्यू वर्ल्ड' नाम से छपकर शायी हुई. जेल में लिखने
का सामान नहीं था. जोन्स ने एक पुरानी किताब के हाशि-
यों पर अपने खून से वह कविता लिखी. पूरी की पूरी
न, कम बेहद सुन्दर है. एक नमूना देखें :—

The Revolt of Hindostan लिखक **अर्नेस्ट**

जोन्स, संपादक **श्री सनेहाशु कान्त** आचार्य और **श्री महा-**
देव प्रसाद साहा, प्रकाशक **ईस्टर्न ट्रेडिङ्ग कम्पनी**, 64, A
धर्मतल्ला स्ट्रीट, कलकत्ता-13, कीमत तीन रुपया, पृष्ठ
संख्या 55.

चार्टिस्ट नेता **अर्नेस्ट चार्ल्स जोन्स** का मशहूर काव्य
ग्रन्थ 'रिवोल्ट ऑफ हिन्दुस्तान' का यह हिन्दुस्तानी पद्यो-
शन बड़े मौके से छाप कर प्रकाशित किया गया जबकि
मुल्क सन 1853 की शताब्दी मना रहा था. कविता के
साथ साथ जोन्स के सन 1807 के मुताल्लिक लेख भी
पुस्तक के आखीर में दिये गये हैं. सम्पादक अपनी भूमिका
में लिखते हैं :—“जबकि हिन्दुस्तान में देश भर में सन
1857 की शताब्दी मनाई जा रही है यह याद करके खुशी
होती है कि कम से कम एक अङ्गरेज तो था जो 1857 के
विद्रोह को न केवल मुनासिब और ठीक समझता था बल्कि
उसे होके रहने वाली घटना मानता था.” जोन्स 26
जनवरी 1859 को पैदा हुआ और 21 जनवरी 1869 को
मरा. जोन्स ने ब्रिटिश शासण नीति की जबरदस्त मुजाल-
फत की. उसके विद्रोही विचारों के सबब उसे 6 जून सन
1848 को गिरफ्तार कर लिया गया और 9 जुलाई सन्
1850 तक उसे जेल में रहना पड़ा. जिस काल कोठरी में
उसे तनहाई में रखा गया वह 13 फुट लम्बी और सिर्फ
6 फुट चौड़ी थी. इतनी खुली हुई थी कि बारिश का पानी
और बरफिले तूफानों के थपेड़े इधर में उधर निकल जाते
थे. जोन्स की सेहत बेहद खराब हो गई. वहीं उस काल
कोठरी में जोन्स ने 'दि न्यू वर्ल्ड' नाम की कविता लिखी
जो बाद में सन 1857 में 'दि रिवोल्ट आफ हिन्दुस्तान
आर न्यू वर्ल्ड' नाम से छपकर शायी हुई. जेल में लिखने
का सामान नहीं था. जोन्स ने एक पुरानी किताब के हाशि-
यों पर अपने खून से वह कविता लिखी. पूरी की पूरी
न, कम बेहद सुन्दर है. एक नमूना देखें :—

میں نہ پہنسا۔ ہندو اور مسلمان دونوں اپنے چور چور تفریق کو بھول جاؤ اور میدان جنگ میں ایک چھانڈے کے نیچے کھڑے ہو جاؤ۔ جو بھی شخص اس قومی جنگ کی مخالفت کریگا وہ خود اپنے سر پر کلہاڑی مارے گا اور خودکشی کا گناہ کریگا۔“

اس نوٹ سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ دہش کی سیاسی تصویر اس سمجھ بھی لوگوں کے سامنے اتنی صاف تھی کی جتنی آج ہے۔

دہش کے دہرے کے دنوں میں انکسلا میں انقلابی فہمائوں میں آپس میں سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا اشارہ 'پیام آزادی' میں چھپی سمرات بہادر شاہ ظفر کی ایک نظم کے اس شعر سے ملتا ہے۔

”کافس میں ہے کیا فایدا شہرے گول سے“
”خسارو کرو کچھ رھاڑی کی باتے۔“

اخبار کے گراہک فائسی کے تڑتے پر

اوپر کے بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ 'پیام آزادی' ہندو کا سب سے پہلا راشتری پتر تھا۔ سر ولیم ہاورڈ نے لکھا ہے کہ "دلی پر قبضہ کرنے کے بعد 'پیام آزادی' نے سپہادک مرزا بہادر بخت کے بدن پر سواری کی جی بی مل کر انہیں پھانسی دے دی گئی۔" سر ہولمز، کٹن اپلی پستک 'انڈین ایلڈ ہوم مینائرس' میں لکھتے ہیں کہ "انگریزوں کے دلی پر قبضہ کرنے کے بعد وہ سبھی لوگ پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے تھے جن کے گھروں میں 'پیام آزادی' کا کوئی نمبر ملتا تھا۔" دنیا کے اخباری انہاس میں شاید کسی بھی اخبار کے پائیکوں کو پائیک ہونے کے بعد ایسی ظالمانہ سزا نہ ملی ہو گی۔

دلی کے گھروں کے دنوں میں انقلابی فہمائوں میں آپس میں سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا اشارہ 'پیام آزادی' میں چھپی سمرات بہادر شاہ ظفر کی ایک نظم کے اس شعر سے ملتا ہے۔

”کافس میں ہے کیا فائدہ شہر و غل ہے“
”اگر کرو کچھ رھاڑی کی باتے۔“

اخبار کے گراہک فائسی کے تڑتے پر

اوپر کے بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ 'پیام آزادی' ہندو کا سب سے پہلا راشتری پتر تھا۔ سر ولیم ہاورڈ نے لکھا ہے کہ "دلی پر قبضہ کرنے کے بعد 'پیام آزادی' نے سپہادک مرزا بہادر بخت کے بدن پر سواری کی جی بی مل کر انہیں پھانسی دے دی گئی۔" سر ہولمز، کٹن اپلی پستک 'انڈین ایلڈ ہوم مینائرس' میں لکھتے ہیں کہ "انگریزوں کے دلی پر قبضہ کرنے کے بعد وہ سبھی لوگ پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے تھے جن کے گھروں میں 'پیام آزادی' کا کوئی نمبر ملتا تھا۔" دنیا کے اخباری انہاس میں شاید کسی بھی اخبار کے پائیکوں کو پائیک ہونے کے بعد ایسی ظالمانہ سزا نہ ملی ہو گی۔

بہادر شاہ کا اعلان

'لنڈن ٹائمز' نے سر ویلیام رسل کو ہی سن 1956 ک جंगे आजादी की रिपोर्ट देने के लिए अपना खास संवाददाता बनाकर यहाँ भेजा था. उन्होंने 'लنڈन टाइम्स' के सम्पादक जान डिलेन के नाम लखनऊ से अपने एक पत्र के साथ 'पयामे आजादी' में प्रकाशित सम्राट बहादुरशाह का एक ऐलान भी भेजा था जिसे पढ़कर इसमें जरा भी शुबहा नहीं रह जाता कि सन 57 का युद्ध भारत की स्वाधीनता का संग्राम था और 'पयामे आजादी' उस युद्ध का मुख पत्र था. वह ऐलान इस प्रकार है:—

'हिन्दुस्तान के हिन्दुओं और मुसलमानों' उठो ! भाइयों, उठो ! खुदा ने इनसान को जितनी बरकतें अता की हैं उनमें सब से कीमती बरकत आजादी की है. वह खालिम नाकस जिसने धोका दे दे कर हम से यह बरकत छीन ली है क्या हमेशा के लिए हमें उससे महकूम रख सकेगा ? क्या खुदा की मरजी के खिलाफ इस तरह का काम हमेशा जारी रह सकता है ? नहीं, कभी नहीं, फिरंगियों ने इतने जुल्म किये हैं कि उनके गुनाहों का प्याला लबरेज हो चुका है... खुदा अब नहीं चाहता कि तुम खामोश रहा क्योंकि उसने हिन्दुओं और मुसलमानों के दिलों में अंग्रेजों को अपने बदन से बाहर निकालने की खाहिश पैदा कर दी है और खुदा के फजल से और तुम लोगों की बहादुरी से जल्द ही अंग्रेजों को इतनी कामिल शिकस्त मिलेगी कि हमारे इस मुल्क हिन्दुस्तान में उनका जरा भी निशान न रह जायगा. हमारी इस कौज में छोटे बड़े की कोई तमीज न हांगी. सब के साथ बराबरी का बर्ताव किया जायगा. इस पाक जंग में शरीक होने वाले सब आपस में भाई-भाई हैं. उनमें छोटे-बड़े का कोई फर्क नहीं. मैं अपने तमाम हिन्दी भाइयों से दरखास्त करता हूँ कि वह खुदा के बताये हुए इस पाक फर्ज को पूरा करने के लिए मैदाने जंग में कूद पड़े."

जी० बी० मालेसन ने अपनी पुस्तक 'दि रेड पैम्फलेट' में 'पयामे आजादी' के एक सम्पादकीय नोट का चित्र किया है जिसमें लिखा है कि "हिन्दू के बाशिन्दों. अरसे से जिसका इन्तजार था आजादी की वह पाक घड़ी आन पहुँची है..... हिन्दुस्तान के बाशिन्दे अब तक धोंके में आते रहे और अपनी ही तलवारों से अपने ही गले काटते रहे. अब हमें मुल्क फरोशी के इस गुनाह का कुप्रकारा (प्रायश्चित्त) करना चाहिये. अंग्रेज अब भी अपनी पुरानी दशावाजी से काम लेंगे. वे हिन्दुओं को मुसलमानों के खिलाफ और मुसलमानों को हिन्दुओं के खिलाफ उभारने की कोशिश करेंगे. लेकिन भाइयों, उनके जाल और फरेबों

'लन्डन टाइम्स' ने सर विलियम रسل को ही सन 1958 की एक आजादी की रिपोर्ट देने के लिए अपना खास संवाददाता बना कर भेजा था. उन्होंने 'लन्डन टाइम्स' के सम्पादक जान डिलेन के नाम लखनऊ से अपने एक पत्र के साथ 'पयामे आजादी' में प्रकाशित सम्राट बहादुरशाह का एक ऐलान भी भेजा था जिसे पढ़कर इसमें जरा भी शुबहा नहीं रह जाता कि सन 57 का युद्ध भारत की स्वाधीनता का संग्राम था और 'पयामे आजादी' उस युद्ध का मुख पत्र था. वह ऐलान इस प्रकार है.

"हस्तान के हन्दु और मुसलमान! उठो ! भाइयो! उठो ! خدا انسان کو جتنی برکتیں عطا کی ہیں ان میں سب سے بڑی برکت آزادی کی ہے. وہ ظالم ناکس جس نے دھوکا دیا کہ ہم سے یہ آزادی چھین لی ہے کیا ہمیشہ کے لئے ہمیں سے محروم رکھ سکتا ہے ? کیا خدا کی مرضی کے خلاف اس کا کام ہمیشہ جاری رہ سکتا ہے ? نہیں, کبھی نہیں, ہمیں نے اتنے ظلم کئے ہیں کہ ان کے گناہوں کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے... خدا اب نہیں چاہتا کہ تم خاموش رہو کیونکہ اس ہندوں اور مسلمانوں کے دلوں میں انگریزوں کو اپنے وطن باہر نکالنے کی خواہش پیدا کر دی ہے اور خدا کے فضل اور لوگوں کی بہادری سے جلد ہی انگریزوں کو اتنی مکمل شکست ملیگی کہ ہمارے اس ملک ہندستان میں ان کا ذرا نشان نہ رہ جائیگا. ہماری اس فوج میں چھوٹے بڑے کی تمیز نہ ہو گی. سب کے ساتھ برابری کا برتاؤ دیا جائیگا. ہاں جنگ میں شریک ہونے والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں. ان میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں. ہندو بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ خدا کے بتائے ہوئے اس پاک فرض کو پورا کرنے کے لئے مہدان جنگ میں

پڑیں."

جی. جی. ملسن نے اپنی پہلی ہسٹک 'نی ریڈ پمفلٹ' میں 'پام آزادی' کے ایک مسوداتی نرٹ کا ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ "ہند کے باشندے. عرصے سے جس کا انتظار تھا آزادی, وہ پاک کھڑی آن پہنچی ہے... ہندستان کے باشندے اب ہندو کے میں آئے رہے اور اپنی تلواروں سے اپنے ہی گلے کاٹنے. اب ہمیں ملک فروشی کے اس گناہ کا کفارہ 'پراشچیت' چاہئے. انگریز اب بھی اپنی پرانی دغا بازی سے کام لیں گے. ہندوں کو مسلمانوں کے خلاف اور مسلمانوں کو ہندوں کے آگ بھڑکنے کی کوشش کریں گے لیکن بھائیو! ان کے جال فریبوں

میدان میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی کتاب 'دی وار اینڈ کریمنی' میں انجیولسٹا کی بااثر شکیلیت کا روبرو سے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ 'بھارت' میں راج فیک اخباروں کے نہ ہونے سے عظیم آلہ چلتا تھا۔ ان کے کچھ اخباری بھائی چرچا کرتے ہوئے سرپام نے لکھا ہے کہ "ایک یورپی اور لستانی بھاشوں سے واقف بھارتیہ آزادی کے اس سندھیں واہک میں پکڑا گئی وہ سبھی خاصیتوں موجود تھیں جو انہیں یورپ کی کسی پر مکہ بھاشا کا مشہور اور بااثر اخبار نویس بنا سکتی تھیں۔"

تہیہاسیک سلسلے کی وہ کڑیاں ٹوٹ گئی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ بھارت واپس آکر انجیولسٹا نے کون سا خاص کارنامہ اپنے ہاتھوں میں لیا، پر 'پيام' آزادی کے جو نمبر برٹش سمکرائیہ میں سن 1936 تک، سورکشت تھے ان سے پتہ چلتا ہے کہ 'پيام' آزادی کے دوسرے نمبر میں بھارتی تریبون کی ایکتا کے متعلق عظیم آلہ کا ایک بیان چھپا تھا۔ انہیں انہوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بھارت کے اس سب سے پہلے اور سچے راشتری پتر کا پرکاشن فروری سن 1857 کے قریب شروع ہوا تھا اور مرزا بددار بخت کے دستخطی ہونے سے یہ چھپا کرنا تھا۔ پہلی آج کل کے معمرن میں بادشاہ کے حکم سے مرزا بددار بخت اس پتر کے 'سمپادک' اور 'پرکاشک' تھے۔

انہوں نے 'پيام' آزادی کے نمبروں سے سن 1757 کے स्वाधीنتا خرام پر خاسی انجیولسٹا کی پڑتی ہے۔ سن 1858 میں لندن سے چھپی ہوئی 'دی نیرٹیک آف دی انڈین ریولٹ' نامک کتاب میں 'پيام' آزادی کا ایک تذکرہ دیا گیا ہے جس میں دھولکھنڈ کی پلٹوں سے آزادی کی جگہ میں شامل ہونے کی اپیل کی گئی تھی۔ اس میں لکھا ہے :-

"بھائیو، دہلی میں فیرگیوں کے ساتھ آزادی کی جگہ ہو رہی ہے۔ اسلئے دی دھوا سے ہم نے انہیں جو پہلی شیکست دی ہے اس سے وہ اتنا بھرا ہے جتنا کسی دوسرے وقت وہ دس شکستوں سے بھی نہ بھرا ہے۔ یہ شمار ہندوستانی بھائیوں میں ان کے جمع ہو رہے ہیں۔ ایسے موقع پر اگر آپ بھائیوں کا رہے ہیں تو ہاتھ بھائیوں کے لئے دھونے۔ ہمارے کان اس طرح آپ کی اور لگے ہوئے ہیں جس طرح دروں کے کان موڈن کی آذان کی طرف لگے رہتے ہیں۔ ہم آپ کی توبوں کی آواز سننے کے لئے بے چین ہیں۔ ہماری آنکھیں آپ کی دیدار کی ہلکی سی سڑک پر لگی ہوئی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ فوراً آئے۔ ہمارا گھر آپ کا گھر ہے۔ ہمارے آپ کی آمد کے بھار کے گھب میں ہول نہیں آسکتے۔"

میدان میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی کتاب 'دی وار اینڈ کریمنی' میں انجیولسٹا کی بااثر شکیلیت کا روبرو سے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ 'بھارت' میں راج فیک اخباروں کے نہ ہونے سے عظیم آلہ چلتا تھا۔ ان کے کچھ اخباری بھائی چرچا کرتے ہوئے سرپام نے لکھا ہے کہ "ایک یورپی اور لستانی بھاشوں سے واقف بھارتیہ آزادی کے اس سندھیں واہک میں پکڑا گئی وہ سبھی خاصیتوں موجود تھیں جو انہیں یورپ کی کسی پر مکہ بھاشا کا مشہور اور بااثر اخبار نویس بنا سکتی تھیں۔"

انہوں نے 'پيام' آزادی کے نمبروں سے سن 1857 کے स्वाधीنتا خرام پر خاسی انجیولسٹا کی پڑتی ہے۔ سن 1858 میں لندن سے چھپی ہوئی 'دی نیرٹیک آف دی انڈین ریولٹ' نامک کتاب میں 'پيام' آزادی کا ایک تذکرہ دیا گیا ہے جس میں دھولکھنڈ کی پلٹوں سے آزادی کی جگہ میں شامل ہونے کی اپیل کی گئی تھی۔ اس میں لکھا ہے :-

"بھائیو، دہلی میں فیرگیوں کے ساتھ آزادی کی جگہ ہو رہی ہے۔ اسلئے دی دھوا سے ہم نے انہیں جو پہلی شیکست دی ہے اس سے وہ اتنا بھرا ہے جتنا کسی دوسرے وقت وہ دس شکستوں سے بھی نہ بھرا ہے۔ یہ شمار ہندوستانی بھائیوں میں ان کے جمع ہو رہے ہیں۔ ایسے موقع پر اگر آپ بھائیوں کا رہے ہیں تو ہاتھ بھائیوں کے لئے دھونے۔ ہمارے کان اس طرح آپ کی اور لگے ہوئے ہیں جس طرح دروں کے کان موڈن کی آذان کی طرف لگے رہتے ہیں۔ ہم آپ کی توبوں کی آواز سننے کے لئے بے چین ہیں۔ ہماری آنکھیں آپ کی دیدار کی ہلکی سی سڑک پر لگی ہوئی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ فوراً آئے۔ ہمارا گھر آپ کا گھر ہے۔ ہمارے آپ کی آمد کے بھار کے گھب میں ہول نہیں آسکتے۔"

"بھائیو، دہلی میں فیرگیوں کے ساتھ آزادی کی جگہ ہو رہی ہے۔ اسلئے دی دھوا سے ہم نے انہیں جو پہلی شیکست دی ہے اس سے وہ اتنا بھرا ہے جتنا کسی دوسرے وقت وہ دس شکستوں سے بھی نہ بھرا ہے۔ یہ شمار ہندوستانی بھائیوں میں ان کے جمع ہو رہے ہیں۔ ایسے موقع پر اگر آپ بھائیوں کا رہے ہیں تو ہاتھ بھائیوں کے لئے دھونے۔ ہمارے کان اس طرح آپ کی اور لگے ہوئے ہیں جس طرح دروں کے کان موڈن کی آذان کی طرف لگے رہتے ہیں۔ ہم آپ کی توبوں کی آواز سننے کے لئے بے چین ہیں۔ ہماری آنکھیں آپ کی دیدار کی ہلکی سی سڑک پر لگی ہوئی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ فوراً آئے۔ ہمارا گھر آپ کا گھر ہے۔ ہمارے آپ کی آمد کے بھار کے گھب میں ہول نہیں آسکتے۔"

سن ۱۷۷۰ سے لے کر سن ۱۹۳۰ تک भारत کے بطن پرست اخباروں کی سرکاری کا इतिहास कमोवेश भारतीय राष्ट्रीयता की तरफ़की का इतिहास समझा जा सकता है. इस लम्बे दौर में एक ओर भारतीय पत्रकारों को अगर रुपये पैसों की जबरदस्त दिक़्क़त का सामना करना पड़ा तो दूसरी ओर भयंकर सरकारी दमन का भी. फिर भी जिस निडरता के साथ त्यागमय सेवाभाव लेकर भारतीय पत्रकारों ने नागरिक स्वाधीनता, विचारों की आजादी और राजनीतिक आजादी के भावों का प्रचार किया वह संसार की पत्रकार कला के इतिहास का एक शानदार अध्याय है देशव्यापी कोशिशों से आजादी का जो चमकदार भवन आज हम अपने देश में तामीर कर रहे हैं उसकी नींव में शहीदों के साथ-साथ पत्रकारों के भी अस्थिपंजर पड़े हुए हैं. سن ۱۹۰۶ से लेकर سن ۱۹۳۰ ई० तक भारतीय अख़बार नवीसी और बतन परस्ती दोनों का एक ही मतलब रहा है.

‘पयामे आजादी’

सच्चे अर्थ में जो सब से पहला राष्ट्रीय पत्र हमारे देश में प्रकाशित हुआ वह ‘पयामे आजादी’ था. यह फरवरी १८५७ से दिल्ली में छपना और शाये होना शुरू हुआ. यह नागरी और उर्दू दोनों लिपियों में लीथो पर छपा करता था. पर इसके प्रकाशन की कोई तैयारी न थी. कभी सबेरें छपता था तो कभी शाम को, कभी रोज़ छपता था तो कभी एक दिन के अंतर पर. इस पत्र के प्रकाशन की योजना नाना साहब धुन्धपन्त के मंत्री और सलाहकार तथा سن १८५७ की महान् क्रांति के संयोजक अजीमुल्ला ने बनाई थी. सितम्बर سن १८५७ में मौसी से ‘पयामे आजादी’ का एक मराठी एडिशन भी प्रकाशित होने लगा था. उसकी केवल एक ही कापी ब्रिटिश म्यूजियम में मिलती है.

सन १८५४ में अजीमुल्ला पेशवा नानासाहब के वकील की हैसियत से विलायत गये थे, पर उनका असली मकसद यूरोप के जनमत का भारतीय स्वाधीनता का समर्थक बनाना था और रूस तथा इटली से खास तौर पर जंगे इनक़लाब के लिये हथियारों और सैनिकों की सहायता हासिल करना था. अपने इसी सफ़र में अजीमुल्ला ने यूरोपीय भाषाओं के कई अख़बारों के जरिये भारतीय आजादी के सवाल को यूरोपीय जनता के सामने रखा था. ग़ालिबन इसी सफ़र में उन्होंने ‘पयामे आजादी’ के लिए प्रेस आदि का इन्तज़ाम भी किया था.

‘लन्दन टाइम्स’ के विशेष प्रतिनिधि सर विलियम हावर्ड रसल से अजीमुल्ला की मेट क्रिमिया के लड़ाई के

سن 1857 سے لے کر سن 1930 تک भारत کے بطن پرست اخباروں کی ترقی کا انہاس کم و بیش ہارتھ رائٹو کی ترقی کا انہاس سمجھا جاسکتا ہے۔ اس لمبے دور میں ایک اور ہارتھ پتکاروں کو اگر روئے پیسوں کی زبردست دقت کا سامنا کرنا پڑا تو دوسری اور پھیلکر سرکاری دمن کا بھی؛ پھر بھی جس قدر کے ساتھ ٹھاک سے سیوا ہوا لے کر ہارتھ پتکاروں نے ناگزیر سوا دھلتا، دچاروں کی آزادی اور راج ٹیک آزادی کے ہاؤں کا پوجار کیا وہ سنسار کی پتکار کلا کے انہاس کا ایک شاندار ادھیائے ہے۔ دیہی ویابی کوششوں سے آزادی کا جو چمکدار بیون آج ہم اپنے دیہی میں تعمیر کر رہے ہیں اُس کی نیو میں شہرہوں کے ساتھ ساتھ پتکاروں کے بھی استہی پلجور پڑے ہوئے ہیں۔ سن 1905 سے لے کر سن 1930 عیسوی تک ہارتھ اخبار نویسی اور وطن پرست دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔

‘پيام آزادی’

سچے اُردو میں جو سب سے پہلا راشتریہ پتر عمارے دیہی میں پرکاشت ہوا وہ ‘پيام آزادی’ تھا۔ یہ فروری 1857 سے دلی میں چھپنا اور شائع ہونا ہوا۔ یہ ڈاکوئی اور اردو دونوں اور میں لکھو پر چھپا کرتا تھا۔ ہر اُس کے پرکاشن کی کوئی صلہ شدہ تاریخیں نہ تھیں۔ کبھی سویرے چھپتا تھا تو کبھی شام کو، کبھی روز چھپتا تو کبھی ایک دن کے اتر پر۔ اُس پتر کے پرکاشن کی بیچنا نانا صاحب دھند پنت کے ملقبی اور صاحبکار تھا سن 1857 کی مہاں کرائتی کے سنیوچک عظیم اللہ نے بنائی تھی۔ ستمبر سن 1857 میں چھانسی سے ‘پيام آزادی’ کا ایک مراٹھی ایڈیشن بھی پرکاشت ہوا۔ اکا نہا۔ لیکن اُس کی کھول ایک ہی کاپی برٹش میوزیم میں ملتی ہے۔

سن 1854 میں عظیم اللہ پشوا نانا صاحب کے وکیل کی حیثیت سے ولایت گئے تھے۔ پر اُن کا اصلی مقصد یورپ کے جن مت کو ہارتھ سوادھینا کا سمرتھک، ہانا تھا اور روس تھا اُٹلی سے خاص طور پر جنگ انقلاب کے لئے ہتھیاروں اور سنیوں کی سہانیت حاصل کرنا تھا۔ اپنے اسی سفر میں عظیم اللہ نے یورپی ہتھیاروں کے کئی اخباروں کے ذریعہ ہارتھ آزادی کے سوال کو یورپی چلتا کے سامنے رکھا تھا۔ غالباً اسی سفر میں انہوں نے ‘پيام آزادی’ کے اٹھ پریس آدمی کا انتظام بھی کیا تھا۔

‘لندن ٹائمز’ کے رشیہ ہر تندی سرولم ہادرقہ رمل سے عظیم اللہ کی ہیملٹ کریمیا کے لڑائی کے

شاہیہ آجکام بھادورشاہ کی یاد میں

एक दिन एक किरंगी रंगून की सड़क पर जा रहा था। उसे मालूम था कि बाबरशाह का मजार वहीं पर है। उसे उसने एक मिट्टी का टीला समझकर "बूट" की एक ठोकर जमा दी। उस बेचारे को क्या मालूम था कि एक आजादी का पुजारी उसमें हमेशा की नींव सो रहा है।

हमारे हर दिल अजीज नेताजी सुभाष जब रंगून गये तब उस मजार की मिट्टी को उन्होंने अपने माथे पर लगाया और गद्दी बहादुरशाह की कब्र पर बिपटकर अक्रीदत (भक्ति) के आँसू चढ़ाये। बहुत देर तक वे आँसू बहाते रहे, हाँ, बहादुर हमेशा बहादुर की इज्जत करता है ! भारत के हिन्दू मुसलमान भाइयों को बहादुरशाह की बहादुरी पर नाज (गर्व) होना चाहिये।

हिन्दू मुसलमान एकता खिन्दाबाद !
शाहीदे आजकाम बहादुरशाह खिन्दाबाद !

شهید اعظم بہادر شاہ کی یاد میں

ایک دن ایک کیرنگی رنگوں کی سڑک پر جا رہا تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ بادشاہ کا مزار وہیں پر ہے۔ اسے اس نے ایک مٹی کا ٹیلا سمجھ کر "بوت" کی ایک ٹھوکر جमा دی۔ اس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ ایک آزادی کا بھاری اس میں ہمیشہ کی نہاں سو رہا ہے۔

ہمارے ہر دلہیز نہتا جی سوبھاش جب رنگوں گئے تب اس مزار کی مٹی تو انہوں نے ماتھے پر لگایا اور شہید بہادرشاہ کی قبر پر لپٹ کر عقیدت (بھکتی) کے آنسو چڑھائے۔ بہت دیر تک وہ آنسو بہاتے رہے۔ ہاں، بہادر ہمیشہ بہادر کی عزت کرتا ہے ! بھارت کے ہندو مسلمان بھائیوں کو بہادر شاہ کی بہادری پر ناز (گرو) ہونا چاہئے۔

ہندو مسلم ایکتا زندہ بان !
شہید اعظم بہادرشاہ زندہ بان !

۱۷۵۷ کا देशभक्त अखबार 'पयामे आजादी'

विश्वम्भरनाथ पांडे

भारत की आजादी की लड़ाई के लम्बे दौर में भारतीय समाचार पत्रों, खासकर देशी भाषाओं के समाचार पत्रों का सहयोग उतना ही शानदार है जितना कि उसके लिये आत्मबलि देने वाले शहीदों का। आजादी के इतिहास के पन्नों में उनके सहयोग का जिक्र अकसर किया नहीं जाता। सच तो यह है कि आजादी की शानदार इमारत की नींव में शहीदों के साथ अनेक शहीद पत्रकारों की भी हड्डियाँ पकी हुई हैं। १८५७ के ऐसे एक बहादुर अखबार के बलिदान की अमर कहानी यहाँ दी जा रही है, जबकि अनेक शहीदों की यादगारें जहाँ तहाँ खड़ी की जा रही हैं तब क्या इस साथी पत्रकार की कोई यादगार खड़ी नहीं की जा सकती ?

1857 का देश भक्त अखबार 'پیام آزادی'

وشمیر نانہ پانڈے

بھارت کی آزادی کی لڑائی کے لمبے دور میں ہمارے سماچار پتروں، خاص کر دیشی بھاشاؤں کے سماچار پتروں کا سہوگ اتنا ہی شاندار ہے جتنا کہ اس کے لئے آتم بلی دینے والے سہودوں کا آزادی کے انہوں کے ہنوں میں ان کے سہوگ کا ذکر انہوں نے نہ کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ آزادی کی شاندار عمارت کی نڈوں میں سہودوں کے ساتھ انہوں نے سہود پتروں کی بھی ہڈیاں پڑی۔ 1857 کے ایسے ایک بہادر اخبار کے بلیدان کی امر کہانی یہاں دی جا رہی ہے۔ جب کہ انہوں نے سہودوں کی یادگاریں جہاں جہاں تھیں ان کی جا رہی ہیں تب کیا اس سانہی پتروں کی کوئی یادگار کوئی نہیں کی جا سکتی !

शाह के खयालों से खूब चाकित थे. बहादुर शाह ने चारों तरफ़ फ़रमान भेजे. वे लोग अपने बतन की इकसत ब आबरू बचाने के लिये तलवार की धार पर चलने का भी तैयार थे. “बाहे जान ही चली जाय मगर आन नहीं” यही उनका वसूल था. उन लोगों की जद्दोजद्द से ही सिपाहियों की आज़ादी की लड़ाई शुरू हो गयी ! फिरंगियों की नज़र में यह “रादर” था “म्यूटिनी” थी ! मगर अज़ादी के मतवालों के लिये यह “जंगे आज़ादी” का पहला क़दम था. इसने हिन्दुस्तान की तबारीख़ को और भी

उनकी गिरफ्तारी के बाद हहसन ने बादशाह के बेटों को गोली मार दी.

बादशाह के बेटों के सिर एक तश्त में रख कर हडसन उन्हें बादशाह के सामने ले गया और कहा—“बादशाह अलामत की खिदमत में कम्पनी की आर से यह नज़र पेश है !” उस ज़ालिम ने ढंके सिरों पर से कपड़ा हटा दिया ! बादशाह ने मुँह फेर कर कहा—“अलहम्दोलिल्लाह ! (ईश्वर महान है) तैमूर की औलाद इसी तरह सुखरू (प्रतिष्ठित) होकर अपने बाप के सामने आया करती थी !”

देश के दुश्मनों ने कहा—

“दमदमों में दम नहीं अर खैर माँगो जान की।

ऐ ज़फ़र ठंडी हुई शमगीर हिन्दुस्तान की !

बादशाह ने जवाब दिया—

“ग्राज़ियों में बू रहेगी जब तलक ईमान की,

तख़्ते लन्दन तक चलेगी, तेंग़ हिन्दुस्तान की !”

बादशाह गिरफ्तार हुए और रंगून भेजे गये, वहाँ उन पर जो कुछ बीती वह बयान से बाहर है। उनकी हालत पर पत्थर भी रां देगा, उनको दाने-दाने के लिये तरसना पड़ा ! रंगून में बादशाह में एक बड़ा तमाय्युर (परिवर्तन) हुआ, तब का एक शेर सुनिये—

“पैसे मर्ग मेरे मज़ार पर जो दिया किस्म ने जला दिया,

उसे आह दामन बाद ने सरे शाम से ही बुझा दिया.

मेरी छाँस भापकी थी एक पल, तभी दिख ने कहा कहीं उठके चल.

दिले बेकारार ने आनकर मुझे छुटकी लेके जगा दिया,

पसे मगं कळ पैसे 'जुहुर' पदे फातिहा कोई आनकर

वो जो दूरी क़दम का था निशों उसे ठोकरों से मिटा दिया

شاہ کے خیالوں سے خوب واقف دتہہ . بہادر شاہ نے چاروں طرف فرمان بھیجے . وہ لوگ اپنے وطن کی عزت و آبرو بچانے کے لئے تلوار کی گھاٹ پر چلنے کو بھی تیار تھے . چائے جان ہی چلی جائے مگر اُن نہیں“ یہی اُن کا اصول تھا . اُن لوگوں کی جذبہ جہد سے ہی سپاہیوں کی آزادی کی لڑائی شروع ہو گئی ! فرنکوں کی نظر میں یہ ”غیر“ تھا، ”مہوئی“ نہیں ! مگر آزادی کے متوالوں کے لئے

اُن کی گرفتاری کے بعد عتسن نے بادشاہ کے بھتیوں کو گولی مار دی۔ بادشاہ کے بھتیوں کے سر ایک طشت میں رکھ کر عتسن انہیں بادشاہ کے سامنے لے گیا اور کہا—”بادشاہ سلامت کی خدمت میں کہانی کی اور سے یہ نذر پیش ہے!“ اُس ظالم نے قہقہے سروں پر سے اُڑتا ہوا دیا ! بادشاہ نے منہ پھیر کر کہا—”الحمد للہ!“

(”ابشور مہان ہے“) تیمور کی اولاد! اسی طرح سرخرو (پراشتہت) ہو کر اپنے باپ کے سامنے آیا کرنی تھی!

”دردمیں مہیں دم نہیں اب خیر مانگو جان کی !
 لہ ظفر تھلڈی ہوئی شمشیر ہندستان کی !“

بادشاہ نے جواب دیا —

دیش کے دشمنوں نے کہا—

”عائزہ! میں یہ رہی۔ جب فلک ایمان کی“

تخت لندن تک چای کی پیغ ہلدستان کی !

بادشاہ گرفتار ہوئے اور رنگین ہو چکے تھے۔ وہاں اُن پر جو
 کچھ بہت سی باتیں ہو رہی تھیں۔ اُن کی حالت پر ہنر بھی
 رو دیا۔ اُن کو دالے دالے کے لئے لٹکا دیا اور رنگین میں
 بادشاہ میں ایک بڑا تھوڑا (پریرقن) ہوا۔ تب کا ایک شعر
 سنئے۔

بس مرگ میرے مزار پر جو دیا کسو نے جلا دیا،

اُسے آہ دامنِ ہاں نے سرِ شام سے ہی بچھا دیا۔

میری آنکھ چاٹتی تھی ایک پل، تھیں دل لے کہا۔

کہیں اُٹھ کے چلے

دل بے قرار ہے اُن کو مجھے چٹکی لے کے جگا دیا۔

بس مرگ قبر پہ اے 'ظفر' پڑھے فاتحہ کہنی اُن کر۔

وہ جو ٹہنی قبر کا تھا اہل اسے ٹھوکروں سے ملتا دیتا۔

بہادر شاہ برائے نام بادشاہ ہے۔ اپنی جیندگی کی شروعات میں ہی وہ رنج و غم کے شکار ہو چکا ہے۔ اُن کے والد (پتا) بھی اُن سے ناراض ہے۔ وہ اپنے دوسرے فرزند (پتر) کو راجدہ دینا چاہتے ہیں۔ اِس لئے بہادر شاہ کو گھر سے الگ رہنا پڑا۔ وہ "فن و حکمت" (کلاکاری) کے کھڑے ہیں۔ وہ عطاؤں اور شہزادوں کے شاہی گھر میں بھی شاعری کرتے ہیں۔

"میری آواز بند ہو جب تلک،
وہ نجر میں نرے-ملاک تھا،
خوشی آواز تو بے خبر رہی،
کی وہ خواب یا کی خیال تھا،
میرے دل میں تھا کی کھڑا ہے،
جو یہ دل پہ رنج-ملاک ہے،
وہ جب آ گیا میرے سامنے،
ن تو رنج یا ن ملاک تھا۔"

بہادر شاہ کی بے بسی کے دنوں میں اُن کی بیگم جینت-مہل ہی مدد دیتی تھیں۔ بیگم سیاست کی گتھی ٹیٹ-ٹیٹ مٹاتی تھیں۔ اِس لئے انگریز اُن سے خبردار تھے۔ بیگم جینت

بیگم جینت-مہل نے اپنے پیارے بادشاہ کے لیے اپنے پیر-آرام کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ بہادر شاہ کے ساتھ انقلب میں کود پڑی اور جیل میں قید رہ کر آخری دم تک بہادر شاہ کے ساتھ مصروف رہیں۔

بہادر شاہ کا بیٹا جواں بخت تھا، جو انگریزوں کی چال بازی اور مکاری سے خوب واقف تھا۔ اِس لئے انگریز اُس سے جاملے تھے۔ اِس لئے اُسے ولی عہد ماننے سے انہیں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے اندر سے دو چراغ تھے۔ ایک جواں بخت تھا اور دوسرا زلیخا محل۔ زلیخا بیگم بادشاہ کی زندگی میں چمکتا نور بن کر چمکیں۔ جواں بخت اُن کی زندگی میں اُردم تھا۔ وہ تھے برائے نام کے بادشاہ۔ اُن کو کوئی آزادی نہ دی گئی۔ انگریزوں کی یہ کڑوت بہادر شاہ کی خود داری کے لئے ایک چیلنج تھی۔ لڑنے والے ہر گورنر جنرل کو اِس نے بادشاہ کو ہتھیار اُن کے جملہ دن میں نذر دینے کی جو رسم تھی اُسے بند کر دیا۔ بادشاہ کی حالت بڑی دردناک تھی۔

"اِرا کر اُشہانہ مصرعے میرا،
کیا صاف اِس قدر تلکا نہ پایا۔"

اب تک فرنگیوں کا یہ خوب جم چکا تھا۔ لہذا اُن کے برابر واحد ملی شاہ کا نصف چھین لیا گیا! جہانسی کا حق ٹھکر لیا گیا! اب بھارت پر سے جاگ اٹھا اُنکا صاحب کی پوٹھی بند ہو چکی تھی۔ وہ بہادر

بہادر شاہ کا بیٹا جواں بخت تھا جو انگریزوں کی چال بازی اور مکاری سے خوب واقف تھا۔ اِس لئے انگریز اُس سے جاملے تھے۔ اِس لئے اُسے ولی عہد ماننے سے انہیں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے اندر سے دو چراغ تھے۔ ایک جواں بخت تھا اور دوسرا زلیخا محل۔ زلیخا بیگم بادشاہ کی زندگی میں چمکتا نور بن کر چمکیں۔ جواں بخت اُن کی زندگی میں اُردم تھا۔ وہ تھے برائے نام کے بادشاہ۔ اُن کو کوئی آزادی نہ دی گئی۔ انگریزوں کی یہ کڑوت بہادر شاہ کی خود داری کے لئے ایک چیلنج تھی۔ لڑنے والے ہر گورنر جنرل کو اِس نے بادشاہ کو ہتھیار اُن کے جملہ دن میں نذر دینے کی جو رسم تھی اُسے بند کر دیا۔ بادشاہ کی حالت بڑی دردناک تھی۔

بہادر شاہ کا بیٹا جواں بخت تھا، جو انگریزوں کی چال بازی اور مکاری سے خوب واقف تھا۔ اِس لئے انگریز اُس سے جاملے تھے۔ اِس لئے اُسے ولی عہد ماننے سے انہیں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے اندر سے دو چراغ تھے۔ ایک جواں بخت تھا اور دوسرا زلیخا محل۔ زلیخا بیگم بادشاہ کی زندگی میں چمکتا نور بن کر چمکیں۔ جواں بخت اُن کی زندگی میں اُردم تھا۔ وہ تھے برائے نام کے بادشاہ۔ اُن کو کوئی آزادی نہ دی گئی۔ انگریزوں کی یہ کڑوت بہادر شاہ کی خود داری کے لئے ایک چیلنج تھی۔ لڑنے والے ہر گورنر جنرل کو اِس نے بادشاہ کو ہتھیار اُن کے جملہ دن میں نذر دینے کی جو رسم تھی اُسے بند کر دیا۔ بادشاہ کی حالت بڑی دردناک تھی۔

"اِرا کر اُشہانہ مصرعے میرا،
کیا صاف اِس قدر تلکا نہ پایا۔"

اب تک فرنگیوں کا یہ خوب جم چکا تھا۔ لہذا اُن کے برابر واحد ملی شاہ کا نصف چھین لیا گیا! جہانسی کا حق ٹھکر لیا گیا! اب بھارت پر سے جاگ اٹھا اُنکا صاحب کی پوٹھی بند ہو چکی تھی۔ وہ بہادر

میں کبھی کو پیٹ کا بومک ہوں،
میں فکرت کے دھل کا گیار ہوں۔
جو ہنسی کے دین بے خوشی کے دین،
گئے 'ہشترتے' باکری رہ گئی،
کبھی باہر آئے-ناؤں کا،
مگر اب میں اسکا اُتار ہوں۔"

اگر کوئی سچا شاعر شاعرانہ دل لے کے بہادر شاہ کے سوار کے پاس ٹہلتا ہو تو وہاں کی سرد ہوا میں یہی آواز سنائی دے گی! معمولی شاعر کو اپنی حیثیت خوب معلوم ہے پر بہادر شاہ بادشاہ تھے۔ باہر، اکبر اور اورنگزیب کے تخت و تاج کو روشن کرنے والے تھے، ان جیسے بادشاہ کو معمولی انسان سے بھی زیادہ تکلیف دہ زندگی بسر کرنا پڑی ہو، تو اس کا اندازہ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔

چاراگر ہر ن سکہ میرے جیگر کے ناسور،
اک گار بند کیا دھرا رोजن نکلا۔

بہادر شاہ کو 72 سال کی عمر میں "راجگدی" ملی۔ وہ بھی کیسی؟ اکبر شاہ کے زمانے میں ہی کمپنی نے ان کے ہاکو-ہاکو (اधिकार) کو ختم لیا، جن کا "سامجھوتہ" کمپنی کے ہاکو-ہاکو نے بادشاہ شاہجہاں سے کیا تھا۔ اکبر شاہ نے پیرہی کے واسطے راجا رام موہن راہ کو بھکیل بنا کر انگلستان بھجوا۔ وہیں راجہ صاحب کا انتقال ہو گیا، تو معاملہ جیوں کا نہیں رہ گیا۔ اکبر شاہ کی شکست (ہار) ہو چکی تھی، اب انگریزوں نے اور بھی ظلم شروع کئے۔

جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے، تب بھی فرنگیوں کا رویہ جاری رہا۔ خاص موقع پر جو تحفہ (پیشکش) نذر کی طور پر بادشاہ کو دینے جاتے تھے، موقوف (بند) ہو چکے تھے۔ جب چارلس میٹنگ ریپبلکین ہوا تو اس نے سلام کرنٹس و میجر سب ختم کر دیا۔ منزل سلطنت کے زوال (کرنٹی) کے دن نزدیک آگئے تھے۔

فرنگیوں نے جو ہرگز کی تھی اسے بہادر شاہ جیسے آزادی کے متوالہ کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ ان کی عمر زیادہ ہو چکی تھی۔ بڑھاپے کے حال میں بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری۔

سلیفے تو سہی—

یوں ہی طبیعت اپنی حوس پر لگی ہوئی،
مکھی کی جیسے ناک مگس پر لگی ہوئی۔
آج کب کرے ہمیں صیاد دیکھئے،
رہتی ہے آج بادے-کف پر لگی ہوئی۔

میں نہیں کی پتہ کا ہرجہ ہوں،
میں فلک کے دل کا غبار ہوں۔
وہ ہنسی کے دن وہ خوشی کے دن،
گئے حسرتیں باقی رہ گئی۔
کبھی بادے جام ناز تھا،
مگر اب میں اس کا اُتار ہوں۔

اگر کوئی سچا شاعر شاعرانہ دل لے کے بہادر شاہ کے سوار کے پاس ٹہلتا ہو تو وہاں کی سرد ہوا میں یہی آواز سنائی دے گی! معمولی شاعر کو اپنی حیثیت خوب معلوم ہے پر بہادر شاہ بادشاہ تھے۔ باہر، اکبر اور اورنگزیب کے تخت و تاج کو روشن کرنے والے تھے، ان جیسے بادشاہ کو معمولی انسان سے بھی زیادہ تکلیف دہ زندگی بسر کرنا پڑی ہو، تو اس کا اندازہ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔

چارہ گر ہر نہ سکہ میرے جگر کا ناسور،
ایک گم بند کیا دھرا رोजن نکلا۔

بہادر شاہ کو 72 سال کی عمر میں "راجگدی" ملی۔ وہ بھی کیسی؟ اکبر کے زمانے میں ہی کمپنی نے ان کے ہاکو-ہاکو (اधिकार) کو ختم لیا، جن کا "سامجھوتہ" کمپنی کے ہاکو-ہاکو نے بادشاہ شاہجہاں سے کیا تھا۔ اکبر شاہ نے پیرہی کے واسطے راجا رام موہن راہ کو بھکیل بنا کر انگلستان بھجوا۔ وہیں راجہ صاحب کا انتقال ہو گیا، تو معاملہ جیوں کا نہیں رہ گیا۔ اکبر شاہ کی شکست (ہار) ہو چکی تھی، اب انگریزوں نے اور بھی ظلم شروع کئے۔

جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے، تب بھی فرنگیوں کا رویہ جاری رہا۔ خاص موقع پر جو تحفہ (پیشکش) نذر کی طور پر بادشاہ کو دینے جاتے تھے، موقوف (بند) ہو چکے تھے۔ جب چارلس میٹنگ ریپبلکین ہوا تو اس نے سلام کرنٹس و میجر سب ختم کر دیا۔ منزل سلطنت کے زوال (کرنٹی) کے دن نزدیک آگئے تھے۔

فرنگیوں نے جو ہرگز کی تھی اسے بہادر شاہ جیسے آزادی کے متوالہ کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ ان کی عمر زیادہ ہو چکی تھی۔ بڑھاپے کے حال میں بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری۔

سلیفے تو سہی—

یوں ہی طبیعت اپنی حوس پر لگی ہوئی،
مکھی کی جیسے ناک مگس پر لگی ہوئی۔
آج کب کرے ہمیں صیاد دیکھئے،
رہتی ہے آج بادے-کف پر لگی ہوئی۔

شुभाکھ دیند میں مہی مائی کی رانی سے لےکر بھگت
سید، راجگروہ، سیددین، آدی شہیدوں نے جنگ آزادی کا اعلان
کیا۔ ہمارے سامنے شہیدوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب کا
مقصد آزادی تھا !

بہادر شاہ بھی آزادی کے لئے کام آیا۔ وہ سلطنت
مغلہ کے آخری چراغ تھے۔ وہ بادشاہ ہوتے ہوئے بھی وطن پرستی
(دیش بھکتی) کے شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں جوش
تھا۔ جذباتی لہریں (ہیوانا کی ترنگوں) اُتر آتی تھیں۔
بہادر شاہ کے بارے میں جاننا ہر ایک کا فرض ہے۔

بہادر شاہ 'بد' کے ایک اچھے شاعر تھے۔ انہوں نے
'جفر' کے تخلص (نام) سے شہرت پائی۔ سب
سے زیادہ ان کا نام آزادی کے شاعر کی سب سے زیادہ
بہارت کی آزادی کو قائم رکھنے کے لئے انہوں نے جو قربانی کی
تھی وہ ہمیشہ زندہ جاوید (سچے کے لئے) رہیگی۔

بہادر شاہ کی شاعری میں گہرے جذبات تھے اور
جیندگی تھی، اصل میں ان کے زمانے تک بد
(ساحلیت) کا رعبا ہرگز-ہرگز (یا 'مجازی' کے نام
پر ہی بدھت کچھ گولو بلبل تک مہد (سیمیت) تھا۔
دیگر (انہی) شاعروں کی طرح انہیں
'بد' کا نام سے بدھت کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے
'جفر' کے نام سے بدھت کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے
'جفر' کے نام سے بدھت کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے
'جفر' کے نام سے بدھت کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے

اب ان کا کلام سنئے—

'نہ پوچھ مجھ سے' ظفر تو میرا حقیقت حال،
اگر کہوں گا ابھی تجھ کو میں رولا دوں گا۔'

ظفر نے اپنی حقیقت (واستحکات) کو سادہ طور سے بیان
کے بیان کیا ہے۔ پھر بھی تواریخ (انہیں) نے ہی ان کی زندگی کی
دردناک حالت پر آنسو کی ہونڈیں بہا دی ہیں—

''جو بیڑا ڈھکے ہو وہاں ہے،
جو اتر گیا وہاں ہے،
جو بیٹھا گیا وہاں ہے،
جو اتر گیا وہاں ہے،
میرا حال کابل دیو ہے،
کہ نہ آس ہے نہ اُمید ہے،
میری غم کے حیرتوں رہ گئی،
میں ان حیرتوں کا مجاز ہوں،
میں کھڑا رہوں، میں کھڑا رہوں،
نہ پوچھ مجھ سے، نہ پوچھ مجھ سے،

بہادر شاہ بھی آزادی کے لئے کام آیا۔ وہ سلطنت
مغلہ کے آخری چراغ تھے۔ وہ بادشاہ ہوتے ہوئے بھی وطن پرستی
(دیش بھکتی) کے شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں جوش
تھا۔ جذباتی لہریں (ہیوانا کی ترنگوں) اُتر آتی تھیں۔
بہادر شاہ کے بارے میں جاننا ہر ایک کا فرض ہے۔

بہادر شاہ 'بد' کے ایک اچھے شاعر تھے۔ انہوں نے
'جفر' کے تخلص (نام) سے شہرت پائی۔ سب
سے زیادہ ان کا نام آزادی کے شاعر کی سب سے زیادہ
بہارت کی آزادی کو قائم رکھنے کے لئے انہوں نے جو قربانی کی
تھی وہ ہمیشہ زندہ جاوید (سچے کے لئے) رہیگی۔

بہادر شاہ کی شاعری میں گہرے جذبات تھے اور
جیندگی تھی، اصل میں ان کے زمانے تک بد
(ساحلیت) کا رعبا ہرگز-ہرگز (یا 'مجازی' کے نام
پر ہی بدھت کچھ گولو بلبل تک مہد (سیمیت) تھا۔
دیگر (انہی) شاعروں کی طرح انہیں
'بد' کا نام سے بدھت کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے
'جفر' کے نام سے بدھت کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے
'جفر' کے نام سے بدھت کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے
'جفر' کے نام سے بدھت کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے

اب ان کا کلام سنئے—

'نہ پوچھ مجھ سے' ظفر تو میرا حقیقت حال،
اگر کہوں گا ابھی تجھ کو میں رولا دوں گا۔'

ظفر نے اپنی حقیقت (واستحکات) کو سادہ طور سے بیان
کے بیان کیا ہے۔ پھر بھی تواریخ (انہیں) نے ہی ان کی زندگی کی
دردناک حالت پر آنسو کی ہونڈیں بہا دی ہیں—

جو خزاں ہوئی وہ بہار ہوں،
جو اتر گیا وہاں ہے،
جو بیٹھا گیا وہاں ہے،
جو اتر گیا وہاں ہے،
میرا حال کابل دیو ہے،
کہ نہ آس ہے نہ اُمید ہے،
میری غم کے حیرتوں رہ گئی،
میں ان حیرتوں کا مجاز ہوں،
میں کھڑا رہوں، میں کھڑا رہوں،
نہ پوچھ مجھ سے، نہ پوچھ مجھ سے،

चिरागों के सिलसिले (अंग्रेजों से खिताब)

श्री सलाम मखलीशहरी

नूर-ओ-नकह्तर की खातिर जो कुरबाँ हुए,
जिनको तुमने यह समझा ठिकाने लगे,
फूल बनकर वही मुस्कराने लगे,
चाँद बनकर वही जगमगाने लगे.

बात उलझी सी है, मैं दिवाना जो हूँ,
लैर, अब तुम जरा यह बताओ मुझे
क्या कहेंगे उसे जो बुझे दीप से,
बज्र की ताजा शमये जलाने लगे ?

तुमने भारत से ताजे जफ़र ले लिया,
हमको भारत ने गान्धी जवाहर दिया.
तुमने इस लाल किले में शोले भरे,
परचमे गुलफिशों हम उड़ाने लगे.

तुमने माँसी की रानी का सर ले लिया,
देश की गोद में नायबू आ गईं.
तुमने इस शहर दिल्ली को वीरां किया,
जन्नते हर तरफ हम सजाने लगे.

बूँ बुझे दीप से दीप जलते रहे,
और हम मुस्तकिल राशनी बन गए.
फिर भी पिछले अंधेरे सबी बाद भी—
भाज क्या जाने क्यों याद आने लगे ?

बात यह है कि हम अहले हिन्दास्तों,
एक आदर्श रखते हैं तहजीब का.
हम तो उस दम भी तुम से गले ही मिले,
जब यहाँ से, हुआ आप जाने लगे.

परे, इतना तो बतलाओ ये दोस्तो !
भाजकल क्या मरगाले हैं, क्या हाल है ?
फोई कदम या तुम छिप के बरदे में फिर,
अपने हिन्द पर गुल खिलाने लगे.

चिरागों के सिलसिले (अंग्रेजों से खिताब)

शरी सलाम मखलीशहरी

नूर و نهکت 2 کی خاطر جو قربان ہوئے،
جن کو تم نے یہ سمجھا ٹھکانے لگے .
پھول بن کر وہی مسکرائے لگے—
چاند بن کر وہی جگمگائے لگے !

بات اُلجھی سی ہے، میں دیوانہ جو ہوں،
خیر، اب تم ذرا یہ بتاؤ مجھے .
کیا کہو گے اُسے جو بجھے دیپ سے،
بزم 3 کی نازہ شمعیں 4 جلائے لگے !

تم نے بھارت سے تاج ظفر لے لیا،
ہم کو بھارت نے گاندھی جواہر دیا .
تم نے اِس لعل قلعے میں شولے بھرے .
پرچم گل نشانی 5 ہم اُڑائے لگے !

تم نے جھانسی کی رانی کا سر لے لیا،
دیش کی گود میں نایدو آگئیں !
تم نے اِس شہر دلی کو ویراں کیا .
جنتیں ہر طرف ہم سجائے لگے !

ہوں بجھے دیپ سے دیپ جلتے رہے،
اور ہم مستقل 9 روشنی بن گئے !
پھر ہی پچھلے اندھیرے صدی بعد ہی .
آج کیا جاتے کہیں یاد آئے لگے !

بات یہ ہے کہ ہم اہل ہندستان،
ایک آدرش رکھتے ہیں تہذیب کا .
ہم تو اِس دم ہی تم سے گلے ہی ملے،
جب یہاں سے حضور ! آپ جاتے لگے !

خیر، اتنا تو بتاؤ اے دوستو !
آجکل کیا مشغلے 7 ہیں، کیا حال ہے ؟
کوئی کہتا تھا تم چپ کے پردے میں بھرے،
سرحدوں پر گل کھلائے لگے !

انسان کی زندگی نہیں تھی۔ قیامت تک تو کسی کو جینا نہیں۔ پھر وچن کی مدت قیامت تک کہیں ؟

جہوں ہی میں اسی کو وہ سب ملنا چاہئے جو اُس کا حق اور حصہ ہے۔ پھر اُس میں دیری کہیں—اور سلوک کہیں ہیں ؟

خالی وعیدیں ہی وعیدیں پر تو انسان جی نہیں سکتا اور نہ پرہوار ہی پال سکتا ہے۔

یہ کہیں سا انصاف اور انسانیت ہے کہ ایک پرہوار نے ادھار پر کھول ایک سیاسی کھاکی اپنا جہوں بٹا دیا۔ کیا ایک اٹھا پرہوار کو ایک اٹھا کھا جانے والا ”تباہی“ ہوتا ہے آج کے راج کے اڑتہ میں ؟

آخر یہ ہوائی وعدے کب تک اُڑان رہتے رہیں گے اور کب تک چھوٹے وچن سے باغ دکھاتے رہیں گے ؟

جن میں نہ آشاؤں کی کھان، نہ آزادی کے پل پھولے۔

کھل کاتے ہی کاتے۔

لہکن اُس نے وہ کاتے ہی کاتے ہیں اپنے دامن میں آزادی کے لباس کی شوہا بڑھانے کے لئے—اور اسی لئے وہ ’خار وطن‘ ہیں اور وطن کے خار سے پدار ہوتا ہے ہر سچے دیہی بھکت کو۔

وچن کے چن کے پھول بھی اُس کے سامنے آدھک سے آدھک میں اور رنگ رنگ کے۔

دیکھتے ہیں بڑے سندر، بڑے دل کش، بڑے نثار فریب۔

مگر نہ یو نہ مہک۔

ابھتے تیز رنگت۔

لہکن وہ رنگت کب تک ؟

وچن کے چن کے پھول بھی اُس کے سامنے آدھک سے آدھک میں اور رنگ رنگ کے۔

دیکھتے ہیں بڑے سندر، بڑے دل کش، بڑے نثار فریب۔

مگر نہ یو نہ مہک۔

ابھتے تیز رنگت۔

لہکن وہ رنگت کب تک ؟

وچن کے چن کے پھول بھی اُس کے سامنے آدھک سے آدھک میں اور رنگ رنگ کے۔

دیکھتے ہیں بڑے سندر، بڑے دل کش، بڑے نثار فریب۔

مگر نہ یو نہ مہک۔

ابھتے تیز رنگت۔

لہکن وہ رنگت کب تک ؟

وچن کے چن کے پھول بھی اُس کے سامنے آدھک سے آدھک میں اور رنگ رنگ کے۔

دیکھتے ہیں بڑے سندر، بڑے دل کش، بڑے نثار فریب۔

انسان کی زندگی نہیں تھی۔ قیامت تک تو کسی کو جینا نہیں۔ پھر وچن کی مدت قیامت تک کہیں ؟

جہوں ہی میں اسی کو وہ سب ملنا چاہئے جو اُس کا حق اور حصہ ہے۔ پھر اُس میں دیری کہیں—اور سلوک کہیں ہیں ؟

خالی وعیدیں ہی وعیدیں پر تو انسان جی نہیں سکتا اور نہ پرہوار ہی پال سکتا ہے۔

یہ کہیں سا انصاف اور انسانیت ہے کہ ایک پرہوار نے ادھار پر کھول ایک سیاسی کھاکی اپنا جہوں بٹا دیا۔ کیا ایک اٹھا پرہوار کو ایک اٹھا کھا جانے والا ”تباہی“ ہوتا ہے آج کے راج کے اڑتہ میں ؟

آخر یہ ہوائی وعدے کب تک اُڑان رہتے رہیں گے اور کب تک چھوٹے وچن سے باغ دکھاتے رہیں گے ؟

جن میں نہ آشاؤں کی کھان، نہ آزادی کے پل پھولے۔

کھل کاتے ہی کاتے۔

لہکن اُس نے وہ کاتے ہی کاتے ہیں اپنے دامن میں آزادی کے لباس کی شوہا بڑھانے کے لئے—اور اسی لئے وہ ’خار وطن‘ ہیں اور وطن کے خار سے پدار ہوتا ہے ہر سچے دیہی بھکت کو۔

وچن کے چن کے پھول بھی اُس کے سامنے آدھک سے آدھک میں اور رنگ رنگ کے۔

دیکھتے ہیں بڑے سندر، بڑے دل کش، بڑے نثار فریب۔

مگر نہ یو نہ مہک۔

ابھتے تیز رنگت۔

لہکن وہ رنگت کب تک ؟

وچن کے چن کے پھول بھی اُس کے سامنے آدھک سے آدھک میں اور رنگ رنگ کے۔

دیکھتے ہیں بڑے سندر، بڑے دل کش، بڑے نثار فریب۔

مگر نہ یو نہ مہک۔

ابھتے تیز رنگت۔

لہکن وہ رنگت کب تک ؟

وچن کے چن کے پھول بھی اُس کے سامنے آدھک سے آدھک میں اور رنگ رنگ کے۔

دیکھتے ہیں بڑے سندر، بڑے دل کش، بڑے نثار فریب۔

مگر نہ یو نہ مہک۔

ابھتے تیز رنگت۔

لہکن وہ رنگت کب تک ؟

آجکال انسان کا بھی کھڑا دیرسہ ہے آزادی میں اور کھڑا رک ہے جندوریات میں—پھر انکو اننتا کے دوسرے سے کیا باستا، اور کبھی باستا ہو ؟

فیر داہا بھی کرتے ہیں اہلیسا کا۔

بچن بھی دتے ہیں سےوا کا۔

کیتنا آجیہ تماشا ہے یہ اور کیتنا ہسیں کرے !

انکا داہا دوسرا اور بچن رات ساہت ہو گیا۔ اس کی میاہ بھی ختم ہو گئی۔ اس کی بھی میاہ ہوتی ہے۔ کھڑکے پیمانے کو کب تک رکا جا سکتا ہے—اور کب تک ہشواسی اننتا سیاسی مٹ اور کرے کا پالین کر سکتی ہے—جب کسی بھی انسان کا بچن بے بچن ہو جاتا ہے تو فیر اسکا خد کا کبھی بچن نہیں رہتا۔ اسکی جیندگی میں اور سماج میں—انسان سرباہ اور ہشواہ کے بل پر ہجرت اور شاہت پاتا ہے—انسان کی ہجرت اور کرمیت اس کے ہشواہ میں ہوتی ہے۔ ہشواہ کی عزت اور قیمت اس کے ہشواہ میں ہوتی ہے۔ ہشواہ ختم ہوتے ہی وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جسے سرج دیکھ ہی دن ختم ہو جاتا ہے اور اندھرا چھا جاتا ہے۔

بھت کسی کی پرہاہ نہیں کرتا۔ نہ کسی کی طرفاری کرنا، مطلب یہ کہ وقت فرقہ پرست نہیں ہوتا۔ وہ انصاف پرست ہوتا ہے اور نہایت کرتا ہے۔ وہ اپنے اختیار سے اپنا فیصلہ خود صادر کرتا ہے۔ اس کا فیصلہ اور اس کا نظام گھڑی کی سوئی کی نوک پر رہتا ہے۔ جو بھی اس کی زد میں آجاتا ہے، ”کسے ہاشد“ چہن چہن میں پس ڈالتا ہے، اس دینا ہے انصاف کے شکارچے میں۔ وہ کسی کی رو رعایت نہیں رکھتا۔ نہ کسی کی سفارشی سوئیکار کرتا—کتنے گھمبیریوں کو اس نے ان کی ان میں خاک میں ملا دیا ہے۔ کتنے تاناشاہ اور نہتا شاہ جہم ہڑے میں اس کے چرنوں میں۔

بچن انسان کو گراتا بھی ہے، بٹاتا بھی ہے، بناوتا بھی ہے بیگاڑتا بھی ہے—اپنی ہجرت، اپنا ویکار، اپنی بات، اپنی ساہ کرایم رکنے کے لیے اسکا فیصلہ۔ خود انسان کے اسخاریار میں ہے کہ وہ اپنے لیے کیا فیصلہ کرتا ہے ؟

کسی بھی انسان کا بچن بڑے سے بڑے آہدے میں نہیں ہوتا۔ اور نہ اسکا بچن بڑے سے بڑے بنگلے میں رہتا ہے۔ انسان کا بچن کبھی بات کی سرباہ، سداچار کی سرباہ اور کیردار کی مچاہوتی اور پاکیہگی میں ہوتا ہے۔ جس میں یہ گھٹ نہیں بڑا ہوتے ہوئے بھی چھوٹا اور بھاری ہوتے ہوئے بھی ہلکا ہے۔

آخر جلتا کا بھی کچھ حصہ ہے آزادی میں اور کچھ حصہ ہے جمہوریت میں—پھر ان کو جلتا کے دوسرے سے کیا واسطہ، اور کبھی واسطہ ہو ؟

یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں اہلسا کا۔

بچن بھی دیتے ہیں سوا کا۔

کتنے عجیب تماشا ہے یہ اور کتنے حسین فریب ! ان کا دعویٰ جب دھو کا اور بچن غلط ثابت ہو گیا۔ اس کی میاہ بھی ختم ہو گئی۔ اس کی بھی میاہ ہوتی ہے۔ کھڑکے پیمانے کو کب تک رکا جا سکتا ہے—اور کب تک ہشواہ کی جلتا سیاسی جہوت اور فریب کا پالین کر سکتی ہے۔ جب کسی بھی انسان کا بچن پرورن ہو جاتا ہے تو یہ اس کا خود کا کوئی وزن نہیں رہتا اس کی زندگی میں اور سماج میں—انسان صرف سچائی اور ہشواہ کے بل پر عزت اور سواہت پاتا ہے۔ انسان کی عزت اور قیمت اس کے ہشواہ میں ہوتی ہے۔ ہشواہ ختم ہوتے ہی وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جسے سرج دیکھ ہی دن ختم ہو جاتا ہے اور اندھرا چھا جاتا ہے۔

وقت کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ نہ کسی کی طرفاری کرنا، مطلب یہ کہ وقت فرقہ پرست نہیں ہوتا۔ وہ انصاف پرست ہوتا ہے اور نہایت کرتا ہے۔ وہ اپنے اختیار سے اپنا فیصلہ خود صادر کرتا ہے۔ اس کا فیصلہ اور اس کا نظام گھڑی کی سوئی کی نوک پر رہتا ہے۔ جو بھی اس کی زد میں آجاتا ہے، ”کسے ہاشد“ چہن چہن میں پس ڈالتا ہے، اس دینا ہے انصاف کے شکارچے میں۔ وہ کسی کی رو رعایت نہیں رکھتا۔ نہ کسی کی سفارشی سوئیکار کرتا—کتنے گھمبیریوں کو اس نے ان کی ان میں خاک میں ملا دیا ہے۔ کتنے تاناشاہ اور نہتا شاہ جہم ہڑے میں اس کے چرنوں میں۔

بچن انسان کو گراتا بھی ہے، بٹاتا بھی ہے، بناوتا بھی ہے بیگاڑتا بھی ہے—اپنی ہجرت، اپنا ویکار، اپنی بات، اپنی ساہ کرایم رکنے کے لیے اسکا فیصلہ۔ خود انسان کے اسخاریار میں ہے کہ وہ اپنے لیے کیا فیصلہ کرتا ہے ؟

کسی بھی انسان کا بچن بڑے سے بڑے آہدے میں نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کا بچن بڑے سے بڑے بنگلے میں رہتا ہے۔ انسان کا بچن کبھی بات کی سرباہ، سداچار کی سرباہ اور کیردار کی مچاہوتی اور پاکیہگی میں ہوتا ہے۔ جس میں یہ گھٹ نہیں بڑا ہوتے ہوئے بھی چھوٹا اور بھاری ہوتے ہوئے بھی ہلکا ہے۔

کیتنے انمول موتی اور نایاب جواہر نقدری اور سامہودائے
کے دھار میں بد گئے۔ اور کتنے کئی ملی ذائقے دامن میں
سمٹ کاٹتے ہو گئے۔ راجہ نے وہ دھن کھپا جو قوم کی
مایہ تھا اور اُس مایہ سے ماتم دھویا جو جاکر کبھی واپس
نہیں آتی۔

دیکھتے دیکھتے اور اُن ہی اُن میں کتبہ کتبہ بدلے
ختم ہو گئے۔ کتنے پربور انیائے کی اونچی دیوار پھاند گئے۔
کئی بے چین آفتابیں جمہوریت کے لپٹاؤنے اور رنگین جال کے
پہلوں سے نکل کر آزاد فضا میں گھل مل گئیں۔

یہ دل شکن نظارہ دیکھ کر قومی طور پر اُس ٹوٹی۔ اُس
کے ٹوٹے ہی آشاؤں کے تار بھی ٹوٹ گئے۔ اور اُن تاروں سے
دھاریں پھوٹ نکلیں تیز جذبات اور لال لال غصے کی۔

کہاں گئے اب وہ تھاکے اور سیوک جن کے اندر سے ہمدردی کا
ایک ہوا بھی نہ ابھرا۔ اور دکھی انسانیت پر جن کی آنکھوں
سے ایک چھوٹا آنسو بھی نہ ٹپکا۔ جن کی آتما انسانیت کے
نیچے مولا لکڑی پڑی ہے اب تک۔

کہاں ہیں وہ جن سے ہوک جن کی زبانوں پر آتما اور
مہاتما کی رت دھو کا دیتی رہی ہے انسانیت کو اور انسانوں
کی اچھی تعلیمت کو—یعنی مائوٹا کو اور مائوٹو کی سند
شرعہ کو۔

آزادی کے دس درہے کم نہیں ہوتے۔ دس वर्ष کے کال
میں دس نہی پیدیاں جنم لے سکتی ہیں۔ دس نئے آکااش
بھولند ہو سکتے ہیں—سماں کی لٹمبائی، بویاڑی اور پستی
یا بھولند کا نام کےवल खुशحالی اور پرेशانی کے
پیمانے سے ہوتی ہے۔ موسیبات اور تکرلوق کا एक वर्ष तो
बहुत होता है. एक दिन भी अधिक और बहुत अधिक होता है—उसका एक-एक मिनट शताब्दियों की विशालता और
गहराई अपने अन्दर रखता है लेकिन उसका बही जानते
और समझते हैं जिन पर मुसीबत के पहाड़ टूटते हैं या दुख
के दिन बीतते हैं.

سوال یہ ہے ان تمام چیزوں کی ذمہ داری کس پر ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون سے دینے والوں پر.

اس کی ذمہ داری کون ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون ہے ؟

بہ شامیت پورے جیون پاکر سولامی اور آجادی کا
انتر سمکھ سکتی۔ آجادی کی کدھر کرمیت جان سکتی
اور اپنا کرمیت پہچان سکتی۔

پر نیا جوڑا نیا جیون تو دھ کی بات، آجادی
کے متوالوں کو کاکوں کی نوبت تک پہنچا دیا
گیا۔ کیتنی پورانی سولامی اور کیتنی پورانی
جنمیتا کی کڈی پورانی لنگوٹی تک بیک گئی۔

کیا یھی آجادی کا بربدان این ساریب اور بےجوبان
ہنسانوں کے لیے ہے ؟

کیا یھی ہے امہریت کا نیا دلیت بھومت
کے لیے ؟

یہ ساریب دھکی وہ لوگ ہیں جو اپنوں کے بچنوں پر
بھروسا کیتے اور "سنگتوں کی سیت" کڈاتی پر رستے
بھوں سے کھاموشا بٹے رہے ہیں اور تاکتے رہے ہیں
آنے والے اچھے
دینوں کی اور۔

لکین این کسیت کے ماروں کا دھرمیت تو دیکھو کہ این
کے اچھے دینوں کو بھی راستے سے چرا لے گئے کوئی چور۔

اگر ان سے کچھ کہا جائے تو کہیں والا بھی
جائے جب 'اٹا کڈا کڈا کو چور'۔

یہی وہ نامراد اور فراہ جنتا ہے کہ آزادی کے نام پر
خوشحالی کے سہنے دیکھتے دیکھتے جس کی آنکھیں پھرا
گئیں، دل بٹھ گئے۔ آٹاٹھیں مر گئیں، حسرتوں کا خون ہو
گیا۔ گردنیں خالی ہو گئیں، جھولیاں سڑ گل گئیں۔ کتنیں
لے اپنے عزیز پیاروں تک کی ہڈیاں دفن کر دیں یا خاک بنا
کر آرا دیں۔

آشا ہی آشا میں بے کار رہتے-رہتے کیتنے کام کے
ہاتھ شل پڑ گئے۔ کیتنے جیلانی دیمارا ٹس پڑ گئے۔
کیتنے یوگیتا بے کرنا ہو گئے اور اندر ہی
اندھر دھول-دھول کر اپنے جیور کھو بیٹھیں—
مূলے میں بربدان ہوتے ہیں کڈورت کی اور سے کسی
کرمی راجے کے لیے یہ وہ بھاری نقصان ہے جس کا بدل
کٹین—ایک اس مہان نقصان کو کھول زندہ قابل، حق پسند
اور انصاف پرور حکومتیں ہی سمجھتی ہیں—جوہر کی
قیمت کیول جوہری ہی جانتا ہے۔ اور ان کی ناقدری پر اسی
کا ماتم اور صدمہ بھی بجا !

آشا ہی آشا میں بے کار رہتے-رہتے کیتنے کام کے
ہاتھ شل پڑ گئے۔ کیتنے جیلانی دیمارا ٹس پڑ گئے۔
کیتنے یوگیتا بے کرنا ہو گئے اور اندر ہی
اندھر دھول-دھول کر اپنے جیور کھو بیٹھیں—
مূলے میں بربدان ہوتے ہیں کڈورت کی اور سے کسی
کرمی راجے کے لیے یہ وہ بھاری نقصان ہے جس کا بدل
کٹین—ایک اس مہان نقصان کو کھول زندہ قابل، حق پسند
اور انصاف پرور حکومتیں ہی سمجھتی ہیں—جوہر کی
قیمت کیول جوہری ہی جانتا ہے۔ اور ان کی ناقدری پر اسی
کا ماتم اور صدمہ بھی بجا !

ناکدہری، بےگاری اور بےپرہیزی کا کارن سبھیتا اور انہاس
کے گہانوں کی ہمت اور سادھس کو بھی تھیس پھونچاتی ہے
اور ان کی کارن شکتی پر اسی کا پرہیز پوتا ہے۔ تہذیب
کچھ کے اصول بھنڈار اور پراجہیں سسکتی کے انہک ایک
چتر اور خوالے دنیا کے سامنے آتے آتے رہ جاتے ہیں اور دنیا ان
کے لیے سے محروم ہو جاتی ہے۔ اچھی، ترقی پسند اور کربالیں
حکومتوں کا کرمیت ہونا ہے کہ وہ ایسی یوگیتوں کی قدر کریں
لکے قومی گن گن کو سمان دیں۔

بہ شامیت پورے جیون پاکر سولامی اور آجادی کا
انتر سمکھ سکتی۔ آجادی کی کدھر کرمیت جان سکتی
اور اپنا کرمیت پہچان سکتی۔

پر نیا جوڑا نیا جیون تو دھ کی بات، آجادی
کے متوالوں کو کاکوں کی نوبت تک پہنچا دیا گیا۔ کتنی پورانی
جنمیتا کی کڈی پورانی لنگوٹی تک بیک گئی۔

کیا یہی ہے آزادی کا وردان ان غریب اور بے زبان انسانوں
کے لئے ؟

کیا یہی ہے جمہوریت کا نہانے دلت بھومت کے لئے ؟
یہ غریب دھکی وہ لوگ ہیں جو اپنوں کے بچنوں پر
بھروسہ کئے اور 'سنگتوں کی سیت' چھاتی پر رکھے ورشوں سے
خاموش رہے ہیں اور تکتے رہے ہیں اے والے اچھے دینوں
کی اور۔

لکین این قسمت کے ماروں کا دھرمیت تو دیکھو کہ این کے
اچھے دینوں کو بھی راستے سے چرا لے گئے کوئی چور۔

اگر ان سے کچھ کہا جائے تو کہیں والا بھی
جائے جب 'اٹا کڈا کڈا کو چور'۔

یہی وہ نامراد اور فراہ جنتا ہے کہ آزادی کے نام پر
خوشحالی کے سہنے دیکھتے دیکھتے جس کی آنکھیں پھرا
گئیں، دل بٹھ گئے۔ آٹاٹھیں مر گئیں، حسرتوں کا خون ہو
گیا۔ گردنیں خالی ہو گئیں، جھولیاں سڑ گل گئیں۔ کتنیں
لے اپنے عزیز پیاروں تک کی ہڈیاں دفن کر دیں یا خاک بنا
کر آرا دیں۔

آشا ہی آشا میں بے کار رہتے-رہتے کیتنے کام کے
ہاتھ شل پڑ گئے۔ کیتنے جیلانی دیمارا ٹس پڑ گئے۔
کیتنے یوگیتا بے کرنا ہو گئے اور اندر ہی
اندھر دھول-دھول کر اپنے جیور کھو بیٹھیں—
مূলے میں بربدان ہوتے ہیں کڈورت کی اور سے کسی
کرمی راجے کے لیے یہ وہ بھاری نقصان ہے جس کا بدل
کٹین—ایک اس مہان نقصان کو کھول زندہ قابل، حق پسند
اور انصاف پرور حکومتیں ہی سمجھتی ہیں—جوہر کی
قیمت کیول جوہری ہی جانتا ہے۔ اور ان کی ناقدری پر اسی
کا ماتم اور صدمہ بھی بجا !

ناقدی، بےغوری اور بے پروائی کے کارن سبھیتا اور انہاس
کے گہانوں کی ہمت اور سادھس کو بھی تھیس پھونچاتی ہے
اور ان کی کارن شکتی پر اسی کا پرہیز پوتا ہے۔ تہذیب
کچھ کے اصول بھنڈار اور پراجہیں سسکتی کے انہک ایک
چتر اور خوالے دنیا کے سامنے آتے آتے رہ جاتے ہیں اور دنیا ان
کے لیے سے محروم ہو جاتی ہے۔ اچھی، ترقی پسند اور کربالیں
حکومتوں کا کرمیت ہونا ہے کہ وہ ایسی یوگیتوں کی قدر کریں
لکے قومی گن گن کو سمان دیں۔

एक आदमी رسول के पास आया और पूछने लगा:—
'क्या मैं अपने ऊँट की टाँगों को बाँध दूँ और अल्लाह पर
शक्कल करूँ (छोड़ दूँ) या मैं ऊँट को खुला रहने दूँ
और अल्लाह पर छाँड़ दूँ?' पैगम्बर ने जवाब दिया—
'ऊँट की टाँगों को बाँध दो और फिर अल्लाह पर छोड़
दो.'

—अंस, तिरमिजी.

मुहम्मद साहब ने कहा:—'सच्ची आगाही यानी
बेतावनी ही दीन है.'

—अबू हुरैरा, तिरमिजी, शमीलदारी' मुसलिम,
अबूदाऊद, निसाई.

मुहम्मद साहब ने मुझसे कहा:—'ऐ अबूअर खबरदार
हो, तुम्हारे अन्दर कमजोरी आने न पावे. मैं जो अपने
लिये चाहता हूँ वही तुम्हारे लिये. कभी दो आदमी के बीच
में यह फैसला न करा कि कौन अच्छा है और कौन बुरा.
और कभी यसीमों के माल पर क्रवजा न करो.'

—अबूअर, अबूदाऊद, निसाई.

[डाक्टर मिरजा अबुलफजल की अंग्रेजी किताब से
तरजुमा. अनुवादक—श्री मुजीब रिजवी.]

बचन और जतन

श्री अबदुल हलीम अन्सारी

आजादी हासिल करते वक़्त बचन देने वालों का कर्तव्य
था और राज की कुर्सी पर ठाठ से बैठने वालों पर
लाजिम था कि गुलामी से रिहाई और आजादी की प्राप्ति पर
बिधियों की गुलाम जनता को आजादी का नया जोड़ा पहिनाया
जाता और आजादी के दीपक से उनके अंधेरे घरों में उजा-
ला किया जाता. गुलाम और तरकी जनता को सुख शान्ति का
पयास दिया जाता, नया जीवन नया प्राण दिया जाता. बेराक

अक्टूबर '57

एक आदमी رسول के पास आया और पूछने लगा:—
'क्या मैं अपने ऊँट की टाँगों को बाँध दूँ और अल्लाह पर
शक्कल करूँ (छोड़ दूँ) या मैं ऊँट को खुला रहने दूँ
और अल्लाह पर छाँड़ दूँ?' पैगम्बर ने जवाब दिया:—
'ऊँट की टाँगों को बाँध दो और फिर अल्लाह पर छोड़
दो.'

—अंस, तिरमिजी.

محمد صاحب نے کہا کہ:—'مجھے اپنی آگاہی یعنی چٹکانی
ہی دین ہے.'

—ابو ہریرہ، ترمذی، شمیم الاداری، مسلم، ابو داؤد، نسائی.

محمد صاحب نے مجھ سے کہا:—'اے ابورخار! خبردار
ہو، اندر کمزوری آنے نہ پاورے. میں جو اپنے لئے چاہتا ہوں
تمہارے لئے چاہتا ہوں. کبھی دو آدمیوں کے بیچ میں یہ فیصلہ
نہ کرو کہ کون اچھا ہے اور کون برا. اور کبھی یقینوں کے مال
پر قبضہ نہ کرو.'

—ابوذر، ابو داؤد، نسائی.

[ڈاکٹر مرزا ابوالفضل کی انگریزی کتاب سے ترجمہ.
—انوارک شری مجیب رضوی.]

وچن اور جتن

شری عبدالعلیم انصاری

آزادی حاصل کرتے وقت بچن دینے والوں کا کर्तव्य
था और राज की कुर्सी पर ठाठ से बैठने वालों पर
लाजिम था कि गुलामी से रिहाई और आजादी की प्राप्ति पर
बिधियों की गुलाम जनता को आजादी का नया जोड़ा पहिनाया
जाता और आजादी के दीपक से उनके अंधेरे घरों में उजा-
ला किया जाता. गुलाम और तरकी जनता को सुख शान्ति का
पयास दिया जाता, नया जीवन नया प्राण दिया जाता. बेराक

अक्टूबर '57

مُحَمَّدؐ ساہب کے کلمہ چہرہ

کر دوسرے کان سے نیکال دیا۔ اس آدمی نے دوبارہ ابوبکر کا ایمان
ابوبکر نے پھر ہی کوئی پرواہ نہ کی۔ اُس آدمی نے تیسری
ابوبکر کا اسی طرح ایمان کیا۔ اِس پر ابوبکر نے اُس کا
طرح کے شہدوں میں جواب دیا۔ یہ دیکھ محمدؐ صاحب
ہو گئے اور دھلی سے چلے آئے۔ اِس پر ابوبکر نے پوچھا—
”اللہ کے رسول! کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے؟“
جواب دیا—”نہیں! لیکن جب اِس آدمی نے پہلے
ہارا ایمان کیا تھا تو ایک فرشتہ اِسے جہنم کے لئے آسمان سے
اُتار دیا لیکن جب تم نے اُس کا اسی طرح جواب دے دیا
وہ فرشتہ چلا گیا اور اُس کی جگہ شیطان تمہارے پاس
بیٹھا۔ اِس لئے جب تک شیطان یہاں بیٹھا ہے میں نہیں
لو سکتا۔“

—ابن مسعود، ابوداؤد۔

محمدؐ صاحب نے کہا:—”قرآن پڑھو اور لوگوں کو پڑھاؤ۔
ہر نیکے سچے مہم میں کھول ایک آدمی ہوں اور ایک دن تمہارے
بچ سے اُٹھا لیا جائیگا۔“

—ابن مسعود، داریمی، دارقطنی۔

محمدؐ صاحب نے کہا:—”قرآن میں پانچ طرح کی
چیزیں آتی ہیں: ایک معروف یعنی وہ چیزیں جن کا کرنا
جائز ہے، دوسرے منکر یعنی وہ چیزیں جن کا کرنا ناجائز
ہے، تیسرے وہ چیزیں جو صاف اور صریح ہیں، چوتھے وہ چیزیں
جو مشابہت یعنی تشبیہ (الذکار) کے روپ میں کہی گئی ہیں
اور پانچویں وہ چیزیں جو کہانیوں کی شکل میں ہیں۔ اِس
لئے جن چیزوں کو جائز بتایا گیا ہے انہیں جائز مانو، جنہیں
ناجائز بتایا گیا ہے اُن سے بچو، جو سیدھی صاف ہدایتیں
ہیں اُن پر عمل کرو، جو تشبیہ یعنی الذکار کے طور پر کہی
گئی ہیں انہیں ویسا ہی مانو، اور جو کہانیاں کہی گئی ہیں
اُن سے سبق سیکھو۔“

—ابو ہریرہ، بیہقی۔

محمدؐ صاحب نے کہا:—”سچے مہم اللہ اپنے لوگوں کے لئے
ہر سو سال کے شروع میں ایک ایسا آدمی پیدا کر دیتا جو
لوگوں کے دین کو تازہ کر دیتا۔“

—ابو ہریرہ، ابوداؤد۔

بھی خوکھ دے گا تو وہ برباد ہو جائیگا۔ اس کے بعد ایک
ایسا چمکانا آئے گا جس کے لوگوں میں سے
اگر کوئی اس میں سے دسویں حصے پر بھی عمل کرے گا تو وہ نجات
پائے گا۔

—ابو ہریرہ، ترمذی۔

یہ چہرہ دے گا تو وہ برباد ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک
ایسا چمکانا آئے گا جس کے لوگوں میں سے
اگر کوئی اس میں سے دسویں حصے پر بھی عمل کرے گا تو وہ نجات
پائے گا۔

—ابو ہریرہ، ترمذی۔

محمد صاحب سے پوچھا گیا کہ :—”آدمیوں میں
سب سے بدکار آدمی کون ہے ؟“ محمد صاحب نے جواب دیا :—”وہ
آدمی جو دل کا صاف ہے اور زبان کا سچا۔“ پھر پوچھا گیا
:—”زبان کا سچا کون ہے یہ ہم سمجھ سکتے ہیں“ لیکن دل کا
صاف کون ہے یہ ہم کیسے جانیں ؟“ پیغمبر نے جواب دیا :—
”دل کا صاف وہ ہے جو پاک ہو، نیک ہو، پاپ نہ کرنا ہو، کوئی
برائی نہ کرنا ہو اور کسی کے ساتھ نہ بغض (دوٹھ) رکھنا
ہو اور نہ کسی سے حسد (یرشا) کرنا ہو۔“

—عبداللہ بن عمرو، ابن ماجہ، بیہقی۔

محمد صاحب سے پوچھا گیا کہ :—”آدمیوں میں
سب سے بدکار آدمی کون ہے ؟“ محمد صاحب نے جواب دیا :—”وہ
آدمی جو دل کا صاف ہے اور زبان کا سچا۔“ پھر پوچھا گیا
:—”زبان کا سچا کون ہے یہ ہم سمجھ سکتے ہیں“ لیکن دل کا
صاف کون ہے یہ ہم کیسے جانیں ؟“ پیغمبر نے جواب دیا :—
”دل کا صاف وہ ہے جو پاک ہو، نیک ہو، پاپ نہ کرنا ہو، کوئی
برائی نہ کرنا ہو اور کسی کے ساتھ نہ بغض (دوٹھ) رکھنا
ہو اور نہ کسی سے حسد (یرشا) کرنا ہو۔“

—عبداللہ بن عمرو، ابن ماجہ، بیہقی۔

محمد صاحب نے کہا :—”آدمی کے لیے دوسرے سے
مکارتے رہنا اور مکاری باندھنا کافی بڑا گناہ ہے۔“

—ابن عباس، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا :—”آدمی کے لیے دوسرے سے
مکارتے رہنا اور مکاری باندھنا کافی بڑا گناہ ہے۔“

—ابن عباس، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا :—”اللہ کی نظروں میں سب
سے زیادہ نفرت انگیز آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ جھگڑتا اور
تکرار کرتا ہے۔“

—عائشہ، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی۔

محمد صاحب نے کہا :—”اللہ کی نظروں میں سب
سے زیادہ نفرت انگیز آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ جھگڑتا اور
تکرار کرتا ہے۔“

—عائشہ، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی۔

محمد صاحب نے کہا :—”کوئی کرم جسے ایک بار
مدائت مل گئی تھی اُس وقت تک گمراہ نہیں رہتی جب
تک اُس کرم کے لوگوں نے آپس میں جھگڑنا شروع نہیں
کر دیا۔“

—ابو امامہ، ترمذی، ابن ماجہ، احمد۔

محمد صاحب نے کہا :—”کوئی کرم جسے ایک بار
مدائت مل گئی تھی اُس وقت تک گمراہ نہیں رہتی جب
تک اُس کرم کے لوگوں نے آپس میں جھگڑنا شروع نہیں
کر دیا۔“

—ابو امامہ، ترمذی، ابن ماجہ، احمد۔

ایک دن محمد صاحب اپنے صحابہوں (ساتھوں) کے
ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک آدمی نے اُٹھ کر
پھر کا کچھ لپٹا لیا۔ لیکن ابوبکر نے ایک کُن سے سن

محمد صاحب کے کچھ اُپدیش

ڈاکٹر موزا ابوالفضل

محمد صاحب نے کہا:—”اپنی نسل یا خاندان کے گھنٹے میں کوئی کسی کو برا نہ کہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور اسی طرح ایک دوسرے کے برابر ہو جس طرح ایک ماپ دوسرے ماپ کے برابر ہوتا ہے اور تم میں سے کوئی بھی ماپ میں پورا نہیں ہے۔ کوئی کسی بات میں دوسرے سے برا نہیں ہے۔ سوائے اُن کے کہ جو نہی اور دھارمکتا میں بڑے ہوئے ہیں۔ آدمی کے لئے گھنٹہ ہونا، پشیم ہونا یا کلبجوس ہونا بہت بری بات ہے۔“

—عقبہ بن عامر، احمد، بھٹی۔

محمد صاحب نے کہا:—”اُن سب لوگوں کو جو اپنی نسل کا گھنٹہ کرتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہ تھے اور وہ تھے، انہیں چاہئے کہ اِس طرح کا گھنٹہ کرنا بند کر دیں۔ اِس طرح کا گھنٹہ انہیں دروغ کی آگ کے کوئلے بنا دیگا۔ اِس طرح کا گھنٹہ کرنے سے اللہ کی نظروں میں وہ اُس قدر سے بھی زیادہ ذلیل ہونگے جو میلے پر اپنی ناک رکھتا ہے۔ سچے سچ اِس طرح کا گھنٹہ جہالت کے دنوں کے کی چھائی ہے۔ اللہ نے اب اُسے تمہارے لئے ناجائز کر دیا ہے۔ آدمی یا تو نیک اور ایمان والا ہوتا ہے اور یا بد اور گنہ گار۔ سب آدمی آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنا ہوا تھا۔“

—ابو ہریرہ، ترمذی، ابوداؤد۔

محمد صاحب نے کہا:—”جو کوئی اپنے بیٹائی کا خط بنا اُس کی اجازت کے پڑھتا ہے وہ دروغ کی آگ میں پڑتا ہے (اور اُس میں پھینکا جائیگا)۔“

—ابن عباس، ابوداؤد۔

محمد صاحب نے کہا:—”سچے سچ اُچل تم ایک ایسے زمانے میں رہ رہے ہو جس میں جو کچھ کرنے کو تمہیں ہم دیا جا رہا ہے۔ اُس میں سے اگر کوئی مسول حصہ

محمد صاحب نے کہا:—”سچے سچ اُچل تم ایک ایسے زمانے میں رہ رہے ہو جس میں جو کچھ کرنے کو تمہیں ہم دیا جا رہا ہے۔ اُس میں سے اگر کوئی مسول حصہ

दी, और जहाँ तक मुझे याद है कहा, 'अम्मास अली, तुम अन्दाजा लगा लो कि मरिजद बनाने में कितना रुपया लगेगा. तुम जितना जमा कर सको, कर लो. अधूरा मैं पूरा कर दूँगा.' हमारे बाबाजान बरसों बड़ौदा और बम्बई में गरीब मुसलमानों, तौंगेवालों, बिस्टोरिया वालों, कारीगरों व हर तरह के पेशेकारों से पाई-पैसा जमा करते रहे. न गरमी देखी न सर्दी, न दिन देखा न रात. बम्बई की मूसलाधार बरसात में, टखनों तक के कीचड़ में फवाफच घूमते फिरे और आखिर एक दिन उनका काम ख़तम हुआ. महाराज ने अपना बादा पूरा किया. मुझे अच्छी तरह याद है (मैं कितनी छोटी थी) कि एक सुबह हमारे बारा के फाटक पर महल का सवार आ खड़ा हुआ. मैंने दौड़कर फाटक खोला — महाराज की तरफ़ से लिफाफा आया था. मैं चीखती-चिल्लाती बाबाजान अम्माजान की तरफ़ दौड़ी : 'महाराज का चेक आया है, महाराज का चेक आया है.'

मस्जिद बनी, बक़ादे की पुरानी मस्जिद में एक छुट कुट लंबा कुरानेपाक था, जो बरसों कहीं महकून बन्द पड़ा था. बड़े जुलूस, बड़ी धूमधाम और शानके साथ वह कुराने पाक मस्जिद में लाया गया और एक बरादादी पीर के हाथों नए घर में उसकी स्थापना हुई. वह जुलूस, वह स्थापना, वह मस्जिद में पहली नमाज़, वह पीर साहब की इमामत, वज्र (प्रवचन) मैं कभी नहीं भूलूँगी. लेकिन सबसे ज्यादा चमकदार तस्वीर मेरी आँखों और दिल में यह समाई है कि जबरदस्त शानदार जुलूस के सामने महाराज के मुख्य हाथी पर जरीन हौदे पर जरीन कपड़े से ढका हुआ वह कुरानेपाक मस्जिद की ओर जा रहा है और उसके पीछे हमारे महाराज, पीर साहब के साथ अपने सुनहरी अंबारों में अपने शानदार हाथी की पीठ पर जा रहे हैं.

बकौड़े में एक बड़ा अजीब वातावरण था। पुराने ज़माने से वहाँ के एक बड़े नवाबी खान्दान की राज दरबार में बड़ी प्रतिष्ठा थी। किरसा मैंने यों सुना था कि पुराने ज़माने में इस नवाबी खान्दान के पूर्वजों ने उस ज़माने के गायकबाड़ का दुश्मनों के सामने मद्द की थी, जिससे राजा अपनी गद्दी पर सत्ता-मत् रहे। जुनाचे, इस नवाबी खान्दान को बहुत कुछ पुरस्कार के साथ यह अधिकार हासिल हुआ कि दरबारों में वह गायकबाड़ के साथ सिंहासन पर बिराजें, और उनके सघर दरवाजे के सामने हाथी डोलते रहें। एक गायकबाड़ के लिए तो यह भी सुना था कि वे मस्जिद में जुमा की नमाज में कई बार शरीक रहते थे। मैंने उमर भर इस उम्मीदी वाता-वरण का मजा लूटा है। हिन्दू, इस्लामी, ईसाई, जरथस्थी—सभी त्योहार मिल-जुलकर मनाये जाते थे। भारत संगम देश है, तो बकौड़ा ज़रूर संगम राज्य था—और हुआ है कि अब भी बकौड़ा ज़रूर संगम राज्य और सदा रहेगा।

ہو' اور جہاں تک مجھے یاد ہے کہا 'بھاس علی' تم اندازہ لالو کہ مسجد بنانے میں کتنا روپیہ لگے گا۔ تم جتنا جمع کر سکو' کر او۔ ادھر ا میں پورا کر دوں گا' ہمارے بابا جان برسوں بڑودہ اور بمبئی میں غریب مسلمانوں' نانکے والوں' و تقویہ والوں' کاریگروں و ہر طرح کے پیشہ کاروں سے پائی پوسے جمع کرتے رہے۔ نہ گرمی دیکھی نہ سردی' نہ دن دیکھا نہ رات۔ بمبئی کی موسلا دھار ہرات میں' انڈین ٹک کے کچھڑوں میں یہ چھاپیچھپے گھومتے پھرتے اور آخر ایک دن اُن کا کام ختم ہوا۔ مہاراج نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے (میں کئی چھوٹی تھی) کہ ایک صبح ہمارے باغ کے پھاٹک پر محل کا سولر آکھڑا ہوا۔ میں نے درز کر پھاٹک کھولا—مہاراج کی طرف سے امانت آ یا تھا۔ میں چپختی چلائی بابا جان اما جان کی طرف درزی: 'مہاراج کا چرک آیا ہے' مہاراج کا چپک آیا ہے'۔

• مسجد ہائی . بڑودے کی پرانی مسجد میں ایک چھوٹا لمبا قرآن پاک تھا، جو ہر سوں کہیں محفوظ بند پڑا تھا . بڑے جلوس، بڑی دھرم دھماکے اور غنائ کے ساتھ وہ قرآن پاک مسجد میں لایا گیا اور ایک ہفتادی پور کے ہاتھوں نئے کمر میں اسکی استہالہ ہوئی . وہ جلوس، وہ استہالہ، وہ مسجد میں پہلی نماز، وہ پھر صاحب کی امامت، وعظ (دروچن) میں کبھی نہیں بھولیں گی . لیکن سب سے زیادہ چمکدار تصویر موری آنکھوں اور دل میں یہ سمانی ہے کہ زہر دست شاندار جلوس کے سامنے مہاراج کے مکھیہ ہاتھی پر زریں ہونڈ پر، زریں کھڑے سے قہکا ہوا وہ قرآن پاک مسجد کی آؤر جا رہا ہے اور اسکے پیچھے ہمارے مہاراج، پور صاحب کے ساتھ اپنی سلہری انتہاری میں اپنے شاندار ہاتھی کی پیٹھ پر جا رہے ہیں .

ہر دوسرے میں ایک بڑا عجیب و انارون تھا۔ پرانے زمانے سے وہاں کے ایک بڑے نوای خاندان کی راج دربار میں بڑی برتساہا تھی۔ قصہ میں نے یوں سنا تھا کہ پرانے زمانے میں اس نوای خاندان کے پوجوں نے اس زمانے کے گلیکوار کو دشمنوں کے سامنے مدد کی تھی، جس سے راجہ اپنی گدی پر سلامت رہے۔ چنانچہ اس نوای خاندان کو بہت کچھ پرستار کے ساتھ یہ ادھیکار حاصل ہوا کہ درباروں میں وہ گلیکوار کے ساتھ سنگھاسن پر دراجھیں اور ان کے صدر دروازے کے سامنے ہاتھی دولہ رہیں۔ ایک گلیکوار کے لئے تو یہ بھی سنا تھا کہ وہ مسجد میں جمعہ کی نماز میں کئی بار شریک رہتے تھے۔ میں نے عمر پھر اس استی و انارون کا مڑا لوٹا ہے۔ ہندو، لہاسی، عوسانی، زرتشتی، سہی، نہوہار، من جلیکر ملتے جاتے تھے۔ بہارت سنگم دیھی ہے، تو ہر دورہ ضرور سنگم راج تھا۔ اور دعا ہے کہ اب بھی وہی حال ہوگا اور سدا رہیگا۔

उम्मत

कुमारी रेहाना सैयदजी

ये लक्षण, 'उम्मत' कितना प्यारा लक्षण है! अरबी लक्षण 'अुम्म' का मतलब है 'माँ'; अुम्मत यानी 'एक माँ-बाप के बच्चे'। इसलिये अल्लाह पाक को विश्व का परम पिता मानकर, इस्लामी जमात को उम्मत कहा गया है। लेकिन कोई जरूरी नहीं कि उम्मत महज इस्लामियों की हो। जहाँ आपसी प्रेम, हमदर्दी, सहकार और नेक खाहिश होती है, वहाँ 'उम्मत' होती ही है। देखा गया है कि निजी साधना में भी जैसे-जैसे दिल की सफाई और चरित्र-सुधार होने लगता है, वैसे-ही-वैसे प्रेम, खुशी और सभ्यता भी बढ़ने लगती है—बल्कि सफल साधना की पहली निशानी प्रेम और प्रसन्नता की बढ़ती ही होती है। जिस तरह से हम किसी इन्सान का बर्ताव देखकर उसकी साधना का खूबी फ़ैसला सहज ही करते हैं, उसी तरह किसी सभ्यता की का फ़ैसला भी उसके नैतिक और आध्यात्मिक प्रभावसे होता है। जब हम दुनिया भर से शिकायतें सुनते हैं कि मरारिबी संस्कृति से स्वार्थ, हरफाई (स्पर्धा) और दुश्मनी, चालबाजी बढ़ती है, तो हमारे दिल में इस तहजीब के लिए एक नफ़ात पैदा होना कुदरती ही है। ऐसी संस्कृति बुराई फैलाने वाली होती है। इसका सबूत आज सारी दुनिया के पीड़ित देश और दुखी प्रजाये दे रही हैं।

ऐसे आसुरी वातावरण में उम्मत भावना के सितारे कुछ अजब नूर से चमक उठते हैं। तीन-चार रोज़ से बरेली के मंदिर की दिल फटका देने वाली बात जब से सुनी है मेरा दिल बार-बार बना हुआ है। एक मन्दिर, और एक मुस्लिम के हाथ से उसकी नींव ढाली जाय, और सुना कि मूर्ति-साध भी मुस्लिम ही है जिसने तीन सौ रुपये मन्दिर को भेंट दिये हैं। रहमान साहब ने जो आर्थिक मदद दी, सो बेशक क़ाबिले तारीफ़ है; मगर मन्दिरवालों और रहमान साहब ने जो बिली उम्मत की शानदार इबादतगाह खड़ी की है, उसमें हर भारतीय का ही क्या, हर इन्सान का दिल सिध्दे में मुक़ सकता है। जहाँ प्रेम है वहाँ खुदा है, जहाँ एका है वहाँ खुदा है!

बरेली का मन्दिर मुझे बड़ीबे की मस्जिद की याद दिलाता है, मैं बिलकुल बच्चा थी तब बाबाजान से शिकायतें सुनती रहती थी कि बड़ोदे मैं कोई जामा मस्जिद नहीं। एक टूटी मस्जिद थी सही, पर वह किसी के काम न आती थी। बाबाजान ने हमारे महाराज से शिक़ किया। महाराज ने बड़ी सद्गुणभूति से बाबाजान की बात सुनी, अपनी सहमति

अम

कुमारी रेहाना सैयदजी

ये لفظ 'أمت' कتنا پیارا لفظ ہے! عربی لفظ 'أم' کا مطلب ہے 'ماں'؛ أمت یعنی 'ایک ماں باپ کے بچے'۔ اسلئے اللہ پاک کو رشو کا پریم پتا مان کر، اسلامی جماعت کو أمت کہا گیا ہے۔ لیکن کوئی ضروری نہیں کہ أمت محض اسلاموں کی ہو۔ جہاں ایسی پریم، ہمدردی، سہکار اور نیک خواہش ہوتی ہے، وہاں 'أمت' ہوتی ہی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ نجی سادھنا میں بھی جیسے جیسے دل کی صفائی اور چتر سدھا ہونے لگتا ہے، ویسے ہی ویسے پریم، خوشی اور سبھتا بھی بڑھنے لگتی ہے—بلکہ سہل سادھنا کی پہلی نشانی پریم اور پرستگتا کی بڑھتی ہی ہوتی ہے۔ جس طرح سے ہم کسی انسان کا برتاؤ دیکھ کر اسکی سادھنا کا فیصلہ سہج ہی کرتے ہیں، اسی طرح کسی سبھتا کی خوبی کا فیصلہ بھی اُسکے نیک اور ادھیانتک پرداؤ سے ہوتا ہے۔ جب ہم دنیا ہر سے شکایتیں سننے میں کہ مغربی سنسکرتی سے سوارت، حربانی (سوردها) اور دشمنی، چالبازی بڑھتی ہے تو ہمارے دل میں اس تہذیب کے لئے ایک نفرت پیدا ہونا قدرتی ہی ہے۔ ایسی سنسکرتی برائی پھیلانے والی ہوتی ہے۔ اسکا ثبوت آج ساری دنیا کے پھرت دیہ اور دکھی پرچائیں دے رہی ہیں۔

ایسے آسری وانداری میں اُمت بھارنا کے ستارے کچھ عجب نور سے چمک اُٹھتے ہیں۔ تین چار روز سے بربلی کے مندر کی دل پڑکا دیئے والی بات جب سے سنی ہے میرا دل باغ باغ ہلکا ہوا ہے۔ ایک مندر، اور ایک مسلم کے ہاتھ سے اسکی نہو ڈالی جائے، اور سنا کہ مورتی ساز بھی مسلم ہی ہے جسٹہ تین سو روپیہ مندر کو بیونک دیئے ہیں۔ رحمان صاحب نے جو آرتھک مودن دی، سو بیشک قابل تعریف ہے؛ مگر مندر والوں اور رحمان صاحب نے جو دلی اُمت کی شاندار عبادت گاہ کھڑی کی ہے، اس میں ہر بھارتیہ کا ہی کیا، ہر انسان کا دل سجدے میں جھک سکتا ہے۔ جہاں پریم ہے وہاں خدا ہے، جہاں ایکا ہے وہاں خدا ہے!

بربلی کا مندر سچے بڑوسے کی مسجد کی یاد دلانا ہے۔ میں بالکل بچہ تھی تب بابا جان سے شکایتوں سامنی رہتی تھی کہ بڑوسے میں کوئی جامع مسجد نہیں۔ ایک ٹولی مسجد تھی سہی، پر وہ کسی کے کام نہ آتی تھی، بابا جان نے ہمارے مہاراج سے ذکر کیا۔ مہاراج نے بڑی سہترہوتی سے بابا جان کی بات سنی، اپنی سہترہوتی

इसमें गेती १९ डल के रहेगी
फूल दुलहन के सिल के रहेंगे
फर्के मरातिब २० छठ जायेगा
जलवे वह महफिल के रहेंगे

कस्ले जिष्ठा जाती है 'नखीर' ! अब
चाके गरीबों २१ सिल के रहेंगे !

१. वक्रदे = समस्याएँ, २. हवादिस = दुर्घटनाएँ,
३. मंजिल के होकर रहना = सचिल पर पहुँच जाना,
४. अजमते आदम = आदमी का महत्व, ५. मसलि के
आदस = आदमी के जीवन का लक्ष्य, ६. मुसतकविल =
मविल्य, ७. गुँचे = कलियों, ८. अजम = संकर, ९.
कोह-शिकन = पहाड़ तोड़ने वाला, १०. क्रक = महल,
११. जावद = काम का दफ़, १२. खिजाँ = पतम्ह,
१३. जोया = खोजी, १४. साहिल = किनारा, १५. खन्दाँ =
हंसते हुए, १६. मरहले = कठनाइयाँ, १७. ऐबों = महल
१८. चारा = इलाज, १९. गेती = घरती, २०. फर्के
मरातिब = इतने का फर्क यानी ऊँच-नीच, २१. चाके
गरीबों = फटा हुआ गरीबों.

حسن میں گیتی 19 دال کے رہے گی
پھول دھن کے سिल کے رہیں گے
فرق مراتب 20 آٹھ جائے گا
جلوہ وہ محفل کے رہیں گے

فصل خزاں جاتی ہے 'نظیر' ! اب
چاک گریباں 21 مل کے رہیں گے !

1. عقدہ = سسائیں, 2. حوادث = درگفتاؤں, 3. منزل
کے ہو کر رہنا = منزل پر پہنچ جانا, 4. عظمت آدم = آدمی
کا مہتو, 5. مسلک آدم = آدمی کے جہوں کا لہجہ, 6.
مستقبل = پیشہ, 7. غلچے = کلیاں, 8. عزم = سکتاپ, 9. کہ
ہکن = بہار تیز والے, 10. نصر = محل, 11. جادہ = کام کا
تھک, 12. خزاں = پت جہ, 13. چربا = کھرجی, 14.
ساحل = کنارہ, 15. خلدان = ہلستے ہوئے, 16. مرحلے =
کھٹائیاں, 17. اہراں = محل, 18. چارہ = علاج, 19. گیتی =
دعوتی, 20. فرق مراتب = رتبہ کا فرق یعنی اونچے نیچے
21. چاک گریباں = پٹا عوا گریباں.

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic. the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserve to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Bills Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madra.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the lighty mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations as a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

गज़ल

श्री सच्चादत्त नजीर यम० प०

कब तक दुरमन दिल के रहेंगे ?
हमसे वह आखिर मिलके रहेंगे
कब चक्रदे१ मुश्किल के रहेंगे ?
आखिर दिल हिल मिल के रहेंगे
लाख हवाविस २ राह में आयें
हम हाँके मंजिल ३ के रहेंगे
खितने भी तुम तफरके डालो !
साथी साथी मिल के रहेंगे
अजमत ४ आदम ! मसलिके ५ आदम !!
तौर यह मुस्तक़बिल ६ के रहेंगे
गरम हवा के झोंकों में भी
गुंवे ७ दिल के खिल के रहेंगे
अजमत ८ हमारा कोहशिकन ९ है
क़त्ल १० तुम्हारे हिल के रहेंगे
एक हो जावा ११, एक हो मंजिल
दिल भी फिर तो मिल के रहेंगे
लाख खिजाँ १२ आँखें दिखलाए
चिड़ी गुंवे खिल के रहेंगे
जुलूम किये जा ! जौर किये जा !
हौसले ऊँचे दिल के रहेंगे
लाख धिरे सूफाने बला में
हम जोया १३ साहिल के रहेंगे
तय करेंगे खन्दाँ-खन्दाँ १४
मरहले १६ जो मुश्किल के रहेंगे
फलबला वह है आनवाला
आपके पेवाँ १७ हिल के रहेंगे
रोर से १८ राम का न होगा
अक़म हरे सब दिल के रहेंगे

अक्टूबर '५७

ग़ज़ल

शरी सعادत نظیر ایم۔

कब तक دشمنی دل के रहेंगे ?
हम से वह آخر مل के रहेंगे
कब عقد १ مشکل के रहेंगे ?
آخر دل مل के रहेंगे
कम حوادث २ راه میں آئیں
हम هو کے منزل ३ کے رہیں گے
جانم بھی تم تفریقہ ڈالو !
ساتھی ساتھی مل کے رہیں گے
عظمت ४ آدم؛ مساک ५ آدم !!
طور یہ مستقبل ६ کے رہیں گے
گرم هوا کے چھوٹیں میں بھی
غنیچے ७ دل کے کھل کے رہیں گے
مزم ८ ہمارا کوہ شکن ९ ہے
قصر १۰ تمہارے حل کے رہیں گے
ایک ہو جائے ۱۱ ایک ہو منزل
دل بھی پھر تو مل کے رہیں گے
لام خزاں ۱۲ آنکھیں دکھائے
صدی غنیچے کھل کے رہیں گے
ظلم کئے جا ! جبر کئے جا !
حوصلے اُرنچے دل کے رہیں گے
لام گہریں طوفان ۱۴ میں
ہم جو یا ۱۳ ساحل کے رہیں گے
طہ کریں گے 'خندان خندان ۱۵
مرحلے ۱۶ جو مشکل کے رہیں گے
زلزلہ وہ ہے آنے والا
آپ کے ایوان ۱۷ حل کے رہیں گے
غیر سے چارہ ۱۸ غم کا نہ ہوگا
زخم ہرے سب دل کے رہیں گے

(154)

اکتوبر ۱۹۵۷

گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقات

گاندھی جی نے سون لیا۔ اس وقت کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے मित्रों के साथ किसी तरह की खबरदारी करना ठीक न समझते थे۔ अगले दिन सुबह को उन्होंने कुछ आश्रमवासियों से कहा—“अहमदाबाद के भंगी बाड़े में जाओ, वहाँ कोई مکان या जगह देखो। अपना आश्रम हम वहाँ उठाकर ले जायेंगे और वहाँ के रहने वाले जो खाना हमें अपने हाथों से लाकर देंगे वही हम खा लेंगे या मजदूरी करके पेट भर लेंगे, जो मिलने आएगा वही आकर हमसे मिल लेगा。” जगह ढूँढ़ी जाने लगी। उन धनवान मित्रों के कानों तक यह खबर पहुँची। हो सकता है उन्होंने आपस में कुछ सलाह की हो। आकर गान्धी जी से मिले। उन्होंने अपने दो दिन पहले के सुझाव की माफी माँगी। आश्रम, आश्रम-वासियों, आश्रम प्रेमियों और आश्रम में आने-जाने वालों के लिये छूत छूत हमेशा के लिये मिट गई। यह था गान्धी जी और उनके आश्रम का दर्जे बदर्जे लेकिन काफी तेजी के साथ विकास।

گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقاتیں

گاندھی جی نے سون لیا۔ اس وقت کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے मित्रों के साथ किसी तरह की खबरदारी करना ठीक न समझते थे۔ अगले दिन सुबह को उन्होंने कुछ आश्रमवासियों से कहा—“अहमदाबाद के भंगी बाड़े में जाओ, वहाँ कोई مکان या जगह देखो। अपना आश्रम हम वहाँ उठाकर ले जायेंगे और वहाँ के रहने वाले जो खाना हमें अपने हाथों से लाकर देंगे वही हम खा लेंगे या मजदूरी करके पेट भर लेंगे, जो मिलने आएगा वही आकर हमसे मिल लेगा。” जगह ढूँढ़ी जाने लगी। उन धनवान मित्रों के कानों तक यह खबर पहुँची। हो सकता है उन्होंने आपस में कुछ सलाह की हो। आकर गान्धी जी से मिले। उन्होंने अपने दो दिन पहले के सुझाव की माफी माँगी। आश्रम, आश्रम-वासियों, आश्रम प्रेमियों और आश्रम में आने-जाने वालों के लिये छूत छूत हमेशा के लिये मिट गई। यह था गान्धी जी और उनके आश्रम का दर्जे बदर्जे लेकिन काफी तेजी के साथ विकास।

یہ شاہد میں یاد سے ہی لکھ رہا ہوں ہر شاہد ہی ایک وہ شاہد کا فکڑ ہو۔ اس سے اسل متعلق میں فکڑ بیلکول نہیں پڑ سکتا۔

میں اسے پڑھ کر کھڑے ہیران ہوا۔ گاؤں جی کو پڑھ کر سنا دیا اور پوچھا یہ کیا؟ انہوں نے توجہ جواب دیا—
"یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔ اسے رکھ دو۔ تم اس پر ماننا۔ میں اسے رکھنے دو۔ تم اپنے کام کی بات کرو۔"

ان کے یہ فکڑے بھی میں یاد سے لکھ رہا ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ گاؤں جی اور ان کا آشرم دونوں ایسی وکاس کی حالت میں تھے، انہیں کھل رہے تھے اور روپ لے رہے تھے۔

روٹ ایکٹ کے خلاف سٹیٹوٹ شروع ہونے کے بعد سے گاؤں جی سارے دیہے کے سامنے دیہے کے سب سے بڑے اور اعلیٰ تھانے روپ میں آگئے۔ مہلے اور مہرے جیسے وچاروں کے بہت سے پرانے کام کرتے رہے اب دیہے لیا کہ اپنے نئے طریقے سے گاؤں جی نے جو جان، جو بھاری، جو جوش اور جو تھاک کی بھاری دیہے میں پیدا کر دی تھی وہ ہم اپنے پرانے طریقوں سے نہ کر پائے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ مہرا ان سے ہر ہر جگہ جگہ ملنا، ساتھ رہنا اور ساتھ سفر کرنا تیزی کے ساتھ بڑھتا چلا گیا۔

ساہرمتی (احمد آباد) آشرم میں بزمی میں اور جگہ جگہ ان سے ملنا ہوا۔ کبھی کبھی پتھر ہاتھ جو یاد میں جی رہ گئے ہیں یہاں سے رہا ہوں۔

یہاں ایک بات گاؤں جی سے سنی ہوئی کہ رہا ہوں۔

ساہرمتی آشرم قائم ہو چکا تھا۔ پہلے سٹیٹوٹ میں اس کی بنیاد پڑی۔ وہ سٹیٹوٹ آشرم ہی کہلاتا تھا۔ کئی ہزار روپے مہلے کا خرچ تھا۔ گاؤں جی کے کچھ دھنواں مٹر اور پریمی جو سب یا ادھکتر گجراتی تھے آشرم کا خرچ چلاتے تھے۔ کھانا بنانے والے ہلدو تھے۔ ان دھنواں مٹروں میں سے بھی کوئی کوئی اور ان کے گھر والے جب تب آشرم میں آکر بوجھ کر لیتے تھے۔ انہیں ایسا کرنے میں بڑی خوشی ہوتی تھی۔

نہروے ہی دنوں میں ایک مہتر پریمو آشرم میں آکر ٹھہر گیا اور گاؤں جی کے حکم سے اور سب کی طرح رسوائی میں آئے جانے اور سب کے ساتھ کھانے پینے کا۔ بہت سے غیر ہلدو مہرا بھی آشرم میں آئے۔ رہنے اور بنا ہود ہاؤ سب کے ساتھ کھانے پینے لگے۔ آشرم کا خرچ چلانے والے کچھ دھنواں بھائیوں کے لئے یہ نئی بات تھی۔ وہ اس کے علاوہ نہ تھے۔ انہیں اور ان کے گھر والوں کو آشرم میں کھانے میں سنبھلے ہوئے لگا۔ انہیں نے گاؤں جی کے پاس آکر بڑی نعمت سے یہ سمجھایا کہ کم سے کم ان کی خاطر آشرم کی رسوائی کو ذرا چھوٹی حالت لوں اور غیر ہلدو سے الگ رکھا جائے۔

میں اسے پڑھ کر کھڑے ہیران ہوا۔ گاؤں جی کو پڑھ کر سنا دیا اور پوچھا یہ کیا؟ انہوں نے توجہ جواب دیا—
"یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔ اسے رکھ دو۔ تم اس پر ماننا۔ میں اسے رکھنے دو۔ تم اپنے کام کی بات کرو۔"

ان کے یہ فکڑے بھی میں یاد سے لکھ رہا ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ گاؤں جی اور ان کا آشرم دونوں ایسی وکاس کی حالت میں تھے، انہیں کھل رہے تھے اور روپ لے رہے تھے۔

روٹ ایکٹ کے خلاف سٹیٹوٹ شروع ہونے کے بعد سے گاؤں جی سارے دیہے کے سامنے دیہے کے سب سے بڑے اور اعلیٰ تھانے روپ میں آگئے۔ مہلے اور مہرے جیسے وچاروں کے بہت سے پرانے کام کرتے رہے اب دیہے لیا کہ اپنے نئے طریقے سے گاؤں جی نے جو جان، جو بھاری، جو جوش اور جو تھاک کی بھاری دیہے میں پیدا کر دی تھی وہ ہم اپنے پرانے طریقوں سے نہ کر پائے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ مہرا ان سے ہر ہر جگہ جگہ ملنا، ساتھ رہنا اور ساتھ سفر کرنا تیزی کے ساتھ بڑھتا چلا گیا۔

ساہرمتی (احمد آباد) آشرم میں بزمی میں اور جگہ جگہ ان سے ملنا ہوا۔ کبھی کبھی پتھر ہاتھ جو یاد میں جی رہ گئے ہیں یہاں سے رہا ہوں۔

یہاں ایک بات گاؤں جی سے سنی ہوئی کہ رہا ہوں۔

में ही काट कर काफी कुछ और मुझे के साथ जवाब दिया—“मैं तुम्हारी सभा का सदर नहीं बनूंगा. मैं अपनी मंजूरी वापिस लेता हूँ ! तुम तो मेरे सत्याग्रह को बिलकुल ही नहीं समझे. अब जाओ, जो ठीक समझो करो, मैं सदर नहीं. यह मेरा सत्याग्रह नहीं है.”

मैं सुनकर चबरा गया और हल्के से उनकी इस नाराजगी का कारण पूछा. उन्होंने फिर कहा—“मुझे कोई दूसरा प्रतिज्ञा पत्र नहीं चाहिये. मुझे पंडित मोतीलाल जी नहीं चाहिये. मुझे कोई बड़ा आदमी नहीं चाहिये. इलाहाबाद के अगर चार मेहतर मिलकर मेरे प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत कर देंगे और अपनी सत्याग्रह सभा बनायेंगे तो मैं उनका सदर बन जाऊँगा. तुम्हारी सभा का सदर बनना मुझे नागंजूर है. तुम तो सत्याग्रह को समझे ही नहीं.”

अब मैंने उनसे कहा—“आप नाराज न होइये. मेरी अपनी निजी राय भी यही थी जो आपकी है. कुछ और साधियों की राय वह थी जिस पर आप को इतना दुख हुआ. मैंने पहले से आप को अपना और दूसरों का यह फर्क बताना ठीक नहीं समझा. अब हम वहीं करेंगे जो आप चाहते हैं. आपके बिना सत्याग्रह कैसा ? आप ही रास्ता बतायें तो हम चल सकते हैं. दूसरा प्रतिज्ञा पत्र नहीं होगा. और कोई आप, चाहे न आप.”

गांधीजी ने थोड़ा सोचा. मेरी तरफ को बार-बार देखा एक दो और छोटी-मोटी बात हुई. उनका रास्ता ठंडा हुआ फिर खुश होकर कहा—“जाओ काम करो, मैं तुम्हारा सदर और तुम सिक्रेटरी.”

उसी दिन शाम को या अगले दिन मैं इलाहाबाद के लिये चल पड़ा. यू० पी० सत्याग्रह सभा का विधान छप गया. गांधीजी सदर, मैं और मंजर अली सिक्रेटरी. मेम्बरों की फेहरिस्त शायद तीस के करीब रही होगी, जिसमें एक नाम जवाहरलाल जी का भी था.

[5]

मेरी उसी अहमदाबाद यात्रा की एक और छोटी सी घटना मुझे याद आ रही है.

रायब तीसरे पहर का वक़्त था. मैं गांधीजी के पास बैठा हुआ था. उनके सत्याग्रह आभ्रम की नियमावली छप चुकी थी. छोटे साइज की पाँच सात सफे की छोटी सब पीच थी. एक काफी बड़ी कहीं आस-पास पड़ी हुई थी. मेरी निगाह उस पर गई. मैं उसे पढ़ गया. उसमें एक नियम यह छपा हुआ था—“बर्ण आभ्रम धर्म को बाधा न पहुँचे इस-लिये आभ्रमवासी जब कभी आभ्रम से बाहर जायेंगे तो केवल कल या दूध लाकर ही रहेंगे.”

मैं ही काट कर काफी कुछ और मुझे के साथ जवाब दिया—“मैं तुम्हारी सभा का सदर नहीं बनूंगा. मैं अपनी मंजूरी वापिस लेता हूँ ! तुम तो मेरे सत्याग्रह को बिलकुल ही नहीं समझे. अब जाओ, जो ठीक समझो करो, मैं सदर नहीं. यह मेरा सत्याग्रह नहीं है.”

मैं सुनकर चबरा गया और हल्के से उनकी इस नाराजगी का कारण पूछा. उन्होंने फिर कहा—“मुझे कोई दूसरा प्रतिज्ञा पत्र नहीं चाहिये. मुझे पंडित मोतीलाल जी नहीं चाहिये. मुझे कोई बड़ा आदमी नहीं चाहिये. इलाहाबाद के अगर चार मेहतर मिलकर मेरे प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत कर देंगे और अपनी सत्याग्रह सभा बनायेंगे तो मैं उनका सदर बन जाऊँगा. तुम्हारी सभा का सदर बनना मुझे नागंजूर है. तुम तो सत्याग्रह को समझे ही नहीं.”

अब मैंने उनसे कहा—“आप नाराज न होइये. मेरी अपनी निजी राय भी यही थी जो आपकी है. कुछ और साधियों की राय वह थी जिस पर आप को इतना दुख हुआ. मैंने पहले से आप को अपना और दूसरों का यह फर्क बताना ठीक नहीं समझा. अब हम वहीं करेंगे जो आप चाहते हैं. आपके बिना सत्याग्रह कैसा ? आप ही रास्ता बतायें तो हम चल सकते हैं. दूसरा प्रतिज्ञा पत्र नहीं होगा. और कोई आप, चाहे न आप.”

गांधीजी ने थोड़ा सोचा. मेरी तरफ को बार-बार देखा. एक दो और चोटी-मोटी बात हुई. उनका रास्ता ठंडा हुआ. फिर खुश होकर कहा—“जाओ काम करो, मैं तुम्हारा सदर और तुम सिक्रेटरी.”

उसी दिन शाम को या अगले दिन मैं इलाहाबाद के लिये चल पड़ा. यू० पी० सत्याग्रह सभा का विधान छप गया. गांधीजी सदर, मैं और मंजर अली सिक्रेटरी. मेम्बरों की फेहरिस्त शायद तीस के करीब रही होगी, जिसमें एक नाम जवाहरलाल जी का भी था.

[5]

मेरी उसी अहमदाबाद यात्रा की एक और छोटी सी घटना मुझे याद आ रही है.

रायब तीसरे पहर का वक़्त था. मैं गांधीजी के पास बैठा हुआ था. उनके सत्याग्रह आभ्रम की नियमावली छप चुकी थी. छोटे साइज की पाँच सात सफे की छोटी सब पीच थी. एक काफी बड़ी कहीं आस-पास पड़ी हुई थी. मेरी निगाह उस पर गई. मैं उसे पढ़ गया. उसमें एक नियम यह छपा हुआ था—“बर्ण आभ्रम धर्म को बाधा न पहुँचे इस-लिये आभ्रमवासी जब कभी आभ्रम से बाहर जायेंगे तो केवल कल या दूध लाकर ही रहेंगे.”

چونکر سیدھے جا کر اسی دالان میں ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ کسی نے ان کے اشارے پر تھک کر ایک کپڑا ان کے سر اور ماتھے پر رکھ دیا۔ ان کے سر اور ماتھے پر رکھ دیا۔ میں ذرا دور بیٹھ کر دیکھتا رہا۔ چاہتا تھا وہ تھوڑا آرام کر لیں تو پاس بیٹھیں۔ ایک پل کے اندر انہوں نے میری طرف کو آنکھ پھری اور اشارہ کر کے اپنی چارپائی کے پاس بلایا۔ میں پاس جا کر بیٹھ گیا۔ کہنے لگے—”سب حال سلاؤ۔“ میں نے جواب دیا—”ابھی آپ بہت تھکے ہیں ذرا آرام کر لیجئے۔“ جواب ملا—”نہیں، شروع کر دو۔“

میں نے سارا حال کھ سنا یا۔ کےवल پنڈت موतीलाल اور دوسرے प्रतिज्ञا پत्र की बात अभी नहीं कही۔

اس کے بعد میں نے کہا—”آپ ہماری یو۔ پی۔ سبھا۔ پریکھ سبھا کے صدر بننا منجز کیجیے۔“

انہوں نے جواب دیا—”میرے بڑے خوشی سے منجز ہے۔ میں تمہاری سبھا کا صدر بن گیا۔ تم سیکرٹری ہو نہ؟“

میں نے کہا—”ہاں، میں اور منجز ابلی دو سیکرٹری ہیں۔“

گاंधीजी ने पसन्द किया और कहा—”काम शुरू कर दो۔“

اس سے کچھ پہلے گاندھی جی نے دیس ہر سے ان لوگوں کے نام مانگے تھے جو اپنے آپ کو قانون توڑ کر جیل جاتے تھے۔ اس پر میں اور منجز ابلی دونوں اپنے نام بھیج چکے تھے۔ یہ نام ہماری کے اخباروں میں چھپ جاتے تھے۔

گاंधीजी سے ان کے صدر ہونے اور اپنے اور منجز ابلی کے سیکرٹری ہونے کی بات تھ کرنے کے بعد میں نے ان سے دوسرے प्रतिज्ञا پत्र کی بات کہی۔ میں نے ان سے کہا—”پنڈت موतीलाल جی کو آپ کا प्रतिज्ञا پत्र منجز نہیں۔ ان کے لیے اور ان کے لیے بیچارے والوں کے لیے ہم نے ایک دوسرا प्रतिज्ञا پत्र بنا لیا ہے۔“

یہاں میں نے انہیں دوسرا پتر پڑھ سنا یا اور کہا—”یہ پنڈت موतीलाल جی کو منجز ہے۔ ہم چاہتے ہیں وہ ہماری سبھا کے نائب صدر ہو جائیں اس لئے ہم نے سوچا ہے کہ جو آدمی دونوں میں سے کسی ایک بھی پرتکھا پتر پر دستخط کر دے وہ ہماری سبھا کا ممبر بن سکے۔ میں نے اچانک سے جواہر لال جی کا آنا سنا ہو جائیگا اور یہ شاید ہم تھیں سیکرٹری ہو جائیں۔“

میں نے دیکھا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاंधीजी کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، انہوں نے توجہ سے میری بات دیکھی۔

میں نے سارا حال کھ سنا یا۔ کیول پنڈت موतीलाल اور دوسرے پرتکھا پتر کی بات ابھی نہیں کہی۔ اس کے بعد میں نے کہا—”آپ ہماری یو۔ پی۔ سبھا کے صدر بننا منظور کیجئے۔“ انہوں نے جواب دیا—”مجھے بڑی خوشی سے منظور ہے۔ میں تمہاری سبھا کا صدر بن گیا۔ تم سیکرٹری ہو نہ؟“

میں نے کہا—”ہاں، میں اور منجز ابلی دو سیکرٹری ہیں۔“ گاندھی جی نے پسند کیا اور کہا—”کام شروع کر دو۔“

اس سے کچھ پہلے گاندھی جی نے دیس ہر سے ان لوگوں کے نام مانگے تھے جو اپنے آپ کو قانون توڑ کر جیل جاتے تھے۔ اس پر میں اور منجز ابلی دونوں اپنے نام بھیج چکے تھے۔ یہ نام ہماری کے اخباروں میں چھپ جاتے تھے۔

گاندھی جی سے ان کے صدر ہونے اور اپنے اور منجز ابلی کے سیکرٹری ہونے کی بات تھ کرنے کے بعد میں نے ان سے دوسرے پرتکھا پتر کی بات چیت کی۔ میں نے ان سے کہا—”پنڈت موतीलال جی کو آپ کا پرتکھا پتر منظور نہیں۔ ان کے لئے اور ان کے لئے بیچارے والوں کے لئے ہم نے ایک دوسرا پرتکھا پتر بنا لیا ہے۔“

یہاں میں نے انہیں دوسرا پتر پڑھ سنا یا اور کہا—”یہ پنڈت موतीलال جی کو منجز ہے۔ ہم چاہتے ہیں وہ ہماری سبھا کے نائب صدر ہو جائیں اس لئے ہم نے سوچا ہے کہ جو آدمی دونوں میں سے کسی ایک بھی پرتکھا پتر پر دستخط کر دے وہ ہماری سبھا کا ممبر بن سکے۔ میں نے اچانک سے جواہر لال جی کا آنا سنا ہو جائیگا اور یہ شاید ہم تھیں سیکرٹری ہو جائیں۔“

میں نے دیکھا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاंधीजी کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، انہوں نے توجہ سے میری بات دیکھی۔

میں نے دیکھا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاंधीजी کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، انہوں نے توجہ سے میری بات دیکھی۔

میں نے دیکھا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاंधीजी کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، انہوں نے توجہ سے میری بات دیکھی۔

میں نے دیکھا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاंधीजी کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، انہوں نے توجہ سے میری بات دیکھی۔

میں نے دیکھا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاंधीजी کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، انہوں نے توجہ سے میری بات دیکھی۔

میں نے دیکھا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاंधीजी کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، انہوں نے توجہ سے میری بات دیکھی۔

میں نے دیکھا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاंधीजी کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، انہوں نے توجہ سے میری بات دیکھی۔

میں نے دیکھا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاंधीजी کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، انہوں نے توجہ سے میری بات دیکھی۔

میں نے دیکھا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاंधीजी کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، انہوں نے توجہ سے میری بات دیکھی۔

میں نے دیکھا کہ میرے یہ سب بات کہتے-کہتے گاंधीजी کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا، انہوں نے توجہ سے میری بات دیکھی۔

सरकार के बिनाक सत्याग्रह शुरू करने से पहले लोग उपवास और प्रार्थनाओं के जरिये अपनी आरमाओं को शुद्ध कर लें. बड़ों-बड़ों का भन्दावा यह था कि मुमकिन है बड़े-बड़े शाहीरों में आधी पकती हड़ताल हो जावे. पर यह एक इतिहासी घटना है कि उस दिन हिमालय से लेकर रासकुमारी तक दूर से दूर किसी गाँव में भी हल नहीं चला.

अहमदाबाद से खबर आते ही इलाहाबाद होम रुल लीग के दफ्तर में जिसका मैं एक मन्त्री था, मैंने कुछ मित्रों को जमा किया. एक यू. पी. सत्याग्रह सभा कायम हुई. गांधीजी को उसका सदर रखने की तजवीज हुई. मैं और मंत्ररअली सोचता उसके सिक्रेटरी बने. अहमदाबाद जाकर गांधीजी को इसकी इत्तला देने, उनसे हिदायतें लेने और सदर बनाने के लिये राजी करने का काम मुझे सौंपा गया.

इस बीच एक और छोटी सी घटना हुई. गांधीजी ने देश भर के सत्याग्रहियों के लिये एक प्रतिज्ञा पत्र निकाला था जो सब अखबारों में छप चुका था. यू० पी० सत्याग्रह सभा के मेम्बरों के लिये भी इस प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत करना जरूरी थे. हम में से कुछ लोग चाहते थे कि पंडित मोतीलाल नेहरू यू० पी० सत्याग्रह सभा के नायब सदर हों. पंडित मोतीलाल जी को गांधीजी का प्रतिज्ञा पत्र पसन्द न था. वह कानून तोड़ने और शांति के तैयार थे, पर अपनी नकेल दूसरे के हाथ में देने को पसन्द न करते थे. कुछ साथियों की सलाह से एक दूसरा प्रतिज्ञा पत्र लिखा गया जिसे पंडित मोतीलाल जी ने पसन्द कर लिया. वह उस पर दसखत करने को राजी हो गये. तब हुआ कि यू० पी० सत्याग्रह सभा का जो मेम्बर चाहे गांधीजी वाले प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत कर दे और जो चाहे इस नये प्रतिज्ञा पत्र पर. दोनों बराबर के मेम्बर समझे जायें. पर इस सबके लिये भी गांधीजी की सलाह और इनामत जरूरी थी. यह इजाजत हासिल करना भी मेरे सुपुर्द हुआ.

गांधीजी से मिलने के लिये मैं अहमदाबाद पहुँचा. हाल ही में अहमदाबाद और बीरमगम में बलबे हो चुके थे. इन शख्सों के बहुत से घायल अहमदाबाद के किसी अस्पताल या अस्पतालों में पड़े हुए थे. जिस वक्त मैं आश्रम पहुँचा गांधीजी इन घायलों को देखने गये हुए थे. मैं बैठकर इन्तजार करने लगा.

कोई देर बाद गांधीजी आए. मासूम होता था बेहव बके हुए हैं. पाँच लकड़वाते से पक रहे थे. मैंने नमस्कार किया. मुझे देखकर खुरा हुए. पूछा कब आए ? मेरा जवाब

میرا کہ خطف سہاگرہ شروع کرنے سے پہلے لوگ آپواں اور پرانہوں کے ذریعہ اپنی آتماں کو دھ کر لیں. بڑوں بڑوں کا اندازہ یہ تھا کہ ممکن ہے بڑے بڑے شہروں میں آدھی یوپی ہو جائے. پر یہ ایک انتہاسی گھٹا ہے کہ اُس دن ہائیڈ سے لیکر اُس کماری تک دور سے دور کسی گلوں میں بھی ہل نہیں چلا.

احمدآباد سے خبر آتی ہی اہلآباد ہوم رول لیگ کے دفتر میں جس کا میں ایک ممبر تھا، مہلت کچھ ممبروں کو جمع کیا. ایک یو. پی. سہاگرہ سبھا قائم ہوئی. گاندھی جی کو اُس کا صدر رکھنے کی تجویز ہوئی. میں اور مناظر علی سوختہ اُس کے سکریٹری بنے. احمدآباد جا کر گاندھی جی کو اُس کی اطلاع دینے ان سے ہدایتیں لینے اور صدر بنانے کے لئے راضی کرنے کا کام مجھے سونپا گیا.

اِس بیچ ایک چھوٹی سی گھٹنا ہوئی. گاندھی جی نے دیہی بہر کے سہاگرہوں کے لئے ایک پرنکیاں پتر نکالا تھا جو سب اخباروں میں چھپ چکا تھا. یو. پی. سہاگرہ سبھا کے ممبروں کے لئے بھی اِس پرنکیاں پتر پر دستخط کرنا ضروری تھے. ہم میں سے کچھ لوگ چاہتے تھے کہ پلذت موتی لال نہرو یو. پی. سہاگرہ سبھا کے نائب صدر ہوں. پلذت موتی لال جی کو گاندھی جی کا پرنکیاں پتر پسند نہ تھا. وہ قانون توڑنے اور جیل جانے کو تیار تھے پر اپنی نکیل دوسرے کے ہاتھ میں دینا پسند نہ کرتے تھے. کچھ ساتھیوں نے صلاح سے ایک دوسرا پرنکیاں پتر لکھا گیا جسے پلذت موتی لال جی نے پسند کر لیا. وہ اُس پر دستخط کرنے کو راضی ہو گئے. چلے ہوا کہ یو. پی. سہاگرہ سبھا کا جو ممبر چاہے گاندھی جی والے پرنکیاں پتر پر دستخط کر دے اور جو چاہے اِس نئے پرنکیاں پتر پر. دونوں ہر ایک کے ممبر سمجھے جائیں. پر اِس سب کے لئے بھی گاندھی جی کی صلاح اور اجازت ضروری تھی. یہ اجازت حاصل کرنا بھی میرے سہرہ ہوا.

گاندھی جی سے ملنے کے لئے میں احمدآباد پہنچا. حال ہی میں احمدآباد اور دیم گم میں بلوے ہو چکے تھے. اِن زخمیوں کے بہت سے گھائل احمدآباد کے کسی اسپتال یا اسپتالوں میں پڑے ہوئے تھے. جس وقت میں آشرم پہنچا گاندھی جی اُن گھائلوں کو دیکھنے گئے ہوئے تھے. میں بیتھ کو انتظار کرتے تھا.

تھوڑی دیر بعد گاندھی جی آئے. معلوم ہوتا تھا بے حد تھکے ہوئے ہیں. پاؤں لڑھکاتے سے پڑ رہے تھے. میرے نمسکار کیا. میرے دہانہ کو بے حد خوش ہوئے. پوچھا کب آئے ? میرا جواب

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھا جسے اس کتاب کے دشن نہیں کرائے گئے
 اور انگریز جوائنٹ مجسٹریٹس تک کو پڑھنے کو دی گئی ۔
 مجھے اس کتاب کو دیکھنے اور اس میں اپنا نام اور حال پڑھنے
 کا سہیاگہ ملا تھا ۔ اب سوال تھا کہ اس سب کو اور اسی طرح
 کے اردوں کو انگریزی راج کی راہ کے دروزوں کو کس طرح متایا
 جائے ۔ خزانہ اور تجربہ کار افسروں کی ایک کمیٹی مقرر
 ہوئی ۔ اس نے ایک بہت بڑی رپورٹ اس بلت کی تیار کی کہ
 انگریزی راج کے خلاف کب کب کہاں کہاں اور کس کس طرح
 بغاوت کے خیال پیدا ہوئے ہونے کہاں اور کیا لیا کوششیں
 ہونیں ۔ اس رپورٹ کے اعداد پر اور اس کمیٹی کی صلاح کے
 مطابق پورے لاکھ کی کونسل میں دو نئے قانون بھی کئے گئے ۔
 یہ دونوں قانون رولٹ ایکٹ کہلاتے ہیں اور دیہی میں اس
 سے 'کالے قانونوں' کے نام سے مشہور تھے ۔ ان نئے قانونوں میں
 دیہی کے چھوٹے سے چھوٹے پوائس افسروں کو وہ زبردست ادھکار
 دے دیئے گئے جن کے دہتے دیہی کے اندر نرم یا گرم کسی
 طرح کے راجگاہی آندولن کا چل سکنا بھی ناممکن تھا ۔ نرم
 آل کے پورے سے بڑے نہیں تھے انہیں دیکھ کر چھرائی ، استغش
 اور غصہ سے بھر گئے ۔ لاکھ صاحب کی کونسل کے اندر ان
 قانونوں کے خلاف مانڈیہ شریواس شاستری اور مسٹر ایم ۔ اے ۔
 جناح کی جو زوردار تقریریں ہوئیں وہ ایک بار سارے دیہی
 میں کوہنج گئیں ۔ قانون پاس ہو گئے ۔ سارا دیہی غصہ اور
 پچلی سے بھر گیا ۔ گاندھی جی کوسے چپ رہ سکتے تھے ؟
 ان کے لئے یہ بھوکاں کا دیا ہوا موقع تھا ۔

اس گرم گرمی کے شروع کے دنوں میں گاندھی جی
 احمدآباد میں سخت بیمار پڑے ہوئے تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ
 ایک بار ان کے بچنے کی بھی آشا کم دکھائی دی گئی تھی ۔ وہ
 سمجھتے تھے کہ ان کی بیماری شریہ کی کم اور سن کی ادھک
 ہی ہو ۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی آتما اندر سے کربہ پتہ کا دروازہ
 کھولنے کے لئے بے چین رہی ہو ۔ جو ہو ، دیہی کے روگ کے
 سامنے وہ اپنا روگ بھول گئے ۔ احمدآباد سے ہی انہوں نے
 نئے کالے قانونوں کے خلاف سٹراکے کرنے یعنی کھلے طور پر
 سرکار کا کوئی نہ کوئی قانون توڑنے اور اس کی سزا میں جیل
 جانے کا پروگرام دیہی کے سامنے رکھا ۔ دیہی بھر کے لئے ایک
 سٹراکے سپا بڈی گئی جس کے گاندھی جی صدر تھے ۔ گاندھی
 جی نے خود ہمیں جاکر ضبط کتابوں کو کھلے عام بیچ کر
 سٹراکے شروع کیا ۔ دیہی پر اس کا کتنا گہرا اثر ہوا اس کا
 پلے سے کسی کو گمان بھی نہ ہو سکتا تھا اور اب بھی اندازہ
 لاسکتا تھیں ۔ 6 اپریل 1919 کے لئے ہرنال اعلیٰ
 ہو چکی تھی ۔ گاندھی جی کا اس سے مقصد یہ تھا کہ

ہیسٹریکٹ مجسٹریٹ تھا جسے اس کتاب کے دشن نہیں کرائے گئے
 اور انگریز جوائنٹ مجسٹریٹس تک کو پڑھنے کو دی گئی ۔
 مجھے اس کتاب کو دیکھنے اور اس میں اپنا نام اور حال پڑھنے
 کا سہیاگہ ملا تھا ۔ اب سوال تھا کہ اس سب کو اور اسی طرح
 کے اردوں کو انگریزی راج کی راہ کے دروزوں کو کس طرح متایا
 جائے ۔ خزانہ اور تجربہ کار افسروں کی ایک کمیٹی مقرر
 ہوئی ۔ اس نے ایک بہت بڑی رپورٹ اس بلت کی تیار کی کہ
 انگریزی راج کے خلاف کب کب کہاں کہاں اور کس کس طرح
 بغاوت کے خیال پیدا ہوئے ہونے کہاں اور کیا لیا کوششیں
 ہونیں ۔ اس رپورٹ کے اعداد پر اور اس کمیٹی کی صلاح کے
 مطابق پورے لاکھ کی کونسل میں دو نئے قانون بھی کئے گئے ۔
 یہ دونوں قانون رولٹ ایکٹ کہلاتے ہیں اور دیہی میں اس
 سے 'کالے قانونوں' کے نام سے مشہور تھے ۔ ان نئے قانونوں میں
 دیہی کے چھوٹے سے چھوٹے پوائس افسروں کو وہ زبردست ادھکار
 دے دیئے گئے جن کے دہتے دیہی کے اندر نرم یا گرم کسی
 طرح کے راجگاہی آندولن کا چل سکنا بھی ناممکن تھا ۔ نرم
 آل کے پورے سے بڑے نہیں تھے انہیں دیکھ کر چھرائی ، استغش
 اور غصہ سے بھر گئے ۔ لاکھ صاحب کی کونسل کے اندر ان
 قانونوں کے خلاف مانڈیہ شریواس شاستری اور مسٹر ایم ۔ اے ۔
 جناح کی جو زوردار تقریریں ہوئیں وہ ایک بار سارے دیہی
 میں کوہنج گئیں ۔ قانون پاس ہو گئے ۔ سارا دیہی غصہ اور
 پچلی سے بھر گیا ۔ گاندھی جی کوسے چپ رہ سکتے تھے ؟
 ان کے لئے یہ بھوکاں کا دیا ہوا موقع تھا ۔

दोपहर को मैं उन्हें बुलाऊँगा, तब तुमसे बातें होंगी।" मैंने उनकी आज्ञा मान ली।

दोपहर बाद उन्होंने मुझे ऊपर के एक कमरे में बुलाया। वह और मैं ही थे। फर्श पर बैठकर लगभग दो घंटे तक फिर बातें होती रहीं। वह सब बातें मुझे अब याद नहीं रहीं। इतना याद है कि गांधी जी को हिन्दुस्तान भर की एक-एक छावनी के बारे में यह जानकारी थी कि किसमें कितनी फौज है, कितनी वंसी और कितनी अंगरेजी, और कितने हथियार हैं, और कहाँ कोई बराबत या आन्दोलन खड़ा हो जाने पर सरकार कितना मुकाबला कर सकती है। उन्होंने इन चीजों को अच्छी तरह पढ़ रखा था। फौजों के इधर से उधर आने जाने को भी वह ध्यान से पढ़ते सुनते रहते थे। मुझ पर यह भी असर पड़ा कि किसी एक जगह को अपने आन्दोलन के लिये या सत्याग्रह के लिये चुनते समय यह सब चीजें उनकी निगाह में रहती हैं। उस दिन की दो घंटे की बात-चीत से दो बातें मेरे दिल पर जम गईं। एक यह कि अंगरेज सरकार की हिंसा करने की शक्ति की कितनी अच्छी जानकारी गांधी जी का थी उसनी हमारे पुराने क्रान्तिकारी दल में किसी का न थी। दूसरी यह कि विदेशी हुकूमत से नफ़रत और मुल्क की आजादी के लिये तड़प भी गांधीजी में किसी दूसरे से कम न थी। कुछ ऐसा भी लगा कि उनकी धर्म, पाप और अहिंसा की बातें केवल वक्त की जरूरत थीं और वह बड़ी मेहनत के साथ कोई नया रास्ता ढूँढ़ रहे थे या बना रहे थे।

मेरा दिल बदला, मैं गहरें साँच में पड़ गया। फिर भी अधिक न ठहरा। शाम की गांधी से मैं इलाहाबाद के लिये रवाना हो गया।

इस तरह मेरी गांधी जी की दूसरी मुलाकात खतम हुई।

[4]

पहली जंग के खतम होने से पहले-पहले देश में नई जान और नई वसों पैदा हो रही थीं। गांधी जी के छोटे-छोटे नये तज़रबे भी बहुत सों का ध्यान अपनी तरफ़ खींच रहे थे। सरकार इन सब बातों को देख और समझ रही थी बढ़ता हुई बेचैनी और आजादी की प्यास को कुचलने की तरकीबें सोची जाने लगीं। देश भर के कुछ चुने हुए काम करने वालों या आजादी के प्रेमियों की एक कोहेरिस्त तैयार करके हर एक का थोड़ा-थोड़ा हाल देते हुए अंगरेजी में एक छोटी सी किताब तैयार की और गुप्त रीति से उसे हिन्दुस्तान भर के सब अंगरेज अफसरों के हाथों में पहुँचाया गया। मुझे मासूम है कि बाज़-बाज़ जिलों में जहाँ हिन्दुस्तानी

दोपहर को मैं उन्हें बुलाऊँगा, तब तुमसे बातें होंगी।" मैंने उनकी आज्ञा मान ली।

दोपहर बाद उन्होंने मुझे ऊपर के एक कमरे में बुलाया। वह और मैं ही थे। फर्श पर बैठकर लगभग दो घंटे तक फिर बातें होती रहीं। वह सब बातें मुझे अब याद नहीं रहीं। इतना याद है कि गांधी जी को हिन्दुस्तान भर की एक-एक छावनी के बारे में यह जानकारी थी कि किसमें कितनी फौज है, कितनी वंसी और कितनी अंगरेजी, और कितने हथियार हैं, और कहाँ कोई बराबत या आन्दोलन खड़ा हो जाने पर सरकार कितना मुकाबला कर सकती है। उन्होंने इन चीजों को अच्छी तरह पढ़ रखा था। फौजों के इधर से उधर आने जाने को भी वह ध्यान से पढ़ते सुनते रहते थे। मुझ पर यह भी असर पड़ा कि किसी एक जगह को अपने आन्दोलन के लिये या सत्याग्रह के लिये चुनते समय यह सब चीजें उनकी निगाह में रहती हैं। उस दिन की दो घंटे की बात-चीत से दो बातें मेरे दिल पर जम गईं। एक यह कि अंगरेज सरकार की हिंसा करने की शक्ति की कितनी अच्छी जानकारी गांधी जी का थी उसनी हमारे पुराने क्रान्तिकारी दल में किसी का न थी। दूसरी यह कि विदेशी हुकूमत से नफ़रत और मुल्क की आजादी के लिये तड़प भी गांधीजी में किसी दूसरे से कम न थी। कुछ ऐसा भी लगा कि उनकी धर्म, पाप और अहिंसा की बातें केवल वक्त की जरूरत थीं और वह बड़ी मेहनत के साथ कोई नया रास्ता ढूँढ़ रहे थे या बना रहे थे।

मेरा दिल बदला, मैं गहरें साँच में पड़ गया। फिर भी अधिक न ठहरा। शाम की गांधी से मैं इलाहाबाद के लिये रवाना हो गया।

इस तरह मेरी गांधी जी की दूसरी मुलाकात खतम हुई।

[4]

पहली जंग के खतम होने से पहले-पहले देश में नई जान और नई वसों पैदा हो रही थीं। गांधी जी के छोटे-छोटे नये तज़रबे भी बहुत सों का ध्यान अपनी तरफ़ खींच रहे थे। सरकार इन सब बातों को देख और समझ रही थी बढ़ता हुई बेचैनी और आजादी की प्यास को कुचलने की तरकीबें सोची जाने लगीं। देश भर के कुछ चुने हुए काम करने वालों या आजादी के प्रेमियों की एक कोहेरिस्त तैयार करके हर एक का थोड़ा-थोड़ा हाल देते हुए अंगरेजी में एक छोटी सी किताब तैयार की और गुप्त रीति से उसे हिन्दुस्तान भर के सब अंगरेज अफसरों के हाथों में पहुँचाया गया। मुझे मासूम है कि बाज़-बाज़ जिलों में जहाँ हिन्दुस्तानी

بالتے میں سے اس نے یہ بھی کہا—”میری آپ سے ایک ہی گزارش ہے، ہندوستان کے لیے آپ اور جو چاہے ’کونسل‘ ہندوستان کی راجنیتی میں دخل نہ دیجیے، نہ ہی تو آپ اس دہی کو اور بڑا دیں گے۔“ وہ سن کر مسکرائے اور کہنے لگے—”اچھا ابھی تو اور بڑا ہو آؤ گے۔“

میں نے—”دیکھیے—نمस्کار!“ کہہ کر بیوا لئی۔ سٹیشن آیا۔ سولن کے لیے واپس چل دیا۔

میں راستے میں یہی سوچتا تھا کہ اتنا لمبا سفر اور اتنا خرچ اور اتنا بیکار کیا۔

سولن پہنچ کر میں نے اسی مضمون کے خط اپنے دوستوں کو لکھ دیئے۔

کچھ دنوں کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ گاندھی جی جب پہلے پہل دکن افریقہ سے ہندوستان آئے تھے تب مسٹر کرکلی نے، جنہیں گاندھی جی اپنے گرد کی طرح مانتے تھے، یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ یہاں آنے کے ایک سال بعد تک اس دہی کی حالت کو چھپ چاپ دیکھ کر دیکھیں گے اور سمجھیں گے اور کسی طرح کا کوئی عملی قدم کم سے کم اس سال تک نہیں اٹھائیں گے۔ میں جب گاندھی جی سے پہلی مرتبہ ملا تو یہ اسی ایک سال کے اندر کا دن تھا۔

[3]

پہلی ملاقات ہوئے ایک دو سال بعد چمکے تھے۔ پہلا مہابد ختم ہونے پر آ رہا تھا۔ جو ہزاروں ہندوستانی سہاوی ہورپ کے لڑائی کے مودانوں سے لوٹ لوٹ کر آ رہے تھے اور جو خبریں لڑائی کی دہش میں پہل رہی تھیں ان کی بدولت ایک نئی امنگ اور آزادی کی نئی لہر دہش میں پھیلی جا رہی تھی۔ میں پہاڑ چھوڑ کر اہل آباد آ چکا تھا۔ ابھی آگے کے کام کے لئے دوستوں سے صلاح لی رہا تھا کہ اتنے میں سنا کہ ان ہی مسٹر گاندھی نے چمپارن بہار میں وہاں کے قریب کسانوں پر فلوہ گوروں کے انہادوں کے خلاف کچھ آندولن شروع کیا ہے۔ گاندھی جی کے اپنے پہلے تجربے سے مجھے اتنا جوش ہی نہ آ سکا کہ بہار، جو اہل آباد سے بہت دور نہ تھا، جا کر ان کے آندولن کو دیکھوں۔

پہرے دن اور پہلے۔ سنا کہ کجرات میں کھڑا ضلع کے کسانوں کی فصلیں خراب ہو گئی تھیں۔ سرکار ان سے زبردستی لگان وصول کر رہی تھی۔ اس اہل آباد کے خلاف گاندھی جی نے کجرات میں ایک نیا آندولن کھڑا کیا ہے۔

نکلا تھا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی شاید پانچ چھ برس کی رہی ہوگی، ان کے آگے بیٹھی تھی۔ مجھے جہاں تک یاد ہے لڑکی جی اس کے سر سے جوڑیں بین بن کر پاس رکھے ہوئے ہائی کے کمرے میں ڈالے جاتے تھے۔ اسی سچ دھج کے ایک دو اور آدمی کمرے کے پاس سے آتے جاتے دھائی دیتے۔ میں کمرے میں گھسا۔ معلوم کر کے کہ یہی مسٹر گاندھی ہیں کچھ اچنبھا سا لگا۔ انہوں نے ذات کا ایک ٹکڑا میری طرف کر کے مجھے ہاتھ کو دیا۔ میں ہنسنے لگا۔ ہاتھ شروع ہوئے۔

میں نے اپنا اور حال کی دہائی کی کوششوں کا حال جو میں جانتا تھا۔ سب انہوں نے تفصیل سے کہہ سنایا۔ معلوم ہوتا تھا بڑے دھیان سے من رہے ہیں اور جو جو میں کہتا ہوں سب پتہ جاتے ہیں۔ بیچ بیچ میں انہوں نے کئی سوال بھی کئے۔ اس بات چیت میں کئی گھنٹے لگے دوپہر سے شام ہونے آئی۔ کبھی کبھار وہ آٹھ دو گرام بھی کرتے رہے۔ پر جب جب میں ان سے ان کی رائے پوچھی اور ان سے آگے کے لئے صلح اپنا چنا تو لگ بھگ ہر بات پر وہ کچھ ایسا ہی جواب دیتے تھے۔ ”میں تو راجلینی نہیں سمجھتا۔ میں تو دھرم جانتا ہوں۔ سب کو اپنے دھرم پر رہنا چاہئے۔ اپنا دھرم پالنا چاہئے۔ پاپ تو نہیں ہونا چاہئے۔ کسی کو مارنا تو پاپ ہے۔“ وغیرہ وغیرہ۔ مہلے بار بار اور طاح طرح سے ان سے پوچھنا چاہا کہ آخر ہندوستان کو آزادی کیسے مل سکتی ہے۔ ہر بار وہ کوئی نہ کوئی اسی طرح کا فقرہ دہرا دیتے تھے۔ مجھ پر یہ اثر ضرور پڑا کہ وہ مجھ میں اور میری باتوں میں رس لے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں مجھے بار بار ایک الٹا سلیپ اور ایسا بین دھائی دیتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا وہ چاہتے ہیں میں اور قریبوں اور ان سے باتیں کروں۔ ہر بار طاح کی طرح رٹے ہوئے ان نے وہی فقرے سن کر۔ ”میں تو دھرم جانتا ہوں۔ پاپ تو نہیں کرنا چاہئے۔ سب کو اپنا دھرم پالنا چاہئے۔“ میں اکتا گیا۔ مگر اس پوچھنے پر بھی کہ آخر دھرم ہے کیا چیز؟ وہ میری قلمی کا جواب نہ دے سکے۔ مجھے ان سے ایک طرح کی نفرت ہو گئی۔ میں سوچنے لگا کہ دھرم اور دھرم کے جن دھانوس خیالوں نے اس ملک کو برباد کیا ہے اور اسے غلامی کے یہ دن دھائے ہیں وہی خیال اس آدمی کے اندر کبوت کبوت کر بھرے ہوئے ہیں۔ مہلے میں مل کر لیا کہ شام کی گڑی سے سولن لپٹ جایا جائے۔ آخر میں مہلے ان سے کہا کہ میں آج ہی سولن واپس جا رہا ہوں۔ مہلے ان سے یہ بھی صاف کہہ دیا کہ میں آپ سے disappointed اور disgusted یعنی نراہی ہو کر اور ہتار ہو کر جا رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ مہلے انہوں نے یہی باتیں دونوں شبنم اہلوک کیں تھیں۔ چلتے

کر کے سیکڑوں برس تک بھی اس بظناک देश کو छोड़कर नहीं जा सकती थी. कुछ बरसों के तजरबे ने अच्छी तरह दिखा दिया कि यह रास्ता थोड़ा-बहुत अंगरेजों के दिलों में हिंदुस्तानियों का डर भले ही पैदा कर दे, न जनता में जान फूँक सकता था, न उन्हें आजादी की लड़ाई के लिये तैयार कर सकता था और न देश को आजाद करा सकता था, इस दल के आम लोगों में एक गहरी निराशा छाई हुई थी.

सन 1908 में लोकमान्य तिलक के जेल भेजे जाने ने इस दल को खासा धक्का पहुँचाया था. सन 1910 में अरविन्द बाबू के कलकत्ता छोड़ के भागने से दल की हिम्मतें और पस्त हो गईं, अरविन्द बाबू के उस आखरी दिन में कलकत्ते में ही था और कई घण्टे उनके साथ रहा. सन 1912 के बाद दल के बहुत से लोग इधर-उधर आसाम की सरहद पर या हिमालय की तराई में छिपे दबे किसी तरह दिन काट रहे थे. जिस गली से वह चल रहे थे वह आगे बन्द दिखाई देती थी और दूसरा कोई रास्ता भी मुड़कर आजादी की मंजिल तक पहुँचने का दिखाई न देता था.

इसी सिलसिले में सन 1912 से 1916 तक के दिन मैंने सोलन में काटे. दिल के अन्दर गहरी निराशा थी. जापान, रूस आयरलैंड और फ्रान्स के इतिहासों के खूब पन्ने लोटे पर अपने देश की आजादी का कोई रास्ता दिखाई न दिया.

[2]

सुनने में आया कि मिस्टर गांधी नाम के एक सज्जन इसी साल हिन्दुस्तान आए हैं. दक्खिन अफ्रीका में वह वहाँ के हिन्दुस्तानियों के अधिकारों के लिए लड़ते रहे हैं और कामयाबी के साथ लड़ते रहे हैं. वहाँ की हिन्दुस्तानी जनता ने भी इनका खूब साथ दिया है. क्रुदरती तौर पर उनसे मिलने की खाहिश दिल में पैदा हुई, इस उन्मीद में कि उनकी सलाह से शायद अपने देश की आजादी के लिये कोई आगे का रास्ता सूके.

मैं अकेला सोलन से चला. सीधा अहमदाबाद पहुँचा. पता लगाया तो मासूम हुआ कि मिस्टर गांधी शहर के बाहर किसी छोटे से बंगले में रह रहे हैं. मैं वहाँ पहुँचा. मेरी गाँधीजी की यह पहली मुलाकात थी.

मुझे अब तक याद है वह एक छोटे से कमरे के अन्दर जिसका फर्श बीच-बीच में छड़का हुआ था, टाट का एक छोटा सा टुकड़ा बिछाए उस पर बैठे थे. एक छोटी सी मैली सी छुटनों तक की धोती बाँधे हुए थे. बाक्री बदन

کو کے سمجھوں برس تک بھی اس بظناک देश کو छोड़कर नहीं जा सकती थी. कुछ बरसों के तजरबे ने अच्छी तरह दिखा दिया कि यह रास्ता थोड़ा-बहुत अंगरेजों के दिलों में हिंदुस्तानियों का डर भले ही पैदा कर दे, न जनता में जान फूँक सकता था, न उन्हें आजादी की लड़ाई के लिये तैयार कर सकता था और न देश को आजाद करा सकता था, इस दल के आम लोगों में एक गहरी निराशा छाई हुई थी.

سن 1908 میں لوکمانیہ تیلک کے جیل بھیجے جانے نے اس دल کو خاصہ دھکا پہونچایا تھا. سن 1910 میں اروند بابو کے کلکتہ چھوڑ کے بھاگنے سے دल کی ہمتیں اور پست ہو گئیں. اروند بابو کے اس آخری دن میں کلکتہ میں ہی تھا اور کئی گھنٹے اُن کے ساتھ رہا. سن 1912 کے بعد دल کے بہت سے لوگ ایدھر ادھر آسام کی سرحد پر یا ہمالیہ کی ترانی میں چھپے کسی طرح دن کاٹ رہے تھے جس گلی سے وہ چل رہے تھے وہ آگے بند دکھائی دیتی تھی اور دوسرا کوئی راستہ ہی مڑ کر آزادی کی منزل تک پہونچنے کا دکھائی نہ دیتا تھا.

اس سلسلے میں سن 1912 سے 1916 تک کے دن میں سولن میں کاٹے. دल کے اندر گہری نراشا تھی. 'جاپان', 'روس', 'آئرلینڈ' اور 'فرانس' کے اِتہاسوں کے خوب پلے لوٹے پر اپنے دیہ کی آزادی کا کوئی راستہ دکھائی نہ دیا.

[2]

مئلے میں آیا کہ مسٹر گاندھی نام کے ایک سچوں اسی سال ہندستان آئے ہیں. دیکھیں افریقہ میں وہ وہاں کے ہندستانوں کے ادھیکاروں کے لئے لڑتے رہے ہیں اور کامیابی کے ساتھ لڑتے رہے ہیں. وہاں کی ہندستانی جنگل لے ہی اُن کا خوب ماتہ دیا ہے. قدرتی طور پر اُن سے ملنے کی خواہش دِل میں پیدا ہوئی. اس اُمید میں کہ اُن کی صلاح سے شاید اپنے دیہ کی آزادی کے لئے کوئی آگے کا راستہ سوچے.

میں اکیلا سولن سے چلا. سیدھا احمدآباد پہونچا. پتہ لگا کر معلوم ہوا کہ مسٹر گاندھی شہر کے باہر کسی چھوٹے سے ہتلے میں رہ رہے ہیں. میں وہاں پہونچا. میری گاندھی جی کی یہ پہلی ملاقات تھی.

مجھے اب تک یاد ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے کے اندر جس کا فرش بیچ بیچ میں اکھڑا ہوا تھا ٹاٹ کا ایک چوٹا سا ٹوکرا بچھاؤ اس پر بٹاھے تھے. ایک چھوٹی سی مٹی سی گھٹائوں تک کی دھوئی ہانڈے ہوئے تھے. باقی بدن

نے آنگرےز ہیندوستانیوں سے سہمیل کر بٹھنے لگے، اس آئندولن کا سب سے بڑا بڑا کلکتہ تھا۔ کلکتہ کی اس ناخوشگوار ہوا سے باہر نکلنے کے لیے آنگرےزوں نے دہلی کو راجدھانی بنایا۔ دہلی میں بڑے شاندار جلسوں کے ساتھ داخل ہوئے۔ دہلی میں بڑے شاندار جلسوں کے ساتھ داخل ہوئے۔ دہلی میں بڑے شاندار جلسوں کے ساتھ داخل ہوئے۔ دہلی میں بڑے شاندار جلسوں کے ساتھ داخل ہوئے۔

میں آنگرےز ہندوستانیوں سے سہمیل کر بٹھنے لگے۔ اس آئندولن کا سب سے بڑا بڑا کلکتہ تھا۔ کلکتہ کی اس ناخوشگوار ہوا سے باہر نکلنے کے لیے آنگرےزوں نے دہلی کو راجدھانی بنایا۔ دہلی میں بڑے شاندار جلسوں کے ساتھ داخل ہوئے۔ دہلی میں بڑے شاندار جلسوں کے ساتھ داخل ہوئے۔ دہلی میں بڑے شاندار جلسوں کے ساتھ داخل ہوئے۔

پر وہ چمٹکار چند روز سے زیادہ نہ ٹہر سکا۔ دہلی میں ہی سرکار نے جو چوطرفہ دمن شروع کیا اس سے ملک میں بھر ایک بار اندھیری چھا گئی، اور بڑھتی گئی۔ اس کے بعد بھی کچھ ہمت والے لوگوں نے اندر اندر اسی طرح کی چیزیں جاری رکھیں۔ پر پانچ سات برس کے تجربے سے اس دل کے چارواں لوگوں نے دیکھ لیا کہ ان طریقوں سے اور جو کچھ بھی ہم کر پائیں یا نہ کر پائیں آنگرےزی راج دیش سے نہیں مٹایا جاسکتا۔ ایک ایک گوت ہتیا کا ٹھیک ٹھک کرنے میں بیس بیس اور تیس تیس آدمیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ مہلتا ہو بھی گئی تو پولیس کے سراغ لگانے پر قریب قریب ناممکن تھا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی بھوت نہ جاوے۔ بوسوں مقدمہ چلانے کے بعد ایک جان کے بدلے بیس بیس اور بیس تیس دیسی بھکتوں سے زندگی بھر کے لئے ہاتھ دعو ہیتھنا پڑتا تھا۔ جتنا میں جو لوگ ان کے کام سے اندر اندر ہمدردی بھی رکھتے تھے وہ ان سزاؤں کو دیکھ کر سہم جاتے تھے۔ ڈیکتھوں میں ایک ایک ڈیکتی پر کبھی کبھی اتنا خرچ ہو جاتا تھا جتنا وصول نہ ہو پاتا تھا، پھر جو لوگ جان پر کھیل کر ڈیکتیاں ڈالتے تھے انہیں میں رہتے رہتے پولیس یا ہتیاروں کے ہتھوڑے پر یا ان کے ٹھیک ٹھیک استعمال پر پھر وہ سر بہمول ہوتی تھی کہ جس سے دل پھٹ جاتے تھے۔ پولیس کو اگر پتہ چلتا تھا کہ اس دل کا کوئی آدمی فلاں فلاں میں ٹھہرا تھا تو اس گلوں کے لوگوں پر وہ مارے پڑتی تھیں کہ ایک ایک گلوں والا پولیس کی چوکی پر جا کر ناک رکھتا تھا اور سرکار کی وفاداری کی قسمیں کھاتے لگتا تھا۔ دل کے مسجددار لوگوں کو دکھائی دے گیا کہ جو آنگرےز قوم ایک جنگ میں اپنے ہزاروں آدمی ٹٹا سکتی تھے اور لاکھوں روپے گولہ بارود پر خرچ کر سکتی تھے وہ اکا دگا آدمیوں کی سال دو سال کے اندر جانیں گنوا کر اور وہ بھی اپنی زبردست قیمت وصول

پر وہ چمٹکار چند روز سے زیادہ نہ ٹہر سکا۔ دہلی میں ہی سرکار نے جو چوطرفہ دمن شروع کیا اس سے ملک میں بھر ایک بار اندھیری چھا گئی، اور بڑھتی گئی۔ اس کے بعد بھی کچھ ہمت والے لوگوں نے اندر اندر اسی طرح کی چیزیں جاری رکھیں۔ پر پانچ سات برس کے تجربے سے اس دل کے چارواں لوگوں نے دیکھ لیا کہ ان طریقوں سے اور جو کچھ بھی ہم کر پائیں یا نہ کر پائیں آنگرےزی راج دیش سے نہیں مٹایا جاسکتا۔ ایک ایک گوت ہتیا کا ٹھیک ٹھک کرنے میں بیس بیس اور تیس تیس آدمیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ مہلتا ہو بھی گئی تو پولیس کے سراغ لگانے پر قریب قریب ناممکن تھا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی بھوت نہ جاوے۔ بوسوں مقدمہ چلانے کے بعد ایک جان کے بدلے بیس بیس اور بیس تیس دیسی بھکتوں سے زندگی بھر کے لئے ہاتھ دعو ہیتھنا پڑتا تھا۔ جتنا میں جو لوگ ان کے کام سے اندر اندر ہمدردی بھی رکھتے تھے وہ ان سزاؤں کو دیکھ کر سہم جاتے تھے۔ ڈیکتھوں میں ایک ایک ڈیکتی پر کبھی کبھی اتنا خرچ ہو جاتا تھا جتنا وصول نہ ہو پاتا تھا، پھر جو لوگ جان پر کھیل کر ڈیکتیاں ڈالتے تھے انہیں میں رہتے رہتے پولیس یا ہتیاروں کے ہتھوڑے پر یا ان کے ٹھیک ٹھیک استعمال پر پھر وہ سر بہمول ہوتی تھی کہ جس سے دل پھٹ جاتے تھے۔ پولیس کو اگر پتہ چلتا تھا کہ اس دل کا کوئی آدمی فلاں فلاں میں ٹھہرا تھا تو اس گلوں کے لوگوں پر وہ مارے پڑتی تھیں کہ ایک ایک گلوں والا پولیس کی چوکی پر جا کر ناک رکھتا تھا اور سرکار کی وفاداری کی قسمیں کھاتے لگتا تھا۔ دل کے مسجددار لوگوں کو دکھائی دے گیا کہ جو آنگرےز قوم ایک جنگ میں اپنے ہزاروں آدمی ٹٹا سکتی تھے اور لاکھوں روپے گولہ بارود پر خرچ کر سکتی تھے وہ اکا دگا آدمیوں کی سال دو سال کے اندر جانیں گنوا کر اور وہ بھی اپنی زبردست قیمت وصول

गांधी जी के साथ पहली मुलाकातें

पंडित सुन्दरलाल

सन 1915 की बात है:

मैं सोलन में था, हिन्दुस्तान की राजनीति में उस समय दो ही दल थे, एक नरम दल जो इंगलिस्तान के बादशाह की बफादारी की कसमें खाता था, अंगरेज सरकार के रहते अपने देश को शिक्षा प्रचार और समाज सुधार के जरिये ऊँचा ले जाना और मजबूत करना चाहता था, और दरखास्तों और अरजी परचों के जरिये अंगरेजों से राज-काज में छोटे-मोटे अधिकार और नौकरियाँ लेकर अपने को सफल मानता था, कांग्रेस इसी दल के हाथों में थी, दूसरा गरम दल जो स्वदेशी, अंगरेजी माल के बायकाट, कौमी तालीम और 'स्वराज' की प्यास लोगों में पैदा करके बम और पिस्तौल के जरिये इधर-उधर अंगरेज हाकिमों की हत्या करके और सज्जानों वगैरा को लूटकर अंगरेजों का इस देश से निकाल देने की आशा करता था, इस दूसरे दल का जन्म बंगाल की तत्कालीन के साथ-साथ सन 1905 में हुआ था, इस दल में बहुत से जान-पर खेलने वाले नौजवान थे, उन्होंने अपनी समितियाँ बनाईं, कई अंगरेजों और उनके हिन्दुस्तानी मददगारों की जगह-जगह हत्याएँ कीं, सज्जानों और हथियारों के गोदामों पर डाके डाले, मालूम होता है अच्छी और बुरी सभी चीजें अपने-अपने समय पर और अपनी जगह कुछ न कुछ उपयोग रखती हैं, शायद अच्छे और बुरे का फरक भी अन्धेरे और उजाले के फरक की तरह मौके और महल का ही फरक है, मुझे अच्छी तरह याद है कि सन 1907 से पहले अंगरेजों का दबदबा और उनका घमण्ड कितना गहरा था और सारे देश पर किस तरह छाया हुआ था, बड़े से बड़े हिन्दुस्तानी के लिए पहले या दूसरे दर्जे के रेल के टिकेसी ऐसे बिन्ने में घुसने की हिम्मत करना जिसमें कोई अंगरेज पहले से बैठा हो एक गौर मामूली बात थी और कोई भी छोटे से छोटा अंगरेज ऐसे मौके पर किसी बड़े से बड़े हिन्दुस्तानी का खुले अपमान कर सकता था, सन 1907 के सुदीराम बोस के मुजफ्फरपुर बम ने इस हालत को माने जादू की तरह एक रात में बदल दिया, अंगरेज समझ गए कि यह कीड़ा काट भी सकता है, हिन्दुस्तानियों को इधर से उधर तक निराशा की अंधचारी घटा में आशा की एक चिमली की कौंधी हुई दिखलाई पड़ गई, रेल के बिन्नों

गान्धी जी के साथ पहली मुलाकातें

पंडित सुन्दरलाल

सन 1915 की बात है:

मैं सोलन में था, हिन्दुस्तान की राजनीति में उस समय दो ही दल थे, एक नरम दल जो इंगलिस्तान के बादशाह की बफादारी की कसमें खाता था, अंगरेज सरकार के रहते अपने देश को शिक्षा प्रचार और समाज सुधार के जरिये ऊँचा ले जाना और मजबूत करना चाहता था, और दरखास्तों और अरजी परचों के जरिये अंगरेजों से राज-काज में छोटे-मोटे अधिकार और नौकरियाँ लेकर अपने को सफल मानता था, कांग्रेस इसी दल के हाथों में थी, दूसरा गरम दल जो स्वदेशी, अंगरेजी माल के बायकाट, कौमी तालीम और 'स्वराज' की प्यास लोगों में पैदा करके बम और पिस्तौल के जरिये इधर-उधर अंगरेज हाकिमों की हत्या करके और सज्जानों वगैरा को लूटकर अंगरेजों का इस देश से निकाल देने की आशा करता था, इस दूसरे दल का जन्म बंगाल की तत्कालीन के साथ-साथ सन 1905 में हुआ था, इस दल में बहुत से जान-पर खेलने वाले नौजवान थे, उन्होंने अपनी समितियाँ बनाईं, कई अंगरेजों और उनके हिन्दुस्तानी मददगारों की जगह-जगह हत्याएँ कीं, सज्जानों और हथियारों के गोदामों पर डाके डाले, मालूम होता है अच्छी और बुरी सभी चीजें अपने-अपने समय पर और अपनी जगह कुछ न कुछ उपयोग रखती हैं, शायद अच्छे और बुरे का फरक भी अन्धेरे और उजाले के फरक की तरह मौके और महल का ही फरक है, मुझे अच्छी तरह याद है कि सन 1907 से पहले अंगरेजों का दबदबा और उनका घमण्ड कितना गहरा था और सारे देश पर किस तरह छाया हुआ था, बड़े से बड़े हिन्दुस्तानी के लिए पहले या दूसरे दर्जे के रेल के टिकेसी ऐसे बिन्ने में घुसने की हिम्मत करना जिसमें कोई अंगरेज पहले से बैठा हो एक गौर मामूली बात थी और कोई भी छोटे से छोटा अंगरेज ऐसे मौके पर किसी बड़े से बड़े हिन्दुस्तानी का खुले अपमान कर सकता था, सन 1907 के सुदीराम बोस के मुजफ्फरपुर बम ने इस हालत को माने जादू की तरह एक रात में बदल दिया, अंगरेज समझ गए कि यह कीड़ा काट भी सकता है, हिन्दुस्तानियों को इधर से उधर तक निराशा की अंधचारी घटा में आशा की एक चिमली की कौंधी हुई दिखलाई पड़ गई, रेल के बिन्नों

کس سے	صفحہ	کس سے
1. گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقاتیں
—پंडित सुन्दरलाल	141	—پلڈت سنگر لال
2. غزل (کوہتا)
—شہری سعادت نظر ایم. اے.	154	...
3. امت
—کمارى ریحانه طیب جی	156	...
4. محمد صاحب کے کچھ ابدیش
—ڈاکٹر مرزا ابوالفضل	159	...
5. رجن اور جتن
—شہری عبدالکظیم انصاری	162	...
6. چرافوں کے سلسلے (انگریزوں سے خطاب) کوہتا
—شہری سلام مچھلی شہری	167	...
7. شہید اعظم بہادر شاہ کی یاد میں
—شہری ڈی. راجن	168	...
8. 1857 کا دہش بھکت اخبار 'پیام آزادی'
—ویربمبھرنای پانڈے	173	...
9. کچھ کتابیں
—کچھ کتابیں	178	...
10. ہماری راہ
—گاندھی جی کے جنم دن پر—ویربمبھرنای پانڈے	184	...

نہیل

نمبر 4 نمبر 24 جلد 24

اکتوبر 1957

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈلینج، دہلی

145 مڈلینج، دہلی

1957

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editor

Suresh Ramabhai

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.

Manager, NAYA HIND

105, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-2.

نیا حمنہ

اس نمبر کے خاص لکھ

اس نمبر کے خاص لکھ

گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقاتیں

گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقاتیں

—پंडित सुन्दरलाल

—پانڈت سندر لال

شاہیदे آجرام بھادورشاہ کی یاد میں

شہید اعظم بھادر شاہ کی یاد میں

—श्री डी राजन

—شری دی راجن

1857 کا 'देश भक्त' अखबार 'पथामे

1857 کا دیہی پریمت اخبار 'ہام

आजादी'

ازادی'

—विश्वम्भरनाथ पांडे

—وشرمبھور ناتھ پانڈے

हमारी राय—

—हमारी राय—

—गांधी जी के जनम दिन पर

—गاندھی جی کے جنم دن پر—

—विश्वम्भरनाथ पांडे

—وشرمبھور ناتھ پانڈے

ہندی घर

کالچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا مرکز—پاٹک ہندی، اور، انگریزی کی اپنی من-پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیباؤ کے مانے جانے

بیڈوان : ستر ۵۰۰ شری منچر اعلیٰ سارکٹا

سکے 225، کرمیت دو روپیا

—: ۰ :—

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بھوت دلچسپ کتاب)

لکھیکا—کدسیا جیدی

بھمیکا—پنڈت جواہرلال نہرو

موتا کاغذ، موتا ٹائپ، بھوت-سی رنگین تصویروں

دام دو روپیا

—: ۰ :—

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کوران

275 سکے، دام ڈاڑ روپیا

ہندو مسلمان اکٹا

199 سکے، دام بارہ آنے

ہندوستان گاندھی کے بھیدان سے سبق

کرمیت بارہ آنے

ہندوستان ہمیں کیا سکھاتا ہے

کرمیت چار آنے

ہندوستان اور اوس سے سبق

کرمیت دو آنے

ہندوستانی کالچر سوسائٹی

145 مدرگج ہندوستان

ہندی

ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا مرکز—پاٹک ہندی، اور، انگریزی کی من-پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیباؤ کے مانے جانے

بیڈوان : ستر ۵۰۰ شری منچر اعلیٰ سارکٹا

سکے 225، کرمیت دو روپیا

—: ۰ :—

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بھوت دلچسپ کتاب)

لکھیکا—کدسیا جیدی

بھمیکا—پنڈت جواہرلال نہرو

موتا کاغذ، موتا ٹائپ، بھوت-سی رنگین تصویروں

دام دو روپیا

—: ۰ :—

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کوران

275 سکے، دام ڈاڑ روپیا

ہندو مسلمان اکٹا

100 سکے، دام بارہ آنے

ہندوستان گاندھی کے بھیدان سے سبق

کرمیت بارہ آنے

ہندوستان ہمیں کیا سکھاتا ہے

کرمیت چار آنے

ہندوستان اور اوس سے سبق

کرمیت دو آنے

ہندوستانی کالچر سوسائٹی

145 مدرگج ہندوستان

(2) ایشیا اور افریقہ کی سرکاروں کو یو۔ این۔ او۔ کی آئی جنرل اسمبلی کے سامنے یہ تجویز پیش کریں کہ ان تینوں کو بلا کسی شرط کے بدل کرے ایک ایسے سمجھوتے کی طرف قدم اٹھایا جائے جس سے دنیا کی سب فوجیں عام طور پر ختم کی جا سکیں۔

(3) اس طرح کے سمجھوتوں کی آئی جنرل اسمبلی میں اپنی ویٹو پاور کی وجہ سے کسی بھی طرح کے سمجھوتے کی طرف قدم اٹھایا جائے جس سے دنیا کی سب فوجیں عام طور پر ختم کی جا سکیں۔

(4) اس طرح کے سمجھوتوں کی آئی جنرل اسمبلی میں اپنی ویٹو پاور کی وجہ سے کسی بھی طرح کے سمجھوتے کی طرف قدم اٹھایا جائے جس سے دنیا کی سب فوجیں عام طور پر ختم کی جا سکیں۔

اگست سن 1957

—سندھ لال

2. ایشیا اور افریقہ کی سرکاروں کو یو۔ این۔ او۔ کی آئی جنرل اسمبلی کے سامنے یہ تجویز پیش کریں کہ ان تینوں کو بلا کسی شرط کے بدل کرے ایک ایسے سمجھوتے کی طرف قدم اٹھایا جائے جس سے دنیا کی سب فوجیں عام طور پر ختم کی جا سکیں۔

3. اس طرح کے سمجھوتوں کی آئی جنرل اسمبلی میں اپنی ویٹو پاور کی وجہ سے کسی بھی طرح کے سمجھوتے کی طرف قدم اٹھایا جائے جس سے دنیا کی سب فوجیں عام طور پر ختم کی جا سکیں۔

4. اس طرح کے سمجھوتوں کی آئی جنرل اسمبلی میں اپنی ویٹو پاور کی وجہ سے کسی بھی طرح کے سمجھوتے کی طرف قدم اٹھایا جائے جس سے دنیا کی سب فوجیں عام طور پر ختم کی جا سکیں۔

—سندھ لال

اگست سن 1957

یہاں پہلے پہل پر کئی ہی ہفتوں کا کامیاب نہیں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے دیشوں میں انٹر راشیہ تلاء اب بھی کئی شکلوں میں ہوتے رہا ہے۔

(۱) جاپانیوں کے راشیہ ہاتھوں اور ان کی انہلسک یرم داؤں کے حلف اور کی نارا ٹاپوں کو جاپان سے الگ کر دیا گیا ہے اور انہوں نے سلیکٹ راج امریکہ کے ٹم ایٹمی لڑا ہلایا جا رہا ہے۔

(۲) سلیکٹ راج امریکہ نے جارتوں اور عرب دیشوں کے اندر کے معاملوں میں زبردستی دخل دینے کے لئے اپنا چھٹا جہازی ہوائیہ کے سلیکٹ میں بھیج دیا ہے اور اس سے پہلے کو ایٹمی ہتھیاروں سے لیس کر دیا ہے۔

(۳) تائیوان کا ڈاؤ پیپلس ریپبلک آف چین کا ایک اہم اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ یہ بھی ایٹمی مسائل "میتھڈیز" تائیوان بھیج دیا گیا۔ دکن کو رہا میں بھی لڑائی ہندوستان کے خلاف ایٹمی ہتھیار داخل کئے جا رہے ہیں۔

بڑی بڑی طاقتوں کی یہ نیتی ایٹمی ہتھیار کی طرف جا رہی ہے۔ جو فوجی اقدار فوجی گت ہلدیوں کی ضرورت کے لئے قائم کئے گئے ہیں ان میں اب ایٹمی ہتھیار کا سامان جمع کیا جا رہا ہے اور یہ ایٹمی اقدار بن رہے ہیں۔ دنیوی ایٹمی لڑوں کا ہلایا جانا اور دوسرے دیشوں میں ایٹمی ہتھیاروں کا داخل کیا جانا ان دیشوں کی سوانہیت پر ایک حملہ ہے اس سے ایٹمی ہتھیار کا خطرہ ہوتا جاتا ہے۔

ایشیا اور افریقہ کے کسی دیش میں بھی ٹم ایٹمی لڑوں کا قائم کیا جانا ایشیا اور افریقہ کے سارے علاقے کے لئے خطرناک ہے۔

شانت مہا ساگر میں ساری ایشیائی اور افریقی قوموں کی اچھا کے درودہ اہم اور ہندوستانی قوموں کے تجربے جاری ہیں۔

ایٹمی شکلوں اپنے علاقوں سے بہت دور اپنے کو نقصان سے بچانے کے لئے شانت مہا ساگر میں یہ تجربے کر رہی ہیں۔ ان تجربوں کا زہریلا اثر ایشیا اور افریقہ کے لوگوں پر پڑ رہا ہے۔ یہ تجربے اس لئے کئے جارہے ہیں کہ کروڑوں لوگوں کو ایک ساتھ کیسے ختم کیا جا سکے۔ سلیکٹ راج امریکہ اگلے سال ایلی کیولک ایٹلس (Eniwetok Atolls) میں ایک بڑے پیمانے پر اس طرح کے تجربے کرے گی۔

ان حالتوں میں ہم ایشیا اور افریقہ سے مانگ کرتے ہیں کہ:

1. ایٹمی شکلوں ہذا کسی طرح کے ان تجربوں کو بند کریں۔

ایشیا اور افریقہ کے کسی دیش میں بھی ٹم ایٹمی لڑوں کا قائم کیا جانا ایشیا اور افریقہ کے سارے علاقے کے لئے خطرناک ہے۔

(1) جاپانیوں کے راشیہ ہاتھوں اور ان کی انہلسک یرم داؤں کے حلف اور کی نارا ٹاپوں کو جاپان سے الگ کر دیا گیا ہے اور انہوں نے سلیکٹ راج امریکہ کے ٹم ایٹمی لڑا ہلایا جا رہا ہے۔

(2) سلیکٹ راج امریکہ نے جارتوں اور عرب دیشوں کے اندر کے معاملوں میں زبردستی دخل دینے کے لئے اپنا چھٹا جہازی ہوائیہ کے سلیکٹ میں بھیج دیا ہے اور اس سے پہلے کو ایٹمی ہتھیاروں سے لیس کر دیا ہے۔

(3) تائیوان کا ڈاؤ پیپلس ریپبلک آف چین کا ایک اہم اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ یہ بھی ایٹمی مسائل "میتھڈیز" تائیوان بھیج دیا گیا۔ دکن کو رہا میں بھی لڑائی ہندوستان کے خلاف ایٹمی ہتھیار داخل کئے جا رہے ہیں۔

بڑی بڑی طاقتوں کی یہ نیتی ایٹمی ہتھیار کی طرف جا رہی ہے۔ جو فوجی اقدار فوجی گت ہلدیوں کی ضرورت کے لئے قائم کئے گئے ہیں ان میں اب ایٹمی ہتھیار کا سامان جمع کیا جا رہا ہے اور یہ ایٹمی اقدار بن رہے ہیں۔ دنیوی ایٹمی لڑوں کا ہلایا جانا اور دوسرے دیشوں میں ایٹمی ہتھیاروں کا داخل کیا جانا ان دیشوں کی سوانہیت پر ایک حملہ ہے اس سے ایٹمی ہتھیار کا خطرہ ہوتا جاتا ہے۔

ایشیا اور افریقہ کے کسی دیش میں بھی ٹم ایٹمی لڑوں کا قائم کیا جانا ایشیا اور افریقہ کے سارے علاقے کے لئے خطرناک ہے۔

شانت مہا ساگر میں ساری ایشیائی اور افریقی قوموں کی اچھا کے درودہ اہم اور ہندوستانی قوموں کے تجربے جاری ہیں۔

ایٹمی شکلوں اپنے علاقوں سے بہت دور اپنے کو نقصان سے بچانے کے لئے شانت مہا ساگر میں یہ تجربے کر رہی ہیں۔ ان تجربوں کا زہریلا اثر ایشیا اور افریقہ کے لوگوں پر پڑ رہا ہے۔ یہ تجربے اس لئے کئے جارہے ہیں کہ کروڑوں لوگوں کو ایک ساتھ کیسے ختم کیا جا سکے۔ سلیکٹ راج امریکہ اگلے سال ایلی کیولک ایٹلس (Eniwetok Atolls) میں ایک بڑے پیمانے پر اس طرح کے تجربے کرے گی۔

ان حالتوں میں ہم ایشیا اور افریقہ سے مانگ کرتے ہیں کہ:

1. ایٹمی شکلوں ہذا کسی طرح کے ان تجربوں کو بند کریں۔

بیچاروں سے باتچیت کے आधार پر کھ رہے ہیں۔ جاپانی لوگ سادھسی ہیں، نیک ہیں، بھادور ہیں، مہناتی ہیں، ہوشیار ہیں، پرمی ہیں اور اعلیٰ ہیں۔ اس سے سارے ایشیا کی، افریقا کی اور دنیا کے سب سوانمیتا پرمی اور نیا پرمی لوگوں کو ان کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ ہمیں پیر-باس ہے کہ جاپان بھوت جلد ہی پیر سے پوری طرح آزاد ہوگا اور ایشیا اور افریقہ کے دوسرے دیہوں کے ساتھ مل کر دنیا کے سب دیہوں اور سب لوگوں کی آزادی خوشحالی اور پھل کی پیر سے قائم کرنے میں بہت بڑا حصہ لے گا۔

جاپان سے پیر چوت کے اڈار پر کہہ رہے ہیں۔ جاپانی لوگ سادھسی ہیں، نیک ہیں، بھادور ہیں، مہناتی ہیں، ہوشیار ہیں، پرمی ہیں اور اعلیٰ ہیں۔ اس سے سارے ایشیا کی افریقہ کے اور دنیا کے سب سوانمیتا پرمی اور نیا پرمی لوگوں کو ان کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ ہمیں پیر-باس ہے کہ جاپان بھوت جلد ہی پیر سے پوری طرح آزاد ہوگا اور ایشیا اور افریقہ کے دوسرے دیہوں کے ساتھ مل کر دنیا کے سب دیہوں اور سب لوگوں کی آزادی خوشحالی اور پھل کی پیر سے قائم کرنے میں بہت بڑا حصہ لے گا۔

ایشیا اور افریقہ کے پرمی نڈھوں

کا اعلان توکیو 16-8-57

اگست سن 1957 کے توکیو رشو سہیل میں ایشیا اور افریقہ کے جو نمائندے جمع ہوئے تھے انہوں نے مل کر نیچے لکھا اعلان شائع کیا۔

ہم ایشیا اور افریقہ کے دیہوں کے نمائندے جو اہم اور ہائڈروجن بم کے خلاف اور فوجوں کو ختم کرنے کے پھل میں تیسرے ورلڈ سمیلن کے مہم پر توکیو میں جما دیے ہیں نیچے لکھا اعلان شائع کرتے ہیں۔

ایشیا اور افریقہ کی کیموں کی سہمتا بھوت پرمی سہمتا ہے۔ یہ کیموں میں سب کی آزادی اور ورلڈ شانتی کا ایک لک ہے۔

سن 1955 میں ایشیا اور افریقہ کی 29 سرکاروں کے نمائندے کانفرنس میں جمع ہوئے تھے انہوں نے یہ پرمی پاس کیا تھا کہ اہم اور ہائڈروجن میں مہم کا اڈار نہ کیا جائے اور ایک دیہ کے لوگوں کا دوسرے دیہ کے لوگوں پر راج کرنا بد نہ کیا جائے۔ ان دیہوں کی تفرقہ آرب جلتا کا سہمتا اس پرمی پرمی ہے۔

حال میں ایشیا اور افریقہ کے دیہوں میں کیموں کی کھلتی ہیں جن سے اس اعلان کی آزادی اور شانتی خطرہ میں پڑ گئی ہے۔

تینوں खास प्रस्तावों के पास हो जाने के बाद, सम्मेलन समाप्त होने से पहले, “अब और हिरोशिमा नहीं होने देंगे”—ना. का जापानी गाना पूरे बीस हजार आदमियों ने खड़े होकर बड़े जोश और एक आवाज के साथ गाया. गाते समय सब एक दूसरे की बांहों में बाँधे बालकर खंजीरे की तरह बँधे हुए थे और गाने के स्वर के साथ-साथ सबके सब बाँए और बाँए को मुकते जाते थे. बिलकुल समन्दर की सी ध्वनि मधुर होता था. जनता की संकल्प शक्ति और जाश-वानों सामा को लाँघते हुए दिखाई दे रहे थे।

जापान की इस यात्रा में हमने जो खास चीजें देखीं उनमें से एक यह भी थी कि नागासाकी में ठीक उस जगह जिस जगह बारह वर्ष पहले बम गिराया गया था आज एक बड़ी सुन्दर और ऊँची पत्थर की मूर्ति बनी हुई है. मूर्ति शायद लगभग दस फुट ऊँचे खंबे-नुमा चबूतरे पर बैठे हुए आसन में है. एक पैर नीचे लटक रहा है. दूसरा पैर पालथी में है. बदन नंगा है. केवल एक छोटी सी धोती पत्थर ही में खुदी हुई कमर से लिपटी है. उस धोती का एक सिरा बाँए कंधे पर पड़ा है. दाहना हाथ ऊपर की तरफ उठा हुआ अंगूठे के पास की उँगली से आसमान की तरफ इशारा करता मालूम होता है. बाँयाँ हाथ सीधा फैला हुआ है. इधेरी नीचे की तरफ है. हमने जापानी मित्रों से इसका मतलब पूछा. हमें बताया गया कि दाहना हाथ ईश्वर की तरफ इशारा करता है और बाँयाँ शान्ति की तरफ. कहा गया कि मूर्ति शान्ति के उस देवता की मूर्ति है जो ईश्वर से सब के भले और विश्व शान्ति के लिये प्रार्थना कर रहा है. मूर्ति को देखकर बिलकुल महात्मा गाँधी की याद आ-जाती है. माथे पर ठीक बीच में कुछ उभरा हुआ निशान है. हमने पूछा यह क्या है तो हमें बताया गया कि हिन्दुओं का तिलक.

जापान में एक “गाँधी पीस लीग” नाम की संस्था भी कायम है जिसके एक खास कार्यकर्ता रैवरैण्ड शौजुन मीबु हैं जो हमसे मिले थे.

जापान जाकर जापानी जाति के लिये आदर और जापानियों से प्रेम हमारे दिल में बहुत बढ़ा. जापानी एशियाई हैं. उनका रहन सहन एशियाई है. उनका दिल एशियाई है. इसमें सन्देह नहीं पिछली दो तीन पीढ़ियों के अन्दर जापान अधिक से अधिक पच्छिमीयता यानी मर्यादीयता की तरफ बढ़ चला था. इसी कारण पूरब के दूसरे देशों से वह कुछ कट सा गया था. लेकिन इसमें भी शक नहीं कि जापान को अपनी इस गलती के लिये और गलतियाँ हम सबसे होती हैं—काफी से कहीं अधिक कुछ सुगतता प्रकाश है. जापान आज अन्याय पीड़ित है. जापान के अधिकतर विचारवान लोग अपनी गलती को भी अच्छी तरह महसूस कर रहे हैं. हम यह जापानी

तैयार खास प्रस्तावों के पास हो जाने के बाद, सम्मेलन समाप्त होने से पहले, “अब और हिरोशिमा नहीं होने देंगे”—ना. का जापानी गाना पूरे बीस हजार आदमियों ने खड़े होकर बड़े जोश और एक आवाज के साथ गाया. गाते समय सब एक दूसरे की बांहों में बाँधे बालकर खंजीरे की तरह बँधे हुए थे और गाने के स्वर के साथ-साथ सबके सब बाँए और बाँए को मुकते जाते थे. बिलकुल समन्दर की सी ध्वनि मधुर होता था. जनता की संकल्प शक्ति और जाश-वानों सामा को लाँघते हुए दिखाई दे रहे थे।

जापान की इस यात्रा में हमने जो खास चीजें देखीं उनमें से एक यह भी थी कि नागासाकी में ठीक उस जगह जिस जगह बारह वर्ष पहले बम गिराया गया था आज एक बड़ी सुन्दर और ऊँची पत्थर की मूर्ति बनी हुई है. मूर्ति शायद लगभग दस फुट ऊँचे खंबे-नुमा चबूतरे पर बैठे हुए आसन में है. एक पैर नीचे लटक रहा है. दूसरा पैर पालथी में है. बदन नंगा है. केवल एक छोटी सी धोती पत्थर ही में खुदी हुई कमर से लिपटी है. उस धोती का एक सिरा बाँए कंधे पर पड़ा है. दाहना हाथ ऊपर की तरफ उठा हुआ अंगूठे के पास की उँगली से आसमान की तरफ इशारा करता मालूम होता है. बाँयाँ हाथ सीधा फैला हुआ है. इधेरी नीचे की तरफ है. हमने जापानी मित्रों से इसका मतलब पूछा. हमें बताया गया कि दाहना हाथ ईश्वर की तरफ इशारा करता है और बाँयाँ शान्ति की तरफ. कहा गया कि मूर्ति शान्ति के उस देवता की मूर्ति है जो ईश्वर से सब के भले और विश्व शान्ति के लिये प्रार्थना कर रहा है. मूर्ति को देखकर बिलकुल महात्मा गाँधी की याद आ-जाती है. माथे पर ठीक बीच में कुछ उभरा हुआ निशान है. हमने पूछा यह क्या है तो हमें बताया गया कि हिन्दुओं का तिलक.

जापान में एक “गाँधी पीस लीग” नाम की संस्था भी कायम है जिसके एक खास कार्यकर्ता रैवरैण्ड शौजुन मीबु हैं जो हमसे मिले थे.

जापान जाकर जापानी जाति के लिये आदर और जापानियों से प्रेम हमारे दिल में बहुत बढ़ा. जापानी एशियाई हैं. उनका रहन सहन एशियाई है. उनका दिल एशियाई है. इसमें सन्देह नहीं पिछली दो तीन पीढ़ियों के अन्दर जापान अधिक से अधिक पच्छिमीयता यानी मर्यादीयता की तरफ बढ़ चला था. इसी कारण पूरब के दूसरे देशों से वह कुछ कट सा गया था. लेकिन इसमें भी शक नहीं कि जापान को अपनी इस गलती के लिये और गलतियाँ हम सबसे होती हैं—काफी से कहीं अधिक कुछ सुगतता प्रकाश है. जापान आज अन्याय पीड़ित है. जापान के अधिकतर विचारवान लोग अपनी गलती को भी अच्छी तरह महसूस कर रहे हैं. हम यह जापानी

(ب) "اس طرح کے ججسوں کی کارروائی سیدھے یا مختلف ذبشوں کی سرکاروں کی معرفت یو . این . او کے پاس بھیجی جائے۔"

(س) "اس طرح کا آئندولن ہر دہر کے لوگ اپنے اپنے ہنگ سے کرے تاکہ اذیک سے اذیک جناتا اس آئندولن میں ساآ دے سکے۔"

اس پرستار میں یو . این . او کی اس "قس آرماسٹ سب کمیٹی" یعنی فوج تہر سب کمیٹی کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو لندن میں ہو رہی ہے جس میں پانیچ راشٹر شامل ہیں اور جس کی بھی فرض ہے کہ ان تجربوں کو بند کیا جاوے اور فرچوں کو ختم کرنے کی طرف قدم بڑھایا جاوے۔

دنیا کے لوگوں سے سفارش کی گئی ہے کہ وہ اپنی اپنی سرکاروں پر زور دیں کہ وہ یو . این . او کی جنرل اسمبلی سے اور لندن کی سب کمیٹی سے اس کام کو پورا کروں۔

اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس بارے میں سب دیشوں اور سب قوموں کو مل کر کام کرنا چاہئے خاص کر :

1. دنیا کے سائنسدانوں نے اس بارے میں جو کچھ کی ہے اس کے نتیجوں کو سب دیشوں میں پھیلایا جوہ اور جہاں تک ہو سکے جلدی سائنسدانوں کی ایک انٹر راشٹرین ہیتھک کی جاوے۔

2. سب دیشوں کے دھارمک بھائوں 'اسٹریوں' و دیارتھوں مزدوروں 'مچھاروں' کسانوں وغیرہ سے سفارش کی گئی ہے کہ وہ اس بھک اور ضروری کام کے لئے دوسرے دیشوں کے اس طرح کے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کریں :

اس پرستار میں ایشیا اور افریقہ کے دیشوں اور شانکی مہاساگر یعنی پیسٹک اوشن کے کنارے کے لوگوں سے خاصی طور پر سفارش کی گئی ہے کہ وہ اس کام کے لئے مل کر کڑے ہو جنہیں کیونکہ "حال میں جو اس طرح کے تجربے ہوئے ہیں وہ ادھک تر اسی علاقے میں ہوئے ہیں اور اسی علاقے میں اہم اور ہائڈروجن ہتھار ادھک تر داخل دئے جارہے ہیں۔ خاص کر اونی ناوا افریقا اور دوسری جگہوں کے فوجی اذوں میں اہلی بدہ کی تیاریاں جاری ہیں۔"

"ہم اس بات کو بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم مقصدوں کو پورا کرنے کے لئے جہاں تک ہو سکے جلدی دوسری افریقہ - ایشین کانفرنس کی جاوے۔"

اس پرستار کے آخر میں ان لوگوں کی مدد کے لئے بھی اپیل کی گئی ہے جنہیں اس طرح کے ہوں اور تجربوں سے نقصان پہنچتا ہے۔

اس پرستار میں یو . این . او کی اس "قس آرماسٹ سب کمیٹی" یعنی فوج تہر سب کمیٹی کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو لندن میں ہو رہی ہے جس میں پانیچ راشٹر شامل ہیں اور جس کی بھی فرض ہے کہ ان تجربوں کو بند کیا جاوے اور فرچوں کو ختم کرنے کی طرف قدم بڑھایا جاوے۔

دنیا کے لوگوں سے سفارش کی گئی ہے کہ وہ اپنی اپنی سرکاروں پر زور دیں کہ وہ یو . این . او کی جنرل اسمبلی سے اور لندن کی سب کمیٹی سے اس کام کو پورا کروں۔

اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس بارے میں سب دیشوں اور سب قوموں کو مل کر کام کرنا چاہئے خاص کر :

1. دنیا کے سائنسدانوں نے اس بارے میں جو کچھ کی ہے اس کے نتیجوں کو سب دیشوں میں پھیلایا جوہ اور جہاں تک ہو سکے جلدی سائنسدانوں کی ایک انٹر راشٹرین ہیتھک کی جاوے۔

2. سب دیشوں کے دھارمک بھائوں 'اسٹریوں' و دیارتھوں مزدوروں 'مچھاروں' کسانوں وغیرہ سے سفارش کی گئی ہے کہ وہ اس بھک اور ضروری کام کے لئے دوسرے دیشوں کے اس طرح کے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کریں :

اس پرستار میں ایشیا اور افریقہ کے دیشوں اور شانکی مہاساگر یعنی پیسٹک اوشن کے کنارے کے لوگوں سے خاصی طور پر سفارش کی گئی ہے کہ وہ اس کام کے لئے مل کر کڑے ہو جنہیں کیونکہ "حال میں جو اس طرح کے تجربے ہوئے ہیں وہ ادھک تر اسی علاقے میں ہوئے ہیں اور اسی علاقے میں اہم اور ہائڈروجن ہتھار ادھک تر داخل دئے جارہے ہیں۔ خاص کر اونی ناوا افریقا اور دوسری جگہوں کے فوجی اذوں میں اہلی بدہ کی تیاریاں جاری ہیں۔"

"ہم اس بات کو بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم مقصدوں کو پورا کرنے کے لئے جہاں تک ہو سکے جلدی دوسری افریقہ - ایشین کانفرنس کی جاوے۔"

اس پرستار کے آخر میں ان لوگوں کی مدد کے لئے بھی اپیل کی گئی ہے جنہیں اس طرح کے ہوں اور تجربوں سے نقصان پہنچتا ہے۔

اس پرستار میں یو . این . او کی اس "قس آرماسٹ سب کمیٹی" یعنی فوج تہر سب کمیٹی کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو لندن میں ہو رہی ہے جس میں پانیچ راشٹر شامل ہیں اور جس کی بھی فرض ہے کہ ان تجربوں کو بند کیا جاوے اور فرچوں کو ختم کرنے کی طرف قدم بڑھایا جاوے۔

دنیا کے لوگوں سے سفارش کی گئی ہے کہ وہ اپنی اپنی سرکاروں پر زور دیں کہ وہ یو . این . او کی جنرل اسمبلی سے اور لندن کی سب کمیٹی سے اس کام کو پورا کروں۔

اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس بارے میں سب دیشوں اور سب قوموں کو مل کر کام کرنا چاہئے خاص کر :

توکیو سمیلن کے آخری فاصلے ہی دنیا کے لئے بہت ہی اہمک مہم کے تھے۔ 16 اگست 1957ء کو کم سے کم بیس ہزار جنگی موجدگی میں سمیلن میں تین ہزار پستو ایک رٹ سے پاس ہوئے۔ پستو کے پاس ہونے کے ساتھ جنگ کا جوش دھماکہ کی چیز تھی۔

پہلا پستو سمیلن کی طرف سے ایک اعلان کے روپ میں تھا جسے 'تائیپو کا اعلان' کہا گیا۔ اس اعلان کے اندر سمیلن میں شامل ہونے والے سب دہشوں کے سب پر تئی دہشوں کا ایک ادھی 'ایم پی' بدھ کی سب ترائیوں کو ختم کرنا' بتایا گیا ہے اور یہ مانگ کی گئی کہ:—

(1) "جو سرکارے اس तरह کے بموں کے تजरے کر رہی ہے وہ آپس میں ایک तरह کا समझौता करें" जिससे एटम और हाईड्रोजन بمों के तजरے कौरन और बिना किसी शर्त के बन्द कर दिये जावे"۔

(2) "एटम और हाईड्रोजन हथियारों का बनाना, जमा करना और काम में लाना बिल्कुल बन्द कर दिया जावे"۔

(3) "जिन राष्ट्रों के पास इस तरह के हथियार हैं वह किसी दूसरे देशों में इन हथियारों को हरागज दाखिल करने न पावे"۔

(4) "आम तौर पर सब देशों की फौजे खतम कर दी जावे" और इस काम पर इस तरह की निगरानी रहे जिसे सब देश मन्जूर कर ले, यदि इस तरह सारी फौजों का खतम करना अभी सम्भव नहीं है तो फिलहाल कम से कम सब देशों की फौजों को कम करने का समझौता कर लिया जावे"۔

(5) "दूसरे देशों में फौजी अड्डे क्रायम करने और उन्हें बढ़ाने के हम खिलाफ हैं"۔

(6) "हम इस बात को समझते हैं कि सब अलग-अलग फौजी दलों और अखाडों को एक साथ तोड़ देने से, सब फौजी अड्डों को खतम कर देने से और सब दूसरे देशों से अपनी-अपनी फौजी को हटा लेने से एटमी युद्ध का खतरा कम हो जावेगा"۔

اسکے بعد اس اعلان میں ایک ایسے مہم کی مانگ کی گئی ہے جس سے ہیروشیما اور ناگاساکی کے شاہیوں کی آتماؤں کا شانت ملے۔ اور "ہر तरह کے युद्ध को नाजायज करार देना और बन्द कराना "अपना आखरी मकसद" बनाया गया है۔

दूसरा प्रस्ताव "संयुक्त राष्ट्र संघ यानी यू० एन० ओ० और दुनिया की सरकारों के नाम एक अपील" की शक्ति में है۔

توکیو سمیلن کے آخری فاصلے ہی دنیا کے لئے بہت ہی اہمک مہم کے تھے۔ 16 اگست 1957ء کو کم سے کم بیس ہزار جنگی موجدگی میں سمیلن میں تین ہزار پستو ایک رٹ سے پاس ہوئے۔ پستو کے پاس ہونے کے ساتھ جنگ کا جوش دھماکہ کی چیز تھی۔

پہلا پستو سمیلن کی طرف سے ایک اعلان کے روپ میں تھا جسے 'تائیپو کا اعلان' کہا گیا۔ اس اعلان کے اندر سمیلن میں شامل ہونے والے سب دہشوں کے سب پر تئی دہشوں کا ایک ادھی 'ایم پی' بدھ کی سب ترائیوں کو ختم کرنا' بتایا گیا ہے اور یہ مانگ کی گئی کہ:—

(1) "جو سرکارے اس طرح کے بموں کے تजरے کر رہی ہیں وہ آپس میں ایک اس طرح کا سمجھوتا کریں جس سے ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کے تजरے فوراً اور بلا کسی شرط کے بند کر دیئے جاویں۔"

(2) "ایٹم اور ہائیڈروجن ہتھیاروں کا بنانا، جمع کرنا اور کام میں لانا بالکل بند کر دیا جاوے۔"

(3) "جین راشٹروں کے پاس اس طرح کے ہتھیار ہیں وہ کسی دوسرے دیشوں میں ان ہتھیاروں کو ہرگز داخل کرنے نہ پاویں۔"

(4) "عام طور پر سب دیشوں کی فوجیں ختم کر دی جاویں اور اس کام پر اس طرح کی نگرانی رہے جسے سب دیش منظور کر لیں، بدی اس طرح ساری فوجوں کا ختم کرنا ایسی سمجھوتہ نہیں ہے تو فی الحال کم سے کم سب دیش کی فوجوں کو کم کرنے کا سمجھوتا کر لیا جاوے۔"

() "دوسرے دیشوں میں فوجی اڈے قائم کرنے اور انہیں بڑھانے کے ہم خلاف ہیں۔"

(6) "ہم اس بات کو سمجھتے ہیں کہ سب الگ الگ فوجی دلوں اور اکھاڑوں کو ایک ساتھ توڑ دینے سے، سب فوجی اڈے ختم کر دینے سے اور سب دوسرے دیشوں سے اپنی اپنی فوجوں کو عطا لینے سے ایٹمی بدھ کا خطرہ کم ہو جائیگا۔"

اس کے بعد اس اعلان میں ایک ایسے مہم کی مانگ کی گئی ہے جس میں ہیروشیما اور ناگاساکی کے شہدوں کی آتماؤں کو شانتی ملے اور "ہر طرح کے بدھ کو ناجائز قرار دینا اور بند کرنا" اپنا آخری مقصد بتایا گیا ہے۔

دوسرا پستو 'سنٹرل راشٹر سنٹر یو۔ این۔ او اور نیا کی سردگروں کے نام ایک اپیل' کی شکل میں ہے۔

ठापू के मजिदारी के नुमाइन्दे भी थे। कुल जापानी नुमाइन्दों की तादाद लगभग चार हजार थी।

दस दिन के सम्मेलन में पहले अलग-अलग व्यवसाय के लोगों की अलग-अलग सभाएँ हुईं, जैसे धार्मिक लोगों की सभाएँ, साइ-सदानों की सभाएँ, वकीलों की सभाएँ, ट्रेडयूनियनिस्टों की सभाएँ, माताओं की सभाएँ वगैरह। सब ने अपने-अपने दृष्टिकोण और अपने-अपने ढंग से सम्मेलन के उद्देशों का समर्थन किया, और अपने-अपने बयान लिखकर बड़े सम्मेलन के सामने पेश किये। इन सभाओं के अन्दर और सम्मेलन के अन्दर बहस बहुत ही दिल खोलकर और सराई के साथ हुई जा देखने के क्राविल चीज थी।

सम्मेलन के प्रस्तावों और उसके अन्तर राष्ट्रीय राज-काजी प्रभाव से हटकर केवल यह एक बात ही बड़ी अच्छी कीमती और गहरी असर रखने वाली थी कि सम्मेलन के अन्दर लगभग दो सप्ताह तक सब देशों के अच्छे से अच्छे लोग जिन में सब धर्मों, सन नसलों और रंगों के, गोरे, काले, पीले, भूरे, और लाल सब तरह के लोग शामिल थे। रात दिन पूरी बेतकलुफी के साथ एक दूसरे से मिलते-जुलते साथ खाते पीते और खुलकर बातें करते रहे। साफ़ दिखाई देता था कि ये लोग अपने को इस देश या उस देश के नागरिक न समझकर, विश्व के नागरिक समझ रहे हैं। सम्मेलन के अन्दर और उसके चारों ओर के वातावरण में एक नई मानवता जन्म लेती हुई दिखाई दे रही थी। अपने-अपने राष्ट्रों के अलग-अलग दृष्टिकोण भी थे, अलग-अलग बहस भी थीं, लेकिन इन सब के अन्दर से यह साफ़ चमक रहा था कि आखिर में सारा मानव समाज एक कुटुम्ब है, उसे एक कुटुम्ब ही की तरह रहना होगा, और उसकी व्यापक अन्तरात्मा, उसकी इन्तहाई रूढ़, एक कुटुम्ब की तरह रहने के लिये बचैन है।

इस समय दुनिया में दो ही खास संगठन ऐसे हैं जिनमें सब देशों के लोग मिलकर बैठते हैं और सब के मिले-जुले हित की बातें सोचते हैं—एक संयुक्त राष्ट्र सङ्गठन यानी यू० एन० ओ० और दूसरे इस तरह के शान्ति सम्मेलन। फरक यह है कि संयुक्त राष्ट्र सङ्गठन में अधिकतर सरकारों के नुमाइन्दे होते हैं। उन में मिलने में एक ऊपरीपन, थोड़ी बहुत बनावट, कायदों की पाबन्दी और कुछ एहतियात और संकाच कुदरती है। जबकि इस तरह के सम्मेलनों में जनता और जनसंस्थाओं के नुमाइन्दे होते हैं जिनमें जाय्तों की कोई पाबन्दी नहीं होती और लोग कहीं ज्यादा दिल खोलकर मिलते-जुलते और विचारों का आदान-प्रदान कर सकते हैं और करते हैं।

ठापू के सम्मेलनों के नुमाइन्दे भी थे। कुल जापानी नुमाइन्दों की तादाद लगभग चार हजार थी।

दस दिन के सम्मेलन में पहले एक-एक व्यवसाय के लोगों की अलग-अलग सभाएँ हुईं, जैसे धार्मिक लोगों की सभाएँ, साइ-सदानों की सभाएँ, वकीलों की सभाएँ, ट्रेडयूनियनिस्टों की सभाएँ, माताओं की सभाएँ वगैरह। सब ने अपने-अपने दृष्टिकोण और अपने-अपने ढंग से सम्मेलन के उद्देशों का समर्थन किया, और अपने-अपने बयान लिखकर बड़े सम्मेलन के सामने पेश किये। इन सभाओं के अन्दर और सम्मेलन के अन्दर बहस बहुत ही दिल खोलकर और सराई के साथ हुई जा देखने के क्राविल चीज थी।

सम्मेलन के प्रस्तावों और उसके अन्तर राष्ट्रीय राज-काजी प्रभाव से हटकर केवल यह एक बात ही बड़ी अच्छी कीमती और गहरी असर रखने वाली थी कि सम्मेलन के अन्दर लगभग दो सप्ताह तक सब देशों के अच्छे से अच्छे लोग जिन में सब धर्मों, सन नसलों और रंगों के, गोरे, काले, पीले, भूरे, और लाल सब तरह के लोग शामिल थे। रात दिन पूरी बेतकलुफी के साथ एक दूसरे से मिलते-जुलते साथ खाते पीते और खुलकर बातें करते रहे। साफ़ दिखाई देता था कि ये लोग अपने को इस देश या उस देश के नागरिक न समझकर, विश्व के नागरिक समझ रहे हैं। सम्मेलन के अन्दर और उसके चारों ओर के वातावरण में एक नई मानवता जन्म लेती हुई दिखाई दे रही थी। अपने-अपने राष्ट्रों के अलग-अलग दृष्टिकोण भी थे, अलग-अलग बहस भी थीं, लेकिन इन सब के अन्दर से यह साफ़ चमक रहा था कि आखिर में सारा मानव समाज एक कुटुम्ब है, उसे एक कुटुम्ब ही की तरह रहना होगा, और उसकी व्यापक अन्तरात्मा, उसकी इन्तहाई रूढ़, एक कुटुम्ब की तरह रहने के लिये बचैन है।

इस समय दुनिया में दो ही खास संगठन ऐसे हैं जिनमें सब देशों के लोग मिलकर बैठते हैं और सब के मिले-जुले हित की बातें सोचते हैं—एक संयुक्त राष्ट्र सङ्गठन यानी यू० एन० ओ० और दूसरे इस तरह के शान्ति सम्मेलन। फरक यह है कि संयुक्त राष्ट्र सङ्गठन में अधिकतर सरकारों के नुमाइन्दे होते हैं। उन में मिलने में एक ऊपरीपन, थोड़ी बहुत बनावट, कायदों की पाबन्दी और कुछ एहतियात और संकाच कुदरती है। जबकि इस तरह के सम्मेलनों में जनता और जनसंस्थाओं के नुमाइन्दे होते हैं जिनमें जाय्तों की कोई पाबन्दी नहीं होती और लोग कहीं ज्यादा दिल खोलकर मिलते-जुलते और विचारों का आदान-प्रदान कर सकते हैं और करते हैं।

फिर भी तोक्यो सम्मेलन खासा जबरदस्त और सार्व-
देशिक सम्मेलन था। अमरीका, इंग्लैन्ड, फ्रान्स, पूव
जरमनी, पच्छिम जरमनी, आसट्रीया, हालैन्ड, रूस,
मंगोलिया, चीन, मिस्र, भारत, लांका, बरमा, आस्ट्रेलिया,
न्यूजीलैन्ड, फिलिपाइन, इन्डोनेशिया, इन्डोचाइना, पेरु,
पोलैन्ड, रोमेनया, चीकोस्लोवाकिया, थाइलैन्ड, कोरिया,
पुर्तगाल, वैनजुला आदि लगभग तीस देशों पृथ्वी के पाँचों
महाद्वीपों और दुनिया भर की अनेक सार्वजनिक संस्थाओं
और अन्तर राष्ट्रीय संगठनों के नुमाइन्दे सम्मेलन में शा-
मिल थे। इन नुमाइन्दों में बौद्ध, शिन्ता, ईसाई, मुसलम,
यहूदी, और इन्दू सब धर्मों के मानने वाले, बड़े-बड़े
इन्साफ़ादारी और बाँझ महन्त, राजनैतिक नेता, प्राक्मेग,
डॉक्टर, वकील, लेखक, पत्रकार दुनिया की पार्लमेटों
के मेम्बर मौजूद थे। जापान के नुमाइन्दों में हिराशिमा
और नागासाकी के घायल लोगों के नुमाइन्दे और बिकिनी

یہاں بھی نو کھو میدان خاصہ زبردست اور سارو دیشک سمیلن
تھا۔ امریکہ، انگلینڈ، فرانس، پورو جرمنی، آسٹریا، ہالینڈ،
روس، منگولیا، چین، مصر، بھارت، لٹوا، برما، آسٹریلیا، نیوزی
لینڈ، تھائی، انڈونیشیا، انڈوچائنا، پورو، پولینڈ، رومانیہ، چیکو
سواکیہ، تھائی لینڈ، کوریا، پرتگال، ونیزوئلا، آدی لگ بھگ تیس
دیشوں پر فہمی کے پانچوں مہادیوں اور دنیا بھر کی انیک
سورجینک سسٹمز اور انٹر نیشنل سسٹمز کے نمائندے سمیلن
میں شامل تھے۔ ان نمائندوں میں بودھ، شنتو، عیسائی، مسلم،
یہودی اور ہندو سب دھرم کے نمائندے شامل تھے۔ ہندو، عیسائی،
اور بودھ مہمت راج نینک نیٹا، پروفیسر، ڈاکٹر، وکیل، ٹیکہک،
پروفیسر، دنیا کی بارہ مکتوں کے ممبر موجود تھے۔ جایاں کے نمائندوں
میں ہوشیا اور ناکا سامی کے کھانل لوگوں کے نمائندے اور بکلی

ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے خلاف تیسرا ورلڈ سمیٹ

ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے خلاف

تیسرا ورلڈ سمیٹ

ایٹم اور ہائیڈروجن بموں سے سب سے زیادہ نقصان
ابھی تک جاپان کو اٹھانا پڑا ہے۔ قدرتی طور پر جاپان میں 'ایٹم
اور ہائیڈروجن بم کے خلاف اور فوجوں کو کرنے کے حق میں
ایک جاپان کونسل' ہے۔ اس کونسل کی طرف سے جاپان کے
اندر دو ورلڈ سمیٹیں ہو چکی ہیں۔ تیسرا ورلڈ سمیٹ ٹوکیو
میں 6 اگست سن 1957 سے 16 اگست 1957 تک ہوا۔

سمیٹ کی تیاری کے لئے ایک 'تیاری کمیٹی' (پریپیرٹری
کمیٹی) بنائی گئی تھی، جن میں دنیا کے تقریباً سب
کے بڑے-بڑے آدمی شامل تھے اور جس کی ہیکٹھیں ٹوکیو
میں 'ٹی سپٹا' پہلے سے ہوتی رہیں۔ انگلینڈ، امریکہ، آسٹریلیا،
فرانس، چین، بھارت، لنکا، برما آدی انیک دیشوں کے
نمائندے اس تیاری کمیٹی میں شامل تھے۔

تیاری کمیٹی کے ایک ممبر کی ہدایت سے ہم بھی
28 جولائی کو پڑھ گئے۔

جاپان کی جنیتا اور بڑوں کی سرکار دونوں ایٹم
اور ہائیڈروجن بم کے تخریب کے سخت خلاف ہیں۔ وہ دل سے
چاہتے ہیں کہ ہر طرح کے سربناشک ہتھیاروں کا
بننا اور کام میں لایا جانا کٹا کر بند کر دیا
جائے اور اس طرح کے بموں کے جو ڈھیر 'ہیج' دیشوں نے جمع کر رکھے ہیں انہیں نش
کر دیا جائے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دنیا بھر کے دیشوں کی
فوجیں دھیرے دھیرے 'آپسی سمجھوتے' سے کم کر دی جائیں
تاکہ انہیں میں 'ادھ کی سمجھوتہ' ہی دنیا سے مت جائے۔ اس کام
کے لئے جاپان کے پردھان منتری اور وہاں کی جنیتا کے پرتیندھ
دونوں دنیا بھر میں گھوم چکے ہیں اور بھارت بھی آچکے ہیں۔
دنیا کے دیشوں میں شاید جاپان ہی ایک ایسا دیش ہے
جس کے دھان کی ایک دھارا میں صاف صاف شبدوں میں
پورے کا پورے لکھا گیا ہے اور یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جاپان کی انٹر
نیشنل فوڈی بڈہ ورلڈ فوڈی ہوگی۔

لیکن جاپان آج بڑی طرح امریکہ کے فوجی شعلہ
میں جکڑا ہوا ہے۔ چوتھے سے جاپان کے اندر امریکہ
کی اسٹول سیٹا، دل سیٹا اور ہوائی سیٹا ملا

ایٹم اور ہائیڈروجن بموں سے سب سے زیادہ نقصان
ابھی تک جاپان کو اٹھانا پڑا ہے۔ قدرتی طور پر جاپان میں 'ایٹم
اور ہائیڈروجن بم کے خلاف اور فوجوں کو کرنے کے حق میں
ایک جاپان کونسل' ہے۔ اس کونسل کی طرف سے جاپان کے
اندر دو ورلڈ سمیٹیں ہو چکی ہیں۔ تیسرا ورلڈ سمیٹ ٹوکیو
میں 6 اگست سن 1957 سے 16 اگست 1957 تک ہوا۔

سمیٹ کی تیاری کے لئے ایک 'تیاری کمیٹی' (پریپیرٹری
کمیٹی) بنائی گئی تھی، جن میں دنیا کے تقریباً سب
کے بڑے-بڑے آدمی شامل تھے اور جس کی ہیکٹھیں ٹوکیو
میں 'ٹی سپٹا' پہلے سے ہوتی رہیں۔ انگلینڈ، امریکہ، آسٹریلیا،
فرانس، چین، بھارت، لنکا، برما آدی انیک دیشوں کے
نمائندے اس تیاری کمیٹی میں شامل تھے۔

تیاری کمیٹی کے ایک ممبر کی ہدایت سے ہم بھی
28 جولائی کو پڑھ گئے۔

جاپان کی جنیتا اور بڑوں کی سرکار دونوں ایٹم
اور ہائیڈروجن بم کے تخریب کے سخت خلاف ہیں۔ وہ دل سے
چاہتے ہیں کہ ہر طرح کے سربناشک ہتھیاروں کا
بننا اور کام میں لایا جانا کٹا کر بند کر دیا
جائے اور اس طرح کے بموں کے جو ڈھیر 'ہیج' دیشوں نے جمع کر رکھے ہیں انہیں نش
کر دیا جائے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دنیا بھر کے دیشوں کی
فوجیں دھیرے دھیرے 'آپسی سمجھوتے' سے کم کر دی جائیں
تاکہ انہیں میں 'ادھ کی سمجھوتہ' ہی دنیا سے مت جائے۔ اس کام
کے لئے جاپان کے پردھان منتری اور وہاں کی جنیتا کے پرتیندھ
دونوں دنیا بھر میں گھوم چکے ہیں اور بھارت بھی آچکے ہیں۔
دنیا کے دیشوں میں شاید جاپان ہی ایک ایسا دیش ہے
جس کے دھان کی ایک دھارا میں صاف صاف شبدوں میں
پورے کا پورے لکھا گیا ہے اور یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جاپان کی انٹر
نیشنل فوڈی بڈہ ورلڈ فوڈی ہوگی۔

لیکن جاپان آج بڑی طرح امریکہ کے فوجی شعلہ
میں جکڑا ہوا ہے۔ چوتھے سے جاپان کے اندر امریکہ
کی اسٹول سیٹا، دل سیٹا اور ہوائی سیٹا ملا

आवे तो मैं और मेरे बहुत से हिन्दुस्तानी साथी बड़ी खुशी के साथ उसमें हिस्सा लेना चाहेंगे.

डेलिगेट बहनो और भाइयो ! आप का काम इस युग का सबसे बड़ा आध्यात्मिक काम है. हम में से हर एक पूरी श्रद्धा और पक्के इरादे के साथ अपने कर्तव्य को पूरा करे तो हमारी सफलता लाजमी है.

آرے میں اور میرے بہت سے ہندوستانی ساتھی بڑی خوشی کے ساتھ اس میں حصہ لینا چاہیں گے .
ڈیلیگیٹ بھائیوں اور بھائیوں ! آپ کا کام اس یوگ کا سب سے بڑا ادھارتک کام ہے . ہم سے ہر میں ایک پوری شوقا اور پکے ارادے کے ساتھ اپنے کو کر تویہ کو پورا کرے تو ہماری سہیلنا لازمی ہے .

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.
—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserve to be widely known.
—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.
—Blitz Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it
—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.
—Indian Express, Madras.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the lighty mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations or a tomorrow which is theirs.
—Vigil, Delhi

میں सहयोग دینے سے ساف انکار کر دے، چاہے اس انکار کے لیے اسے پراण ही क्यों न देना पड़े. इसी तरह हर मजदूर का और हर काम करने वाले का, जो युद्ध के सामान के बनाने या लाने लेजाने में लगा हो, यह पवित्र कर्तव्य है कि यदि उसे इस बात का विश्वास हो गया है कि युद्ध बुरी चीज है तो इस तरह का काम करने से इनकार कर दे.

हम सब यह चाहते हैं कि अपने फैसलों पर अमल कराने के लिए हम कुछ अमली कदम बढ़ा सकें। मैं आप से कहना चाहता हूँ कि दुनिया के मजदूर ही दुनिया की सब सरकारों की आर्थिक और राजनीतिक नीति को असली रूप देने वाले हैं. वे यदि एक बार इस सच्चाई को समझ लें और अपनी शक्ति को जान जायें तो दुनिया की कोई ताकत मानव समाज को नए युद्ध की ओर नहीं ढकेल सकती.

जो सरकार या जो देश दुनिया की जनता की इस राय की परवाह न करते हुए इसके खिलाफ अमल करता रहे उसका आर्थिक, सामाजिक और चरुरत पड़े तो राज-नैतिक बहिष्कार यानी उसके साथ असहयोग भी एक ऐसा तरीका है जिसकी तरफ सब शान्ति प्रेमियों का गम्भीरता के साथ ध्यान देना चाहिये.

अन्त में हाइडोजन बमों के नित्य नए तजरबों का बन्द कराने के लिये मेरी प्रार्थना है कि इस इतने बड़े मामले में दुनिया की अन्तरात्मा को जानने के लिये हम सब को दूर तरह की कुरबानी के लिये तैयार रहना चाहिये. हम सब का यह पवित्र कर्तव्य है. इस लिये मैं फिर एक बार अमरीका के सत्याग्रहियों को प्रणाम करता हूँ. भारत में हम लोगों ने जब यह सुना कि क्रिस्मस टापुओं की तरफ एक सत्याग्रही जहाज भेजे जाने की तजवीज हो रही है, तो हम में से बहुत से जैसे मेरे मैथडिस्ट दोस्त डा० जे० सो० कुमारप्पा, मेरे दास्त डा० चोथ राम गिडवानी, खुद मैं, और बहुत से लोग उस सत्याग्रह में शामिल होने के लिये उत्सुक थे. अपने लिये तो मैं इस से अच्छा किसी मौत का अनुमान ही नहीं कर सकता कि दुनिया की शान्ति के लिये मैं प्राण दे सकूँ. मैंने कुछ अमराही दोस्तों से पूछा था कि हम में से कुछ अमरीकी सत्याग्रहियों के साथ शामिल हो सकते हैं या नहीं. मुझसे कहा गया कि इससे अमरीकी सत्याग्रहियों की कठिनाइयाँ और बढ़ सकती हैं. मैं फिर जापान के, ऑस्ट्रेलिया के, अमरीका के और दुनिया के किसी भी हिस्से के दोस्तों और साथियों से नम्रता के साथ अपील करता हूँ कि जहाँ कहीं भी और जहाँ कभी भी मिलकर इस तरह के काम करने का मौका

میں सहयोग دینے سے صاف انکار کریں، چاہے اس انکار کے لئے اسے پراण ہی क्यों न देना पड़े. . اسی طرح ہر مزدور کا اور ہر کام کرنے والے کا، جو بدے کے سامان کے بنانے یا لانے لے جانے میں لگے ہو، یہ پوتر کرتوبہ ہے کہ بدی اسے اس بات کا وشواس ہو گیا ہے کہ بدہ ہی چیز ہے تو اس طرح کا کام کرنے سے انکار کر دے .

ہم سب یہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلوں پر عمل کرائے کے لئے ہم کچھ عملی قدم اٹھا سکیں، میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ دنیا کے مزدور ہی دنیا کی سب سرکاروں کی ارتھک اور راج نیٹک نیٹی کو اصلی روپ دینے والے ہیں . وہ بدی ایک بار اس سچائی کو سمجھ لیں اور اپنی شکتی کو جان جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت سماج کو نئے بدہ کی اور نہیں ڈھکیل سکتی .

جہو سرکار یا جہو دیہی دنیا کی جنتائی اس رائے کی پرواہ نہ کرتے ہونے اس کے خلاف عمل کرنا رہے اس کا ارتھک، سماجک اور ضرورت پڑے تو راج نیٹک بھشکار یعنی اس کے ساتھ آسہوگ بھی ایک ایسا طریقہ ہے جس کی طرف سب شانتی پریمیں کو گھبرنا کے ساتھ دھیان دینا چاہئے .

اُنت میں ہائڈروجن بموں کے نت نئے تجربوں کو بند کرائے کے لئے مدوری پورٹھ ہے کہ اس اُنٹے بڑے معاملے میں دنیا کی اُنڈر آسا کو جاننے کے لئے ہم سب کو ہر طرح قربانی کے لئے تیار رہنا چاہئے . ہم سب کا یہ پوتر کرتوبہ ہے . اس لئے میں بھر ایک بار امریکہ کے سٹیٹاگرہیوں کو پورنام کرتا ہوں . بھارت میں ہم لوگوں نے جب یہ سفاک کرسمس ٹاپوں کی طرف ایک سٹیٹہ گروہی جہاز بھیجے جانے کی تجویز ہو رہی ہے، تو ہم میں سے بہت سے دوست مڈرے مڈرے دوست دی. جے. سو. ٹی. یا، مڈرے دوست دی. جے. سو. ٹی. ام. گڈرائی، دی. جے. سو. ٹی. اور اور بہت سے لوگ اس سٹیٹہ میں شامل ہونے کے لئے اُنسک ہے . اپنے لئے تو میں اس سے اچھے کسی موت کا انومان ہی نہیں کر سکتا کہ دنیا کی شانتی کے لئے میں یوں دے سکوں میں نے کچھ امریکی دوستوں سے پوچھا تھا کہ ہم سے کچھ امریکی سٹیٹاگرہیوں کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں . منجھسے کہا گیا کہ اس سے امریکی سٹیٹہ گروہیوں کی تہنایاں اور بڑے سکین ہوں . میں بھر جاپان کے، اسٹریلیا کے، امریکہ کے، اور دنیا کے کسی بھی حصے کے دوستوں اور ساتھیوں سے نہرتا کے ساتھ اپیل کرتا ہوں کہ جہاں نہیں بھی اور جب بھی مل کر اس طرح کے کام کرنے کا موقع

ریت دیشا میں ہے اور ہماری آجکل کی اہمتر مصیبتوں کی جو ہمارا ہی غلط چمکاؤ ہے۔

آدم سائیم یعنی اپنی! چھاؤں کو قابو میں رکھنا اور آپریٹور یعنی کسی چیز کو اپنی نجی سمیٹی نہ سمجھنا یہ دونوں باتیں ہمارے سرورج آدرش ہونے چاہئے۔ ہم مانتے ہیں کہ دنیا کے سب لوگ نب ہی سمجھی رہ سکتے ہوں جب کہ ہر آدمی دوسروں کے ہم نی ادھک اور اپنے ہم کی کم چلتا کرے۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے دنیا کی سب سے اچھی چیزوں اور عام طور پر انہی کے سب سادھن سماج کی سمیٹی ہونے چاہئے نہ کی واپسی کی اس معاملے میں ہم کمیونزم کے بہت نکم پہنچ جاتے ہیں اور ہمیں اس کا کرد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مہاتما گاندھی کی تعلیم میں سب سے ادھک مہم کی چیز ”اھنسا“ ہے گاندھی جی کے انوسار ہر مرد اور ہر عورت کا یہ پوٹر کرنا ہے کہ وہ ہر انیائہ اور ہر برائی کا ذات کر مقابلہ کرے اور بدی ارشدیتا ہو تو اس مقابلہ کرنے میں اپنے سرورس کی بازی لگا دے۔ لیکن گاندھی جی کا اہنا ہے کہ یہ مقابلہ ”اھنسا تک“ ہونا چاہئے۔ اس طرح کے مقابلہ کرنے والے کو گاندھی جی ”سٹیا گری“ کہتے ہیں۔ سٹیا گری کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے دل کو سب کی طرف سے یہاں تک کہ برائی یا انیائہ کرنے والوں کی طرف سے ہی پریم سے بھر لے اور پھر خود اپنے تھاک اور کشت سہنے کے ذریعہ برائی یا انیائہ کرنے والے کو ٹھیک راستہ پر لانے کی نوشہ کرے۔

میں جانتا ہوں کہ یہ معاملہ کچھ نکھن معاملہ ہے بہن شریتمی رامسوری نہر نے اس راستی کی تولنا تلواری کی دھار پر چلنے سے کی تھی۔ لیکن بھارت میں مہاتما گاندھی کے تھرت میں اسی راستہ پر ہل کر اپنے کو دنیا کی سب سے بڑی سامراج پریمی شمتی کے نیچے سے آزاد کیا۔

دنیا کے سب شانتی پریموں سے مہری پراپنا ہے کہ وہ اھنسا آتھیک ستر کر کے اس طریقہ کو ادھک گھبھرتا کے ساتھ جانم اور سمجھنے کی کوشش کریں اس راستہ کی اپنی ایک ایک نگھیک ہے اس کے لئے ایک خاص طرح کی تھاری کی ارشدیتا ہوتی ہے ایک سادھن کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سادھن اور تھاری اھنسا آتھک رورنہ کی سادھنا اور تھاری کے بائیل دوسری طرح کی ہوتی ہے۔

اس راستہ کے انوسار ہر ایسے سائنسدان، انجینیریا کاریگر کا جسے اس بات کا وشواس ہو گیا ہو کہ ایٹم اور مائکروجن تھپار بڑی چیزیں ہیں، یہ پورٹر کر تو ہے کہ وہ اس طرح کے تھپاروں کے بنائے

भंजा है जिसमें हम सब ने उन्हें प्रणाम किया है और उनका पूरा-पूरा समर्थन करने का उनसे वादा किया है. तीस वर्ष तक मैं अपने गुरु महात्मा गाँधी के चरणों में बैठा हूँ और उनके नेतृत्व में अपने देश की आजादी के लिये लड़ चुका हूँ. इसलिये मैं आप से इजाजत चाहता हूँ कि मैं आपके सामने उस रास्ते का पेश करूँ जिसे मैं गाँधी जी का बताया हुआ शान्ति का रास्ता समझता हूँ और यह भी बताऊँ कि पेटम और हाइडोजिन बम के सवाल के साथ उसका क्या सम्बन्ध है.

पहली बात यह है कि महात्मा गाँधी की सबसे बड़ी विशेषता उनकी धार्मिकता थी. धर्म में उन्हें गहरा विश्वास था. मैं स्वयं धर्म का मानने वाला हूँ. मैं ईश्वर में विश्वासी हूँ, मृत्यु के बाद के जीवन में विश्वासी हूँ, आध्यात्मिक यानी रूहानी चिन्तन का मानने वाला हूँ और रूहानी "कन्सु-नियन" यानी योग या सलूक का भी मानने वाला हूँ. लेकिन हम लोग दुनिया के सब बड़े-बड़े धर्म मजहबों की बुनियादी एकता के मानने वाले हैं. हम मानते हैं कि इन धर्म मजहबों में जो फरक हैं वह अधिकतर ग़ौर जरूरी बातों से सम्बन्ध रखते हैं. इस पृथ्वी पर किस तरह का जीवन बिताना चाहिये इस बारे में सब धर्मों की बुनियादी शिक्षा एक सी है. हम मानते हैं कि हर सभ्य देश के अन्दर लोगों का धर्म मजहब के मामले में पूरी आजादी होनी चाहिये. जो-जो चाहें मानें और जिस तरह चाहे अपने ईश्वर अल्लाह की पूजा-आराधना करें. साथ ही हम यह भी कहना चाहते हैं कि अब समय आ गया है जबकि, विश्व शान्ति के हित में, मानव समाज का प्रेम के साथ एक दूसरे का समझ-बुझकर और निस्पक्षता के साथ एक दूसरे का समझ कर, इस बात की कोशिश करनी चाहिये कि मानव जाति एक मिले-जुले बीच के ऐसे धर्म की तरफ़ कदम बढ़ा सके जिस धर्म का अधिक सम्बन्ध इस बात के साथ हो कि हम सब किस तरह अपनी चिन्तन बसर करें और एक दूसरे के साथ किस तरह बरतें, और कम सम्बन्ध इस बात के साथ हो कि हम संसार की उत्पत्ति या परलोक आदि के बारे में क्या मानताएँ रखते हैं या किस विधि के साथ उस ईश्वर अल्लाह की पूजा-आराधना करते हैं जो हम सब का मालिक है. इस तरह के धर्म में हम सब बड़े-बड़े धर्मों के कायम करने वालों का एक बराबर अन्दर कर सकेंगे और दुनिया की सब बड़ी-बड़ी धन दुस्तकों से एक लाभ उठा सकेंगे.

दूसरी बात यह है कि महात्मा गाँधी की शिक्षा के अनुसार मनुष्य की चिन्तन का आदर्श अपनी इन्द्रियों पर काबू हासिल करना होना चाहिये, न कि इन्द्रियों के सुखों की ओर दौड़ना आजकल की सभ्यता का मुकाब इसको ठीक विप-

अनिष्ट. एक सन्दिग्ध भी हो सकता है जिस में हम सब ने प्रणाम किया है और उनका पूरा-पूरा समर्थन करने का उनसे वादा किया है. तीस वर्ष तक मैं अपने गुरु महात्मा गाँधी के चरणों में बैठा हूँ और उनके नेतृत्व में अपने देश की आजादी के लिये लड़ चुका हूँ. इसलिये मैं आप से इजाजत चाहता हूँ कि मैं आपके सामने उस रास्ते का पेश करूँ जिसे मैं गाँधी जी का बताया हुआ शान्ति का रास्ता समझता हूँ और यह भी बताऊँ कि पेटम और हाइडोजिन बम के सवाल के साथ उसका क्या सम्बन्ध है.

पहली बात यह है कि महात्मा गाँधी की सबसे बड़ी विशेषता उनकी धार्मिकता थी. धर्म में उन्हें गहरा विश्वास था. मैं स्वयं धर्म का मानने वाला हूँ. मैं ईश्वर में विश्वासी हूँ, मृत्यु के बाद के जीवन में विश्वासी हूँ, आध्यात्मिक यानी रूहानी चिन्तन का मानने वाला हूँ और रूहानी "कन्सु-नियन" यानी योग या सलूक का भी मानने वाला हूँ. लेकिन हम लोग दुनिया के सब बड़े-बड़े धर्म मजहबों की बुनियादी एकता के मानने वाले हैं. हम मानते हैं कि इन धर्म मजहबों में जो फरक हैं वह अधिकतर ग़ौर जरूरी बातों से सम्बन्ध रखते हैं. इस पृथ्वी पर किस तरह का जीवन बिताना चाहिये इस बारे में सब धर्मों की बुनियादी शिक्षा एक सी है. हम मानते हैं कि हर सभ्य देश के अन्दर लोगों का धर्म मजहब के मामले में पूरी आजादी होनी चाहिये. जो-जो चाहें मानें और जिस तरह चाहे अपने ईश्वर अल्लाह की पूजा-आराधना करें. साथ ही हम यह भी कहना चाहते हैं कि अब समय आ गया है जबकि, विश्व शान्ति के हित में, मानव समाज का प्रेम के साथ एक दूसरे का समझ-बुझकर और निस्पक्षता के साथ एक दूसरे का समझ कर, इस बात की कोशिश करनी चाहिये कि मानव जाति एक मिले-जुले बीच के ऐसे धर्म की तरफ़ कदम बढ़ा सके जिस धर्म का अधिक सम्बन्ध इस बात के साथ हो कि हम सब किस तरह अपनी चिन्तन बसर करें और एक दूसरे के साथ किस तरह बरतें, और कम सम्बन्ध इस बात के साथ हो कि हम संसार की उत्पत्ति या परलोक आदि के बारे में क्या मानताएँ रखते हैं या किस विधि के साथ उस ईश्वर अल्लाह की पूजा-आराधना करते हैं जो हम सब का मालिक है. इस तरह के धर्म में हम सब बड़े-बड़े धर्मों के कायम करने वालों का एक बराबर अन्दर कर सकेंगे और दुनिया की सब बड़ी-बड़ी धन दुस्तकों से एक लाभ उठा सकेंगे.

दूसरी बात यह है कि महात्मा गाँधी की शिक्षा के अनुसार मनुष्य की चिन्तन का आदर्श अपनी इन्द्रियों पर काबू हासिल करना होना चाहिये, न कि इन्द्रियों के सुखों की ओर दौड़ना आजकल की सभ्यता का मुकाब इसको ठीक विप-

سدر ساہو، ڈیلیگٹ سائیو اور میرے جاپانی باہو-
یو اور بھنا!

میں اپنے ان جاپانی دوستوں کا آماری ہوں جنہوں نے
ہمیں اس سندر دیہ میں آنے کا اور ایتھ اور ہانڈروجن ہم کے
خلف اور دنیا کے فوجوں کو کم کرنے کے پکھ میں اپنی
کوششوں میں حصہ لینے کا یہ موقع دیا، ان کی ان نہک
کوششوں میں سارے ہارت وائی پوری طرح ان کے ساتھ میں .

چند اور ڈیلیگٹ بھائیوں کے ساتھ میں ابھی ٹگسائی
اور ہونو شما ہو کر آیا ہوں . اس بھیکر دیکھنا کو ہونو بارہ
دیس بیت چکے . انہ دنوں کے بعد بھی جو کچھ میں نے اپنی
آنکھوں سے دیکھا اسے دیکھ کر مجھے اچھ ہوتا ہے کہ کوئی
بھی منشیہ اس طرح کا کام کیسے کر سکا . بے گناہ مائوں کی گرد
میں بیٹھے ہوئے مصوم بچوں کو زندہ ہون ڈالنا اور ہماروں
اور بوزفوں کو ان کے بستروں کے اندر جلا کر خاک کر دینا اتنی
بڑی شقت اور انڈا ہوا پاپ ہے جسے دنیا کی جلتا کو برداشت
نہیں کرنا چاہئے، اور جسے آشا ہے کہ دنیا کی جلتا اسے آندہ
کبھی برداشت نہیں کرے گی . اب اور ہونو شما نہیں
ہوئے دیں گے، یہ آواز آج مانو سماج کے ہر دے سے زوروں کے
ساتھ نکل رہی ہے . کوئی اب اس آواز کی آوہلنا نہیں
کر سکتا .

بھارت وائی یہ بھی مانتے ہیں کہ کسی بھی دیہ یا
راشٹر کو یہ ادھیکار نہیں ہے کہ وہ دنیا کے کسی بھی دوسرے
دیہ میں اپنے فوجی آفہ قائم کرے . نہ نئے دیہوں
میں ایتھ اور ہانڈروجن ہتھیاروں کو داخل کرنا تو بھارت
واسہوں کی نگاہ میں ایک اول درجے کا آفہ راشٹریہ جرم
ہے . بھارت ان سب سندھوں اور سمجھوتوں کے بھی خلف ہے جو
دنیا کو ایک دوسرے کے ورودھ دو جنگی اکھاڑوں میں بانٹ
دیتے ہیں . بھارت وائی سب راشٹروں کے ملے دلمے ایک
ایسے صلحنامے کے پکھ میں ہیں جس کے انوسار سب مل کر دنیا
کی شانتی کو قائم رکھنے کا وجن دیں اور جس میں امریکہ اور
روس دونوں شامل ہوں . بھارت کسی طرح کا بدہ نہیں چاہتا .
بھارت سارے مانو سماج کو ایک ٹکب مانتا ہے اور دنیا کے
سب لوگوں کی ایکٹا کا حامی ہے .

اس آدیش کو پورا کرنے کے لئے کیا کیا جائے چاہئے اس
پر اس سمیلن میں کئی بحثیں ہو چکی ہیں . ان بحثوں
کے دوران میں کئی بار ان آبائیوں کی بھی چرچا ہوئی ہے جو
بھارت کے نیٹا مہاتما گاندھی نے ہمیں سکھائے ہیں . ہمارے
بھادر امریکی دوست ہانڈروجن ہم کے خلف اس سمے بھی وہ
آپائے کام میں لا رہے ہیں جنہوں نے "گاندھین آبائے" اور
"اھلساتیک آبائے" کہتے ہیں . رشو سمیلن کے اس سلج سے

कर्म या फल के अन्दर हमें तीन तरह के काम मिलते हैं—स्वार्थ, परार्थ और परमार्थ यानी खुदगारजी, दूसरों का भला और केवल फर्ज समझकर सब का एकसाँ भला पहली तरह के काम ऐसे हैं जैसे करजा लेना, दूसरी तरह के काम ऐसे हैं जैसे दूसरे का करजा देना और तीसरी तरह के काम सब करजों से छुटकारा पाना, पाप और पुण्य दोनों बन्धन हैं, मोक्ष यानी निजात इन दोनों से आजाद हो जाना है, पाप करना, कोई बुराई करना ऐसा हा है जैसा करजा लेना जिसे हमें दण्ड या तकलीफ की शक्ल में अदा करना होगा, नेकी करना, परोपकार करना ऐसा है जैसा किसी को करजा देना, वह हमें सुख के रूप में वापिस मिलेगा, और असली आजादी इन दोनों विचारों से ऊपर उठकर सब हिसाब चुकता यानी बेबाक कर देना है, यही हालत हमें कड़ी मेहनत के बाद गहरी मोठी नींद यानी 'निर्वाण' का हक्कार बना देती है,

यह सब चीजें तीन-तीन के रूप में चलती हैं, इनमें दो रूप एक दूसरे के खिलाफ मालूम होते हैं और तीसरा उन्हें जोड़ता है, जैसे इच्छा किसी चीज की जानकारी का और उसके साथ हमारे काम का दांनों को जोड़ती है, हमारे सारे शरीर की बनावट में यही तीन-तीन के जोड़े दिखाई देते हैं, हमारे हाथ पैर, हमारे दिल और दिमाग दांनों में नाता जोड़ते हैं, यही आत्मा और गैर-आत्मा के नाते का हाल है,

अपने शरीर की बनावट को अगर हम इस प्रकार अच्छी तरह समझ सकें और शरीर और मन और आत्मा यानी रूह के सम्बन्ध को समझ सकें तो यह सारा भेद हम पर खुल सकता है, इस भेद का ठीक-ठीक समझने का रास्ता बही है जिसे हिन्दू धर्म ग्रन्थों में "योग" मुसलिम धर्म ग्रन्थों में "सलूक" या "शराल" और ईसाई धर्म ग्रन्थों में "कन्वूनियन विद दि स्पिरिट" कहा गया है,

कर्म या फल के अन्दर हमें तीन तरह के काम मिलते हैं—स्वार्थ, परार्थ और परमार्थ यानी खुदगारजी, दूसरों का भला और केवल फर्ज समझकर सब का एकसाँ भला पहली तरह के काम ऐसे हैं जैसे करजा लेना, दूसरी तरह के काम ऐसे हैं जैसे दूसरे का करजा देना और तीसरी तरह के काम सब करजों से छुटकारा पाना, पाप और पुण्य दोनों बन्धन हैं, मोक्ष यानी निजात इन दोनों से आजाद हो जाना है, पाप करना, कोई बुराई करना ऐसा हा है जैसा करजा लेना जिसे हमें दण्ड या तकलीफ की शक्ल में अदा करना होगा, नेकी करना, परोपकार करना ऐसा है जैसा किसी को करजा देना, वह हमें सुख के रूप में वापिस मिलेगा, और असली आजादी इन दोनों विचारों से ऊपर उठकर सब हिसाब चुकता यानी बेबाक कर देना है, यही हालत हमें कड़ी मेहनत के बाद गहरी मोठी नींद यानी 'निर्वाण' का हक्कार बना देती है,

ये सब चीजें तीन-तीन के रूप में चलती हैं, इनमें दो रूप एक दूसरे के खिलाफ मालूम होते हैं और तीसरा उन्हें जोड़ता है, जैसे इच्छा किसी चीज की जानकारी का और उसके साथ हमारे काम का दांनों को जोड़ती है, हमारे सारे शरीर की बनावट में यही तीन-तीन के जोड़े दिखाई देते हैं, हमारे हाथ पैर, हमारे दिल और दिमाग दांनों में नाता जोड़ते हैं, यही आत्मा और गैर-आत्मा के नाते का हाल है,

अपने शरीर की बनावट को अगर हम इस प्रकार अच्छी तरह समझ सकें और शरीर और मन और आत्मा यानी रूह के सम्बन्ध को समझ सकें तो यह सारा भेद हम पर खुल सकता है, इस भेद का ठीक-ठीक समझने का रास्ता बही है जिसे हिन्दू धर्म ग्रन्थों में "योग" मुसलिम धर्म ग्रन्थों में "सलूक" या "शराल" और ईसाई धर्म ग्रन्थों में "कन्वूनियन विद दि स्पिरिट" कहा गया है,

महत्मा गाँधी के अनुसार शान्ति का रास्ता, और पेटम और हाईड्रोजन बम का सवाल
पंडित सुन्दरलाल

(वह भाषण जो 16 अगस्त सन 1957 को तोक्यो (जापान) में तीसरे विश्व सम्मेलन के सामने दिया गया)



सितम्बर '67

महत्मा गान्धेय के अनुसार शान्ति का रास्ता, और अणु और हाइड्रोजन बम का सवाल
पंडित सुन्दरलाल

(वह भाषण जो 16 अगस्त सन 1957 को तोक्यो (जापान) में तीसरे विश्व सम्मेलन के सामने दिया गया)



सितम्बर '67

رہر-آتما کو وہ ابھی تک سچ سمجھتے ہوئے تھا وہ اب اسے جھوٹ اور کپڑا دھوکا معلوم ہونے لگا ہے۔ جوانی میں جو چیزیں سندر اور آئندہ دینے والی اور چٹ کو موہتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں، وہ بڑھاپے میں بدصورت، بدشکل اور تکلیف دہ معلوم ہونے لگتی ہیں۔ ایک پرانا مسکاورہ ہے ”گیان رنج کو بڑھاتا ہے۔“ انگریزوں، شہد ’وانز‘ کے مہل معلیٰ ہی ’فمکین‘ ہے۔ جو چیز اچھی لگتی تھی وہ اب بری لگنے لگتی ہے۔ جو ٹھیک معلوم ہوتی تھی وہ غلط معلوم ہونے لگتی ہے، اور اُن کے چکر اچھے اور بُرے، ٹھیک اور غلط دونوں ہی غلط معلوم ہونے لگتے ہیں۔ بغیر اور پاپ یعنی خیر اور شر دونوں پاپ یعنی شر معلوم ہونے لگتے ہیں۔ سولے کی بیڑیاں دینی ہی بیڑیاں ہیں جنسی لوہے کی۔ ایک بیڑی کے لوہے پیدا ہوتے ہیں، بڑھتے ہیں اور تجربوں اور تکلیفوں کے اندر سے گذرتے ہوئے، انہیں عقل اور سمجھ آتی ہے۔ وہ پھر چل دیتے ہیں۔ دوسری بیڑی اُن کی جگہ لیتی ہے۔ اُسی طرح کی غلطیوں، تجربوں اور تکلیفوں میں سے نکل کر اُسے سمجھ آتی ہے۔ وہ بھی چل دیتی ہے۔ یہ چکر برابر جاری رہتا ہے۔ ایک بیماری ختم ہو جاتی ہے، دوسری بیماریاں اُس کی جگہ آجاتی ہیں۔ ایک پرانی مٹی ہے، دوسری سر آٹھتی ہے۔ نیکی اور بدی، سکھ اور دکھ ہمیشہ ایک دوسرے کو کاٹتے رہتے ہیں۔ انت میں دونوں ایک ساتھ ختم ہوتے ہیں۔ اِس دوی کو اُسا خود ہی پیدا کرتا ہے اور خود ہی ختم کرتا ہے۔ نہ مٹی اور بدی دونوں چیزوں بچے ہیں۔ دونوں ساتھ ساتھ ختم ہوتے ہیں۔ جب تک آدمی جاگتا رہتا ہے اور کام کرتا رہتا ہے تب تک اُس آتما کے لئے جس کی اُنہیں کھل گئی ہیں نیکی یعنی شکام کرم کا راستہ ہی فرض یعنی کرتوبہ کا راستہ ہے۔ لیکن دھیرے دھیرے یہ ہدایت بھی کم ہونے لگتی ہے۔ تھکا ہوا آتما بہ ’نروان‘ کی نیند سونا چاہتا ہے۔ کچھ دیر کے لئے وہ کھن محنت اور آرام دہ آسیدہ دونوں سے تھک جاتا ہے۔ پاپ اور پلہ، سوارتھ اور پرمارتھ دونوں کے چکر سے وہ نکلنا چاہتا ہے۔

اس طرح گوان کے اندر ہمیں تین طرح کی چیزیں ملتی ہیں—سکھ، سکھ اور مایا، یعنی جو چیزیں ہیں جو نہیں ہیں اور جن کا ہونا ایک دھوکا ہے۔ اچھا یعنی خواہش کے اندر تین صورتیں آجاتی ہیں—رائ، دوہش اور ویراگیہ، یعنی خاص چیزوں سے مہر یا لگاؤ ہونا، خاص چیزوں سے نفرت ہونا اور سب چیزوں کی طرف سے پھلاگ ہونا، نا کفو سے دوستی نا کفو سے بھر۔ انہیں تینوں کو کام، کرودہ اور نیشکامیہ میں لپے سکتے ہیں۔ یہ ویراگیہ یا نیشکامیہ ایک شانتی اور سکون کی حالت ہے۔

اس طرح گوان کے اندر ہمیں تین طرح کی چیزیں ملتی ہیں—سکھ، سکھ اور مایا، یعنی جو چیزیں ہیں جو نہیں ہیں اور جن کا ہونا ایک دھوکا ہے۔ اچھا یعنی خواہش کے اندر تین صورتیں آجاتی ہیں—رائ، دوہش اور ویراگیہ، یعنی خاص چیزوں سے مہر یا لگاؤ ہونا، خاص چیزوں سے نفرت ہونا اور سب چیزوں کی طرف سے پھلاگ ہونا، نا کفو سے دوستی نا کفو سے بھر۔ انہیں تینوں کو کام، کرودہ اور نیشکامیہ میں لپے سکتے ہیں۔ یہ ویراگیہ یا نیشکامیہ ایک شانتی اور سکون کی حالت ہے۔

اس طرح گوان کے اندر ہمیں تین طرح کی چیزیں ملتی ہیں—سکھ، سکھ اور مایا، یعنی جو چیزیں ہیں جو نہیں ہیں اور جن کا ہونا ایک دھوکا ہے۔ اچھا یعنی خواہش کے اندر تین صورتیں آجاتی ہیں—رائ، دوہش اور ویراگیہ، یعنی خاص چیزوں سے مہر یا لگاؤ ہونا، خاص چیزوں سے نفرت ہونا اور سب چیزوں کی طرف سے پھلاگ ہونا، نا کفو سے دوستی نا کفو سے بھر۔ انہیں تینوں کو کام، کرودہ اور نیشکامیہ میں لپے سکتے ہیں۔ یہ ویراگیہ یا نیشکامیہ ایک شانتی اور سکون کی حالت ہے۔

कर्म, अपनी भलाई को सब की भलाई के लिये कुरबान कर देना, व्यक्ति की भलाई को कुटुम्ब की भलाई के लिये या समाज की भलाई के लिये कुरबान कर देना, यही यह "यज्ञ" है. भगवद्गीता में लिखा है:—"प्रजापति ने जब शुरू में दुनिया को बनाया तो 'यज्ञ' के साथ बनाया और अपनी सारी प्रजा से कह दिया कि 'यज्ञ' के द्वारा ही तुम बढ़ोगे और फलो फूलोगे....हमारा छोटा आपा हमारे बड़े और व्यापक आपे के लिये अपने को कुरबान करता है यही यज्ञ है". यह बड़ा आपा ही असली सत्यम्, सुन्दरम् और शिवम् है. इस दुनिया में जो कुछ हमें सच्चा, सुन्दर और अच्छा दिखाई देता है वह सब उसी का अक्स है.

सर्वात्मा या रूहे कुल के इन गुणों के मुकाबले में रौर-आत्मा यानी प्रकृति या जड़ मादे में सत्व, तमस् और रजस्—यह तीन गुण पाये जाते हैं. सत्व चीजों का वह गुण है जिसके धारिये चीजें जानी जा सकती हैं. तमस् वह गुण है जिसके कारण उन्हें रखने की आत्मा को इच्छा होती है. रजस् वह गुण है जिसका सम्बन्ध चीजों की हरकत से है. अगर हम किसी भी ठोस चीज को ले लें तो यही तीनों बातें गुण, द्रव्य और कर्म शब्दों से प्रकट की जा सकती हैं. हम चीजों के गुणों से उन्हें जानते समझते हैं. उनके द्रव्य रूप के कारण उन्हें रखने की इच्छा करते हैं. और उनके कर्म रूप के कारण हम उनके साथ तरह-तरह के काम करते हैं. हमारे शरीर भी रौर-आत्मा यानी जड़ पदार्थ ही हैं. लेकिन अकसर हम उन्हें ही अपना आपा समझ बैठते हैं यह ऐसा ही है. जैसे लोहे की किसी लाल तपती हुई गेंद की गरमी को हम उसकी लाली और और उसके लोहे से अलग करके नहीं देख सकते. पर हैं वह अलग-अलग चीजें और फिर भी एक.

हमारे जिस्म हमारे आत्मा के इतने निकट हैं कि अकसर हम जिस्म के तीन गुणों यानी सत्व, तमस् और रजस् का आत्मा के गुण समझने और कहने लगते हैं. कभी-कभी हम इन तीन शब्दों से मतलब अपने मन की तीन हालतों से लेते हैं. और यूँ उसे आत्मा से जोड़ देते हैं. हम कहते हैं कि सात्विक आत्मा ज्ञानी, आरिफ, समझदार और नेक आदमी का ज्ञानवान, सुसंस्कृत, प्रकाशवान और नूतनी आत्मा है, जो चीजों को ठीक-ठीक समझता है. तामस् आत्मा उस आदमी का जो अपनी ख़ाहिशों के क़ाबू में है आलस्य और प्रमाद भरा आत्मा है, जो दुनिया की चीजों को चिपटा हुआ हां. राजस् आत्मा क्रियाशील यानी बाअमल आदमी का आत्मा है जो सदा चंचल, बेचैन और काम में लगा रहता है.

आत्मा जब रौर-आत्मा की तरफ से हटने लगता है और उसे अपने से अलग कर देना चाहता है तब जिस

कर्म, اپنی بھائی کو سب کی بھائی کے لئے قربان کر دینا, ویسے ہی اپنی بھائی کو کتب کی بھائی کے لئے یا سماج کی بھائی کے لئے قربان کر دینا, یہی یہ 'یکہ' ہے. بہتر گیتا میں لکھا ہے:—"پرچا پتی نے جب شروع میں دنیا کو بنایا تو 'یکہ' کے ساتھ بنایا اور اپنی ساری پرچا سے کہہ دیا کہ 'یکہ' کے دوارا ہی تم بڑھوگے اور پھلو پھولوگے...ہمارا چھوٹا آپا ہمارے بڑے اور دباک آپے کے لئے اپنے کو قربان کرنا ہے یہی یکہ ہے." وہ بڑا آپا ہی اصلی ستم, سندر اور شوم ہے. اس دنیا میں جو کچھ ہمیں سچا, سندر اور اچھا دکھائی دیتا ہے وہ سب اسی کا عکس ہے.

سرو آتما یا روح کل کے ان گنوں کے مقابلے میں غیر-آتما یعنی پرکرتی یا جز مادے میں ستو, تمس, اور رجس—یہ تین گن پائے جاتے ہیں. ستو چیزوں کا وہ گن ہے جس کے ذریعہ چیزیں جانی جاسکتی ہیں. تمس وہ گن ہے جس کے کارن انہیں رکھنے کی آتم کو اچھا ہوتی ہے. رجس وہ گن ہے جس کا سبب چیزوں کی حرکت سے ہے. اگر ہم کسی بھی تھرس چیز کو لے لیں تو یہی تین باتیں گن, درویہ, اور کرم شبدوں سے پرکٹ کی جاسکتی ہیں. ہم چیزوں کے گنوں سے انہیں جانتے سمجھتے ہیں. ان کے درویہ روپ کے کارن انہیں رکھنے کی اچھا کرتے ہیں. اور ان کے کرم روپ کے کارن ہم ان کے ساتھ طرح طرح کے کام کرتے ہیں. ہمارے شوہر بھی غیر-آتما یعنی جز بدارتہ ہی ہیں. لیکن انڈر ہم انہیں ہی اپنا آپا سمجھ رہتے ہیں. یہ ایسا ہی ہے جیسے لہے کی کسی لال تپتی ہوئی گیند کی گرمی کو ہم اُس کی لالی اور اُس کے لہے سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے. پر ہیں وہ الگ الگ چیزیں اور پھر بھی ایک.

ہمارے جسم ہمارے آتما کے اتنے نکت ہیں کہ انڈر ہم جسم کے تین گنوں یعنی ستو, تمس اور رجس کو آتما کے گن سمجھتے اور کہتے لکتے ہیں. کبھی کبھی ہم ان تین شبدوں سے مطالب اپنے من کی تین حالتوں سے لیتے ہیں اور یہی آتما سے جز دیتے ہیں. ہم کہتے ہیں کہ سانوک آتما گھائی, عارف, سمجدار اور نیک آدمی کا گھانوان, سو سنسکرت, پرکشوان اور نرانی آتما ہے, جو چیزوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھتا ہے. تامس آتما اُس آدمی کا جز اپنی خواہشوں کے قابو میں ہے آسودہ اور پرماں ہوا آتما ہے, جو دنیا کی چیزوں کو چھوٹا ہوا ہو. راجس آتما کریا شدل یعنی باعمل آدمی کا آتما ہے جو سدا چنچل, بے چین اور کلم میں لگا رہتا ہے.

آتما جب غیر-آتما کی طرف سے مائل لگتا ہے اور اُسے اپنے سے الگ کو دینا چاہتا ہے تب جس

آتما یا رُہ کو अपनी इस जीवन यात्रामें दो रास्तों से गुजरना पड़ता है। पहला 'प्रवृत्ति मार्ग' यानी 'कौसे नजूल' जिसमें रُह रौर-आत्मा यानी रौर-रुह यानी बाहर की चीजों को अपनाती है, यानी उन्हें अपने ऊपर ओढ़ती है और दूसरा 'निवृत्ति मार्ग' यानी 'कौसे उरुज' जिसमें फिर से ऊपर चढ़ने के लिये रُह रौर-रुह को अपने से अलग करती है या उतार फेंकती है।

आत्मा के जो तीन रूप हमने ऊपर बताये हैं उन तीनों का अलग-अलग सम्बन्ध ज्ञान, इच्छा और क्रिया यानी इल्म, ख्वाहिश और अमल में है। इनमें 'इच्छा' यानी 'खाहिश' ही वह असल चीज है जो एक व्यक्ति आत्मा को दूसरी व्यक्ति आत्मा से, एक रُह को दूसरी रُह से, एक व्यक्ति को दूसरे व्यक्ति से अलग करती है। जब इच्छा मिट जाती है तो यह अलहदगी भी जाती रहती है। यही हमारे सब अच्छे बुरे कामों की जड़ है।

यही तीन यानां ज्ञान, इच्छा और क्रिया रूहों या जीवों को एक दूसरे से अलग करते हैं। ऐसा अलग आत्मा 'पराग आत्मा' कहलाता है। पर जब इस आत्मा का रुख अन्दर को हो जाता है तब वह 'प्रत्याग आत्मा' हो जाता है। तब यह सब अलहदगी मिट जाती है। तब यही तीनों सूरतें एक व्यापक आत्मा यानी रूहेकुल के तीन गुणों—चित्त, आनन्द और सत्त यानी मारफ़त, कुदरत और बजूदे हकीकती—में बदल जाती हैं। यह मारफ़त ही अज्ञाने कुल है। इन्हीं तीनों को सर्वज्ञता, सर्वशक्तिमत्ता और सर्व व्यापकता भी कहते हैं। शुद्ध आत्मा यानी रूहेकुल के इन्हीं तीन गुणों के नाम सत्यम, प्रियम और हितम, या शान्तम, सुन्दरम और शिवम भी हैं। असली बजूद यानी बजूदे हकीकती केवल यही शुद्ध आत्मा या रूहेकुल है। वही देखने वाला है और वही देखने की चीज। वही जानने वाला है और वही जानने की चीज। वही से सब रोशनी है जिस तरह यह दुनिया सूरज से। वह अपने को भी जानता है और रौर-आपे को भी। वह अपने जानने को भी जानता है। वही है और कुछ है ही नहीं। वह नित्य है और सब बदलता हुआ धोका है। इससे हमें कभी धोका नहीं हो सकता। वही आनन्द का भण्डार है, सुन्दरता का खज़ाना है, वही प्रेम है, वही अनन्त बरकत है, वही एक चाहने की चीज है। सब दिलों का वही एक प्रीतम है और जो कुछ प्यार के क़ाबिल है केवल उसी का काण। वह नित्य है, अनन्त है। वह नेकी का भण्डार है। वही यज्ञ यानी क़ुरबानी है। प्रेम और सेवा के जरिये अपने छोटे आपे को उस बड़े आपे के लिये, जो सब के अन्दर रमा हुआ है, क़ुरबान कर देना ही उसके दर्शन, दीवार, यानी आत्म दर्शन का तरीक़ा है। इसी का नाम निःश्रेयस है यानी सब का भला है। अन्त में निःस्वार्थ कम, निष्काम

आत्मा या روح کو اپنی اس جہوں ہاتھ میں دو راستوں سے گزرتا ہوتا ہے۔ پہلا 'پرورتی مارگ' یعنی 'قوس نزول' جس میں روح غور-آتما یعنی غور-روح یعنی باہر کی چیزوں کو اپنی ہے، یعنی انہیں اپنے اوپر اوڑھتی ہے۔ اور دوسرا 'نوروتی مارگ' یعنی 'قوس عروج' جس میں روح سے اوپر چڑھنے کے لئے روح غور-روح کو اپنے سے الگ کرتی ہے یا اُتار پھینکتی ہے۔

آتما کے جو تین روپ ہم نے اوپر بتائے ہیں اُن تینوں کا ایک ایک سہجہ گمان 'اچھا' اور کویا یعنی علم خواہش اور عمل سے ہے۔ اُن میں 'اچھا' یعنی 'خواہش' ہی بہ اصل چیز ہے جو ایک ریکت آتما کو دوسری ریکت آتما سے، ایک روح کو دوسری روح سے، ایک ریکتی کو دوسری ریکتی سے، الگ کرتی ہے۔ جب 'اچھا' مٹ جاتی ہے تو یہ علیحدگی بھی جاتی رہتی ہے۔ یہو ہمارے سب اچھے برے کاموں کی جڑ ہے۔

یہی تین یعنی گمان 'اچھا' اور کویا روحوں یا جہوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتے ہیں۔ ایسا ایک آتما 'پراگ آتما' کہلاتا ہے۔ پر جب اس آتما کا رخ اندر کو ہو جاتا ہے تب وہ 'پرتیاگ آتما' ہو جاتا ہے۔ تب یہ سب علیحدگی مٹ جاتی ہے۔ تب یہی تینوں صورتیں ایک واپیک آتما یعنی روح کل کے تین گنوں—چت، آند اور ست یعنی معرفت، قدرت اور وجود حقیقی—میں بدل جاتی ہیں۔ یہ معرفت ہی عقل دل ہے۔ انہیں تینوں کو سروگیتا، سرور شکیمتا اور سرور واپیکتا بھی کہتے ہیں۔ شدہ آتما یعنی روح کل کے انہیں تین گنوں کے نام ستیم، پریم اور ہتم یا شانتم، سندرم اور شوم بھی ہیں۔ اصلی وجود یعنی وجود حقیقی کپول یہی شدہ آتما یا روح کل ہے۔ وہی دیکھنے والا ہے اور وہی دیکھنے کی چیز۔ وہی جاننے والا ہے اور وہی جاننے کی چیز۔ اُسی سے سب روشن ہے جس طرح یہ دنیا سورج سے۔ وہ اپنے کو بھی جانتا ہے اور غور-آپے کو بھی۔ وہ اپنے جاننے کو بھی جانتا ہے۔ وہی ہے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ وہ نتیجہ ہے اور سب بدلتا ہوا دھوکا ہے۔ اُس سے ہمیں کبھی دھوکا نہیں ہو سکتا۔ وہی آند کا پہنڈار ہے، سندرم کا خزانہ ہے، وہی پریم ہے، وہی اُملت برکت ہے، وہی ایک چاہنے کی چیز ہے۔ سب دلوں کا وہی ایک پریم ہے اور جو کچھ پیار کے قابل ہے کپول اُسی کے کارن۔ وہ نتیجہ ہے، اُملت ہے۔ وہ نیکی کا پہنڈار ہے۔ وہی دیکھنے یعنی قربانی ہے۔ پریم اور سہوا کے ذریعے اپنے چہرے آپے کو اُس برے آپے کے لئے، جو سب کے اندر رما ہوا ہے، قربان کر دینا ہی اُس کے درشن، دیدار یعنی آتم درشن کا طریقہ ہے۔ اُسی کا نام شہرئیس ہے یعنی سب کا بھلا ہے۔ اُنت میں نسوارتہ کرم، تشکلم

एक आत्मा के अलग-अलग रूप

डाक्टर भगवान दास

आत्मा एक और बेअन्त है. उसका कोई ओर छोर नहीं. उससे बाहर कुछ नहीं. उसी आत्मा का सर्वात्मा या रूहेकुल भी कह सकते हैं. लेकिन इस दुनिया में देखने समझने के लिए उसी एक का तीन अलग-अलग रूपों में देखा जा सकता है. एक आत्मा का व्यापक अव्यक्त रूप जो सब में रमा हुआ है. दूसरे अलग-अलग व्यक्त आत्मायें जिन्हें अलग-अलग आत्मा, जीव या रूह कहते हैं. और तीसरे हमारे यह अलग-अलग मन और शरीर. पहले यानी व्यापक अव्यक्त आत्मा के अन्दर सब व्यक्त आत्मा यानी अलग-अलग रूहें शामिल हैं. और हमारे अलग-अलग मन-शरीर ही इन अलग-अलग आत्माओं को एक दूसरे से अलग और व्यक्त यानी आहिर करते हैं.

इसकी एक मिसाल एक ही नदी के अन्दर अलग अलग बरतनों में एक ही पानी की शकलें बदल जाने से दी जाती है.

उस व्यापक अव्यक्त आत्मा की जानकारी का नाम 'मैटाफिजिक' यानी 'दर्शन शास्त्र' या 'फिलसफा' है. अलग-अलग व्यक्त आत्माओं के बयान को 'साइकालोजी' यानी 'मनोविज्ञान' कहते हैं. हमारे मन-शरीरों से सम्बन्ध रखने वाली साइन्सों को मामूली जड़विज्ञान या 'साइको फिजिक्स' कहा जाता है. दर्शन शास्त्र या फिलसफे में हमें सब साइन्सों के बुनियादी असूल मिल जाते हैं.

जब आत्मा गैर-आत्मा यानी अपने से बाहर की चीजों की बात करता है तो तीन सूरतें पैदा होती हैं. पहली यह कि आत्मा गैर-आत्मा को अपने सामने रखकर उसकी जानकारी हासिल करता है. फिर चाहे उसके वजूद को सबा माने या झूठ. दूसरी यह कि आत्मा गैर-आत्मा के साथ कुछ न कुछ काम करता है. उसे अपने ऊपर आदना है जैसे आदमी कपड़े पहनता है, या उसे अपने अन्दर दाखल कर लेता है जैसे आदमी खाना खाता है. उसके साथ अपना अपनापन जोड़ता है. या उसे उतार फेंकता है और अपने को उससे अलग कर लेता है. तीसरी यह कि जानने और काम करने के बीच में आत्मा गैर-आत्मा से अपने को जोड़ लेने की या उसे अपने अन्दर हजम कर लेने की या उसे फेंक देने की 'इच्छा' करता है. यह 'इच्छा' तीसरी सूरत है. यह इच्छा या खदिश आत्मा की ही वृत्ति या हालत है.

ایک آتما کے ایک ایک روپ

ڈاکٹر بھگوان داس

آتما ایک اور بے انت ہے. اُس کا کوئی اور چور نہیں. اُس سے باہر کچھ نہیں. اُسی آتما کو سرو آتما یا روح نل ہو کہہ سکتے ہیں. لیکن اِس دنیا میں دیکھنے سمجھنے کے لئے اُسی ایک کو تین ایک ایک روپوں میں دیکھا جا سکتا ہے. ایک آتما کا وہ ایک اور روپ جو سب میں رما ہوا ہے. دوسرے ایک ایک ریکت آتماؤں جنہیں ایک ایک آتما، جوہ یا روح کہتے ہیں. اور تیسرے ہمارے یہ ایک ایک من اور شریر. پہلے یعنی وہ ایک اور ریکت آتما کے اندر سب ریکت آتما یعنی ایک ایک روحیں شامل ہیں. اور ہمارے ایک ایک من-شریروں ہی اِن ایک ایک آتماؤں کو ایک دوسرے سے ایک اور ریکت یعنی ظاہر کرتے ہیں.

اِس کی ایک مثال ایک ہی ندی کے اندر ایک ایک برتنوں میں ایک ہی پانی کی شکلوں بدل جانے سے دی جاتی ہے.

اُس وہ ایک اور ریکت آتما کی جانکاری کا نام 'مٹافیک' یعنی 'दर्शन शास्त्र' یا 'فلسفہ' ہے. ایک ایک ریکت آتماؤں کے بیان کو 'سائیکالوجی' یعنی 'مनो र्ग्यान' کہتے ہیں. ہمارے من-شریروں سے سمبندھ رکھنے والی سائنسوں کو معمولی جڑ وڈان یا 'سائکو فزکس' کہا جاتا ہے. درشن شاस्त्र یا فلسفہ میں ہمیں سب سائنسوں کے بنیادی اصول مل جاتے ہیں.

جب آتما غیر-آتما یعنی اپنے سے باہر کی چیزوں کی بات کرتا ہے تو تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں. پہلی یہ کہ آتما غیر آتما کو اپنے سامنے رکھ کر اُس کی جانکاری حاصل کرتا ہے. پھر چاہے اُس کے وجود کو سچا مانے یا جوڑنا. دوسری یہ کہ آتما غیر آتما کے ساتھ کچھ نہ کچھ کام کرتا ہے. اُسے اپنے اوپر آدنا ہے جیسے آدمی کھڑے پہنتا ہے، یا اُسے اپنے اندر داخل کر لیتا ہے جیسے آدمی کھانا کھاتا ہے. اُس کے ساتھ اپنا اپناپن جوڑتا ہے. یا اُسے اُدار پھینکتا ہے اور اپنے کو اُس سے ایک کر لیتا ہے. تیسری یہ کہ جاننے اور کام کرنے کے بیچ میں آتما غیر-آتما سے اپنے کو جوڑ لینے کی یا اسے اپنے اندر ہضم کی لینے کی یا اسے پھینک دینے کی 'اِچھا' کرتا ہے. یہ اِچھا تیسری صورت ہے. یہ اِچھا یا خواہش آتما کی ہی ایک ورتی یا حالت ہے.

کارण دُور۔ اسے اس وقت میری بھانجی کی طرف سے پانچ برس کی تھی، کتنی پیاری اور دیا-پاत्र تھی وہ! میں اب اسے دیکھ سکتا ہوں۔ وہ ماں کو سمجھا کر روئے۔ چپ کر رہے تھے، لیکن وہ بنا کے ہونے لگا، اور وہی تھی۔ شاید اس کا روزا سن کر ان کا اتنے دن چھوٹا تھا، کیونکہ انہوں نے میری بہن کو کہا تھا۔ بدی ان کا اتنے دن چھوٹا تھا تو...

میری بھانجی کو میری ماں نے کھا ڈالا! میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ بات میری ماں کو معلوم تھی یا نہیں۔

ماں کو ضرور معلوم ہوا ہوگا، لیکن راتے وقت اس نے کچھ کہا نہیں۔ شاید اس نے اسے ٹھیک سمجھا ہو۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں چار یا پانچ برس کی تھی تو اس سے میرے بھائی نے مجھے کہا تھا کہ پتر کے لئے ماٹا پتا کے پتر سے بڑا بھکتی کا کام ہے کہ جب وہ بھائی پتر تو وہ اپنے مانس کا ایک ٹکڑا کھاتے اور انہیں کھانے کے لئے دے۔ اور ماں نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ بدی ایک ٹکڑا کھایا جاسکتا ہے، تو راستو میں دورا بھی کھایا جاسکتا ہے! لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ جس دھنگ سے ماں رو رہی تھی اس سے دوسروں کے گردنے پتے جا رہے تھے۔ اب اسے یاد کرنے سے بھی مجھے دکھ ہوتا ہے۔ اتنا عجیب ہے!

12

12

پچھلے چار ہزار برسوں سے مनुہی ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں، اور میں آج ہی یہ جان سکا کہ میں آجیون انہیں میں کھلا رہا۔ میری بہن ٹھیک اسی سے میری جب میرے بڑے بھائی گھر گرجستی کا پروردہ کر رہے تھے۔ مجھے کیسے وشواس ہو سکتا ہے کہ ہمیں کھانے کے لئے انہوں نے گھٹ روپ سے اسے ہمارے کھانے میں نہیں ملا دیا؟

ہو سکتا ہے کہ انچالے میں اپنی بہن کو کھا لیا! اور اب میری باری آئی ہے کہ میں کھایا جاؤں!

میرے چار ہزار ورش بدی منشیہ بھکتی دے دیں۔ بدی اسے میں پہلے نہیں سمجھ سکا، لیکن اب میں اسے سمجھ رہا ہوں۔ راستو میں منشیہ پانا۔ میں ہے۔

13

13

شاید اب بھی کچھ ایسے بچے ہیں جنہوں نے منشیہ کا مانس نہیں کھایا ہے۔ ان بچوں کو بچانے۔

اپریل 1918

اپریل 1918

तब उनका एक और तरीका भी मेरी समझ में आ गया. वे सिर्फ सुधार करने से ही इनकार नहीं करते बल्कि उनके साथ ही साथ उन्होंने अपनी तैयारी भी कर ला है. उन्होंने मेरे ऊपर 'पागल आदमी' की चिप्पी भी चिपका दी है. जब वे मुझे खा डालेंगे तो उसके बाद उनके कार्य का कोई कुपरिणाम न होगा. यही नहीं, वास्तव में लोग उनकी तारीफ करेंगे. जब आसामियों ने यह कहा था कि उन्होंने एक बध्माश का मारकर खा डाला तो वे भी यही तरीका अपना रहे थे. यह उनका पुराना राग है.

इस पर चेन लाओ-वू हम लोगों के पास बड़े गुस्से से आये. लेकिन वे मेरा मुंह कैसे बन्द कर सकते थे ? मैं जालसाजी के इन सदस्यों के सामने अपने विचार रखने के लिये तुल गया. उनसे मैंने कहा कि 'आप लोगों का सुधार करना चाहिए ! आप लोगों को हृदय के भीतर से सुधार करना चाहिए ! आप लोगों का समझ लेना चाहिए कि मनुष्य-भक्षी मनुष्यों के लिये संसार में कोई स्थान नहीं होगा ! अगर आप सुधार नहीं करते तो आप लोग खुद खा डाले जायेंगे ! अगर आप बहुत-से बच्चों का भी पैदा करें तो भी वे सब के सब असली मनुष्यों के द्वारा उसी तरह नष्ट कर दिये जायेंगे जैसे शिकारियों द्वारा भेड़िये ! आप सब कीड़ों को तरह नष्ट कर दिये जायेंगे !'

चेन लाओ-वू ने उन सब मनुष्यों को भगा दिया और मैं नहीं जानता कि मेरा भाई कहां राखब हो गया. चेन लाओ-वू ने मुझे समझाकर मेरे कमरे में वापस भेजा. पूरा कमरा अन्धकार में डूबा था. छत की शहतीर और धन्नियाँ काँपने लगीं. कुछ देर काँपने के बाद उनका लम्बाई, चौड़ाई और मोटाई बहुत अधिक बढ़ गई और वे सब मेरे ऊपर ढेर हो गईं.

वे बहुत ही ज्यादा भारी हैं. वे हिलाई-डुलाई भी नहीं जा सकते. वे लोग चाहते हैं कि मैं मर जाऊँ. लेकिन मैं जानना हूँ कि वास्तव में वे भारी नहीं हैं. इस लिये मैं उन्हें धक्का देकर हटा दूँगा. मेरा शरीर पसीने से तर हो गया है. लेकिन आप लोग मुझे चिल्लाने से नहीं रोक सकते, 'फौरन सुधार कीजिये ! अपने हृदय के भीतर से सुधार कीजिये ! आप लोगों का जानना चाहिये कि मनुष्य-भक्षी मनुष्यों के लिये संसार में कोई स्थान न रहेगा !'

11

सूरज नहीं चमक रहा है. द्वार कभी नहीं खुलता. प्रति-दिन दो बार भोजन. अपनी खाने की दोनों छोटी-छोटी लकड़ियों को पकड़े हैं. मैंने अपने भाई के बारे में सोचा और यह अनुभव किया कि मेरी बहन की मृत्यु इन्हीं के

तेप लूँ का एक और طریقہ بھی میری سمجھ میں آ گیا . وہ صرف سدھار کرنے سے ہی انکار نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ انھوں نے اپنی تیاری بھی کر لی ہے . انہوں نے میرے اوپر 'پاگل آدمی' کی چھٹی چپکانی ہے . جب وہ مجھے کھا ڈالینگے تو اس کے بعد ان کے کارے کا کوئی کوہرہام نہ ہوگا . یہی نہیں , واسط میں لوگ ان کی تعریف کریں گے . جب آسامیوں نے یہ کہا تھا کہ انھوں نے ایک بدعہ بھی کو مار کر کھا ڈالا تو وہ بھی یہی طریقہ اپنا رہے تھے . یہ ان کا پرانا راگ ہے .

اس پرچین لاؤرو ہم لوگوں کے پاس بڑے غصے سے آئے . لیکن وہ میرا منہ کیسے بند کر سکتے تھے ؟ میں جال سازی کے ان سدھوں کے سامنے اپنے وجار رکھنے کے ائمہ تل گیا . ان سے میں نے کہا کہ 'آپ لوگوں کو سدھار کرنا چاہئے ! آپ لوگوں کو ہردن کے بہتر سے سدھار کرنا چاہئے ! آپ لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ منشیہ بہکشی مشدوں کے لئے مسسار میں ہوتی . اکتھان نہیں ہوگا ! اگر آپ سدھار نہیں کرتے تو آپ لوگ خود کھا ڈالے جائیں گے ! اگر آپ بہت سے بچوں کو بھی پیدا کریں تو بھی وہ سب کے سب اصلی مشدوں کے دوارا اسی طرح نشت کر دیئے جائیں گے جیسے شکاریوں دوارا بھیڑیے ! آپ سب کیڑوں کی طرح نشت کر دیئے جائیں گے !

چین لاؤرو نے ان سب منشیوں کو بھاگ دیا اور میں نہیں جانتا کہ میرا بھائی کہاں غائب ہو گیا . چین لاؤرو نے مجھے سمجھا کر میرے کمرے میں واپس بھیجا . پورا کمرہ اندھکار میں ڈوبا تھا . چہت کی شہکیر اور دھنیاں کانٹہ لگیں . کچھ دیر کانٹہ کے بعد ان کی لمبائی , چوڑائی اور موٹائی بہت ادھک بڑھ گئی اور وہ سب میرے اوپر ڈھیر ہو گئیں .

وہ بہت ہی زیادہ بھاری ہیں . وہ ہلائی ڈلائی بھی نہیں جا سکتیں . وہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں سو جاؤں . لیکن میں جانتا ہوں کہ راستہ میں وہ بھاری نہیں ہیں . اس ائمہ میں انھیں دھکا دیکر ہٹا دوں گا . میرا شہر پسینہ سے تر ہو گیا ہے . لیکن آپ لوگ مجھے چلنے سے نہیں روک سکتے ! پورا سدھار لیجئے ! اپنے ہردن کے بہتر سے سدھار لیجئے ! آپ لوگوں کو جاننا چاہئے کہ منشیہ بہکشی مشدوں کے لئے مسسار میں کوئی اکتھان نہ رہیگا !

11

سورج نہیں چمک رہا ہے . دوار کبھی نہیں کھلتا . پوری دن دھواں بھرجتا . اپنی کھانے کی دونوں چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کو پکڑے ہوں . میں نے اپنے بھائی کے بارے میں سوچا اور یہ انہوں نے کہا کہ میری بہن کی مورتی انھوں کے

तक कि पिछले दिन उन्होंने बुरफ विलेज में उस मनुष्य को पकड़ा, पिछले साल जब एक सार्वजनिक स्थान पर एक मनुष्य को प्राण-दण्ड मिला तो तपेदिक के एक रोगी ने उस मरे हुए अपराधी के खून में रांटी का टुकड़ा डुबाकर इस आशा से चाटा कि उससे उसका रोग ठीक हो जायेगा,

‘मेरे भाई, अगर वे सब मनुष्यों को खाना चाहते हैं तो आप उन्हें रांक नहीं सकते, परन्तु आप भी उस जाल-साजी में क्या शामिल हुए हैं ? उनकी तरह के मनुष्य-भक्षी दानव कुछ भी करने में न चूकेंगे, वे मुझे भी खा सकते हैं, वे आपको भी खा सकते हैं, और उसी जालसाजी में वे एक-दूसरे को भी खा सकते हैं, लेकिन अगर वे घूम पड़ें और अचानक अपने कां खुधार लें तो हर-एक को शान्ति मिल जायगी, अगर ऐसी ही हालत रहे तो भी हम दोनों खासतौर से एक-दूसरे को स्नेह कर सकते हैं, मेरे भाई ! उनका साथ छोड़ दीजिये ! उनका खण्डन कीजिये ! उनसे कहिये कि आप ऐसा नहीं कर सकते, मेरे भाई ! मुझे विश्वास है कि आप ‘नहीं’ कह सकते हैं, क्योंकि अभी पिछले दिन जब आसामियों ने आपसे लगान कम करने के लिये कहा था तो आपने ‘नहीं’ कह दिया था,

जब मैंने अपने भाई से इस प्रकार कहा तो पहले तो वे रुखे ढंग से मुस्कराये, लेकिन शीघ्र ही उनकी मुद्रा क्रूर हो गई, और जब मैंने जालसाजी के गुप्त मामलों का भंडा फोड़ दिया तो उनके मुंह का रंग बिरकुल ही बदल गया, सामने के दरवाजे के बाहर मनुष्यों का एक झुण्ड खड़ा था, उसमें बड़े चाओ और उनका कुत्ता भी था, वे सब अपनी गर्दनें निकाल कर आगे बढ़ने लगे, मैं कुछ बेहरो को नहीं पहचान सका, वे ऐसे दिखाई दे रहे थे जैसे कि पर्व से ढँके हों, लेकिन दूसरे आदमी गम्भीर थे, उनके दाँत खुले हुए थे और वे अपनी मुस्कराहट छिपाने के लिये अपने हाँठ काट रहे थे, मैं सब का पहचान गया, वे सब उसी जालसाजी में शामिल थे, वे सब मनुष्य-भक्षी दानव थे, लेकिन इसके साथ-साथ मैं यह भी जान गया था कि उनके विचारों और उनकी भावनाओं में फर्क था, उनमें से कुछ का विचार था कि मनुष्य-भक्षण सदा से चलता आया है और वह ठीक भी है, इनके बरुद्ध कुछ ऐसे भी थे जिनका विचार था कि मनुष्य-भक्षण ठीक नहीं है, लेकिन फिर भी वे करते थे, उन्हें यह डर था कि कहीं उनका भन्डा फोड़ न हो जाय और इसी से वे मेरे कथनों पर क्षब्ध थे, वे मुझे मुँह चिढ़ा रहे थे,

ऐसा प्रतीत होता है कि उसी समय मेरा भाई भी मुझसे क्षब्ध हो गया और उसने जोर से चिल्लाकर कहा, ‘चले जाओ ! पागल आदमी का दखने में क्या मजा आता है ?

तक कि पिछले दिन उन्होंने वे रान्जि में उस मनुष्य को पकड़ा, पिछले साल जब एक सार्वजनिक स्थान पर एक मनुष्य को प्राण-दण्ड मिला तो तपेदिक के एक रोगी ने उस मरे हुए अपराधी के खून में रांटी का टुकड़ा डुबाकर इस आशा से चाटा कि उससे उसका रोग ठीक हो जायेगा,

‘मेरे भाई, अगर वे सब मनुष्यों को खाना चाहते हैं तो आप उन्हें रांक नहीं सकते, परन्तु आप भी उस जाल-साजी में क्या शामिल हुए हैं ? उनकी तरह के मनुष्य-भक्षी दानव कुछ भी करने में न चूकेंगे, वे मुझे भी खा सकते हैं, वे आपको भी खा सकते हैं, और उसी जालसाजी में वे एक-दूसरे को भी खा सकते हैं, लेकिन अगर वे घूम पड़ें और अचानक अपने कां खुधार लें तो हर-एक को शान्ति मिल जायगी, अगर ऐसी ही हालत रहे तो भी हम दोनों खासतौर से एक-दूसरे को स्नेह कर सकते हैं, मेरे भाई ! उनका साथ छोड़ दीजिये ! उनका खण्डन कीजिये ! उनसे कहिये कि आप ऐसा नहीं कर सकते, मेरे भाई ! मुझे विश्वास है कि आप ‘नहीं’ कह सकते हैं, क्योंकि अभी पिछले दिन जब आसामियों ने आपसे लगान कम करने के लिये कहा था तो आपने ‘नहीं’ कह दिया था,

जब मैंने अपने भाई से इस प्रकार कहा तो पहले तो वे रुखे ढंग से मुस्कराये, लेकिन शीघ्र ही उनकी मुद्रा क्रूर हो गई, और जब मैंने जालसाजी के गुप्त मामलों का भंडा फोड़ दिया तो उनके मुंह का रंग बिरकुल ही बदल गया, सामने के दरवाजे के बाहर मनुष्यों का एक झुण्ड खड़ा था, उसमें बड़े चाओ और उनका कुत्ता भी था, वे सब अपनी गर्दनें निकाल कर आगे बढ़ने लगे, मैं कुछ बेहरो को नहीं पहचान सका, वे ऐसे दिखाई दे रहे थे जैसे कि पर्व से ढँके हों, लेकिन दूसरे आदमी गम्भीर थे, उनके दाँत खुले हुए थे और वे अपनी मुस्कराहट छिपाने के लिये अपने हाँठ काट रहे थे, मैं सब का पहचान गया, वे सब उसी जालसाजी में शामिल थे, वे सब मनुष्य-भक्षी दानव थे, लेकिन इसके साथ-साथ मैं यह भी जान गया था कि उनके विचारों और उनकी भावनाओं में फर्क था, उनमें से कुछ का विचार था कि मनुष्य-भक्षण सदा से चलता आया है और वह ठीक भी है, इनके बरुद्ध कुछ ऐसे भी थे जिनका विचार था कि मनुष्य-भक्षण ठीक नहीं है, लेकिन फिर भी वे करते थे, उन्हें यह डर था कि कहीं उनका भन्डा फोड़ न हो जाय और इसी से वे मेरे कथनों पर क्षब्ध थे, वे मुझे मुँह चिढ़ा रहे थे,

ऐसा प्रतीत होता है कि उसी समय मेरा भाई भी मुझसे क्षब्ध हो गया और उसने जोर से चिल्लाकर कहा, ‘चले जाओ ! पागल आदमी का दखने में क्या मजा आता है ?

अगर अपने उस स्थायी विचार से उन्हें छुटकारा मिल जाय तो वे आत्म-वश्वास के साथ अपने काम-काज कर सकते हैं और शान्तिपूर्वक धूम-फिर सकते हैं, खाना खा सकते हैं और सो सकते हैं। तब वे कितने अधिक सुख-चैन में होंगे ! अपनी आदतों में सुधार करने का मतलब होगा एक नई दुनिया में प्रवेश, एक वरें से गुजर कर आगे के एक नये दृश्य का दर्शन !

लेकिन पिता और पुत्र, भाई और बहन, पति और पत्नी, मित्र और शत्रु, अध्यापक और शिष्य और अजनबी — सभी आलसाजी में हैं, एक-दूसरे को बढ़ावा दे रहे हैं, एक-दूसरे को शामिल कर रहे हैं। वे मर जाना पसन्द करेंगे, लेकिन सुधार का एक मामूली कदम नहीं उठावेंगे।

10

प्रातःकाल तड़के मैं अपने भाई की खोज में निकला। वह हाल के द्वार के सामने खड़े थे और आकाश की ओर देख रहे थे। मैं उनके पीछे जा पहुँचा और रास्ता रोककर मैंने उनसे बड़ा सच्चाई और शान्ति से कहा — 'भाई साहब, मुझे आपसे कुछ कहना है।'

'कह डालो,' जल्दी से धूमकर और अपना सिर हिलाते हुए उन्होंने उत्तर दिया।

'मुझे सिर्फ कुछ शब्द कहने हैं, परन्तु मेरे लिये उन्हें कहना कठिन हो रहा है। भाई साहब, मेरा विचार है कि शुरू में सब असम्य मनुष्य कुछ न कुछ मनुष्य-भक्षी थे। बाद का उनके विचारों में अन्तर हो गया। उनमें से कुछ ने मनुष्यों का खाना छाड़ दिया। अपनी नैतिक अवस्था को सुधारने की प्रबल प्रेरणा से वे मनुष्य बन गये, मेरा मतलब है, वास्तविक मनुष्य। उनमें से कुछ ने मनुष्यों का खाना जारी रक्खा। वे कीड़ों की तरह थे। उन्होंने मछली और बन्दरों की स्थिति से होकर विकास किया और आखिर में वे आवामी बन गये। उनमें से कुछ सुधरना चाहते ही न थे, और वे अब भी कीड़े हैं। मनुष्यों का खाने वाले मनुष्य मनुष्यों को न खाने वाले मनुष्यों की अपेक्षा कितनी अधिक लज्जा और घृणा के पात्र हैं। जितना अन्तर कीड़ों और बन्दरों में है उससे भी अधिक अन्तर इन दो कोटियों के मनुष्यों में है।

वह घटना बहुत पुराने युग की है जब सी-या ने चीह और चाउ को खिलाने के लिये अपना पुत्र का मांस पकाया था। इस बात की कल्पना कौन कर सकता था कि पान-कू के पृथ्वी और आकाश का अलग-अलग बाँटने के दिन से लेकर सी-या के पुत्र के समय तक मनुष्य मनुष्य को खाता रहा है ? सी-या के पुत्र के समय से लेकर सू-सू-लिंग के समय तक वे मनुष्य को खाते आये हैं। और सी-सू-लिंग के आने भी उन्होंने मनुष्य को खाना जारी रक्खा है, यहाँ

अगर आपने उस स्थायी विचार से उन्हें छुटकारा मिल जाय तो वे आत्म-वश्वास के साथ अपने काम-काज कर सकते हैं और शान्तिपूर्वक धूम-फिर सकते हैं, खाना खा सकते हैं और सो सकते हैं। तब वे कितने अधिक सुख-चैन में होंगे ! अपनी आदतों में सुधार करने का मतलब होगा एक नई दुनिया में प्रवेश, एक वरें से गुजर कर आगे के एक नये दृश्य का दर्शन !

लेकिन पिता और पुत्र, भाई और बहन, पति और पत्नी, मित्र और शत्रु, अध्यापक और शिष्य और अजनबी — सभी आलसाजी में हैं, एक-दूसरे को बढ़ावा दे रहे हैं, एक-दूसरे को शामिल कर रहे हैं। वे मर जाना पसन्द करेंगे, लेकिन सुधार का एक मामूली कदम नहीं उठावेंगे।

10

प्रान्तकाल तड़के मैं अपने भाई की खोज में निकला। वह हाल के द्वार के सामने खड़े थे और आकाश की ओर देख रहे थे। मैं उनके पीछे जा पहुँचा और रास्ता रोककर मैंने उनसे बड़ा सच्चाई और शान्ति से कहा — 'भाई साहब, मुझे आपसे कुछ कहना है।'

'कह डालो,' जल्दी से धूमकर और अपना सिर हिलाते हुए उन्होंने उत्तर दिया।

'मुझे सिर्फ कुछ शब्द कहने हैं, परन्तु मेरे लिये उन्हें कहना कठिन हो रहा है। भाई साहब, मेरा विचार है कि शुरू में सब असम्य मनुष्य कुछ न कुछ मनुष्य-भक्षी थे। बाद का उनके विचारों में अन्तर हो गया। उनमें से कुछ ने मनुष्यों का खाना छाड़ दिया। अपनी नैतिक अवस्था को सुधारने की प्रबल प्रेरणा से वे मनुष्य बन गये, मेरा मतलब है, वास्तविक मनुष्य। उनमें से कुछ ने मनुष्यों का खाना जारी रक्खा। वे कीड़ों की तरह थे। उन्होंने मछली और बन्दरों की स्थिति से होकर विकास किया और आखिर में वे आवामी बन गये। उनमें से कुछ सुधरना चाहते ही न थे, और वे अब भी कीड़े हैं। मनुष्यों का खाने वाले मनुष्य मनुष्यों को न खाने वाले मनुष्यों की अपेक्षा कितनी अधिक लज्जा और घृणा के पात्र हैं। जितना अन्तर कीड़ों और बन्दरों में है उससे भी अधिक अन्तर इन दो कोटियों के मनुष्यों में है।

वह घटना बहुत पुराने युग की है जब सी-या ने चीह और चाउ को खिलाने के लिये अपना पुत्र का मांस पकाया था। इस बात की कल्पना कौन कर सकता था कि पान-कू के पृथ्वी और आकाश का अलग-अलग बाँटने के दिन से लेकर सी-या के पुत्र के समय तक मनुष्य मनुष्य को खाता रहा है ? सी-या के पुत्र के समय से लेकर सू-सू-लिंग के समय तक वे मनुष्य को खाते आये हैं। और सी-सू-लिंग के आने भी उन्होंने मनुष्य को खाना जारी रक्खा है, यहाँ

नहीं थी, मैंने उससे पूछा—‘क्या मनुष्य-भक्षण ठीक है?’ मुस्कराते हुए ही उसने जवाब दिया—‘इस वर्ष कोई अकाल ता पड़ा नहीं है, फिर मनुष्य-भक्षण की क्या जरूरत?’ मैं फौरन समझ गया कि यह भी जालसाजी में शामिल है। यह भी मनुष्यों का खाना चाहता है, इसलिये मेरी हिम्मत सौ-गुनी बढ़ गई।

मैंने हठ करते हुए फिर वही सवाल पूछा—‘क्या यह ठीक है?’

वह बोला—‘ऐसी चीजों के बारे में पूछने से क्या लाभ? सचमुच आपको मज़ाक करना आता है, आज मौसम बड़ा अच्छा है।’

‘मौसम बड़ा अच्छा है, चन्द्रमा खूब चमकदार है, लेकिन फिर भी मैं आपसे हठ करके पूछता हूँ कि ‘क्या यह ठीक है?’

मेरे हठ करने से वह हड़बड़ा गया और गुनगुनाकर कहा—‘नहीं...’

‘नहीं ठीक है, फिर वे मनुष्यों को क्यों खाते रहते हैं?’
‘यह सच नहीं है।’

‘सच नहीं है! वुल्फ विलेज में उन्होंने यही किया और सब पुरानी किताबों में यह मोटे-मोटे अक्षरों में साफ-साफ लिखा है!’

उसका भाव बदल गया और उसका मुख बदरंग हो गया, आँखें फाड़ कर देखते हुए उसने कहा—‘मुमकिन है कि यह सच हो, ऐसा हमेरा से होता रहा है।’

‘हमेशा से होता रहा है—पर क्या यह ठीक है?’

‘मैं आपके साथ बहस करने नहीं जा रहा हूँ, आप इसका जिक्र न कीजिये, अगर आप जिक्र करते हैं तो शलसी करते हैं।’

मैं उड़ल कर खड़ा हो गया और मैंने उसकी ओर घूर कर देखा, परन्तु तभी वह रायब हो गया, चोटी से एड़ी तक मैं पसीना-पसीना हो गया, उम्र में वह मेरे भाई से कहीं ज्यादा छोटा था, लेकिन फिर भी वह उस जालसाजी में शामिल था, उसके माता-पिता ने उससे ऐसा करने के लिये कहा होगा, और मुझे डर है कि कहीं उसने अपने लड़कों को भी यही शिक्षा न दी हो, इसी से बच्चे भी मेरी ओर क्रूर दृष्टि से देखते हैं।

वे मनुष्यों को खाना चाहते हैं, लेकिन खुद खाये जाने से डरते हैं, वे चौकने होकर चारों ओर सन्देहपूर्ण दृष्टि से देखते हैं।

‘मैंने उससे पूछा—‘क्या मनुष्य-भक्षण ठीक है?’
‘सकते हैं, मैंने जवाब दिया—‘इस वर्ष कोई अकाल ता पड़ा नहीं है, फिर मनुष्य-भक्षण की क्या जरूरत?’
‘मैंने फौरन समझ गया कि यह भी जालसाजी में शामिल है, यह मनुष्यों को खाना चाहता है, इसलिये मेरी हिम्मत सौ-गुनी बढ़ गई।’

मैंने हठ करते हुए फिर वही सवाल पूछा—‘क्या यह ठीक है?’

वह बोला—‘ऐसी चीजों के बारे में पूछने से क्या लाभ? सचमुच आपको मज़ाक करना आता है, आज मौसम बड़ा अच्छा है।’

‘मौसम बड़ा अच्छा है, चन्द्रमा खूब चमकदार है, लेकिन फिर भी मैं आपसे हठ करके पूछता हूँ कि ‘क्या यह ठीक है?’

मेरे हठ करने से वह हड़बड़ा गया और गुनगुनाकर कहा—‘नहीं...’

‘नहीं ठीक है, फिर वे मनुष्यों को क्यों खाते रहते हैं?’
‘यह सच नहीं है।’

‘सच नहीं है! वुल्फ विलेज में उन्होंने यही किया और सब पुरानी किताबों में यह मोटे-मोटे अक्षरों में साफ-साफ लिखा है!’

उसका भाव बदल गया और उसका मुख बदरंग हो गया, आँखें फाड़ कर देखते हुए उसने कहा—‘मुमकिन है कि यह सच हो, ऐसा हमेशा से होता रहा है।’

‘हमेशा से होता रहा है—पर क्या यह ठीक है?’

‘मैं आपके साथ बहस करने नहीं जा रहा हूँ, आप इसका जिक्र न कीजिये, अगर आप जिक्र करते हैं तो शलसी करते हैं।’

मैं उड़ल कर खड़ा हो गया और मैंने उसकी ओर घूर कर देखा, परन्तु तभी वह रायब हो गया, चोटी से एड़ी तक मैं पसीना-पसीना हो गया, उम्र में वह मेरे भाई से कहीं ज्यादा छोटा था, लेकिन फिर भी वह उस जालसाजी में शामिल था, उसके माता-पिता ने उससे ऐसा करने के लिये कहा होगा, और मुझे डर है कि कहीं उसने अपने लड़कों को भी यही शिक्षा न दी हो, इसी से बच्चे भी मेरी ओर क्रूर दृष्टि से देखते हैं।

वे मनुष्यों को खाना चाहते हैं, लेकिन खुद खाये जाने से डरते हैं, वे चौकने होकर चारों ओर सन्देहपूर्ण दृष्टि से देखते हैं।

वे इस मतलब से जाल बिछा रहे हैं कि मैं खुद अपने को मार डालूँ। पिछले दिन के सड़क पर आदमियों के जमाव और अपने भाई के बर्ताव का मिलान करके ही मैं उनकी जालमाछा का लगभग 9/10 भाग समझ गया हूँ। अगर मैं अपनी कमर में बैठी हुई पेटी को खोल लूँ और उसे छत की किसी शहतीर में डाल कर फाँसी लगा लूँ तो इससे अधिक खुशी की दूसरी बात उनके लिये न होगी। मेरा खूब अच्छी तरह से दम घुट जायेगा, वे हत्यारे कहे जाने की बदनामी से भी बच जायेंगे और इसके साथ ही साथ उनके हृदय की इच्छा भी पूरी हो जायगी, सचमुच वे खुशी के मारे नाचेंगे, इसके विरुद्ध, अगर मैं डर या चिन्ता से मर जाऊँ, तो मैं और अधिक दुबला हो जाऊँगा, लेकिन इसे भी वे स्वीकार कर लेंगे।

वे सिर्फ मरे हुए का माँस खा सकते हैं! ज़रा उधरिये— एक बार मैंने एक प्रकार के जानवर के बारे में पढ़ा था, उसे 'लकड़बग्घा' कहते हैं। उसकी आँखें और पूरा शरीर देखने में बड़ा डरावना लगता था, वह अक्सर मरा माँस खाता था और बड़ी से बड़ी हड्डियाँ चबा कर निगल जाता था, उसके बारे में सोचने से ही मुझे डर लगता है, लकड़बग्घा भेड़िये का रिश्तेदार होता है और भेड़ियाँ कुत्ते का, पिछले दिन चाँचो के कुत्ते ने कई बार मेरी आँखें देखा था, उसके दिमाग में भी बड़ी विचार होगा, वह भी इन लोगों में मिला है और उसने भी अपना हिंसा पक्का कर लिया है, वह बुढ़ा आदमी अपनी आँखें बराबर फर्श पर जमाये था, लेकिन उससे मैं धाँखे में नहीं आया।

सबसे अधिक धिक्कार मुझे अपने भाई पर आता है, आखिर वह मनुष्य है, उसे डर क्यों नहीं लगता? मुझे खाने के लिये वह इस जालसाजी में क्यों शामिल हुआ? अभ्यास हो जाने से क्या उसका स्वभाव कठोर हो गया है? इसी से क्या वह इस काम में कोई बुरी बात नहीं देखता? या वह यह जानता है कि वह आराध कर रहा है और जान बूझ कर भी वह अपने अन्तःकरण का आवाज के खिलाफ काम कर रहा है?

पहले तुम्हें और फिर सब मनुष्य भक्षी दानवों को मैं कोसता हूँ! पहले तुम्हें और फिर सब मनुष्य-भक्षी दानवों को मैं बदल दूँगा!

8

अब वे सारे विचार उन्हें साफ-साफ मालूम हो जाने चाहिये.....

अचानक एक नौजवान आदमी मेरे पास आया, उसकी उम्र बीस वर्ष से ज्यादा न रही होगी, मैं उसका चेहरा अच्छी तरह से नहीं देख सका, लेकिन वह मुस्करा रहा था, उसने मुझे देखकर सिर हिलाया, उसकी मुस्कराहट असली

वे इस مطلب से जाल बिछा रहे हैं कि मैं खुद अपने को मार डालूँ। पिछले दिन के सड़क पर आदमियों के जमाव और अपने भाई के बर्ताव का मिलान करके ही मैं उनकी जालमाछा का लगभग 9/10 भाग समझ गया हूँ। अगर मैं अपनी कमर में बैठी हुई पेटी को खोल लूँ और उसे छत की किसी शहतीर में डाल कर फाँसी लगा लूँ तो इससे अधिक खुशी की दूसरी बात उनके लिये न होगी। मेरा खूब अच्छी तरह से दम घुट जायेगा, वे हत्यारे कहे जाने की बदनामी से भी बच जायेंगे और इसके साथ ही साथ उनके हृदय की इच्छा भी पूरी हो जायगी, सचमुच वे खुशी के मारे नाचेंगे, इसके विरुद्ध, अगर मैं डर या चिन्ता से मर जाऊँ, तो मैं और अधिक दुबला हो जाऊँगा, लेकिन इसे भी वे स्वीकार कर लेंगे।

वे सिर्फ मरे हुए का माँस खा सकते हैं! ज़रा उधरिये—

एक बार मैंने एक प्रकार के जानवर के बारे में पढ़ा था, उसे 'लकड़बग्घा' कहते हैं। उसकी आँखें और पूरा शरीर देखने में बड़ा डरावना लगता था, वह अक्सर मरा माँस खाता था और बड़ी से बड़ी हड्डियाँ चबा कर निगल जाता था, उसके बारे में सोचने से ही मुझे डर लगता है, लकड़बग्घा भेड़िये का रिश्तेदार होता है और भेड़ियाँ कुत्ते का, पिछले दिन चाँचो के कुत्ते ने कई बार मेरी आँखें देखा था, उसके दिमाग में भी बड़ी विचार होगा, वह भी इन लोगों में मिला है और उसने भी अपना हिंसा पक्का कर लिया है, वह बुढ़ा आदमी अपनी आँखें बराबर फर्श पर जमाये था, लेकिन उससे मैं धाँखे में नहीं आया।

सबसे अधिक धिक्कार मुझे अपने भाई पर आता है, आखिर वह मनुष्य है, उसे डर क्यों नहीं लगता? मुझे खाने के लिये वह इस जालसाजी में क्यों शामिल हुआ? अभ्यास हो जाने से क्या उसका स्वभाव कठोर हो गया है? इसी से क्या वह इस काम में कोई बुरी बात नहीं देखता? या वह यह जानता है कि वह आराध कर रहा है और जान बूझ कर भी वह अपने अन्तःकरण का आवाज के खिलाफ काम कर रहा है?

पहले तुम्हें और फिर सब मनुष्य भक्षी दानवों को मैं कोसता हूँ! पहले तुम्हें और फिर सब मनुष्य-भक्षी दानवों को मैं बदल दूँगा!

8

अब वे सारे विचार उन्हें साफ-साफ मालूम हो जाने चाहिये.....

अचानक एक नौजवान आदमी मेरे पास आया, उसकी उम्र बीस वर्ष से ज्यादा न रही होगी, मैं उसका चेहरा अच्छी तरह से नहीं देख सका, लेकिन वह मुस्करा रहा था, उसने मुझे देखकर सिर हिलाया, उसकी मुस्कराहट असली

جب میں اور اگے سوچتا ہوں تو اس نکتے پر پہنچتا ہوں کہ اگر یہ بڑھا آدمی جبہ ہوس میں جلا نہیں ہے اور سچ سچ ایک دائرہ میں ہے تو یہی ایسا تو ہے کہ وہ منشیہ بہکشی منشیہ ہے۔ آجکل کے دائروں کے پرکشیہ پتہ پر درشک کی شہ-چین نے 'چری مڑوں پر' نامک جو گزرتہ لکھا ہے اس میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ منشیہ کا مانس نال کر لکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے کیا وہ منشیہ بہکشی منشیہ ہونے سے انکار کر سکتا ہے؟

جہاں تک میرے بھائی کا سوال ہے، میں اس پر جیوتنا اُپر نہیں لگاتا ہوں۔ جب وہ مجھے پراچین کال کا اتہاس پڑھاتے تھے تو انہوں نے خرد کہا تھا کہ منشیہ اپنے 'پتروں کے بدلے میں ان' پا سکتا تھا۔ اور ایک بار ایک دشت منشیہ نے بارے میں بتاتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ اس کی مٹیا کرنا اسے ایک ایسا نرم دند دیتا تھا۔ اس کا نو مارس کہا جاتا تھا چاہے نہ اور اس کی کھال کا کھیل بلوانا چاہئے تھا! اس سمے میں بہت چہرہ تھا اور بہت دیر تک میرا دل دھڑکتا رہا اور پچھلے دن جب دف وایج نامک گلوں کے آسامیوں نے منشیہ کے دل اور جگر کے ٹھانے جانے کی ٹھانی بتائی تو مجھے تک ہوا۔ اس سمے میرا بھائی بنا رکے موٹے گادار ایسا بلانا رہا تھا۔ اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے رچار اب بھی ہلکے پھلے جیسے ہی کر رہے ہیں۔ بدی آپ 'پتروں' کے بدلے میں ٹھانی لے سکتے ہیں تو آپ بدلے میں کچھ بھی لے دے سکتے ہیں۔ آپ کسی کو بھی کھا سکتے ہیں۔ پہلے میں صرف ان کے بھاشن سن رہا تھا اور کسی بھی بات پر پوجہ نادر نہیں کرتا تھا۔ لیکن اب میں سمجھ گیا کہ مجھے بھاشن دیتے سمے ان نے ہونٹوں پر منشیہ کی چربی تو رکھی ہی رہتی تھی، اس کے ساتھ ساتھ ان کا پورا دل بھی منشیہ کو کھانے کے رچاروں سے بھرا رہتا تھا۔

ہر جگہ اُٹھو، میں نہیں جانتا کہ اس سمے دن ہے یا رات۔ چاروں کا کھانا کھاتے ہوئے لگا ہے۔

شہر کی کھڑتا، خارگوش کا ڈرپوکپن، لومبہ کی مکاری...

میں ان کا طریقہ بھلی ہیانت سمجھ گیا ہوں۔ وہ مجھے مٹانے نہیں مارتا چاہئے۔ ان کی ہمت نہیں ہے۔ وہ نکلیں گے تو ہیں۔ اس لئے ان سب نے ملکر ٹٹ بندوں کی ہے اور

अच्छा'. क्या वे सोचते थे कि मैं यह नहीं समझा कि दूसरा भेष धारण किये हुए वह बुढ़ा आदमी वास्तव में एक जल्लाद था. नब्ब देखने के बहाने वह सिर्फ यह पता लगाना चाहता था कि मारे जाने के लिए मैं काफ़ी मंटा हूँ अथवा नहीं. और इस खाम काम के लिये उसे एक टुकड़ा मिलेगा. लेकिन मैं डा नहीं. गोकि मैं उनकी तरह मनुष्य-भक्षा नहीं हूँ तो भी मुझमें उनसे ज्यादा हिम्मत है. मैं अपनी दानों मुट्ठियों बाँधकर बाहर निकाल लीं और इन्ति-जार करने लगा कि देखे' अब आगे वह क्या करता है. बुढ़ा आदमी चुपचाप बैठ गया. उसने अपनी आँखें बन्द कर लीं और बहुत देर तक मेरी नब्ब देखता रहा. वह बहुत देर तक चुप रहा. इसके बाद उसने अपनी दानवी आँखें खोलीं और कहा—'तरह-तरह की बातें न सोचा करो. शान्त रहो और कुछ दिनों तक आराम करो. इससे तुम बिल्कुल अच्छे हो जाओगे.'

'तरह-तरह की बातें न सोचा करो ! शान्त रहो और आराम करो.' आराम करते-करते जब मैं और ज्यादा माटा हो जाऊँगा तब मुझमें उनके खाने के लिये और ज्यादा सामान हा जायगा. इस आराम से मेरा क्या लाभ होगा ? मैं 'बिल्कुल अच्छा' कैसे हो जाऊँगा ? मनुष्यों का वह झुण्ड जा दूसरों का निगल जाना चाहता है, लेकिन जा चारों की तरह सब बात का छिपाने का कांशिरा करता रहता है और जो सीधे-सीधे मारने की हिम्मत नहीं करता है—ये तो मुझे हँसाते-हँसाते मार डालेंगे. मैं अपने को रोक न सका और मेरी हँसी फूट निकली. मैं पूरी तरह से खुश था. मैं स्वयं जानता था कि मेरी हँसी में हिम्मत और सच्ची भावना है. वह बुढ़ा आदमी और मेरे भाई हक्क-बक्का हो गये. मेरी हिम्मत और सच्ची भावना ने उन्हें जीत लिया था.

लेकिन मुझमें हिम्मत है, इस कारण वे मुझे निगलने के लिये और भी अधिक उत्सुक हो जायेंगे, क्योंकि मुझे निगलने पर उन्हें मेरी हिम्मत मिल जायेगी. वह बुढ़ा आदमी द्वार से बाहर चला गया. लेकिन बहुत दूर जान के पहले ही उसने धीमी आवाज में मेरे भाई से कहा—'जल्दी लेना है'. मेरे भाई ने अपना सिर हिलाया. तो आप भी इसमें शामिल हैं ! अपने भाई की साजिश की मुझे आशा न थी, फिर भी मुझे यह जानकर अचरज नहीं हुआ. मुझे खाने की साजिश में मेरा ही भाई है !

मेरा भाई मनुष्य-भक्षी दानव है !

मैं मनुष्य-भक्षी दानव का भाई हूँ !

चाहे मैं खुद ही खा डाला जाऊँ, तो भी मैं एक मनुष्य-भक्षी दानव का भाई ही कहलाऊँगा !

अजब ! क्या वे सोचते थे कि मैं यह नहीं समझा कि दूसरा भेष धारण किये हुए वह बुढ़ा आदमी वास्तव में एक जल्लाद था. नब्ब देखने के बहाने वह सिर्फ यह पता लगाना चाहता था कि मारे जाने के लिए मैं काफ़ी मंटा हूँ अथवा नहीं. और इस खाम काम के लिये उसे एक टुकड़ा मिलेगा. लेकिन मैं डा नहीं. गोकि मैं उनकी तरह मनुष्य-भक्षा नहीं हूँ तो भी मुझमें उनसे ज्यादा हिम्मत है. मैं अपनी दानों मुट्ठियों बाँधकर बाहर निकाल लीं और इन्ति-जार करने लगा कि देखे' अब आगे वह क्या करता है. बुढ़ा आदमी चुपचाप बैठ गया. उसने अपनी आँखें बन्द कर लीं और बहुत देर तक मेरी नब्ब देखता रहा. वह बहुत देर तक चुप रहा. इसके बाद उसने अपनी दानवी आँखें खोलीं और कहा—'तरह-तरह की बातें न सोचा करो. शान्त रहो और कुछ दिनों तक आराम करो. इससे तुम बिल्कुल अच्छे हो जाओगे.'

'तरह-तरह की बातें न सोचा करो ! शान्त रहो और आराम करो.' आराम करते-करते जब मैं और ज्यादा माटा हो जाऊँगा तब मुझमें उनके खाने के लिये और ज्यादा सामान हो जायगा. इस आराम से मेरा क्या लाभ होगा ? मैं 'बिल्कुल अच्छा' कैसे हो जाऊँगा ? मनुष्यों का वह झुण्ड जा दूसरों का निगल जाना चाहता है, लेकिन जा चारों की तरह सब बात का छिपाने का कांशिरा करता रहता है और जो सीधे-सीधे मारने की हिम्मत नहीं करता है—ये तो मुझे हँसाते-हँसाते मार डालेंगे. मैं अपने को रोक न सका और मेरी हँसी फूट निकली. मैं पूरी तरह से खुश था. मैं स्वयं जानता था कि मेरी हँसी में हिम्मत और सच्ची भावना है. वह बुढ़ा आदमी और मेरे भाई हक्क-बक्का हो गये. मेरी हिम्मत और सच्ची भावना ने उन्हें जीत लिया था.

लेकिन मुझमें हिम्मत है, इस कारण वे मुझे निगलने के लिये और भी अधिक उत्सुक हो जायेंगे, क्योंकि मुझे निगलने पर उन्हें मेरी हिम्मत मिल जायेगी. वह बुढ़ा आदमी द्वार से बाहर चला गया. लेकिन बहुत दूर जान के पहले ही उसने धीमी आवाज में मेरे भाई से कहा—'जल्दी लेना है'. मेरे भाई ने अपना सिर हिलाया. तो आप भी इसमें शामिल हैं ! अपने भाई की साजिश की मुझे आशा न थी, फिर भी मुझे यह जानकर अचरज नहीं हुआ. मुझे खाने की साजिश में मेरा ही भाई है !

मेरा भाई मनुष्य-भक्षी दानव है !

मैं मनुष्य-भक्षी दानव का भाई हूँ !

चाहे मैं खुद ही खा डाला जाऊँ, तो भी मैं एक मनुष्य-भक्षी दानव का भाई ही कहलाऊँगा !

نہیں کرتے۔ میں کسے کلہا کر سکتا تھا کہ ان منشیوں کے وچار کیا ہیں، خاص طور پر اس سمے جب کہ دے کسی کو لگانے کی تیاری کر رہے ہوں؟

اب پر تھک و ستم کو سمجھنے کے پورے اس کی جانچ پڑتال کر لینا ضروری ہے۔ بدینی صاف صاف نہیں تو بھی تھوڑا بہت تو مجھے یاد پڑتا ہی ہے کہ پراچین کال سے لیکر آج تک منشیہ انڈیا ہائے گئے ہیں۔ پتہ لگائے کے لئے میں ایک انہاس کی پستک دیکھ رہا تھا، لیکن اس میں تھیں نہیں دی تھیں۔ ہر ایک (بہت بڑے صرف) 'دان'، 'سدا چایا'، 'نیتکتا' اور 'گنی' کے لئے کچھ شدت لکھی تھی۔ میں ہر ایک کو روٹیں بدل رہا تھا، لیکن مجھے نیند نہیں آئی۔ اُدھی رات تک میں پستک میں بڑی سادھانی کے ساتھ چھان بین کرتا رہا۔ تب کہیں میں یہ سمجھ پایا کہ ان شدتوں کے بیچ میں کیا لکھا تھا۔ پوری پستک میں صرف دو ہی شدت تھیں 'منشیہ' و 'کشن'۔

پستک میں دے سب شدت اور آسامیوں دورا کہی گئی دے ساری باتیں منستی ہوئی اپنی ہی بڑی آنکھیں کھول رہی ہیں اور تجھ طرح سے مہری اور دیکھ رہی ہیں۔

میں بھی منشیہ ہوں۔ دے مجھے نکل جانا چاہئے ہوں!

آج پرائے کال میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ تبھی چھوٹے لڑکے نے کہا نا بیچا۔ ترکاریوں کا ایک ٹوکرا اور اُبلتی ہوئی مچھلی کا ایک ٹوکرا۔ مچھلی کی آنکھیں سفید اور کڑی تھیں۔ منشیہ ہیکسی اس جن سمورے کی بھانت ہی اس کا منہ تھا تھا۔ میں نے کچھ لقمے کھا لئے۔ پرستو مجھے یہ پتہ نہ لگا کہ یہ چکنی چیز مچھلی ہے یا منشیہ۔ اس لئے میں نے تمہ کو دی اور اُسے نریش پر اکل دیا۔

میں نے کہا: 'دو' کرہا جا کر میرے بھائی سے کہہ دیجئے کہ میرا من بہت بڑی طرح سے اُوب گیا ہے اور میں باغ میں ٹہلنا چاہتا ہوں! لاؤ دو لے کوئی جواب نہیں دیا۔ دے ہر نکل گئے۔ کچھ سمے بعد دے واپس آئے اور انہوں نے دورا کہو!

واستو میں مہری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ دے میرے ساتھ کیا کرنے جا رہے ہیں۔ لیکن میں یہ سمجھ گیا کہ دے میرے اوپر رکھے گئے اپنے شہ جے کو قہلا کر لے نہیں جا رہے ہیں۔

نستدہ میرے بھائی ایک بڑے آدمی کو بہتر لائے اور وہ دھیرے دھیرے میری اور پڑھا۔ وہ آدمی قہ رہا تھا کہ کہیں میں اس کی آنکھوں کی کرور درشتی نہ دیکھ لوں۔ اسی سے وہ اپنی آنکھوں کو فرس پر جھکا رہا۔ اس نے مجھے اپنی آنکھوں کی کرور سے دیکھا۔ میرے بھائی نے کہا: 'آج تم بالکل تھک مہام' ہوتے ہو۔ میں نے کہا: 'ہاں'۔ اس پر میرے بھائی نے کہا: 'ہم لوگوں نے ڈاکٹر ہو سے آج آکر تمہیں تھک کرنے کے لئے کہا ہے! میں نے کہا: 'بہت

4

4

آج پراٹ:کال میں چوپ چاپ بیٹھا تھا۔ تبھی چن لاآؤ۔ بونے خانا بھجا—ترکاریوں کا ایک کدو اور اُبلتی ہوئی مچھلی کا ایک کدو۔ مچھلی کی آنکھیں سفید اور کڑی تھیں۔ منشیہ ہیکسی اس جن سمورے کی بھانت ہی اس کا منہ تھا تھا۔ میں نے کچھ لقمے کھا لئے۔ پرستو مجھے یہ پتہ نہ لگا کہ یہ چکنی چیز مچھلی ہے یا منشیہ۔ اس لئے میں نے تمہ کو دی اور اُسے نریش پر اکل دیا۔

میں نے کہا—'لاآؤ۔ ب، کپیا جا کر میرے भाई سے کھ دیजिए।' کہ میرا मन बहुत बुरी तरह से ऊब गया है और मैं बारा में टहलना चाहता हूँ। लाआؤ-बू ने कोई जबाब न दिया. वे बाहर निकल गए. कुछ समय बाद वे वापस आए और उन्होंने द्वार खोला.

वास्तव में मेरी समझ में यह न आया कि वे मेरे साथ क्या करने जा रहे थे। लेकिन मैं यह समझ गया कि वे मेरे ऊपर रखे गए अपने शिकरों को ढीला करने नहीं जा रहे हैं. निःसन्देह, मेरे भाई एक बूढ़े आदमी को भीतर लाए. वह धीरे-धीरे मेरी ओर बढ़ा. वह आदमी डर रहा था कि कहीं मैं उसकी आँखों की क्रूर दृष्टि न देख लूँ. इसी से वह अपनी आँखों को फर्श पर मुकाए रहा. उसने मुझे अपनी आँखों की कोरों से देखा. मेरे भाई ने कहा—'आज तुम (बल्कुल ठीक मालूम होते हो.)' मैंने कहा, 'हाँ'. इस पर मेरे भाई ने कहा—'हम लोगों ने डाक्टर से आज आकर तुम्हें ठीक करने के लिये कहा है—'मैंने कहा, 'बहुत

इस पर विरूप मुख वाले मनुष्यों का वह मुण्ड दाँत खालकर जोरों से हँसने लगा. तब चैन लाओ-वू मेरे. पास आये और मुझे खींचकर घर ले गये.

वे मुझे खींचकर घर ले गये. घर के मनुष्यों ने ऐसा रुख अपनाया कि जैसे वे मुझे जानते ही न हों, उनके मुख के भाव वैसे ही थे जैसे कि दूसरे मनुष्यों के. जब मैं अपने पढ़ने-लिखने वाले कमरे में घुस गया तो उन्होंने द्वार पर ताला लगा दिया. ऐसा लग रहा था कि जैसे वे किसी मुर्गी अथवा बतख को कटघरे में बन्द कर रहे हों.

कुछ दिन हुए, बुल्क विलेन नामक गाँव के आसामी यह कहने के लिये आये थे कि उनके घिल्ले में अकाल पड़ा है. उन्होंने मेरे भाई को सूचना दी कि वहाँ गाँव वालों ने एक बड़े बदमाश को मार डाला और इसके बाद उनमें से कुछ एक ने उसे चीरकर उसका हृदय और जिगर निकाल लिया. उन्होंने उन टुकड़ों को तला और उन्हें खा डाला जिससे उनमें हिम्मत पैदा हो. मैं उनके बीच में ही बोल पड़ा. आसामियों और मेरे भाई ने बुरी तरह मेरी आंर देखा. अब मेरी समझ में आया कि उन्होंने मेरी आंर उसी प्रकार देखा था जिस प्रकार बाहर के मुण्ड ने.

जब मैं इसे साचता हूँ तो चांटी से लेकर एड़ी तक सिहर जाता हूँ.

वे उस मनुष्य के भीतरी अङ्ग खा गये. तो क्या वे मुझे न खाजायेंगे ?

उस स्त्री के कथन पर विचार कीजिये, 'जी चाहता है कि तुम्हें कई बार दाँतों से काट खाऊँ.' और इस कथन का उम हँसी अथवा विरूप मुख और खुले हुए दाँतों वाले मनुष्यों के उस मुण्ड तथा आसामियों द्वारा कही गई उस कहानी से मिलान कीजिये. सा. जाहिर है कि ये शब्द एक गुप्त सङ्केत थे. उनके शब्दों में जहर था, उनकी हँसी में कटारें थी. और उनके चमकते हुए सफेद दाँतों की कटारें प्रकट कर रही थीं कि वे मनुष्य-भक्षी दानव हैं.

अब, जैसा कि मैं साचता हूँ, मैं कोई बदमाश नहीं हूँ. लेकिन मुझसे भी कुचिउ का कुत्ता कुचल गया था. इस-लिये अब यह कहना कठिन है. ऐसा लगता है कि उनके दूसरी तरह के विचार हैं. उनकी मैं कल्पना तक नहीं कर सकता. इसके अज्ञात, ज. कभी वे आप से नाराज होंगे तो आपको बदमाश समझने लगेंगे. मुझे वे बातें याद हैं जब मेरे बड़े भाई मुझे निबन्ध लिखना सिखाते थे. जब कभी भले से भले मनुष्य की भी मैं कटु आलोचना करता था तो मेरे भाई उसका अनुमोदन करते थे, और यदि मैं दुष्ट मनुष्यों को क्षमा कर देता था तो वे कहा करते थे कि, 'तुम बड़े भले लड़के हो जो सर्वसाधारण की तरह व्यवहार

इस पर डरपं मम वाले मनुष्यों का वह जेन्ड दान्त फूल के डोरों से सँसने लगा. तब जेन्ड लड़-डोर मेरे पास आये और मुझे कपिच कर गिर ले गये.

वे मुझे कपिच कर गिर ले गये. मगर के मनुष्यों ने ऐसा रुख अपनाया कि जैसे वे मुझे जानते ही न हों. उन के मुख के भाव वैसे ही थे जैसे वे दूसरे मनुष्यों के. जब मैं अपने पढ़ने-लिखने वाले कमरे में घुस गया तो उन्होंने द्वार पर ताला लगा दिया. ऐसा लग रहा था कि जैसे वे किसी मनुष्य को कटघरे में बन्द कर रहे हों.

कुछ दिन हुए, बुल्क विलेन नामक गाँव के आसामी यह कहने के लिये आये थे कि उनके घिल्ले में अकाल पड़ा है. उन्होंने मेरे भाई को सूचना दी कि वहाँ गाँव वालों ने एक बड़े बदमाश को मार डाला और इसके बाद उनमें से कुछ एक ने उसे चीरकर उसका हृदय और जिगर निकाल लिया. उन्होंने उन टुकड़ों को तला और उन्हें खा डाला जिससे उनमें हिम्मत पैदा हो. मैं उनके बीच में ही बोल पड़ा. आसामियों और मेरे भाई ने बुरी तरह मेरी आंर देखा. अब मेरी समझ में आया कि उन्होंने मेरी आंर उसी प्रकार देखा था जिस प्रकार बाहर के मुण्ड ने.

जब मैं इसे साचता हूँ तो चांटी से लेकर एड़ी तक सिहर जाता हूँ.

वे उस मनुष्य के भीतरी अङ्ग खा गये. तो क्या वे मुझे न खाजायेंगे ?

उस स्त्री के कथन पर विचार कीजिये, 'जी चाहता है कि तुम्हें कई बार दाँतों से काट खाऊँ.' और इस कथन का उम हँसी अथवा विरूप मुख और खुले हुए दाँतों वाले मनुष्यों के उस मुण्ड तथा आसामियों द्वारा कही गई उस कहानी से मिलान कीजिये. सा. जाहिर है कि ये शब्द एक गुप्त सङ्केत थे. उनके शब्दों में जहर था, उनकी हँसी में कटारें थी. और उनके चमकते हुए सफेद दाँतों की कटारें प्रकट कर रही थीं कि वे मनुष्य-भक्षी दानव हैं.

سات آدمی اور بھی تھے۔ جو میرے بارے میں کتنا پیوستی کر رہے تھے۔ یہ تو رہے تھے کہ کہیں میں انہیں دیکھ نہ لیں۔ سڑک کے سارے آدمی دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک خاص طور سے کروڑ تھا۔ وہ میرے مہری اور دیکھ کر منہ پہاڑ کر ہنسا۔ میں جوئی سے لے کر ابڑی تک کانپ اٹھا۔ میں جانتا ہوں کہ انہوں نے پوری تیاری کر لی ہے۔

لیکن میں ڈرا نہیں۔ میں نے سڑک پر گھومنا جاری رکھا۔ وہاں بچوں کا ایک جھنڈ تھا۔ وہ بھی میرے بارے ہی میں باتیں کر رہا تھا۔ ان کے منہ کا پہاڑ ویسا ہی تھا جیسا کہ بڑے چاؤ کا۔ ان کے منہ روپ تھے۔ میں -وجہ لگا 'جوئے بچوں سے میری کیا دشمنی ہے جس سے یہ بھی اس پر کر کے ہوں؟' برہنس میں چلا اٹھا، 'تم لوگ مجھے بتاؤ! اس پر دے سب بھاگ گئے۔

میں سوچنے لگا، 'بڑے چاؤ اور مجھ میں کیا دشمنی ہے؟' مجھ میں اور سڑک کے منشدوں میں کیا دشمنی ہے؟' سوچنے لگا۔ اس کے بڑے ورش پرور مجھ سے شری کو-چو کا کتا کچل گیا تھا اور اس سے شری کو-چو بہت چڑھ گئے تھے۔ گوکہ بڑا چاؤ انہیں نہیں جانتا تو بھی اس نے اس کے بارے میں سنا ہوا اور اسی ایمان کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ اسی نے سڑک کے منشدوں کو میرا شہر بڑا دیا ہے۔ پرنسٹو بچوں کے بارے میں کیا کہا جائے؟ اس سے تو دے پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ پورے میری طرف آنکھ پہاڑ پہاڑ کر کھڑے ہوں جیسے کہ دے مجھ سے کرتے ہوں اٹھا اسی سے میں ڈرتا ہوں۔ اسی سے مجھے بے حد اچرج اور دکھ ہوتا ہے۔

اب میں سمجھ گیا—ان کے ماتا-پیتا نے انہیں ایسا برتاؤ کرنے کے لئے کیا ہے!

3

3

رات کو میں سو نہیں پاتا ہوں۔ کسی بات کو سمجھنے کے لئے پہلے اس پر چہان بدن کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ وہ منشیہ—ان میں کچھ کم مستریٹ نے دند دیکھ میں، کچھ جن سادھارن دوارا چانگے کھا چکے ہیں، کچھ کی پٹلیاں سادھارن کوئی کے منشیوں کی گالیاں کھا چکی ہیں، کچھ کے ماتا پیتا مہاجنوں (رنگر دانٹوں) دوارا مار ڈالے گئے ہیں؛ لیکن انہی بڑی بڑی مصیبتوں کے سہ بھی یہ ایسے تڑالے نہیں دیکھائی دیتے جیسے کہ کل دیکھائی دے رہے تھے—اور اس سے نہ تو یہ اٹلے کروڑ ہی تھے۔

کل سڑک پر سب سے بڑا آدمی تو وہ استری تھی۔ اس نے یہ کہتے ہوئے اپنے لڑکے کو چانگنا مارا، 'چانگنا ہے کہ تجھے کئی بار دانٹوں سے کاٹ لیاں۔ تبھی میرا غصہ شانت ہوگا۔ لیکن جب وہ یہ کہتے رہی تھی تب میری اور دیکھ رہی تھی۔

سات آدمی اور بھی تھے۔ جو میرے بارے میں کتنا پیوستی کر رہے تھے۔ یہ تو رہے تھے کہ کہیں میں انہیں دیکھ نہ لیں۔ سڑک کے سارے آدمی دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک خاص طور سے کروڑ تھا۔ وہ میرے مہری اور دیکھ کر منہ پہاڑ کر ہنسا۔ میں جوئی سے لے کر ابڑی تک کانپ اٹھا۔ میں جانتا ہوں کہ انہوں نے پوری تیاری کر لی ہے۔

لیکن میں ڈرا نہیں۔ میں نے سڑک پر گھومنا جاری رکھا۔ وہاں بچوں کا ایک جھنڈ تھا۔ وہ بھی میرے بارے ہی میں باتیں کر رہا تھا۔ ان کے منہ کا پہاڑ ویسا ہی تھا جیسا کہ بڑے چاؤ کا۔ ان کے منہ روپ تھے۔ میں -وجہ لگا 'جوئے بچوں سے میری کیا دشمنی ہے جس سے یہ بھی اس پر کر کے ہوں؟' برہنس میں چلا اٹھا، 'تم لوگ مجھے بتاؤ! اس پر دے سب بھاگ گئے۔

میں سوچنے لگا، 'بڑے چاؤ اور مجھ میں کیا دشمنی ہے؟' مجھ میں اور سڑک کے منشدوں میں کیا دشمنی ہے؟' سوچنے لگا۔ اس کے بڑے ورش پرور مجھ سے شری کو-چو کا کتا کچل گیا تھا اور اس سے شری کو-چو بہت چڑھ گئے تھے۔ گوکہ بڑا چاؤ انہیں نہیں جانتا تو بھی اس نے اس کے بارے میں سنا ہوا اور اسی ایمان کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ اسی نے سڑک کے منشدوں کو میرا شہر بڑا دیا ہے۔ پرنسٹو بچوں کے بارے میں کیا کہا جائے؟ اس سے تو دے پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ پورے میری طرف آنکھ پہاڑ پہاڑ کر کھڑے ہوں جیسے کہ دے مجھ سے کرتے ہوں اٹھا اسی سے میں ڈرتا ہوں۔ اسی سے مجھے بے حد اچرج اور دکھ ہوتا ہے۔

اب میں سمجھ گیا—ان کے ماتا پیتا نے انہیں ایسا برتاؤ کرنے کے لئے کیا ہے!

दिया और आश्वासन देते हुए पुनः सूचित किया कि अब उसका भाई बिल्कुल ठीक हो गया है और इस समय दफ्तर के एक काम से बाहर गया है। इसके बाद वह खिल-खिलाकर हँस पड़ा और उसने मुझे अपने भाई की वह डायरी दिखाई जिसे वह अरने पागलपन में लिखा करता था। शायद यह डायरी मेरे मित्रों की रुचि का विषय बन सके। यह कहते हुए उसने मुझे वह डायरी दे दी।

मैं पढ़ने के लिये डायरी घर ले आया। मुझे उससे पता चला कि मेरे मित्र को 'परिपीडन-भ्रम' का रोग था। डायरी की भाषा में न स्पष्टता थी और न क्रम, स्थान-स्थान पर उसमें बेलगाम और बे सिर-पैर की बात लिखी थीं। डायरी में कहीं पर भी तारीख न थी और न उसकी स्याही अथवा लेख ही एक से थे। इन बातों से मैं इस नतीजे पर पहुँचा कि यह एक साँस में एक ही बार बैठकर नहीं लिखी गई थी। परन्तु फिर भी सम्पूर्ण डायरी में एक तुक, एक तथ्य, दिखाई देता है। इसी से मैं उस डायरी की एक नक़ल तैयार कर रहा हूँ। इसे मैं दिमागी रोगों के विशेषज्ञों के सामने रखना चाहता हूँ। डायरी में लिखे हुए मनुष्यों के नामों का ही मैंने बदला है, गोकि वे सभी नाम मेरे गाँव के मनुष्यों के ही थे जिन्हें बाहर की दुनिया का कोई भी मनुष्य नहीं जानता। इनके अलावा डायरी का एक शब्द भी मैंने नहीं बदला। इससे डायरी के शेष मूल में कोई अन्तर नहीं आया है। जहाँ-तक इसके शीर्षक का प्रश्न है, उसे स्वयं मेरे मित्र ने बीमारी से छुटकारा मिलने के बाद दिया है और उसे बदलने का कोई कारण नहीं दिखाई देता।

❀

❀

❀

2 अप्रैल

गणतन्त्र का सातवाँ वर्ष

(अर्थात् 1918)

आज शाम का चन्द्रमा बड़ा चमकदार है। इस प्रकार का चन्द्रमा मैंने पिछले 20 वर्षों में नहीं देखा। आज इसे मैंने देखा और इससे मुझे एक अजीब ताजगी का अनुभव हुआ। तब मुझे झट झट कि मेरे बीसे हुए जीवन के तीस वर्ष से ज्यादा का समय सिर्फ एक सपना रहा है। लेकिन मुझे बहुत ही होशियार रहना चाहिए। नहीं तो—नहीं तो चाँचों के कुत्ते ने मेरी तरफ इस प्रकार क्यों दृष्टा ? और कई धार!

2

आज रात को चन्द्रमा नहीं निकल। मैं जानता हूँ कि कुछ अनिष्ट होने वाला है। आज सबरे बाहर जाते समय मैं बड़ा सावधान था। बड़े चाँचों की मुख-मुद्रा बड़ी अजीब थी। वह मुझसे डरा हुआ सा मालूम होता था, जैसे कि वह मेरी कुछ हानि करना चाहता हो। उसके अलावा छः—

मा और आश्वासन दिते हुये बने सोचत क्या के अब अस का भाई बिल्कुल ठीक हो गया है और इस समय दफ्तर के एक काम से बाहर गया है। इसके बाद वह खिल-खिलाकर हँस पड़ा और उसने मुझे अपने भाई की वह डायरी दिखाई जिसे वह अरने पागलपन में लिखा करता था। शायद यह डायरी मेरे मित्रों की रुचि का विषय बन सके। यह कहते हुए उसने मुझे वह डायरी दे दी।

मैं पढ़ने के लिये डायरी घर ले आया। मुझे उससे पता चला कि मेरे मित्र को 'परिपीडन-भ्रम' का रोग था। डायरी की भाषा में न स्पष्टता थी और न क्रम, स्थान-स्थान पर उसमें बेलगाम और बे सिर-पैर की बात लिखी थीं। डायरी में कहीं पर भी तारीख न थी और न उसकी स्याही अथवा लेख ही एक से थे। इन बातों से मैं इस नतीजे पर पहुँचा कि यह एक साँस में एक ही बार बैठकर नहीं लिखी गई थी। परन्तु फिर भी सम्पूर्ण डायरी में एक तुक, एक तथ्य, दिखाई देता है। इसी से मैं उस डायरी की एक नक़ल तैयार कर रहा हूँ। इसे मैं दिमागी रोगों के विशेषज्ञों के सामने रखना चाहता हूँ। डायरी में लिखे हुए मनुष्यों के नामों का ही मैंने बदला है, गोकि वे सभी नाम मेरे गाँव के मनुष्यों के ही थे जिन्हें बाहर की दुनिया का कोई भी मनुष्य नहीं जानता। इनके अलावा डायरी का एक शब्द भी मैंने नहीं बदला। इससे डायरी के शेष मूल में कोई अन्तर नहीं आया है। जहाँ-तक इसके शीर्षक का प्रश्न है, उसे स्वयं मेरे मित्र ने बीमारी से छुटकारा मिलने के बाद दिया है और उसे बदलने का कोई कारण नहीं दिखाई देता।

❀

❀

❀

2 अप्रैल

गणतन्त्र का सातवाँ वर्ष

(अर्थात् 1918)

आज शाम का चन्द्रमा बड़ा चमकदार है। इस प्रकार का चन्द्रमा मैंने पिछले 20 वर्षों में नहीं देखा। आज इसे मैंने देखा और इससे मुझे एक अजीब ताजगी का अनुभव हुआ। तब मुझे झट झट कि मेरे बीसे हुए जीवन के तीस वर्ष से ज्यादा का समय सिर्फ एक सपना रहा है। लेकिन मुझे बहुत ही होशियार रहना चाहिए। नहीं तो—नहीं तो चाँचों के कुत्ते ने मेरी तरफ इस प्रकार क्यों दृष्टा ? और कई धार!

2

आज रात को चन्द्रमा नहीं निकल। मैं जानता हूँ कि कुछ अनिष्ट होने वाला है। आज सबरे बाहर जाते समय मैं बड़ा सावधान था। बड़े चाँचों की मुख-मुद्रा बड़ी अजीब थी। वह मुझसे डरा हुआ सा मालूम होता था, जैसे कि वह मेरी कुछ हानि करना चाहता हो। उसके अलावा छः—

“مگر اس بیچ میں کہاں تم؟”

کئی شہروں کے نام انہوں نے بتائے—کچھ اس طرح گویا بہت پہلے بھولی کسی بات کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اور اس بیچ برباد کسی بات کی طرح سارے کمرے میں بذر ذرا ہی آواز لگے چکر کاٹتی رہیں۔

“وہ دھماکا کہاں سے ملی؟”

“میں نے ہی بنا دی ہے۔ اپنے سارے کپڑے میں ہی بناتی

یہ سوچ کر مجھے اچھا لگ رہا تھا کہ وہ اوروں سے مختلف ہیں۔ لیکن اس میں بھی تھا کہ وہ بولتی بہت ہی کم تھیں۔ جب تک میں کچھ پوچھتا نہیں تھا تب تک عموماً وہ چہلی ہی سامنے دیتی تھیں۔

اب وہ پھر آکر میرے پاس کوچ پر بیٹھ گئیں اور چپ چاپ ایک دوسرے سے چپقلے ہم دونوں اسی طرح بیٹھے رہے—جب تک کہ نانا-نانی لوٹ نہیں آئے۔ وہ لوگ جب آئے تب ان میں سے موم اور دھوپ بتی کی مہک آ رہی تھی اور ایک عجیب سی سنجیدگی اور مہاس تھی ان کے ہر تڑپ میں۔

رات کا کھانا ہم لوگوں نے دھواڑوں کے دن کی طرح کھایا—ویسی ہی سنجیدگی کے ساتھ اور کھاتے وقت بہت ہی کم بولے اور اپنے دھیرے دھیرے گویا بہت ہی ہلکی فینک کرنی سو یا ہر اے جس کے جگ جانے کا تر ہے۔

—انوادک، شری سومنکل پرکاش۔

“مگر اس بیچ میں کہاں تم؟”

کئی شہروں کے نام انہوں نے بتائے—کچھ اس طرح گویا بہت پہلے بھولی کسی بات کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اور اس بیچ برباد کسی بات کی طرح سارے کمرے میں بذر ذرا ہی آواز لگے چکر کاٹتی رہیں۔

“وہ دھماکا کہاں سے ملی؟”

“میں نے ہی بناتی ہے۔ اپنے سارے کپڑے میں ہی بناتی

ہوں۔”

یہ سوچ کر مجھے اچھا لگ رہا تھا کہ وہ اوروں سے مختلف ہیں۔ لیکن اس میں بھی تھا کہ وہ بولتی بہت ہی کم تھیں۔ جب تک میں کچھ پوچھتا نہیں تھا تب تک عموماً وہ چہلی ہی سامنے دیتی تھیں۔

اب وہ پھر آکر میرے پاس کوچ پر بیٹھ گئیں اور چپ چاپ ایک دوسرے سے چپقلے ہم دونوں اسی طرح بیٹھے رہے—جب تک کہ نانا-نانی لوٹ نہیں آئے۔ وہ لوگ جب آئے تب ان میں سے موم اور دھوپ بتی کی مہک آ رہی تھی اور ایک عجیب سی سنجیدگی اور مہاس تھی ان کے ہر تڑپ میں۔

رات کا کھانا ہم لوگوں نے دھواڑوں کے دن کی طرح کھایا—ویسی ہی سنجیدگی کے ساتھ اور کھاتے وقت بہت ہی کم بولے اور اپنے دھیرے دھیرے گویا بہت ہی ہلکی فینک کرنی سو یا ہر اے جس کے جگ جانے کا تر ہے۔

—انوادک، شری سومنکل پرکاش۔

ایک پاگل آدمی کی ڈायری

شری لونی سن

دو بھائی تھے۔ یہاں ان کے نام بتانا ضروری نہیں ہیں۔ مثال اسکیل میں وہ دونوں میرے گہرے دوست رہ چکے تھے۔ لیکن اندر بچپن بہت ورشو سے ہم لوگ الگ الگ ہو گئے تھے۔ اس سے ان دونوں بھائیوں کے بارے میں ملنے والے سماچار بھی برباد ہو گئے۔ لیکن کچھ دن پہلے اچانک مجھے خبر ملی کہ ان میں سے ایک بہت بیمار ہو گیا تھا۔ اس لئے جب میں اپنی جنم بھومی واپس آیا تو شمشیر انہیں دیکھنے گیا۔ وہاں بڑے بھائی نے میرا سواگت کیا اور یہ بتایا کہ اس کا چھوٹا بھائی بیمار تھا۔ اپنے گھر پر آنے کے لئے اس نے مجھے دھندلوان

ایک پاگل آدمی کی ڈायری

شری لونی سن

دو بھائی تھے۔ یہاں ان کے نام بتانا ضروری نہیں ہیں۔ مثال اسکیل میں وہ دونوں میرے گہرے دوست رہ چکے تھے۔ لیکن اندر بچپن بہت ورشو سے ہم لوگ الگ الگ ہو گئے تھے۔ اس سے ان دونوں بھائیوں کے بارے میں ملنے والے سماچار بھی برباد ہو گئے۔ لیکن کچھ دن پہلے اچانک مجھے خبر ملی کہ ان میں سے ایک بہت بیمار ہو گیا تھا۔ اس لئے جب میں اپنی جنم بھومی واپس آیا تو شمشیر انہیں دیکھنے گیا۔ وہاں بڑے بھائی نے میرا سواگت کیا اور یہ بتایا کہ اس کا چھوٹا بھائی بیمار تھا۔ اپنے گھر پر آنے کے لئے اس نے مجھے دھندلوان

और कुछ देर तक वह संजीवनी और कड़ाई के साथ मुझमें बातें करती रही; लेकिन उन्होंने जो कुछ कहा वह मेरी समझ में नहीं आया और वह उठ खड़ी हुई और अपनी ठाड़ी पर उँगलियाँ मारती हुई कमरे में टहलने लगी—उनकी घनी भौंहें कभी तन जातीं, कभी ढीली पड़ जातीं।

मेज पर जलती हुई मोमबत्ती पिघलती चली जा रही थी और शीशे में उसका अक्स जगमगा रहा था, फर्श पर काली-काली परछाइयाँ लोंढ रही थीं, कोने में मूर्ति के आगे रोशनी जल रही थी और बर्फ से ढकी हुई खिड़कियों के शीशों पर चाँदनी ने चाँदी कर दी थी। माँ चारों तरफ इस तरह देख रही थीं गोया नज़्मी दीवारों या छत पर कुछ ढूँढ़ रही हों।

“सोने का क्या वक्त है तेरा?”

“थोड़ी देर और रहने दो मुझे यहाँ!”

“ओ हाँ, आज दिन में भी तो थोड़ा सो लिया है”, उन्हें याद आया।

“वया तुम फिर चली जाना चाहती हो?” मैं उनसे पूछ बैठा।

“कहाँ?” वह चौंक सी पड़ी, और मेरा सिर ऊपर को उठाकर मेरी तरफ इतनी देर तक ताकती रहीं कि मेरी आँखों में आँसू आ गये।

“क्या बात है रे?” उन्होंने पूछा।

“गरदन दुख रही है”।

दिल भी दुख रहा था मेरा, क्योंकि यकायक मैं यह समझ गया था कि वह हमारे घर नहीं रहेंगी और फिर चली जायेंगी।

“अपने बाप-सा होता जा रहा है तू”, पायदान को ठोकर से एक तरफ को हटाते हुए वह बोलीं। “उनके बारे में कुछ बताया है तुम्हें—तेरों नानी ने?”

“हाँ”।

“वह मैकिसस को बहुत प्यार करती थीं—बहुत ही ज्यादा. और वह भी उन्हें प्यार करते थे—”

“मैं जानता हूँ”।

माँ मोमबत्ती की तरफ देखने लगी और उनकी भौंहें सिकुड़ गईं. फिर उन्होंने उसे बुझा दिया और कहा—“अब ठीक है”।

सचमुच इससे हवा में ताजगी और उम्दगी आ गई, और काली-काली परछाइयाँ साफ हो गईं. लगह-जगह फर्श पर तेज दूधिया रोशनी बिखर गई और खिड़की के शीशों पर सुनहरे दाने चमक उठे।

اور کچھ دیر تک وہ سنجیدگی اور کڑائی کے ساتھ سمجھ باتیں کرتی رہیں؛ لیکن انہوں نے جو کچھ کہا وہ میری سمجھ میں نہیں آیا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنی ٹھوڑی پر انگلیاں مارتی ہوئیں کمرے میں ٹہلنے لگیں—اُن کی کھلی ہونٹیں کبھی تن جانیوں، کبھی تھیلی پر جانیوں۔

میز پر جلتی ہوئی موم بٹی پکھلتی چلی جا رہی تھی اور شیشے میں اُس کا عکس جگمگا رہا تھا، فرش پر کالی کالی پوچھائیاں لوت رہی تھیں۔ کونے میں سورتی کے آگے روشنی جل رہی تھی اور برف سے ڈھکی ہوئی کھڑکیوں کے شیشوں پر چاندنی نے چاندی کر دی تھی۔ ماں چاروں طرف اِس طرح دیکھ رہی تھیں گویا نئی دیواروں یا چھت پر کچھ ڈھونڈ رہی ہوں۔

”سوئے کا کیا وقت ہے تیرا؟“

”ٹھوڑی دیر اور رہنے دو مجھے یہاں!“

”او ہاں، آج دن میں یہی تو تھوڑا سو لیا ہے“ انہیں یاد آیا۔

”کیا تم پھر چلی جانا چاہتی ہو؟“ میں اُن سے پوچھا بیٹھا۔

”نہاں؟“ وہ چونک سی پڑیں، اور مبرا مبرا اُپر کر اُٹھا کر میری طرف اتنی دیر تک ناکی رہیں کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”کیا بات ہے رے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”گردن دکھ رہی ہے“۔

دل بھی دکھ رہا تھا مبرا، کھونٹے یکایک میں یہ سمجھ گیا تھا کہ وہ ہمارے گھر نہیں رہیں گی اور پھر چلی جائیں گی۔

”اپنے باپ-سا ہوتا جا رہا ہے تو“، چاندان کو ٹھوڑ سے ایک طرف کو ہٹاتے ہوئے وہ بولیں—”اُن کے بارے میں کچھ بتایا ہے تجھے—تیری نانی نے“۔

”ہاں“۔

”وہ میکسس کو بہت پیار کرتی تھیں—بہت ہی زیادہ۔

اور وہ بھی انہیں پیار کرتے تھے—“

”میں جانتا ہوں“۔

ماں موم بٹی کی طرف دیکھنے لگیں اور اُن کی ہونٹیں سبز گئیں۔ پھر انہوں نے اُسے بچھا دیا اور کہا—”اب ٹھیک ہے“۔

سچ سچ اِس سے ہوا میں تازگی اور عمدگی آ گئی، اور کالی کالی پوچھائیاں غائب ہو گئیں۔ کچھ کچھ فرش پر تیز دودھیا روشنی بکھر گئی اور کھڑکی کے شیشوں پر سنہرے دانے چمک اُٹھے۔

شام کو نانا جی اور نانی اپنی مہربانی سے بڑا پوٹا پھانسی پر لٹا کر دیا۔ نانا جی نے کہا کہ ”میں نے تم کو دیکھا ہے“ اور نانی نے کہا کہ ”میں نے تم کو دیکھا ہے“۔

جب ماں کے کمرے میں ان کے ساتھ بیٹے کے ساتھ بیٹھے تھے تو ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے تھے ”اچھا بھلا لکھا“۔

”کیسا لکھا ہے مجھے یہاں؟“ کیا سوال تھا یہ! میں جواب دیا۔

”نانا جی بیٹھے تھے مجھے“ کہوں؟

”اب اتنا نہیں بیٹھے!“

”اگر؟“ اچھا، اب مجھے اپنی ساری باتیں سننا۔ جو کچھ

نانا جی کے بارے میں میں ان سے کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا۔

اس لئے میں انہیں اس بڑے آدمی کی باتیں سناتے لگا جو

اوپر کی کونوی میں رہا کرتا تھا اور جو کسی کو بھی اچھا

نہیں لکھا تھا اور نانا جی نے جسے نکال دیا تھا۔ پر میں سمجھ

گیا کہ یہ باتیں انہیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں، کیونکہ وہ

بولیں۔ ”تھوڑا“ اور باتیں سننا۔

ان دن لوگوں کی بات مہربانی اور کس طرح اس کزن

نے اپنے احاطے میں مجھے نکال باہر دیا تھا۔ یہ بھی سنایا۔ اور یہ

سب سنیے سنئے آہوں نے مجھے اپنی باتیں سنیں اور میں

کس لیا۔

”یہ کیا ہوتا؟“ ان کی ”نہیں“ اور ”ایک منٹ تک“

”نانا جی کیوں بڑے تھے تم سے؟“ میں نے پوچھا۔

”کیونکہ میں غلطی کی ہے،“ ان کے جواب سے۔

”کہ اس بچے کو یہاں نہیں لائیں تم؟“

وہ گویا آسمان سے گریں۔ ایکنم چونک پڑیں، ہونہیں

سکڑ گئیں اور اپنے ہونٹ کاٹھ لگیں۔ پھر قہقہہ مار کر ہنس

پڑیں اور مجھے اور بھی کس کو چھٹا کے بولیں۔ ”تو تو بڑا

شیطان ہے۔ دیکھ خیردار،“ کہی کسی سے نہیں کہنا یہ بات

سمجھا؟ کہی میں نے نہ نکلے۔ بس“ بول ہی جا کہ کہی

یہ بات سنی تھی۔

अब मैं अपने को रोक नहीं सका—मेरे आँसू किसी तरह भी नहीं रुक रहे थे—और मैं तन्दूर पर से नीचे कूट पड़ा और उनके पास दौड़ गया। मेरी आँखों से खुरी के आँसू बह रहे थे—यह देखकर कि इतनी अजीब और गहरी मोहब्बत के साथ नाना-नानी एक दूसरे से गुप्तगू कर रहे हैं और मेरे आँसू इसलिये भी बह रहे थे कि उनकी बातें सुनकर मुझे रंज हो रहा था, और इसलिए भी कि मेरी माँ आ गई थी और फिर आखिर में इसलिये भी कि उन्होंने मुझे—आँसुओं समेत लेकर अपनी छाती से लगा लिया, उन्होंने मुझे कसकर चिपटा लिया और मेरे साथ खुद भी रोने लगे।

बड़ी धीमी आवाज में बुदबुदाते हुए से नाना जी मुझसे कहने लगे—“ता तू यहाँ था, शैतान की दुम ! ले, तेरी माँ फिर आ गई है और अब तो हमेशा तू उसी के पीछे लगा फिरेगा न, क्या ? और बूढ़े खूसट नाना जी अब जाँय भाड़ में ! है न यही बात ? और नानी ने तो बिल्कुल चौपट ही कर दिया है तुम्हें...सो वह भी नहीं चाहिये अब—क्यों ? धत तेरे की !”

हमें हटाकर वह उठ खड़े हुए और ऊँची आवाज में गुस्से के साथ बोले—सबके सब छोड़ते जा रहे हैं हमें—सब मुँह फेरे ले रहे हैं हमारी तरफ से—ता फिर बुला लाओ उसे अब, देर क्यों करती हो ? जल्दी करो !”

नानी बाबरचीखाने से चली गई, और नाना जी कोने में जाकर सिर झुकाए खड़े हो गए।

“या खुदाए करीम !” उन्होंने बुदबुदाना शुरू किया—“देख—तू तो हमारे दिल की सब जानता है !” और अपने सीने पर उन्होंने एक घूँसा मारा।

यह सब मुझे अच्छा नहीं लगा। असल में खुदा से दुआ करने का उनका तरीका ही मुझे बहुत बुरा लगता था, क्योंकि अपने बनाने वाले के आगे भी गोया वह अपने ही को बड़ा समझते थे।

जब माँ अन्दर आई तब उनकी लाल पोशाक से सारा बाबरचीखाना रोशन हो गया, और जब वह मेज के आगे नाना जी और नानी के बीच में बैठ गई तब उनकी पोशाक की चौड़ी-चौड़ी ढोली बाँहें नाना जी और नानी जी के कन्धों पर लहराने लगीं। वह अहिस्ता-अहिस्ता संजीदगी के साथ कुछ सुनाने लगीं, और वे दोनों भी चुपचाप, बीच में दखल देने की कांशिरा किए बगैर, इस तरह मेरी माँ की बात सुनने लगे गोया वही उनकी माँ है और वे उनके बच्चे !

जोश के सबब से मैं इतना थक गया था कि कोच पर - बैठे-बैठे ही मुझे गहरी नींद आ गई।

अब मैं अपने को रोक नहीं सका—मेरे आँसू किसी तरह भी नहीं रुक रहे थे—और मैं तन्दूर पर से नीचे कूट पड़ा और उनके पास दौड़ गया। मेरी आँखों से खुरी के आँसू बह रहे थे—यह देखकर कि इतनी अजीब और गहरी मोहब्बत के साथ नाना-नानी एक दूसरे से गुप्तगू कर रहे हैं और मेरे आँसू इसलिये भी बह रहे थे कि उनकी बातें सुनकर मुझे रंज हो रहा था, और इसलिए भी कि मेरी माँ आ गई थी और फिर आखिर में इसलिये भी कि उन्होंने मुझे—आँसुओं समेत लेकर अपनी छाती से लगा लिया, उन्होंने मुझे कसकर चिपटा लिया और मेरे साथ खुद भी रोने लगे।

बड़ी धीमी आवाज में बुदबुदाते हुए से नाना जी मुझसे कहने लगे—“ता तू यहाँ था, शैतान की दुम ! ले, तेरी माँ फिर आ गई है और अब तो हमेशा तू उसी के पीछे लगा फिरेगा न, क्या ? और बूढ़े खूसट नाना जी अब जाँय भाड़ में ! है न यही बात ? और नानी ने तो बिल्कुल चौपट ही कर दिया है तुम्हें...सो वह भी नहीं चाहिये अब—क्यों ? धत तेरे की !”

हमें हटाकर वह उठ खड़े हुए और ऊँची आवाज में गुस्से के साथ बोले—सबके सब छोड़ते जा रहे हैं हमें—सब मुँह फेरे ले रहे हैं हमारी तरफ से—ता फिर बुला लाओ उसे अब, देर क्यों करती हो ? जल्दी करो !”

नानी बाबरचीखाने से चली गई, और नाना जी कोने में जाकर सिर झुकाए खड़े हो गए।

“या खुदाए करीम !” उन्होंने बुदबुदाना शुरू किया—“देख—तू तो हमारे दिल की सब जानता है !” और अपने सीने पर उन्होंने एक घूँसा मारा।

यह सब मुझे अच्छा नहीं लगा। असल में खुदा से दुआ करने का उनका तरीका ही मुझे बहुत बुरा लगता था, क्योंकि अपने बनाने वाले के आगे भी गोया वह अपने ही को बड़ा समझते थे।

जब माँ अन्दर आई तब उनकी लाल पोशाक से सारा बाबरचीखाना रोशन हो गया, और जब वह मेज के आगे नाना जी और नानी के बीच में बैठ गई तब उनकी पोशाक की चौड़ी-चौड़ी ढोली बाँहें नाना जी और नानी जी के कन्धों पर लहराने लगीं। वह अहिस्ता-अहिस्ता संजीदगी के साथ कुछ सुनाने लगीं, और वे दोनों भी चुपचाप, बीच में दखल देने की कांशिरा किए बगैर, इस तरह मेरी माँ की बात सुनने लगे गोया वही उनकी माँ है और वे उनके बच्चे !

जोश के सबब से मैं इतना थक गया था कि कोच पर - बैठे-बैठे ही मुझे गहरी नींद आ गई।

‘بابو جی’ ماف کر دو اسے ! عیسیٰ مسیح کے لئے ماف کر دو اسے ! کیا اس طرح اسے چھوڑ دے؟ کیا ہاں؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ بڑے آدمیوں اور رئیسوں کے گھر ایسی باتیں نہیں ہوتیں؟ جاننے ہو کہ اگر انہیں کوئی ہوتی ہے تو اس بار ! ماف کر دو اسے اس بار ! غلطی کس سے نہیں ہوتی بابو جی ؟“

نانا جی نے دیوار کے سہارے اپنی پٹہ ٹیک کر نانی کی طرف دیکھا۔ اور پھر کڑی ہنسی ہنس کر دنا بھرا تھا اس ہنسی میں وہ بیچہٹا اٹھ۔ ”اور؟ پھر اس کے بعد؟ کئی بھی ہے ایسی غلطی جو تم ماف نہ کر دو؟ کیوں؟ اگر تمہاری چل سکتی ہے تو سبھی کو معافی مل جایا کرے۔۔۔۔۔ دھت تیرے کی۔“

اور نانی نے دیوار کے آدھ چھک کر، اُن کے دونوں کندھے پکڑ کر وہ اُنہیں ہلانے لگے اور جلدی جلدی ہسٹہساتے ہوئے بولے۔ ”لیکن تم کیوں ہنستے ہو؟ میرے اندر رحم نہیں رہ گیا ہے ذرا بھی۔ دیکھو نہ، بالکل تیر میں پھر لٹکائے بیٹھے ہیں ہم لوگ، پھر بھی اس پڑھاپے میں سزا ہی سزا پھٹنی پڑ رہی ہے ! نہ ذرا بھی چدن مل پاتا ہے نہ سکھ... اور نہ کبھی ملے گا اب... اور اس کے علاوہ... دیکھو ایسا تمہارے مرنے کے پہلے بھیک مانگنے کی نوبت آئیگی۔ ہاں بھیک!“

نانی نے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور انکی بگال میں بٹری-بٹری دھیرے-دھیرے ڈالتی ہوئی بولیں۔ ”آرے، جی: جی: ! تو بھی مانگنے سے بچنا ہے تو؟ آج کل تو تو بھی مانگنے کی ہی نوبت آ رہی ہے ! تو مجھے کچھ نہیں کرنا پڑے گا تو، تو میں بھی مانگنے کی نوبت آ رہی ہے !“

وہ اچانک تھمہ مار کر ہنس پڑے اور بکری کی طرح ایسا سر ہلانے لگے۔ اور پھر انہوں نے نانی کی گردن پکڑ کر انہیں اپنے سہارے سے اگلا لیا، بالکل ذرا سے اور سترائے سے گھرے تھے وہ نانی کی بغل میں !

”اوہ، کبھی نادان ہو تم،“ وہ بول اٹھے، ”کتنی بھولی بھالی !“ ”بس، اب تو مجھے تو ایک مہری رہ گئی ہو ! تم سمجھتی نہیں ہو نہ کچھ، اسی لئے کسی بھی بات کی گہراہٹ نہیں ہوتی تمہیں۔ لیکن پیچھے تو پھر کر دیکھو ذرا۔ اور سوچو تو، کہ کتنی محنت کی ہے تم نے اور میں نے اُن کے لئے۔ کبھی کبھی گناہ نکلتے ہیں میں نے اُن کی خاطر۔ لیکن پھر بھی، اُنہیں کرنے پر بھی، آج۔“

”بابو جی“ ماف کر دو اسے ! عیسیٰ مسیح کے لئے ماف کر دو اسے ! کیا اس طرح اسے چھوڑ دے؟ کیا ہاں؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ بڑے آدمیوں اور رئیسوں کے گھر ایسی باتیں نہیں ہوتیں؟ جاننے ہو کہ اگر انہیں کوئی ہوتی ہے تو اس بار ! ماف کر دو اسے اس بار ! غلطی کس سے نہیں ہوتی بابو جی ؟“

نانا جی نے دیوار کے سہارے اپنی پٹہ ٹیک کر نانی کی طرف دیکھا۔ اور پھر کڑی ہنسی ہنس کر دنا بھرا تھا اس ہنسی میں وہ بیچہٹا اٹھ۔ ”اور؟ پھر اس کے بعد؟ کئی بھی ہے ایسی غلطی جو تم ماف نہ کر دو؟ کیوں؟ اگر تمہاری چل سکتی ہے تو سبھی کو معافی مل جایا کرے۔۔۔۔۔ دھت تیرے کی۔“

اور نانی نے آدھ چھک کر، اُن کے دونوں کندھے پکڑ کر وہ اُنہیں ہلانے لگے اور جلدی جلدی ہسٹہساتے ہوئے بولے۔ ”لیکن تم کیوں ہنستے ہو؟ میرے اندر رحم نہیں رہ گیا ہے ذرا بھی۔ دیکھو نہ، بالکل تیر میں پھر لٹکائے بیٹھے ہیں ہم لوگ، پھر بھی اس پڑھاپے میں سزا ہی سزا پھٹنی پڑ رہی ہے ! نہ ذرا بھی چدن مل پاتا ہے نہ سکھ... اور نہ کبھی ملے گا اب... اور اس کے علاوہ... دیکھو ایسا تمہارے مرنے کے پہلے بھیک مانگنے کی نوبت آئیگی۔ ہاں بھیک!“

نانی نے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور انکی بگال میں بٹری-بٹری دھیرے-دھیرے ڈالتی ہوئی بولیں۔ ”آرے، جی: جی: ! تو بھی مانگنے سے بچنا ہے تو؟ آج کل تو تو بھی مانگنے کی ہی نوبت آ رہی ہے ! تو مجھے کچھ نہیں کرنا پڑے گا تو، تو میں بھی مانگنے کی نوبت آ رہی ہے !“

وہ اچانک تھمہ مار کر ہنس پڑے اور بکری کی طرح ایسا سر ہلانے لگے۔ اور پھر انہوں نے نانی کی گردن پکڑ کر انہیں اپنے سہارے سے اگلا لیا، بالکل ذرا سے اور سترائے سے گھرے تھے وہ نانی کی بغل میں !

”اوہ، کبھی نادان ہو تم،“ وہ بول اٹھے، ”کتنی بھولی بھالی !“ ”بس، اب تو مجھے تو ایک مہری رہ گئی ہو ! تم سمجھتی نہیں ہو نہ کچھ، اسی لئے کسی بھی بات کی گہراہٹ نہیں ہوتی تمہیں۔ لیکن پیچھے تو پھر کر دیکھو ذرا۔ اور سوچو تو، کہ کتنی محنت کی ہے تم نے اور میں نے اُن کے لئے۔ کبھی کبھی گناہ نکلتے ہیں میں نے اُن کی خاطر۔ لیکن پھر بھی، اُنہیں کرنے پر بھی، آج۔“

आँख ही आँख और कान ही कान हैं. मेरे सीने के अन्दर न जाने कैसा होने लगा और मेरी बड़ी जबरदस्त खादिश हुई कि चीख उठूँ.

“लेक्सी तू जा यहाँ से !” नाना जी ने रुखाई के साथ मुझसे कहा !

“क्यों ?” मेरी माँ ने मुझे फिर अपनी तरफ खींचते हुए उनसे पूछा. “नहीं, तू यहाँ से नहीं जाएगा. मैं मना कर रही हूँ.” और किसी गुलाबी बादल की तरह उठकर मेरी माँ धीरे-धीरे नाना जी के पीछे जा खड़ी हुई.

“जरा सुनो तो बाबू जी—”

नाना जी उनकी तरफ मुड़कर चीख उठे—

“चुप रह.”

“अपनी जवान को क्राबू में रखिये, बाबू जी.” संजी-दगी से माँ ने जवाब दिया.

नानी कोच पर से उठ खड़ी हुई और अपनी उँगली दिखाते हुए उन्होंने मेरी माँ को टोका—“यह क्या बारबारा ?”

और नाना भी बुदबुदाते हुए बैठ गए—“अच्छा ठैरो तो जरा ! मैं यह जानना चाहता हूँ कि किसने—? क्यों ? कौन था वह ? ... कैसे हुआ यह सब ?”

और अचानक ऐसी आवाज में, जो उनकी नहीं मालूम पड़ती थी, वह गरज उठे—“मेरा मुँह काला कर दिया तूने” बारका !”

“भाग यहाँ से !” नानी मुझसे बोलीं, और मैं बावरचीखाने में जा छुटा. ऐसा लग रहा था गोया मेरा दम घुटा जा रहा है. तन्दूरी चूल्हे के ऊपर मैं जा चढ़ा, और बहुत देर तक वहाँ बैठा-बैठा उन लोगों की बात-चीत सुनता रहा, जो बीच के दीवार के बावजूद सुनाई पड़ रही थी. या तो वे सब के सब एक साथ बोलने लगते थे, और या बड़ी देर तक बिल्कुल चुप रहते, गोया सो गये हों. उन लोगों की बातचीत का मजमून था कोई बच्चा, जो हाल ही में मेरी माँ के पैदा हुआ था और किसी के यहाँ छाड़ दिया गया था. लेकिन मैं यह नहीं समझ सका कि नाना जी की नाराजी किस बात पर थी—उनसे बगैर पूछे बच्चा पैदा किया गया इस पर या इसलिये कि वह उस बच्चे को नाना जी के यहाँ नहीं लाई.

बाद को वह बावरचीखाने में चले आए. उनके बाल बिखरे हुए थे, चेहरा नीला सा पड़ रहा था, और बेहद थके दिखाई दे रहे थे. उनके पीछे नानी भी आ पहुँचीं, अपने गालों पर बहते हुए आँसुओं को कुरते से पोंछती हुई. नाना जी एक बेंच पर ऊपर पैर करके बैठ गए और अपने हाथ भी उसी पर टेककर कांपते कांपते अपने पीले पड़े हुए हाँटों को काटने लगे. और नानी उनके आगे घुटनों के बल मुक गई और सुकून के साथ लेकिन जोर देकर बोलीं—

अन्त ही अन्त और कान ही कान हैं. मेरे सीने के अन्दर न जाने कैसा होने लगा और मेरी जबरदस्त खादिश हुई कि चीख उठूँ.

“लेक्सी, तू जा यहाँ से !” नाना जी ने रुखाई के साथ मुझसे कहा !

“क्यों ?” मेरी माँ ने मुझे फिर अपनी तरफ खींचते हुए उनसे पूछा. “नहीं, तू यहाँ से नहीं जाएगा. मैं मना कर रही हूँ.” और किसी गुलाबी बादल की तरह उठकर मेरी माँ धीरे-धीरे नाना जी के पीछे जा खड़ी हुई.

“जरा सुनो तो बाबू जी—”

नाना जी उनकी तरफ मुड़कर चीख उठे—

“चुप रह.”

“अपनी जवान को क्राबू में रखिये, बाबू जी.” संजी-दगी से माँ ने जवाब दिया.

नानी कोच पर से उठ खड़ी हुई और अपनी उँगली दिखाते हुए उन्होंने मेरी माँ को टोका—“यह क्या बारबारा ?”

और नाना भी बुदबुदाते हुए बैठ गए—“अच्छा ठैरो तो जरा ! मैं यह जानना चाहता हूँ कि किसने—? क्यों ? कौन था वह ? ... कैसे हुआ यह सब ?”

और अचानक ऐसी आवाज में, जो उनकी नहीं मालूम पड़ती थी, वह गरज उठे—“मेरा मुँह काला कर दिया तूने” बारका !”

“भाग यहाँ से !” नानी मुझसे बोलीं, और मैं बावरचीखाने में जा छुटा. ऐसा लग रहा था गोया मेरा दम घुटा जा रहा है. तन्दूरी चूल्हे के ऊपर मैं जा चढ़ा, और बहुत देर तक वहाँ बैठा-बैठा उन लोगों की बात-चीत सुनता रहा, जो बीच के दीवार के बावजूद सुनाई पड़ रही थी. या तो वे सब के सब एक साथ बोलने लगते थे, और या बड़ी देर तक बिल्कुल चुप रहते, गोया सो गये हों. उन लोगों की बातचीत का मजमून था कोई बच्चा, जो हाल ही में मेरी माँ के पैदा हुआ था और किसी के यहाँ छाड़ दिया गया था. लेकिन मैं यह नहीं समझ सका कि नाना जी की नाराजी किस बात पर थी—उनसे बगैर पूछे बच्चा पैदा किया गया इस पर या इसलिये कि वह उस बच्चे को नाना जी के यहाँ नहीं लाई.

बाद को वह बावरचीखाने में चले आए. उनके बाल बिखरे हुए थे, चेहरा नीला सा पड़ रहा था, और बेहद थके दिखाई दे रहे थे. उनके पीछे नानी भी आ पहुँचीं, अपने गालों पर बहते हुए आँसुओं को कुरते से पोंछती हुई. नाना जी एक बेंच पर ऊपर पैर करके बैठ गए और अपने हाथ भी उसी पर टेककर कांपते कांपते अपने पीले पड़े हुए हाँटों को काटने लगे. और नानी उनके आगे घुटनों के बल मुक गई और सुकून के साथ लेकिन जोर देकर बोलीं—

اُتار کر وہ دھڑلے کے ادھر پہنچتی جاتی تھی اور حقارت سے اپنے لال لال ہونٹ سکڑے لگاتار بولتی تھی چلی جا رہی تھی۔ ”بولتا کیوں نہیں ہے تو؟“ خوشی نہیں ہوئی تھی مجھے میرے آنے کی؟“
 ”اُن! کیسی گندی ہے یہ قمض...“

پھر اُنہوں نے بطخ کی چربی سے میرے کان ملنے شروع کئے جس سے مجھے تکلیف ہوئے لگی۔ لیکن اتنی بڑھیا خوشبو لعل رہی تھی اُن کے کپڑوں سے اُس وقت کہ تکلیف جتنی ہو رہی تھی اُس سے کم معلوم ہوئی۔

میں اُن آنکھوں کی طرف ناٹتا ہوا اُن سے چپٹا ہی چلا جا رہا تھا۔ خوف کے سبب میرے منہ سے آواز نہیں نکل پا رہی تھی۔ اور اُن کے الفاظ کے ساتھ ساتھ بچے بچے میں فانی کی دھبہ بھری آواز میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ ”اُتلی من مانی کرتے لگا ہے یہ... ذرا کسی کی نہیں سنتا۔ اپنے نانا نک سے نہیں ڈرتا“ ذرا بھی... آؤ واربا! واربا!“

”کیوں پتے پتے کر رہی ہو ماں، چپ بھی رہو۔ اس طرح بک-بک کر کے کیا کر لوگی؟“

”بک کر کے کیا کر لوگی؟“
 سبھی چیزوں میں اُن کے سامنے چھوٹی لکڑی لگی تھیں، رحم کے قابل اور بڑھی! میں خود بھی بڑھا سا لکڑی لگا تھا، نانا جی کی طرح بڑھا۔

اپنے گھٹنوں سے مجھے چپٹا کر میرے بالوں پر اپنا گرم گرم بھاری ہاتھ پھرتی ہوئی وہ بولیں۔ ”کسی کڑے آدمی کی دیکھ بھال میں رکھنے کی ضرورت ہے اُسے۔ اور اب اسکول بھی تو جانا چاہئے... کچھ سیکھنا چاہتا ہے کہ نہیں؟“
 ”میں تو سب سیکھ چکا“ جو جاننا تھا۔“

”اور بھی تھوڑا بہت سیکھنا باقی ہے رے!... اُسے! کتنی طاقت آگئی ہے تجھے میں!“ اور میرے ساتھ کھیل تماشا کرتے ہوئے وہ اپنی تیز میٹھی آواز میں دل کھول کر غصہ لکھیں۔

اسی وقت نانا جی اندر داخل ہوئے۔ اُن کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا تھا، اُنہوں نے لال ہو رہی تھیں، اور غصہ کے مارے وہ کانپ رہے تھے۔ میری ماں نے اُنہیں دھکاتے ہی مجھے دور ہٹا دیا اور اُنچی آواز میں اُن سے پوچھا۔ ”تو پھر کیا طے کیا اپنے باپ جی؟“
 ”میں تو سب سیکھ چکا“ جو جاننا تھا۔“

”اور بھی تھوڑا بہت سیکھنا باقی ہے رے!... اُسے! کتنی طاقت آگئی ہے تجھے میں!“ اور میرے ساتھ کھیل تماشا کرتے ہوئے وہ اپنی تیز میٹھی آواز میں دل کھول کر غصہ لکھیں۔

نانا جی کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر اپنی انگلیوں کے ناخنوں سے شیشہ پر جسی برف کھچتے تھے، اور بڑی دیر تک کچھ نہیں بولے۔ حانت بہت ہی نازک اور تکلیف دہ تھی اور جیسا کہ ایسے سنگین موقعوں پر میرے ساتھ ہمیشہ ہوتا تھا، مجھے لگ رہا تھا گویا میرے جسم پر مین

اُنار کر وہ دھڑلے کے ادھر پہنچتی جاتی تھی اور حقارت سے اپنے لال لال ہونٹ سکڑے لگاتار بولتی تھی چلی جا رہی تھی۔ ”بولتا کیوں نہیں ہے تو؟“ خوشی نہیں ہوئی تھی مجھے میرے آنے کی؟“
 ”اُن! کیسی گندی ہے یہ قمض...“

پھر اُنہوں نے بطخ کی چربی سے میرے کان ملنے شروع کئے جس سے مجھے تکلیف ہوئے لگی۔ لیکن اتنی بڑھیا خوشبو لعل رہی تھی اُن کے کپڑوں سے اُس وقت کہ تکلیف جتنی ہو رہی تھی اُس سے کم معلوم ہوئی۔

میں اُن آنکھوں کی طرف ناٹتا ہوا اُن سے چپٹا ہی چلا جا رہا تھا۔ خوف کے سبب میرے منہ سے آواز نہیں نکل پا رہی تھی۔ اور اُن کے الفاظ کے ساتھ ساتھ بچے بچے میں فانی کی دھبہ بھری آواز میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ ”اُتلی من مانی کرتے لگا ہے یہ... ذرا کسی کی نہیں سنتا۔ اپنے نانا نک سے نہیں ڈرتا“ ذرا بھی... آؤ واربا! واربا!“

”کیوں پتے پتے کر رہی ہو ماں، چپ بھی رہو۔ اس طرح بک-بک کر کے کیا کر لوگی؟“

”بک کر کے کیا کر لوگی؟“
 سبھی چیزوں میں اُن کے سامنے چھوٹی لکڑی لگی تھیں، رحم کے قابل اور بڑھی! میں خود بھی بڑھا سا لکڑی لگا تھا، نانا جی کی طرح بڑھا۔

اپنے گھٹنوں سے مجھے چپٹا کر میرے بالوں پر اپنا گرم گرم بھاری ہاتھ پھرتی ہوئی وہ بولیں۔ ”کسی کڑے آدمی کی دیکھ بھال میں رکھنے کی ضرورت ہے اُسے۔ اور اب اسکول بھی تو جانا چاہئے... کچھ سیکھنا چاہتا ہے کہ نہیں؟“
 ”میں تو سب سیکھ چکا“ جو جاننا تھا۔“

”اور بھی تھوڑا بہت سیکھنا باقی ہے رے!... اُسے! کتنی طاقت آگئی ہے تجھے میں!“ اور میرے ساتھ کھیل تماشا کرتے ہوئے وہ اپنی تیز میٹھی آواز میں دل کھول کر غصہ لکھیں۔

اسی وقت نانا جی اندر داخل ہوئے۔ اُن کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا تھا، اُنہوں نے لال ہو رہی تھیں، اور غصہ کے مارے وہ کانپ رہے تھے۔ میری ماں نے اُنہیں دھکاتے ہی مجھے دور ہٹا دیا اور اُنچی آواز میں اُن سے پوچھا۔ ”تو پھر کیا طے کیا اپنے باپ جی؟“

”میں تو سب سیکھ چکا“ جو جاننا تھا۔“

نانا جی کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر اپنی انگلیوں کے ناخنوں سے شیشہ پر جسی برف کھچتے تھے، اور بڑی دیر تک کچھ نہیں بولے۔ حانت بہت ہی نازک اور تکلیف دہ تھی اور جیسا کہ ایسے سنگین موقعوں پر میرے ساتھ ہمیشہ ہوتا تھا، مجھے لگ رہا تھا گویا میرے جسم پر مین

मुझे यकीन नहीं आया, और अगर पादरी साहब ही हों तो वह किसी किराएदार के ही यहाँ आए होंगे.

“चल-चल!” काँचवान ने घोड़ों को हाँका, और उनकी पीठ पर कोड़ा फटकारते हुए मौज के साथ फिर सीटी बजाने लगा.

घोड़े मैदान को चीरते हुए दौड़ चले, और मैं खड़ा खड़ा उनकी तरफ ताकता रहा, फिर मैंने फाटक बन्द कर दिया. सूने पड़े बावरचीखाने में घुसते ही सबसे पहली आवाज मैंने अपनी माँ की सुनी. पास वाले कमरे में अपनी ज़ारदार आवाज में वह कह रही थी—“तो अब चाहते क्या हैं आप? मेरी जान लेंगे?”

अपनी ऊपरी पोशाक बदले बग़ैर ही मैं पिंजड़ों को पटक-पटकाकर दौड़ा हुआ बाहर के बरामदे में आया और नाना जी से टकरा गया. उन्होंने मेरी गरदन दबोच ली और अपनी खूँखार सी आँखें मेरे चेहरे पर गाड़ दीं, और बड़ी मुश्किल से एक घूँट सा सटक कर भारी गले से बाले—

“तेरी माँ फिर आ गई है.....जा उसके पास..... ठेहरा.....!” उन्होंने इतनी जोर से मुझे झकझोर डाला कि मैं मुश्किल से गिरते-गिरते बचा और भीतर के दरवाजे तक लुढ़कता चला गया. “चला जा.....! जा.....!”

मैं दरवाजे से जा टकराया, जिस पर ऊन और मोमजामा चढ़ा हुआ था, लेकिन खटका गिराने में मुझे काफी देर लग गई क्योंकि मेरा हाथ सर्दी से ठिठुरकर बिल्कुल सुन्न हो गया था और धबड़ाहट के मारे काँप रहा था. जब आखीर में मैं धीरे से अन्दर घुसा तो बिल्कुल खोफजदा और अचभे से भरा हुआ देहलीज़ पर ही रुक गया.

“यह आ गया!” मेरी माँ बोल उठी, “परमात्मा, कितना बड़ा हो गया है यह! क्यों, मुझे पहचानता नहीं है?.....यह कैसे कपड़े पहनाए है इसे माँ?.....और देखा तो, इसके कान बिल्कुल सफेद पड़े जा रहे हैं! बतख की चरबी तो लाखों माँ, ज़रा जल्दी से.”

कमरे के बीचोंबीच खड़ी वह मेरे ऊपर झुककर मेरी ऊपरी पोशाक उतारने लगी और मुझे इस तरह उलट पलट कर देखने लगी गोथा मैं कोई गेंद हूँ. उनके लम्बे चौड़े बदन पर एक गरम, मलायम, खूबसूरत पोशाक थी, मर्दा के पूरे लबादे से बड़ी; और कंधे से लेकर कमर तक उस पर काले काले बदन तिरछी क्रतार में टँके हुए थे. पहले कभी मैंने वैसी कोई पोशाक नहीं देखी थी.

उनका चेहरा पहले से छोटा लग रहा था और आँखें पहले से ज्यादा बड़ी और धँसी हुई थीं; पर उनके बालों का सुनहरापन और भी गहरा हो उठा था. मेरे कपड़े उतार-

मुझे यकीन नहीं आया. और अगर पादरी साहब ही हों तो वह किसी किराएदार के ही यहाँ आए होंगे.

“चल! चल!” कोचवान ने घोड़ों को हाँका, और उनकी पीठ पर कोड़ा फटकारते हुए मौज के साथ फिर सीटी बजाने लगा.

घोड़े मैदान को चीरते हुए दौड़ चले, और मैं खड़ा खड़ा उनकी तरफ ताकता रहा, फिर मैंने फाटक बन्द कर दिया. सूने पड़े बावरचीखाने में घुसते ही सबसे पहली आवाज मैंने अपनी माँ की सुनी. पास वाले कमरे में अपनी ज़ारदार आवाज में वह कह रही थी—“तो अब चाहते क्या हैं आप? मेरी जान लेंगे?”

अपनी ऊपरी पोशाक बदले बग़ैर ही मैं पिंजड़ों को पटक-पटकाकर दौड़ा हुआ बाहर के बरामदे में आया और नाना जी से टकरा गया. उन्होंने मेरी गरदन दबोच ली और अपनी खूँखार सी आँखें मेरे चेहरे पर गाड़ दीं, और बड़ी मुश्किल से एक घूँट सा सटक कर भारी गले से बाले—

“तेरी माँ फिर आ गई है.....जा उसके पास..... ठेहरा.....!” उन्होंने इतनी जोर से मुझे झकझोर डाला कि मैं मुश्किल से गिरते-गिरते बचा और भीतर के दरवाजे तक लुढ़कता चला गया. “चला जा.....! जा.....!”

मैं दरवाजे से जा टकराया, जिस पर ऊन और मोमजामा चढ़ा हुआ था, लेकिन खटका गिराने में मुझे काफी देर लग गई क्योंकि मेरा हाथ सर्दी से ठिठुरकर बिल्कुल सुन्न हो गया था और धबड़ाहट के मारे काँप रहा था. जब आखीर में मैं धीरे से अन्दर घुसा तो बिल्कुल खोफजदा और अचभे से भरा हुआ देहलीज़ पर ही रुक गया.

“यह आ गया!” मेरी माँ बोल उठी, “परमात्मा, कितना बड़ा हो गया है यह! क्यों, मुझे पहचानता नहीं है?.....यह कैसे कपड़े पहनाए है इसे माँ?.....और देखा तो, इसके कान बिल्कुल सफेद पड़े जा रहे हैं! बतख की चरबी तो लाखों माँ, ज़रा जल्दी से.”

कमरे के बीचोंबीच खड़ी वह मेरे ऊपर झुककर मेरी ऊपरी पोशाक उतारने लगी और मुझे इस तरह उलट पलट कर देखने लगी गोथा मैं कोई गेंद हूँ. उनके लम्बे चौड़े बदन पर एक गरम, मलायम, खूबसूरत पोशाक थी, मर्दा के पूरे लबादे से बड़ी; और कंधे से लेकर कमर तक उस पर काले काले बदन तिरछी क्रतार में टँके हुए थे. पहले कभी मैंने वैसी कोई पोशाक नहीं देखी थी.

उनका चेहरा पहले से छोटा लग रहा था और आँखें पहले से ज्यादा बड़ी और धँसी हुई थीं; पर उनके बालों का सुनहरापन और भी गहरा हो उठा था. मेरे कपड़े उतार-

मेरी माँ

श्री गोर्की

एक रोज सनीचर के दिन बहुत सबरे मैं पेत्रोवना के सव्ची के खेत में बुलबुल पकड़ने के लिये जा घुसा। वहाँ मैं बहुत देर तक रहा, क्योंकि वे इतनी तेज थीं कि मेरे जाल में फँसती ही नहीं थीं। उनकी खूबसूरती ने मुझे बुरी तरह से लुभा लिया था। चाँदी से चमकते जमे हुए बर्फ पर वह फुदकती फिरतीं, और बर्फ से ढकी हुई झाड़ियों की डालों पर उड़कर जा बैठती थीं और बर्फ का दूधिया बुरादा सा चारों तरफ भड़ उठता था। यह सब मुझे इतना लुभावना लग रहा था कि मैं अपनी नाकामयाबी की परेशानी भूल गया। यों भी मैं शिकार के फन में उस्ताद नहीं था, क्योंकि दरअसल अपना शिकार पाने से ज्यादा मुझे उसके पीछे लगे फिरने में मजा आता था और सब से ज्यादा मजा चिड़ियों के तौर तरीके जानने और उनके बारे में सोचने समझने में मिलता था। बर्फ से ढके हुए एक खेत के किनारे अकेले बैठे बैठे, उस बर्फाले दिन के गहरे सन्नाटे में, चिड़ियों की चहचहाहट सुनने में मैं मस्त था कि किसी गाड़ी की घण्टियों की टुनटुनाहट मुझे दूर पर हलकी सी सुनाई दी, किसी पपीहे के दिलसाज गीत की तरह।

बर्फ पर बैठा बैठा मैं अकड़ सा गया था और मुझे लगा कि मेरे कान बर्फ के मारे जम से गये हैं। इसलिये जाल और पिंजड़ों को बटोरकर मैं दीवार पर चढ़ बाग़ाचे में कूद पड़ा और घर आ पहुँचा।

सड़क की तरफ का फाटक खुला पड़ा था और एक बहुत बड़ा, लम्बा चौड़ा आदमी मौज से सीटी बजाता, एक घड़ी सी बन्द गाड़ी में जुते हुए पसीने से तरबतर तीन घोड़ों की रास पकड़कर अहाते से बाहर लिये जा रहा था। मेरा दिल उछलने लगा।

“कैसे लेकर आए थे तुम ?”

उसने मेरी तरफ मुड़कर अपनी बाँहों के नीचे से मुझे देखा और कोचवान की गद्दी पर चढ़कर जवाब दिया—
“पादरी साहब को।”

॥ बचपन में ही वालिद के इन्तकाल हो जाने के बाद गोर्की अपनी वालिदा के साथ नाना नानी के पास रहने लगा था। उसके नाना रंगरेज थे और बड़े अच्छे मिज़ाज के थे। गोर्की की माँ कुछ दिन ही वहाँ रहकर कहीं बाहर चली गईं और गोर्की अपनी प्यारी नानी के साथे में रहकर पलने लगा।

मेरी माँ

श्री गोर्की

एक रोज सलाजर के दिन बहुत सबरे मेरे पेत्रोवना के सव्ची के खेत में बुलबुल पकड़ने के लिये जा घुसा। वहाँ मैं बहुत देर तक रहा, क्योंकि वे इतनी तेज थीं कि मेरे जाल में फँसती ही नहीं थीं। उनकी खूबसूरती ने मुझे बुरी तरह से लुभा लिया था। चाँदी से चमकते जमे हुए बर्फ पर वह फुदकती फिरतीं, और बर्फ से ढकी हुई झाड़ियों की डालों पर उड़कर जा बैठती थीं और बर्फ का दूधिया बुरादा सा चारों तरफ भड़ उठता था। यह सब मुझे इतना लुभावना लग रहा था कि मैं अपनी नाकामयाबी की परेशानी भूल गया। यों भी मैं शिकार के फन में उस्ताद नहीं था, क्योंकि दरअसल अपना शिकार पाने से ज्यादा मुझे उसके पीछे लगे फिरने में मजा आता था और सब से ज्यादा मजा चिड़ियों के तौर तरीके जानने और उनके बारे में सोचने समझने में मिलता था। बर्फ से ढके हुए एक खेत के किनारे अकेले बैठे बैठे, उस बर्फाले दिन के गहरे सन्नाटे में, चिड़ियों की चहचहाहट सुनने में मैं मस्त था कि किसी गाड़ी की घण्टियों की टुनटुनाहट मुझे दूर पर हलकी सी सुनाई दी, किसी पपीहे के दिलसाज गीत की तरह।

बर्फ पर बैठे बैठे मैं अकड़ सा गया था और मुझे लगा कि मेरे कान बर्फ के मारे जम से गये हैं। इसलिये जाल और पिंजड़ों को बटोरकर मैं दीवार पर चढ़ बाग़ाचे में कूद पड़ा और घर आ पहुँचा।

सड़क की तरफ का फाटक खुला पड़ा था और एक बहुत बड़ा, लम्बा चौड़ा आदमी मौज से सीटी बजाता, एक घड़ी सी बन्द गाड़ी में जुते हुए पसीने से तरबतर तीन घोड़ों की रास पकड़कर अहाते से बाहर लिये जा रहा था। मेरा दिल उछलने लगा।

“कैसे लेकर आए थे तुम ?”

उसने मेरी तरफ मुड़कर अपनी बाँहों के नीचे से मुझे देखा और कोचवान की गद्दी पर चढ़कर जवाब दिया—
“पादरी साहब को।”

॥ बचपन में ही वालिद के इन्तकाल हो जाने के बाद गोर्की अपनी वालिदा के साथ नाना नानी के पास रहने लगा था। उसके नाना रंगरेज थे और बड़े अच्छे मिज़ाज के थे। गोर्की की माँ कुछ दिन ही वहाँ रहकर कहीं बाहर चली गईं और गोर्की अपनी प्यारी नानी के साथे में रहकर पलने लगा।

کے تئیں پر انگلینڈ میں جیو ایڈورڈ چہم کے نام پر حکمران کرتا تھا اس نے حکم دے دیا کہ تمام انگریزی قوم پروٹیسٹنٹ مذہب کو مانے اور سارا انگلستان پروٹیسٹنٹ ہو گیا۔ اس کے بعد ملکہ مری تخت پر بیٹھی اور گویا کسی نے جادو کر دیا۔ فوراً تمام انگلستان کے لوگ پھر سے رومن کیتھولک ہو گئے۔ ملکہ مری اور پھر پھر گھوم گیا۔ سارا انگلستان اب ایکلین مذہب کا ماننے والا ہو گیا۔ آج کل ہم اس بات کے سائنس کے بہت عادی ہو گئے ہیں کہ راج یا بادشاہ رعایا کے مذہب میں کوئی دخل نہیں دیتا۔ لیکن مغل اور اس کے وارث آج کل بھی دنیا کو اس طرح کی آزادی دینے کو تیار نہیں ہیں۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں دنیا کے ہر ملک کے اندر راج کو اس سے گہرا تعلق ہوتا تھا کہ رعایا کس مذہب کو مانتی ہے۔ لیکن ہندستان میں مغل بادشاہوں نے اپنی رعایا کے مذہبی وشوئیں میں دخل نہیں دیا اور اس معاملے میں رعایا کو آزاد چھوڑ دیا تھا اور اس بات میں مغل بادشاہ اپنے زمانے کے لحاظ سے اپنی ایک الگ مثال تھے۔ سولہویں صدی عیسوی میں ایک دوسرے کے بعد انگلینڈ کے کئی بادشاہوں نے ایکٹس آف سپریمسی اور ایکٹس آف یونیفارمٹی نام کے قانون پاس کر کے زبردستی یہ حکم دے دیا کہ انگلینڈ کے لوگوں رومن کیتھولک اپنے مذہب کو چھوڑ کر اپنے گرجوں میں بادشاہ کے مذہب یعنی پروٹیسٹنٹ مذہب کی لکھی ہوئی دعائیں ہی پڑھا کرے اور ہر مذہبی بات میں سب سے بڑے پرومٹ پوپ کے بجائے پروٹیسٹنٹ بادشاہی حکم مانیں۔ اس شامی فرمان کے تحت ماننے پر ہزاروں رومن کیتھولک پادریوں کو کڑی سزائیں دے گئیں۔ اس طرح سن 1562 عیسوی میں انگلینڈ میں راج کی طرف سے انگریز مذہبی اصولوں کی ایک فہرست قانون کی شکل میں پاس کر دی گئی اور ان میں سے ہر اصول کا ماننا ملک کے ہر ایک آدمی کا قانونی فرض بنا دیا گیا۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اس وقت تک انگلینڈ کے مختلف ضلعوں میں پچاس فیصدی سے لے کر تیس فیصدی تک آبادی رومن کیتھولک تھی۔ ان سب کو زبردستی اپنا مذہب چھوڑ کر اس وقت کے بادشاہ کا مذہب ماننا پڑا۔ مغل بادشاہوں نے کبھی اس طرح کے کوئی قانون جاری نہیں کیا۔ اور اپنی رعایا کی بہت بڑی تعداد کو جو غیر مسلم تھے، مذہب کے معاملے میں پوری طرح آزاد رکھا۔ مسلمانوں کے لئے بھی کسی مغل بادشاہ نے یا نو اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے والوں کو کبھی کوئی سزا دے دی یا زیادہ سے زیادہ یہ حکم دے دیا کہ عام رومن میں مسلمان ایک خاص اہمیت پر مشتمل ہے۔ مثلاً یہ کہ لوگ شراب نہ پیئیں، وغیرہ۔

کے تئیں پر انگلینڈ میں جیو ایڈورڈ چہم کے نام پر حکمران کرتا تھا اس نے حکم دے دیا کہ تمام انگریزی قوم پروٹیسٹنٹ مذہب کو مانے اور سارا انگلستان پروٹیسٹنٹ ہو گیا۔ اس کے بعد ملکہ مری تخت پر بیٹھی اور گویا کسی نے جادو کر دیا۔ فوراً تمام انگلستان کے لوگ پھر سے رومن کیتھولک ہو گئے۔ ملکہ مری اور پھر پھر گھوم گیا۔ سارا انگلستان اب ایکلین مذہب کا ماننے والا ہو گیا۔ آج کل ہم اس بات کے سائنس کے بہت عادی ہو گئے ہیں کہ راج یا بادشاہ رعایا کے مذہب میں کوئی دخل نہیں دیتا۔ لیکن مغل اور اس کے وارث آج کل بھی دنیا کو اس طرح کی آزادی دینے کو تیار نہیں ہیں۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں دنیا کے ہر ملک کے اندر راج کو اس سے گہرا تعلق ہوتا تھا کہ رعایا کس مذہب کو مانتی ہے۔ لیکن ہندستان میں مغل بادشاہوں نے اپنی رعایا کے مذہبی وشوئیں میں دخل نہیں دیا اور اس معاملے میں رعایا کو آزاد چھوڑ دیا تھا اور اس بات میں مغل بادشاہ اپنے زمانے کے لحاظ سے اپنی ایک الگ مثال تھے۔ سولہویں صدی عیسوی میں ایک دوسرے کے بعد انگلینڈ کے کئی بادشاہوں نے ایکٹس آف سپریمسی اور ایکٹس آف یونیفارمٹی نام کے قانون پاس کر کے زبردستی یہ حکم دے دیا کہ انگلینڈ کے لوگوں رومن کیتھولک اپنے مذہب کو چھوڑ کر اپنے گرجوں میں بادشاہ کے مذہب یعنی پروٹیسٹنٹ مذہب کی لکھی ہوئی دعائیں ہی پڑھا کرے اور ہر مذہبی بات میں سب سے بڑے پرومٹ پوپ کے بجائے پروٹیسٹنٹ بادشاہی حکم مانیں۔ اس شامی فرمان کے تحت ماننے پر ہزاروں رومن کیتھولک پادریوں کو کڑی سزائیں دے گئیں۔ اس طرح سن 1562 عیسوی میں انگلینڈ میں راج کی طرف سے انگریز مذہبی اصولوں کی ایک فہرست قانون کی شکل میں پاس کر دی گئی اور ان میں سے ہر اصول کا ماننا ملک کے ہر ایک آدمی کا قانونی فرض بنا دیا گیا۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اس وقت تک انگلینڈ کے مختلف ضلعوں میں پچاس فیصدی سے لے کر تیس فیصدی تک آبادی رومن کیتھولک تھی۔ ان سب کو زبردستی اپنا مذہب چھوڑ کر اس وقت کے بادشاہ کا مذہب ماننا پڑا۔ مغل بادشاہوں نے کبھی اس طرح کے کوئی قانون جاری نہیں کیا۔ اور اپنی رعایا کی بہت بڑی تعداد کو جو غیر مسلم تھے، مذہب کے معاملے میں پوری طرح آزاد رکھا۔ مسلمانوں کے لئے بھی کسی مغل بادشاہ نے یا نو اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے والوں کو کبھی کوئی سزا دے دی یا زیادہ سے زیادہ یہ حکم دے دیا کہ عام رومن میں مسلمان ایک خاص اہمیت پر مشتمل ہے۔ مثلاً یہ کہ لوگ شراب نہ پیئیں، وغیرہ۔

کو ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ اس وقت وہ خود دلہا پر مہن سب سے بڑا حاکم تھا۔ اپنے کو خلیفہ کا نائب ماننے سے کچھ دنوں تک یہاں کے بادشاہوں کا کام ضرور چل گیا لیکن اس سے اس بات کا کوئی قاعدہ نہ بن پایا کہ ایک بادشاہ کے بعد تخت کا حقدار کون اور کیسے ہو۔ اس بارے میں نہ کوئی قانون تھا اور نہ پرانے بادشاہوں کے عمل سے کوئی مدد مل سکتی تھی۔ فدرتی نتیجہ یہ تھا کہ قریب درپرب بادشاہوں کے مرنے کے وقت تخت کے لئے خاصی گرما گرمی اور بھاگ دوڑ دیکھائی دیتی تھی۔ جس وقت باہر موت نے بستر پر پڑا ہوا تھا اس کا وزیراعظم اس فکر اور سارہش میں لگا ہوا تھا کہ ہماریوں کو کسی طرح تخت سے الگ کیا جاوے۔ ہماریوں کی موت اتنی اچانک ہوئی اور ہندستان میں مغلوں کی حالت اس وقت اتنی نازک تھی کہ اس وقت تخت کے لئے زیادہ جھگڑا نہ ہو پایا۔ انہر کی موت کے بعد جہانگیر تخت پر بیٹھا لیکن جہانگیر کے سب سے بڑے بیٹے خسرو نے اپنے باپ کے اس حق کے خلاف ہاتھ پیر مارے۔ جہانگیر کی حکومت کے آخری دنوں میں تخت کے لئے طرح طرح کی بدی سازشیں ہوئیں۔ جہانگیر کے مرنے کے وقت شاہ جہاں دن میں تھا اس لئے شاہ جہاں کے لئے تخت کو ہمار رکھنے کی بڑی سے بدقسمت ہلاقی کو چلنا گیا۔ شاہجہاں کے پہنچنے ہی لائی مار ڈالا گیا اور تخت کے دوسرے دعویداروں کے خون میں سے اپنا راستہ بنا کر شاہ جہاں کے تخت پر بیٹھا۔ اور تکریب نے شاہجہاں سے بدلہ چکایا۔ اس نے شاہجہاں کو قید کر کے شاہجہاں کی زندگی میں شاہ جہاں کے نام پر نہیں بلکہ خود اپنے نام پر بادشاہت کرنی شروع کی۔ اس سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے کے بارے میں مسلمانوں میں جو عام خیال تھا اسی سے ملتا جلتا مغلوں کا عمل تھا۔ یہ بات نہیں ہی کہ ایک بادشاہ کے بعد دوسرے کو گدی ملنے کا کوئی مانا ہوا قانون یا رواج رہا ہو اور کسی نے زیردستی ہزاوت کر کے سے تڑا ہو بلکہ جو نیچے ہوتا تھا وہ ایک معمولی چیز تھی اور اس لئے ہوتا تھا کہ اس معاملے میں کوئی خاص قانون پہلے سے نہیں تھا۔

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ مغل بادشاہوں نے رعایا کو اپنی مرضی کے مطابق آزاد زندگی بسر کرنے کی بہت بڑی آزادی دے رکھی تھی۔ اس میں بادشاہ کوئی دخل نہ دیتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں وہ بادشاہ بھی جو بالکل خود مختار تھے اور وہ بھی جن کے یہاں پارلیمینٹ بنی ہوئی تھی، دونوں اپنی اپنی رعایا کو صاف صاف یہ حکم دیتے تھے کہ رعایا اس خاص قسم کے مذہبی عقیدوں (وشواسوں) کو مانے اور اس کے خلاف کسی دوسرے عقیدوں کو نہ مانے۔ مثال

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ مغل بادشاہوں نے رعایا کو اپنی مرضی کے مطابق آزاد زندگی بسر کرنے کی بہت بڑی آزادی دے رکھی تھی۔ اس میں بادشاہ کوئی دخل نہ دیتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں وہ بادشاہ بھی جو بالکل خود مختار تھے اور وہ بھی جن کے یہاں پارلیمینٹ بنی ہوئی تھی، دونوں اپنی اپنی رعایا کو صاف صاف یہ حکم دیتے تھے کہ رعایا اس خاص قسم کے مذہبی عقیدوں (وشواسوں) کو مانے اور اس کے خلاف کسی دوسرے عقیدوں کو نہ مانے۔ مثال

ہندوستان سے کام کر رہا تھا، لیکن اسلام سے کچھ بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس کا وہ خود فیصلہ کرتا تھا۔ مغل بادشاہ نے ایک ایسی شخصیت کو حکومت کی جس میں اصول کے طور پر بھی اور عملی طور پر بھی لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق آزاد زندگی بسر کرنے کا ایک بہت بڑا میدان چھوڑا ہوا تھا۔

لیکن اس بارے میں ایک بات یاد رکھنی چاہئے۔ کئی باتوں میں مغل بادشاہ کے اختیار پر پابندی تھی۔ پھر بھی اگر کوئی بادشاہ ان حدود سے بڑھ جانے کا فیصلہ کر لیتا تھا تو راج کے طور طریقوں میں پارلیمنٹ یا اسمبلی یا کونسل جیسی کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جو بادشاہ کو ایسا کرنے سے روک سکے۔ بادشاہ کی کسی پالیسی کے ساتھ اپنی ناکامی ظاہر کرنے کا رعبا کے پاس صرف ایک طریقہ تھا اور وہ تھا بغاوت کرنے کا طریقہ۔ وہ طریقہ ان دنوں ہمیشہ ٹھیک طریقہ مانا جاتا تھا۔ مثلاً اس زمانے میں انگریزوں کے بادشاہ کے خلاف اس طرح کی بغاوت ایک مذہبی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں یہ بات نہیں تھی۔ اس کے علاوہ شروع شروع کے مسلمانوں میں بادشاہ کے بارے میں کوئی ایسا قاعدہ نہیں تھا کہ کسی بادشاہ کے بعد کسی اور کو اس کے لئے شروع کے مسلمان بادشاہوں نے اپنے عمل میں بھی اس طرح کا کوئی قاعدہ نہیں مانا۔ یہ صحیح ہے کہ شیعوں نے اس طرح کا دعویٰ کیا تھا اور اسی وجہ سے شیعوں اور سنیوں میں فرق پڑ گیا۔ مصر میں خلیفہ ہی مسلمانوں کا حاکم ہوتا تھا۔ خلیفہ کو مسلمان اپنے میں سے چنتے تھے۔ شیعوں کو چاہئے کہ قرآن یا حدیث میں کسی نے بھی بیعت کو باپ کی گدی پر بیٹھنے کے حق یا اصول کو نہیں مانا۔ یہاں تک کہ بادشاہت کے معاملے میں مسلمانوں میں کوئی خاص قانون ایک کے بعد دوسرے کے گدی پر بیٹھنے کا ہے ہی نہیں۔ بادشاہت کے لئے کسی انسان کا ذاتی حق اسلام نہیں مانتا۔ اسلام کے مطابق بادشاہت کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی اور نہ کسی کی بددلتی ہو سکتی ہے۔ قدرتی طور پر تخت کا کون حقدار ہے اور کون نہیں؟ اس پر نہ کسی قانون کی ضرورت تھی اور نہ کوئی قانون مانا جاتا تھا۔ ہندوستان میں شروع کے مسلمان بادشاہوں نے اس مشکل کام کو اس طرح حل کیا کہ انہوں نے کم سے کم کہنے کے لئے اپنے کو خود مختار بادشاہ نہیں مانا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے کسی ذاتی حق سے بادشاہت نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس دوسرے بیٹھے ہوئے مسلم بادشاہ کے مقرر کردہ افسر یا نائب کی حیثیت سے کم کر رہے ہیں جو اپنے کو خلیفہ کہتا ہے۔ باہر اور اس کے بعد کے بادشاہوں نے اس لئے اس پرانی عرفی رسم

حیثیت سے کام کر رہا ہوں، لیکن اسلام اس سے کیا چاہتا ہے اس کا وہ خود فیصلہ کرتا تھا۔ مغل راج میں ایک ایسی شخصیت حکومت تھی جس میں اصول کے طور پر بھی اور عملی طور پر بھی لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق آزاد زندگی بسر کرنے کا ایک بہت بڑا میدان چھوڑا ہوا تھا۔

لیکن اس بارے میں ایک بات یاد رکھنی چاہئے۔ کئی باتوں میں مغل بادشاہ کے اختیار پر پابندی تھی۔ پھر بھی اگر کوئی بادشاہ ان حدود سے بڑھ جانے کا فیصلہ کر لیتا تھا تو راج کے طور طریقوں میں پارلیمنٹ یا اسمبلی یا کونسل جیسی کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جو بادشاہ کو ایسا کرنے سے روک سکے۔ بادشاہ کی کسی پالیسی کے ساتھ اپنی ناکامی ظاہر کرنے کا رعبا کے پاس صرف ایک طریقہ تھا اور وہ تھا بغاوت کرنے کا طریقہ۔ وہ طریقہ ان دنوں ہمیشہ ٹھیک طریقہ مانا جاتا تھا۔ مثلاً اس زمانے میں انگریزوں کے بادشاہ کے خلاف اس طرح کی بغاوت ایک مذہبی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں یہ بات نہیں تھی۔ اس کے علاوہ شروع شروع کے مسلمانوں میں بادشاہ کے بارے میں کوئی ایسا قاعدہ نہیں تھا کہ کسی بادشاہ کے بعد کسی اور کو اس کے لئے شروع کے مسلمان بادشاہوں نے اپنے عمل میں بھی اس طرح کا کوئی قاعدہ نہیں مانا۔ یہ صحیح ہے کہ شیعوں نے اس طرح کا دعویٰ کیا تھا اور اسی وجہ سے شیعوں اور سنیوں میں فرق پڑ گیا۔ مصر میں خلیفہ ہی مسلمانوں کا حاکم ہوتا تھا۔ خلیفہ کو مسلمان اپنے میں سے چنتے تھے۔ شیعوں کو چاہئے کہ قرآن یا حدیث میں کسی نے بھی بیعت کو باپ کی گدی پر بیٹھنے کے حق یا اصول کو نہیں مانا۔ یہاں تک کہ بادشاہت کے معاملے میں مسلمانوں میں کوئی خاص قانون ایک کے بعد دوسرے کے گدی پر بیٹھنے کا ہے ہی نہیں۔ بادشاہت کے لئے کسی انسان کا ذاتی حق اسلام نہیں مانتا۔ اسلام کے مطابق بادشاہت کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی اور نہ کسی کی بددلتی ہو سکتی ہے۔ قدرتی طور پر تخت کا کون حقدار ہے اور کون نہیں؟ اس پر نہ کسی قانون کی ضرورت تھی اور نہ کوئی قانون مانا جاتا تھا۔ ہندوستان میں شروع کے مسلمان بادشاہوں نے اس مشکل کام کو اس طرح حل کیا کہ انہوں نے کم سے کم کہنے کے لئے اپنے کو خود مختار بادشاہ نہیں مانا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے کسی ذاتی حق سے بادشاہت نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس دوسرے بیٹھے ہوئے مسلم بادشاہ کے مقرر کردہ افسر یا نائب کی حیثیت سے کم کر رہے ہیں جو اپنے کو خلیفہ کہتا ہے۔ باہر اور اس کے بعد کے بادشاہوں نے اس لئے اس پرانی عرفی رسم

باتوں میں مغل بادشاہ اسلام کے ایجنٹوں کی طرح بھی کام کرتے تھے۔ یہاں ایک اصول کی بات ہے۔ مغل بادشاہ اور سب سے زیادہ اورنگزیب اسلام کے ایجنٹ سے زیادہ اور کچھ نہ تھے۔ اب اس بات کے کہنے میں غصہ کرتا تھا کہ میری فتنوں سے اسلام کے اصول دور دور تک بھول گئے ہیں اور اسلام کے پیغمبر کا حکم ان ملکوں تک پہنچتا ہے جہاں پہلے کبھی پیغمبر کا نام ہی نہیں سنایا گیا تھا۔

جہانگیر اور شاہجہاں دونوں اپنے کو سچے دین کے رक्षک मानتے تھے اور دین کے جاذبہ ہک کا خیال رکھتے تھے۔ اورنگزیب کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ کم سے کم باہر کے رہن سہن میں غیر مسلمانوں میں بھی اسلام رہن سہن کو بڑھایا جائے۔ ساتھ ہی اورنگزیب کو بھی اس معاملے میں عیسائیوں کے ساتھ یہ رعایت کرنی پڑی تھی۔ انہیں شراب پینے کی اجازت دے گئی تھی جب کہ باقی تمام رعایا کے لئے شراب پینا قانوناً منع تھا۔ لیکن اسلامی حکومت کے وہ اصول جو خاص کر قرآن پر نہیں بلکہ بعد کے مسلم بادشاہوں کے رواجوں اور اہل ان کے غیر مسلم بادشاہوں کی رعایتوں پر ڈھال لئے گئے تھے آسانی سے ہندوستان میں نہ چل سکتے تھے۔ ایک سوال یہ تھا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب۔ دارالاسلام کے معنی ہیں مسلمانوں کا گھر اور دارالحرب کے معنی ہیں مسلمانوں کے حملے کی جگہ۔ اس طرح کے سیدھے سادے معاملے میں بھی اورنگزیب جیسے بادشاہ کے لئے بھی ان مسلم رواجوں کو جو ہندوستان کے باہر چلتے تھے ہندوستان میں جاری کرنا ناممکن تھا۔ اس سے پہلے کے ہندوستان کے مسلم بادشاہوں نے کبھی کبھی مسلم شرع یا مسلم رواج کے خلاف عمل کر لے کی بھی ہمت نہ کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے ہندوستان آنے کے شروع کے دنوں میں ہی یہ بات سمجھ لی گئی تھی کہ تمام ہندوستان کو اسلام کا ایڈمنسٹریشن ہے۔ یہ معاملہ یہیں پر رہ گیا اور اس کی بجائے ہندوستان کے اندر اسلامی قانون اور اسلامی رواج میں کئی تبدیلیاں کرنی پڑیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اصول بالکل ختم ہو گیا۔ ہندوستان میں یہاں کے مسلمان بادشاہ مذہب اسلام کے متحضر ایجنٹ بن کر چکوتے کریں۔

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مغلوں کی حکومت کا قیام کیا تھا۔ مغل حکومت یعنی شخصی حکومت یعنی ایک آدمی کی حکومت تو تھی ہی لیکن وہ ایک حد کے اندر ہی شخصی حکومت تھی۔ بادشاہ عام طور پر بہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں اسلام کے ایک ایجنٹ کی

باتوں میں مغل بادشاہ اسلام کے ایجنٹوں کی طرح بھی کام کرتے تھے۔ یہاں ایک اصول کی بات ہے۔ مغل بادشاہ اور سب سے زیادہ اورنگزیب اسلام کے ایجنٹ سے زیادہ اور کچھ نہ تھے۔ اب اس بات کے کہنے میں غصہ کرتا تھا کہ میری فتنوں سے اسلام کے اصول دور دور تک بھول گئے ہیں اور اسلام کے پیغمبر کا حکم ان ملکوں تک پہنچتا ہے جہاں پہلے کبھی پیغمبر کا نام ہی نہیں سنایا گیا تھا۔

جہانگیر اور شاہجہاں دونوں اپنے کو سچے دین کے رक्षک ماننے تھے اور دین کے جذبہ حق کا خیال رکھتے تھے۔ اورنگزیب کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ کم سے کم باہر کے رہن سہن میں غیر مسلمانوں میں بھی اسلام رہن سہن کو بڑھایا جائے۔ ساتھ ہی اورنگزیب کو بھی اس معاملے میں عیسائیوں کے ساتھ یہ رعایت کرنی پڑی تھی۔ انہیں شراب پینے کی اجازت دے گئی تھی جب کہ باقی تمام رعایا کے لئے شراب پینا قانوناً منع تھا۔ لیکن اسلامی حکومت کے وہ اصول جو خاص کر قرآن پر نہیں بلکہ بعد کے مسلم بادشاہوں کے رواجوں اور اہل ان کے غیر مسلم بادشاہوں کی رعایتوں پر ڈھال لئے گئے تھے آسانی سے ہندوستان میں نہ چل سکتے تھے۔ ایک سوال یہ تھا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب۔ دارالاسلام کے معنی ہیں مسلمانوں کا گھر اور دارالحرب کے معنی ہیں مسلمانوں کے حملے کی جگہ۔ اس طرح کے سیدھے سادے معاملے میں بھی اورنگزیب جیسے بادشاہ کے لئے بھی ان مسلم رواجوں کو جو ہندوستان کے باہر چلتے تھے ہندوستان میں جاری کرنا ناممکن تھا۔ اس سے پہلے کے ہندوستان کے مسلم بادشاہوں نے کبھی کبھی مسلم شرع یا مسلم رواج کے خلاف عمل کر لے کی بھی ہمت نہ کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے ہندوستان آنے کے شروع کے دنوں میں ہی یہ بات سمجھ لی گئی تھی کہ تمام ہندوستان کو اسلام کا ایڈمنسٹریشن ہے۔ یہ معاملہ یہیں پر رہ گیا اور اس کی بجائے ہندوستان کے اندر اسلامی قانون اور اسلامی رواج میں کئی تبدیلیاں کرنی پڑیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اصول بالکل ختم ہو گیا۔ ہندوستان میں یہاں کے مسلمان بادشاہ مذہب اسلام کے متحضر ایجنٹ بن کر چکوتے کریں۔

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مغلوں کی حکومت کا قیام کیا تھا۔ مغل حکومت یعنی شخصی حکومت یعنی ایک آدمی کی حکومت تو تھی ہی لیکن وہ ایک حد کے اندر ہی شخصی حکومت تھی۔ بادشاہ عام طور پر بہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں اسلام کے ایک ایجنٹ کی

لیا تھا۔ سدھولسدر راج کا خاں خاں تھا۔ شاہد ملوک بھر میں وہ شہر کا سب سے بڑا جاننے والا سمجھا جاتا تھا اور ممکن ہے کہ شروع پر سب سے زیادہ واقف ہی ہو۔ سب مل بادشاہوں نے شروع کا مطلب اعلان کرنے کا پورا حق صدر کو دے رکھا تھا۔ صرف انہی نے یہ حق اپنے ہاتھ میں لیا تھا کہ جب کبھی عام لوگوں کی رائے نہ ملتی تھی تو بادشاہ عادل کی حیثیت سے خود ان میں سے جس رائے کو ٹھیک سمجھتے اسی پر عمل کرتے۔ لیکن اس اعلان پر بھی انہی اُس وقت تک عمل نہ کر سکا جب تک اُس نے اپنے پرانے صدر الصدور کو نکال کر اُس کی جگہ دوسرا صدر مقرر نہ کر لیا۔ عبداللہی کو نکال کر اُس کی جگہ صدر جہاں کو مقرر کیا گیا۔ علمائوں کے فتوے کا اعلان بھی تب تک نہیں ہو سکا جب تک کہ صدر الصدور نے خاص کر دستخط نہیں کر دیا۔ یہ ایک عجیب صورت تھی۔ صدر الصدور جب تک صدر الصدور رہتا تھا تب تک صرف اُسے ہی یہ اعلان کرنے کا حق تھا کہ شروع کا حکم کیا ہے۔ لیکن بادشاہ صدر کو مقرر اور برخاست کر سکتا تھا۔ وہ بادشاہ کے ماتحت نہ تھا بلکہ بادشاہ اُسے نکال سکتا تھا۔ اورنگزیب کے تخت پر بیٹھنے کے وقت اس کی بہت اچھی مثال دیکھنے کو ملی۔ صدر الصدور نے شاہجہاں کے زندہ رہتے ہوئے اورنگزیب کو بادشاہ قرار دینے سے انکار کر دیا۔ اورنگزیب کو اُسے برخاست کر کے دوسرا صدر مقرر کرنا پڑا۔ اس دوسرے صدر نے پہلے ہی سے یہ رائے ظاہر کر دی تھی کہ چونکہ شاہجہاں قید میں ہوئے کی وجہ سے کام کرنے کے قابل نہیں اس لئے اُس کے زندہ رہتے ہوئے بھی اورنگزیب کے نام کا خطبہ پڑھا جاسکتا ہے۔ اس طرح مغل بادشاہوں کے لئے اپنے کسی کام کو ٹھیک ثابت کرنے کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی ایسا عالم قہرندہ لیں جو صدر الصدور بن کر بادشاہ کے کام کو جائز قرار دے سکے۔ اورنگزیب کے زمانے میں ایک اور طرح سے یہ چمک گیا کہ شروع کے معاملے میں بادشاہ کس طرح دوسرے کے ماتحت تھا۔ کچھ افسر اس کام کے لئے مقرر کئے گئے تھے جو رعایا کو اجازت دیتے تھے کہ وہ اگر بادشاہ کے خلاف کوئی نالہ کرنا چاہیں تو کر سکیں۔ یہ افسر واقعہ شروع کہلاتے تھے۔ یہ مقدمہ بادشاہ کے خلاف اُس طرح کے ذاتی معاملوں میں دائر ہوتے جاسکتے تھے جس طرح کہ انگریزی قانون میں پیٹنٹس آف رائٹ کے ماتحت دائر کیا جاتا تھا۔ اورنگزیب ہی حکومت کی پالیسی سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ کوئی اُس کے مطابق ملک کے راج کاج میں دخل دے سکتا تھا۔

مغل سلطنت مذہبی سلطنت نہ تھی، لیکن کئی

جان بھڑا دینے کے بجائے اسے کافی کے پاس حکم کے لئے بھیج دیا۔ اورنگزیب کا زمانہ مسلمانوں کے پورے زور کا زمانہ تھا اور اورنگزیب خوشی سے مسلمانوں کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیتا تھا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مغل راج مذہبی راج تھا۔ مغل راج سے پہلے کے پہلے شروع زمانے کے مسام بادشہوں کا عمل چاہے کیسا بھی رہا ہو مغلوں کی حکومت اسلامی یا مذہبی نہیں کہی جاسکتی۔ مذہبی حکومت کا مطلب یہ ہے کہ حکومت یعنی سرکار پروردہوں، پادریوں یا ملاؤں کے ماتحت ہو۔ اسلام نے عیسائی چرچ کی طرح کبھی مسلم ملاؤں کا اجتماع نہیں کھڑا کیا۔ اسلام میں کبھی بھی کوئی خاص پروردہ یعنی مذہبی رسمیں ادا کرنے والی کوئی خاص جماعت نہیں رہی۔ مذہبی طور پر اسلام میں کبھی بھی کوئی خاص چھوٹے بڑے پروردہ یا پادری نہیں ہوتے۔ اس لئے مضمون میں مذہبی حکومت مسام راج میں ہو ہی نہیں سکتی تھی جب کہ کسی کو کسی وقت بھی شرع کا ایک ایسا مطلب بتا دینے کا حق نہیں تھا جس میں غلطی نہ ہو سکے۔ مسلمانوں میں خلیفہ ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی ایک ساتھ ایک سے زیادہ بھی خلیفہ ہوتے ہیں۔ لیکن خلیفہ ان معنوں میں مسلمانوں کا روحانی حاکم نہیں ہوتا تھا جن معنوں میں ابھی تک پوپ کہیتولک عیسائیوں کا روحانی حاکم ہے۔ جس طرح پوپ کو عیسائی دہرم کے معاملوں میں اس طرح کے حکم جاری کرنے کا حق ہے جن کا ماننا ہر عیسائی کا فرض ہے اس طرح خلیفہ کو بھی عام مسلمانوں کے لئے حکم جاری کرنے کا حق حاصل نہیں ہوا۔ اسلام ابھی تک مذہبی معاملوں میں صرف ایک ہی چیز کے سند ماننا ہے اور وہ ہے رسول کی حدیثوں اور صحابہ کی زندگی کے واقعات کی روشنی میں قرآن کا حکم۔ اس میں صرف ایک تبدیلی مان لی گئی تھی، وہ یہ کہ تمام مسلم دنیا مل کر جس چیز کو جائز کہہ دے وہ جائز ہے۔

جب کہ سب جگہ اسلام کی صورت یہ تھی تو ہندوستان میں اور خاص کر مغل ہندوستان میں تو یہ اور بھی زیادہ ضروری تھی۔ اس ملک میں ہندوستان کی آبادی کے ایک بہت بڑے حصے کے ساتھ اسلام کو شروع سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جس ملک میں آبادی کے اتنے بڑے حصے کو بڑے بڑے معاملوں میں ان کے اپنے قانون کے ماتحت چھوڑ دیا گیا تھا وہاں اسلام کی کوئی مذہبی حکومت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس معاملے میں اورنگزیب نے بھی کوئی تبدیلی کرنے کی کوشش نہیں کی۔

لیکن ایک بات ایسی تھی کہ جس میں مغل راج نے ایک مذہبی راہ کے اختیار کو بہت درجہ تک مان

لیکن ایک بات ایسی تھی کہ جس میں مغل راج نے ایک مذہبی راہ کے اختیار کو بہت درجہ تک مان

لیکن ایک بات ایسی تھی کہ جس میں مغل راج نے ایک مذہبی راہ کے اختیار کو بہت درجہ تک مان

لیکن ایک بات ایسی تھی کہ جس میں مغل راج نے ایک مذہبی راہ کے اختیار کو بہت درجہ تک مان

لیکن ایک بات ایسی تھی کہ جس میں مغل راج نے ایک مذہبی راہ کے اختیار کو بہت درجہ تک مان

کیا جاتا تھا کہ جو مسلمان مذہبی جرم کریگا یعنی اپنے کسی مذہبی فرض کو پورا نہیں کرے گا اُس پر خاص حالتوں میں شرع کے مطابق مقدمہ نہیں چلایا جائیگا۔ انہا پرنا ہے کہ مغل بادشاہوں نے اِس معاملے میں لوگوں کو کافی رعایت دے دی تھی۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اِس کی پہل اکبر نے کی تھی لیکن یہ غلط ہے۔ اکبر سے پہلے علاؤ الدین اور محمد تغلق اِسی طرح کا آزاد تختہ اختیار کر چکے تھے۔ اکبر نے خود اپنے سلطان عادل یا امام عادل ہونے کا جو فرمان علمائوں کو جمع کر کے اُن سے جاری کرایا تھا جس کے مطابق علمائوں کی ایک دوسرے کے خلاف دو رائیوں میں کسی ایک کو ٹھیک اعلان کر دینے کا اکبر کو حق مل گیا تھا، جیسے یورپ والے غلطی سے "انفالٹہ بلٹی ڈکری" یعنی "پادشاہ کی معصومیت کا فرمان" کہتے ہیں، وہی اصل میں مسلم شرع کو بدلنے والی چیز نہیں تھی بلکہ ایک درجے تک مسلمانوں کو تسلی دینے والی چیز تھی۔ علاؤ الدین نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ "میں شرع کا قانون نہیں مانتا اور اِس لئے جو میرا دل کہتا ہے وہی کرتا ہوں۔" اِس کے خلاف اکبر کا بیڑا کھٹا تھا کہ "میں جو کرتا ہوں شرع کے مطابق کرتا ہوں۔ صرف شرع کے جائفے والے مختلف عالموں کو دو الگ الگ رائے ایک دوسرے کے خلاف موجود ہیں ان میں سے میں کسی ایک رائے کو چن لیتا ہوں۔" اِس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاں تک اصول کی بات ہے اکبر نے یہی شرع کو بدلنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ عدل میں اُس نے شرع کے کچھ حکموں کی پروا نہیں کی اور اُس کا عمل دسی بات میں شرع کے خلاف رہا۔

اورنگزیب نے شرع کے بدلنے کے اِس حق سے بالکل ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ بار بار دیکھتے ہیں اُنہا نے کہ اورنگزیب نہ صرف دیوانی اور فوجداری کے معاملے میں ہی شرع کے عالموں کی رائے لیتا تھا بلکہ سرکاری نوکس گالے کے معاملے، تجارت اور بیوپار کے فائدے قانون بنانے میں بھی وہ اثر شرع کا حکم دیکھتا تھا۔ احمد آباد میں کچھ لوگوں نے تار بنانے کا کام اپنے ہی ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔ اورنگزیب نے عالموں سے صلاح کو اِس اجارے کو توڑ دیا اور سب کو تار بنانے اور بیچنے کی اجازت دے دی۔ ایک مرتبہ اورنگزیب نے غلہ وغیرہ کا نرخ باندھ دینا چاہا لیکن جیسے ہی اُسے معلوم ہوا کہ ایسا شرع کے خلاف ہے اُس نے اپنی کوشش بند کر دی۔ اُسے کسی کے مسلمان ہونے پر خوشی ہوتی تھی لیکن پھر بھی ایک مرتبہ جب کسی آدمی نے جسے قتل کے معاملے میں موت کی سزا دی گئی تھی، مسلمان ہو جانے اور جان بخشوانے کی خواہش ظاہر کی تو اورنگزیب نے اُس کی

اورنگزیب نے شرع کے بدلنے کے اِس حق سے بالکل ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ بار بار دیکھتے ہیں اُنہا نے کہ اورنگزیب نہ صرف دیوانی اور فوجداری کے معاملے میں ہی شرع کے عالموں کی رائے لیتا تھا بلکہ سرکاری نوکس گالے کے معاملے، تجارت اور بیوپار کے فائدے قانون بنانے میں بھی وہ اثر شرع کا حکم دیکھتا تھا۔ احمد آباد میں کچھ لوگوں نے تار بنانے کا کام اپنے ہی ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔ اورنگزیب نے عالموں سے صلاح کو اِس اجارے کو توڑ دیا اور سب کو تار بنانے اور بیچنے کی اجازت دے دی۔ ایک مرتبہ اورنگزیب نے غلہ وغیرہ کا نرخ باندھ دینا چاہا لیکن جیسے ہی اُسے معلوم ہوا کہ ایسا شرع کے خلاف ہے اُس نے اپنی کوشش بند کر دی۔ اُسے کسی کے مسلمان ہونے پر خوشی ہوتی تھی لیکن پھر بھی ایک مرتبہ جب کسی آدمی نے جسے قتل کے معاملے میں موت کی سزا دی گئی تھی، مسلمان ہو جانے اور جان بخشوانے کی خواہش ظاہر کی تو اورنگزیب نے اُس کی

اگرچہ تھا لیکن اس کے بنانے میں مورال راج کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ ان یورپ والوں کو کوئی مورال کانون نہیں ملے کیونکہ مغلوں نے کبھی نئے قانون بنائے ہی نہیں۔ یہ ہونے قانون تو اس زمانے میں اتنے زیادہ تھے کہ اورنگزیب نے جو خود بڑا عالم تھا، یہ محسوس کیا کہ مسلم شرع کی پیروی میں سے راستہ ملنا بھی کبھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اورنگزیب نے شرع کے قانون کو پور سے ترتیب دے کر لکھوایا۔ اس کام میں اورنگزیب نے بادشاہ کی حیثیت سے اپنا کوئی اختیار نہیں جتایا۔ ”فتوۃ عالمگیری“ نام کی کتاب تیار کرائی گئی۔ بہت سے عالموں نے مل کر اسے تیار کیا۔ کتاب کے نام کے ساتھ عالمگیری کے نام سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اس میں کوئی عالمگیری کا حکم شامل ہے۔ ہر بات جو کتاب میں کہی گئی ہے اس کے لئے کتاب لکھنے والے عالموں نے شرع کی کسی نہ کسی پرانی کتاب سے حوالہ دیا ہے۔

مورال زمانے میں ہی مغلوں دھرم شاستر کی بھی کئی سفکرت کتابیں تیار کرائی گئیں؛ لیکن ان میں بھی کسی بادشاہ کے حکم سے کوئی بات نہیں لکھی گئی۔ نہ ”کر“ ”رکھونندن“ متر مشر، نورنگ اور بہت سے چھوٹے موٹے یلذتوں نے دھرم شاستر کے الگ الگ حصوں پر محنت کی، ان ودوانوں نے ہمیشہ پرانے شاستروں سے ہی لے کر اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ کہیں کہیں اتنا ضرور کیا ہے کہ جہاں انہیں پرانی کتابوں میں طرح طرح کی ایک دوسرے کے خلاف رائے ملتی ہیں وہاں انہوں نے انہیں میں سے کسی ایک رائے کو لے کر اپنا ایک نیا راستہ بنایا ہے۔ اس معاملے میں ہندوؤں کو ایک اور رعایت تھی جو مسلمانوں کو نہیں تھی۔ ہندوؤں کی اپنی کچھڑیاں تھیں جو پنچائت میں لگاتی تھیں۔ دھرم شاستر کا مطلب معلوم کرنے میں جہاں دقت ہوتی تھی یہ پنچائتیں اس پر آخری فیصلہ دیتی تھیں۔ عام منزل زمانے میں کسی منزل بادشاہ کی طرف سے ان پنچائتوں کے رنگ روپ، ان کے پنچتوں یا ان کے کام کے قہرنگ کو بدلنے یا اس میں دخل دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔

فوجداری کا قانون یعنی جرمن کی سزا دینے کا قانون اسلامی قانون تھا۔ معمولی طور پر رعایا اور راج اور رعایا کے تعلق اسلامی قانون سے چلتے تھے۔ اگر لے منزل راج کی مذہبی پالیسی کو بدل کر ایک خاص نئی تبدیلی کی تھی۔ لیکن جو تبدیلیاں انہوں نے کیں وہ بھی اصل میں ملک کے امن آسان سے ہی واسطہ رکھتی تھیں۔ ایسے موقعوں پر عام طور سے راج کی طرف سے یہ اعلان کر دیا جاتا تھا کہ کچھ قاعدے راج کو ترو دینے پر بھی ”رکار“ خاص کر، غیر مسلم قانون کو ترو دینے میں نہیں چلے گی۔ کبھی کبھی یہ اعلان

مورال زمانے میں ہی مغلوں دھرم شاستر کی بھی کئی سفکرت کتابیں تیار کرائی گئیں؛ لیکن ان میں بھی کسی بادشاہ کے حکم سے کوئی بات نہیں لکھی گئی۔ نہ ”کر“ ”رکھونندن“ متر مشر، نورنگ اور بہت سے چھوٹے موٹے یلذتوں نے دھرم شاستر کے الگ الگ حصوں پر محنت کی، ان ودوانوں نے ہمیشہ پرانے شاستروں سے ہی لے کر اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ کہیں کہیں اتنا ضرور کیا ہے کہ جہاں انہیں پرانی کتابوں میں طرح طرح کی ایک دوسرے کے خلاف رائے ملتی ہیں وہاں انہوں نے انہیں میں سے کسی ایک رائے کو لے کر اپنا ایک نیا راستہ بنایا ہے۔ اس معاملے میں ہندوؤں کو ایک اور رعایت تھی جو مسلمانوں کو نہیں تھی۔ ہندوؤں کی اپنی کچھڑیاں تھیں جو پنچائت میں لگاتی تھیں۔ دھرم شاستر کا مطلب معلوم کرنے میں جہاں دقت ہوتی تھی یہ پنچائتیں اس پر آخری فیصلہ دیتی تھیں۔ عام منزل زمانے میں کسی منزل بادشاہ کی طرف سے ان پنچائتوں کے رنگ روپ، ان کے پنچتوں یا ان کے کام کے قہرنگ کو بدلنے یا اس میں دخل دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔

فوجداری کا قانون یعنی جرمن کی سزا دینے کا قانون اسلامی قانون تھا۔ معمولی طور پر رعایا اور راج اور رعایا کے تعلق اسلامی قانون سے چلتے تھے۔ اگر لے منزل راج کی مذہبی پالیسی کو بدل کر ایک خاص نئی تبدیلی کی تھی۔ لیکن جو تبدیلیاں انہوں نے کیں وہ بھی اصل میں ملک کے امن آسان سے ہی واسطہ رکھتی تھیں۔ ایسے موقعوں پر عام طور سے راج کی طرف سے یہ اعلان کر دیا جاتا تھا کہ کچھ قاعدے راج کو ترو دینے پر بھی ”رکار“ خاص کر، غیر مسلم قانون کو ترو دینے میں نہیں چلے گی۔ کبھی کبھی یہ اعلان

فوجداری کا قانون یعنی جرمن کی سزا دینے کا قانون اسلامی قانون تھا۔ معمولی طور پر رعایا اور راج اور رعایا کے تعلق اسلامی قانون سے چلتے تھے۔ اگر لے منزل راج کی مذہبی پالیسی کو بدل کر ایک خاص نئی تبدیلی کی تھی۔ لیکن جو تبدیلیاں انہوں نے کیں وہ بھی اصل میں ملک کے امن آسان سے ہی واسطہ رکھتی تھیں۔ ایسے موقعوں پر عام طور سے راج کی طرف سے یہ اعلان کر دیا جاتا تھا کہ کچھ قاعدے راج کو ترو دینے پر بھی ”رکار“ خاص کر، غیر مسلم قانون کو ترو دینے میں نہیں چلے گی۔ کبھی کبھی یہ اعلان

شاہی حکومت کے سبب سے پہلے یہ بات ہے کہ وہ صرف ایک راجہ کی چیز ہے یا وہ نظروں کا دھڑکا ہے یا یہ ہے کہ اور سب چیزوں کی طرح بادشاہ کا پیدا کرنے والا ہی ہے۔ اب ہم اپنے دوسرے مسئلے پر آجاتے ہیں یعنی یہ کہ مغل حکومت کہاں تک ایشیائی فنانشائی تھی۔ اس سے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ "ایشیائی فنانشائی" کیا چیز ہے؟ اس بات میں بہت شک ہے کہ ایشیا میں کبھی کسی خاص قسم کی فنانشائی گدی گئی ہو جو یورپ کی فنانشائی سے زیادہ بڑی ہو۔ اس قسم کی حکومت میں یورپ اور ایشیا اور یورپ کا کوئی فرق نہیں۔ جیسے فرانس میں لونی چودھواں یہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں بھی حکومت ہوں ویسے ہی ہندوستان میں اورنگزیب نے اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں کہی۔ بلکہ عام طور پر یہ دعویٰ بھی نہیں کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مغل بادشاہوں کی حکومت شاہی حکومت تھی۔ اس زمانے میں عام چلتا کے چند ٹوٹے لوگوں کی کوئی اس طرح کی کونسل یا پارلیمنٹ وغیرہ نہیں تھی جس کے ذریعہ بادشاہ کے کاموں پر روک تھام رکھی جا سکتی۔ لیکن اگر اس کے یہ معنی ہوں کہ مغل بادشاہ اپنی رعایا کے جان مال کے پورے مالک تھے اور جو چاہے کر سکتے تھے یا سیاسی معاملوں میں بھی جو چاہے حکم دے سکتے تھے، انہیں کبھی بھی قانون کے ماتحت نہیں مانتا تھا، بلکہ وہ اکثر خود اپنے کو قانون کے نوکر کہتے تھے تو دوسری بات ہے۔ جائیداد وغیرہ سب طرح کے معاملوں میں رعایا کا کل ذاتی قانون ہندو دھرم-شاستر اور مسلم شریعہ پر چلتا تھا۔ مغل بادشاہ مانتے تھے کہ انہوں نے اس میں تبدیلی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جہاں تک چلتا ہے صرف شاہ جہاں نے ایک موقع پر ہندو دھرم شاستر میں کچھ تبدیلی کی تھی۔ یہ اس وقت جب شاہ جہاں نے یہ حکم جاری کر دیا کہ اگر کوئی ہندو اسلام کو اپنانا چاہے تو اس گھر کے لوگ اس پر جائیداد وغیرہ کے حق کا بیجا دباؤ نہ ڈالیں۔ ممکن ہے کہ اس سے دھرم شاستر کے جائیداد کے وراثت کے قانون میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی ہو۔ کیونکہ دھرم شاستر کا قانون یہ رہا ہوگا کہ مذہب بدل لینے پر کوئی شخص اپنی خاندانی وراثت نہیں پاسکتا۔ اور شاہ جہاں کے قانون کے مطابق اگر کسی ہندو مسلمان ہو جائے تو وہ اپنی خاندانی وراثت پاسکتا تھا۔ مسلمانوں کی شریعت میں تو کبھی کسی بادشاہ نے کسی تبدیلی کی کوشش نہیں کی۔

اس وجہ سے کچھ مشہور یورپین مسافروں نے یہ عجیب بات کہہ ڈالی ہے کہ مغلوں کے زمانے میں کوئی لکھا ہوا قانون تھا ہی نہیں۔ لکھا ہوا قانون تو

اس میں کوئی شک نہیں کہ مغل بادشاہوں کی حکومت شاہی حکومت تھی۔ اس زمانے میں عام چلتا کے چند ٹوٹے لوگوں کی کوئی اس طرح کی کونسل یا پارلیمنٹ وغیرہ نہیں تھی جس کے ذریعہ بادشاہ کے کاموں پر روک تھام رکھی جا سکتی۔ لیکن اگر اس کے یہ معنی ہوں کہ مغل بادشاہ اپنی رعایا کے جان مال کے پورے مالک تھے اور جو چاہے کر سکتے تھے یا سیاسی معاملوں میں بھی جو چاہے حکم دے سکتے تھے، انہیں کبھی بھی قانون کے ماتحت نہیں مانتا تھا، بلکہ وہ اکثر خود اپنے کو قانون کے نوکر کہتے تھے تو دوسری بات ہے۔ جائیداد وغیرہ سب طرح کے معاملوں میں رعایا کا کل ذاتی قانون ہندو دھرم-شاستر اور مسلم شریعہ پر چلتا تھا۔ مغل بادشاہ مانتے تھے کہ انہوں نے اس میں تبدیلی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جہاں تک چلتا ہے صرف شاہ جہاں نے ایک موقع پر ہندو دھرم شاستر میں کچھ تبدیلی کی تھی۔ یہ اس وقت جب شاہ جہاں نے یہ حکم جاری کر دیا کہ اگر کوئی ہندو اسلام کو اپنانا چاہے تو اس گھر کے لوگ اس پر جائیداد وغیرہ کے حق کا بیجا دباؤ نہ ڈالیں۔ ممکن ہے کہ اس سے دھرم شاستر کے جائیداد کے وراثت کے قانون میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی ہو۔ کیونکہ دھرم شاستر کا قانون یہ رہا ہوگا کہ مذہب بدل لینے پر کوئی شخص اپنی خاندانی وراثت نہیں پاسکتا۔ اور شاہ جہاں کے قانون کے مطابق اگر کسی ہندو مسلمان ہو جائے تو وہ اپنی خاندانی وراثت پاسکتا تھا۔ مسلمانوں کی شریعت میں تو کبھی کسی بادشاہ نے کسی تبدیلی کی کوشش نہیں کی۔

اس وجہ سے کچھ مشہور یورپین مسافروں نے یہ عجیب بات کہہ ڈالی ہے کہ مغلوں کے زمانے میں کوئی لکھا ہوا قانون تھا ہی نہیں۔ لکھا ہوا قانون تو

کچھ ہوتا ہے وہ خدا کے ہی حکم سے ہوتا ہے۔ ان باتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مغل بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ معمولی انسان سے کچھ بھی اونچا رتبہ رکھتے تھے اور نہ ان چیزوں سے انہیں کوئی مذہبی یا دینی رتبہ حاصل ہوتا تھا۔ اُس زمانے کے یورپ کے بہت سے بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ ان کی تخت نشینی کے وقت ان کے سر پر ہونے والی کی مالش کئے جانے سے ان کو خاص مذہبی رتبہ حاصل ہو جاتا تھا جو عام انسانوں کو حاصل نہیں تھا۔ اس بارے میں مغل بادشاہوں کا جو خیال تھا اور یورپ کے (Divine Right) خدائی حق ماننے والے بادشاہوں کا جو خیال تھا ان دونوں کا فرق سترھویں صدی کے انگلستان کی تاریخ کو دیکھنے سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے۔ جب جیمس اول نے راج کے لئے اپنے حق کو خدا کا دیا حق بتایا تو یہ ایک مذہبی اصول پیدا ہو گیا کہ بادشاہ کی اسی چیز کی کسی کو مخالفت نہیں کرنی چاہئے اور سب کو بادشاہ کا حکم چمپ چاپ مان لینا چاہئے۔ بادشاہ سے بغاوت کرنا صرف ایک قانونی جرم ہی نہیں رہا بلکہ ایک مذہبی گناہ بھی سمجھا گیا جس کو ہراوک یا آخرت میں پھینکا ہوگا۔ اسی سے انگلینڈ کے انقلاب کے بعد ایسے پادری ہو گئے تھے جنہوں نے وادیم اور مڈری کی وفاداری کی قسم کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان میں اُس زمانے کے انگلستان کے کچھ بڑے سے بڑے پادری بھی شامل تھے۔ انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جیمس دوم جو سمنڈر پار چلا گیا تھا، اُن کا قانونی بادشاہ ہے۔ انہیں میں سے کچھ لوگوں نے مل کر ہالینڈ سے ولیم کو بلا دیا تھا تاکہ جیمس دوم انگلستان کو کیٹھونک بنا ڈالے کی کوشش نہ کر سکے۔ شاہی رتبہ نے بارے میں اِس طرح کا خیال مغل زمانے کے ہندوستان میں مروج نہ تھا۔ جب سلیم نے اپنے باپ اکبر کے خلاف بغاوت کی تو کسی قاضی نے اُس کے خلاف فتویٰ نہیں دیا اور نہ جب خرم نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تو کسی قاضی نے اُسے گناہگار ٹھہرایا۔ البتہ یہ سچ ہے کہ اورنگزیب نے گدی پر بیٹھنے کے وقت صدرالصدر نے اس کے نام کو پڑھنے اور اُس کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کرنے سے انکار کر دیا تھا، اِس لئے کہ اورنگزیب کا باپ شاہجہاں اُس وقت زندہ تھا۔ مگر اُس مثال سے مغل ناچ کے دیہی یا خدائی ہونے کا اصول ثابت نہیں ہوتا۔ اکبر کے زمانے میں بھی جب اُس کے سوانحیہ لکھے گئے تھے تو ہندوستان پر حملہ کیا تو اکبر نے کوئی خدائی دعویٰ نہیں کیا بلکہ باپ کی سلطنت کو وراثت میں پانے کے لئے صرف اپنی فوجی طاقت پر ہی بھروسہ کیا تھا۔ اِس طرح جہاں کہیں خدائی حق کا ذکر شاہی طائنت یا

ہندوستان میں مغل حکومت کا قہنگ

پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔

ہندوستان میں مغل بادشاہوں کی مصلحتی پالیسی پر اتنی گرم بحث ہوتی رہی ہے کہ مغلوں کے حکومت کرنے کے طریقے کے بارے میں لوگوں کو بہت کم جانکاری ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مغلوں کی حکومت بالکل ایک ایشیائی ناکامی تھی اور کوئی کہتا ہے کہ وہ ایک اسلامی یعنی مذہبی حکومت تھی۔ یہاں تک دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہندوستان کا راج مغلوں کی خدائی دین تھی اور کچھ لوگ مغل بادشاہوں کو اللہ کے مقرر کردہ ہونے کہتے ہیں، یعنی یہ کہ خود اللہ نے انہیں اس ملک پر حکومت کرنے کا حکم دیا تھا۔ بدقسمتی سے ان نظریوں پر پہنچنے سے پہلے لوگوں نے ان اصلی کتابیں اور دستاویزوں کو اچھی طرح نہیں دیکھا جو ہمارے پاس ہندوستان میں مغل حکومت کے بارے میں اس وقت موجود ہیں۔ شروع کے عرب قانون بنانے والوں کے قانونی مسئلوں اور دوسرے ممالک میں مسلمان بادشاہوں کے کاموں، یا ہندوستان کے باہر کے لیکھوں کی بڑی-بڑی لفظی باتوں سے یہاں کی مغل حکومت کا ٹک-ٹک کا شکل سامنے نہیں آتا۔ یہاں سے یہاں کی مغل حکومت کا ٹک-ٹک کا شکل سامنے نہیں آتا۔ یہاں سے یہاں کی مغل حکومت کا ٹک-ٹک کا شکل سامنے نہیں آتا۔

مغل زمانے کے کچھ اہم لوگوں کے حالات کے بارے میں ہمیں کچھ اندازہ ہے کہ انہیں خدا نے بادشاہت کا حق دیا تھا۔ پہلے ہم اسی دعوے پر غور کر لیتا چلتے ہیں۔ اب اور اس کے بعد کے بادشاہوں کو اس زمانے کے تاریخ نگاروں کے ہاں اس اندازہ کے اندر خدا کا خیال یا نایب کہہ کر بیان کیا ہے۔ جب جہانگیر کے بڑے خسرو نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تو جہانگیر نے خود اپنی قانونی (توک جہانگیری) میں دعویٰ کیا تھا کہ اس نے خدا نے ہندوستان کا شاہنشاہ بنا دیا ہے۔ شاہجہاں نے گولکندہ کے عادل شاہ کے نام اپنے ایک خط میں اپنے کو "خدا کا سایہ" (خدا کا سایہ) لکھا ہے۔ اورنگ زیب نے اپنے کو دنیا میں خدا کا وکیل لکھا ہے۔

یہ سب دعوے ثابت کرتے ہیں کہ مغل بادشاہ مانتے تھے کہ انہیں راج کرنے کا حق ظاہرہ دیکھنے میں خدا سے ملا ہوا ہے۔ لیکن جب ہم ذرا غور سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان بادشاہوں کے یہ سب دعوے صرف اس عام اسلامی یقین کو دہراتے ہیں کہ دنیا میں جو

ہندوستان میں مغل حکومت کا قہنگ

پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔

ہندوستان میں مغل بادشاہوں کی مذہبی پالیسی پر اتنی گرم بحث ہوتی رہی ہے کہ مغلوں کے حکومت کرنے کے طریقے کے بارے میں لوگوں کو بہت کم جانکاری ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مغلوں کی حکومت بالکل ایک ایشیائی ناکامی تھی اور کوئی کہتا ہے کہ وہ ایک اسلامی یعنی مذہبی حکومت تھی۔ یہاں تک دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہندوستان کا راج مغلوں کی خدائی دین تھی اور کچھ لوگ مغل بادشاہوں کو اللہ کے مقرر کردہ ہونے کہتے ہیں، یعنی یہ کہ خود اللہ نے انہیں اس ملک پر حکومت کرنے کا حکم دیا تھا۔ بدقسمتی سے ان نظریوں پر پہنچنے سے پہلے لوگوں نے ان اصلی کتابیں اور دستاویزوں کو اچھی طرح نہیں دیکھا جو ہمارے پاس ہندوستان میں مغل حکومت کے بارے میں اس وقت موجود ہیں۔ شروع کے عرب قانون بنانے والوں کے قانونی مسئلوں اور دوسرے ممالک میں مسلمان بادشاہوں کے کاموں، یا ہندوستان کے باہر کے لیکھوں کی بڑی-بڑی لفظی باتوں سے یہاں کی مغل حکومت کا ٹک-ٹک کا شکل سامنے نہیں آتا۔ یہاں سے یہاں کی مغل حکومت کا ٹک-ٹک کا شکل سامنے نہیں آتا۔ یہاں سے یہاں کی مغل حکومت کا ٹک-ٹک کا شکل سامنے نہیں آتا۔

مغل زمانے کے کچھ اہم لوگوں کے حالات کے بارے میں ہمیں کچھ اندازہ ہے کہ انہیں خدا نے بادشاہت کا حق دیا تھا۔ پہلے ہم اسی دعوے پر غور کر لیتا چلتے ہیں۔ اب اور اس کے بعد کے بادشاہوں کو اس زمانے کے تاریخ نگاروں کے ہاں اس اندازہ کے اندر خدا کا خیال یا نایب کہہ کر بیان کیا ہے۔ جب جہانگیر کے بڑے خسرو نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تو جہانگیر نے خود اپنی قانونی (توک جہانگیری) میں دعویٰ کیا تھا کہ اس نے خدا نے ہندوستان کا شاہنشاہ بنا دیا ہے۔ شاہجہاں نے گولکندہ کے عادل شاہ کے نام اپنے ایک خط میں اپنے کو "خدا کا سایہ" (خدا کا سایہ) لکھا ہے۔ اورنگ زیب نے اپنے کو دنیا میں خدا کا وکیل لکھا ہے۔

یہ سب دعوے ثابت کرتے ہیں کہ مغل بادشاہ مانتے تھے کہ انہیں راج کرنے کا حق ظاہرہ دیکھنے میں خدا سے ملا ہوا ہے۔ لیکن جب ہم ذرا غور سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان بادشاہوں کے یہ سب دعوے صرف اس عام اسلامی یقین کو دہراتے ہیں کہ دنیا میں جو

ستمبر 1957 ستمبر

کتابا کيس سے

صفحہ سفا

کتابا کيس سے

1. ہندوستان میں منزل حکومت کا ڈھنگ
—پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
... 89 ...
2. ہندی ماں
—پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
... 100 ...
3. ایک پاگل آدمی کی ڈائری
—پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
... 108 ...
4. ایک آتما کے الگ الگ روپ
—پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
... 121 ...
5. مہاتما گاندھی کے انوسار شانتی کا راستہ اور ایتھم
اور ہائڈروجن بم کا سوال
—پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
... 126 ...
6. ہمارا راتھ—
ایتم اور ہائڈروجن بم کے خلاف تیسرا
وشو سمیلن؛ ایشیا اور افریقہ کے
پرہیزدہوں کا اعلان نو دبر 57. 8. 16—
پلڈت سندر لال .

ہندوستان میں منزل حکومت کا ڈھنگ
—پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
... 89 ...

ہندی ماں
—پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
... 100 ...

ایک پاگل آدمی کی ڈائری
—پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
... 108 ...

ایک آتما کے الگ الگ روپ
—پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
... 121 ...

مہاتما گاندھی کے انوسار شانتی کا راستہ اور ایتھم
اور ہائڈروجن بم کا سوال
—پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
... 126 ...

ہمارا راتھ—
ایتم اور ہائڈروجن بم کے خلاف تیسرا
وشو سمیلن؛ ایشیا اور افریقہ کے
پرہیزدہوں کا اعلان نو دبر 57. 8. 16—
پلڈت سندر لال .

ہندستان کا ماہنامہ

نمبر 3 نمبر 24 جلد 24 جلد



ستمبر 1957 ستمبر

ہندستانی کلچر سوسائٹی کولچر سوسائٹی

145 مڈل سٹریٹ، کولکٹہ

145 مڈل سٹریٹ، کولکٹہ

Editorial Board

Dr. Tara Chand K.

Mahendra Bhagwan

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Reader, Law

Pandit Sunderlal

Bhishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bhishambhar Nath Pande

Asst. Editor

Sumant Ramabhai

Annual Subscription

Volume No. 6

Part No. 10

Single Copy Price / Volume 10 Rs. 100/-

نیا حصہ

اس نمبر کے خاص لیے اس نمبر کے खास लेख

ہندوستان میں مہاتما گاندھی کا دور کا دور
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

ایک انسان کے ایک ایک دور
—ڈاکٹر بھگوان داس—

مہاتما گاندھی کے انوسار شانتی
کا راستہ، اور پدم اور ہندو
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

ان کا سوال
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

پدم اور ہندو
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

ان کا سوال
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

پدم اور ہندو
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

ان کا سوال
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

پدم اور ہندو
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

ان کا سوال
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

پدم اور ہندو
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

ان کا سوال
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

پدم اور ہندو
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

ان کا سوال
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

پدم اور ہندو
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

ان کا سوال
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

پدم اور ہندو
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

ان کا سوال
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

پدم اور ہندو
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

ان کا سوال
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

پدم اور ہندو
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

ان کا سوال
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

پدم اور ہندو
—پروفیسر جی. راما سوامی اچاریہ—

ہندی घर

کتابچہ پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کेंद्र—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی अपनी मन-پसन्द کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیباد کے مانے جانے

بیروان : 225، قیمت دو روپے

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

لکھک—کدسیتا جی

مزمک—پنڈت جواہرلال نہرو

موتا کاغذ، موتا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں

دوم دو روپے

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قرآن

275 صفحہ، دوم ڈاڑ روپے

ہندو مسلمان اکوتا

100 صفحہ، دوم بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبک

قیمت بارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

قیمت دو آنے

ہندوستانی کلتھر سوسائٹی

145 سٹریٹ جواہر نگر

ہندی

ہر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا بڑا کیندر—پاٹک ہندی، انگریزی کی من پسند کتابوں کے امیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیباد کے مانے جانے

بیروان : 225، قیمت دو روپے

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب)

لکھک—کدسیتا جی

مزمک—پنڈت جواہرلال نہرو

موتا کاغذ، موتا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں

دوم دو روپے

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قرآن

275 صفحہ، دوم ڈاڑ روپے

ہندو مسلمان اکوتا

100 صفحہ، دوم بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

قیمت بارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

قیمت دو آنے

ہندوستانی کلتھر سوسائٹی

145 سٹریٹ جواہر نگر

[illegible]

40

انہیں کبھی سوائے بے چارے کوئی نہیں جو اپنا کڑوا دیکھا دیکھا کر پैसे مانگتا پھرتے ہیں اور کہیں کہیں کچھ ادھک پا جاتے ہیں تو شراب پی کر یا کسی اور برائی میں پھنس کر اپنا غم ظاہر کرنے کی بے کوشش کرتے ہیں۔ ان سب سے اوپر اُن کو دلی کے لاکھوں غریبوں کی حالت سے بھی ہم واقف ہیں جو اس سے زیادہ کہنے کو لبِ دل نہیں آہوتا۔

شاہنشاہوں، شاہی دنیا کے अधिकतर شاہنشاہوں کی ایک بہت بڑی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ انہیں خاص میلکوں کے ذریعے سے ہی دنیا کو دیکھنا مل سکتا ہے۔ اُن کے کان دوسروں کے کان ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں دوسروں کی آنکھیں۔ ان کو خبریں دینے والے تیار لیتے ہیں کہ ان کے مالک کس طرح کی خبریں سنانا چاہتے ہیں اور اُسی طرح کی خبریں وہ انہیں سناتے ہیں۔ جسے وہ چاہتے ہیں اُسی طرح اُن کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہم دنگ رہ گئے جب کہ دلی کے ایک بہت بڑے شامک نے ہم سے بات کرتے ہوئے کہا کہ—”لوگ خواہ مخواہ غلط لیتے ہیں کہ دیہی میں بیکاری ہے۔ کہیں بیکاری نہیں ہے۔“ ایک اور صاحب نے رائے ظاہر کی کہ—”دیہی کے نعمت گریہواتھوں کی ضرورت نہیں ہے، دیہی کو ضرورت ہے انجینئرس کی اور وہ بھی بیکار نہیں رہ سکتے۔“ یہ بتانے کا اُن پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا کہ دیہی کے انہیک انجینئرنگ سے کاجیوں پاس ہوئے گاٹی نوجوانوں ہر میں ایک دفتر سے دوسرے دفتر عرصہ ہوا لیکن گھومتے پھرتے ہیں۔ ہر شتاچار کی باہت تو عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ دیہی میں جو کچھ ہر شتاچار ہے وہ ہمیں انگریزی حکومت سے وراثت میں ملا ہے اور اُن چھ ماہ ہرس کے اندر گاٹی کم ہوا ہے اور دوسرے دیہیوں سے ہمارے دیہی میں ہر شتا اب بھی بہت کم ہے! اُن باتوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ نہتاؤں اور چلتا کے بیچ، شامکوں اور شامکوں کے بیچ کھائی اور بدگمانی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

—سندھ لال

—سندھ لال

بڑی ہمارے مینز کے ساتھ لگی ہوئی تھی اسی طرح سی پولیسی پٹی کی اور سے ایک مٹر اور ایک مٹر راہز کی بھی تھوٹی اسی جگہ لگی ہوئی تھی۔ اور ٹھک کریدنے پر ہمارے آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ ادھک رچہ ناچہ کرنے پر معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ کے اور بھی بہت سے ممبر سی طرح کے گٹروں سے دیے ہوئے ہیں۔ ان پر خرچ کرنے والے پنے خرچ کا پورا بدلہ چکا لہنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ان بلکتوں کے لہتے سمے بھی ہمارا دل خون کے آنسو بہا رہا ہے۔

میں نہیں معلوم کہ پارلیمنٹ کے ممبروں میں اس طرح کے ہاتھوں کا اہمیت ہے یا بھرمیت۔ پر ہم سمجھتے ہیں کہ اس انت میں کسی کو ہر کسی طرح کا کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ ہمارے اچکل کی پارلیمنٹوں اور دھارے سیٹوں میں مشکل سے دس فیصدی ممبر ایسے ہونگے جو سچے سچے پارلیمنٹوں کے ا دھارے سپا کے کلموں میں تجویزوں اور بلوں میں کوئی بچتی اور سہجہداری کی دلچسپی رکھتے ہوں۔ شامیں پر اور دیش بھر میں چھوٹے بڑے سرکاری کرمچاریوں پر جو اس کا برا اثر پڑتا ہے وہ کہیں بھی تھوڑی سی آنکھ کھول کر دیکھا جا سکتا ہے۔ دیش بھر میں جس طرح کی بوجھا دخل اندازی طرح طرح کے سرکاری کاموں میں ہوتی رہتی ہے اس کی پھانیاں دلی سے کلامتے دلی سے ہمتی، یا دلی سے مدراس کے لسی بھی ریل کے سفر میں انھک سلفہ کو مل سکتی ہیں۔ سلفہ کی اچھا رکھنے والے کو اس کے لئے دلی سے باہر جانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

اُنچے سے اُنچے نیتاؤں اور سرکاری لوگوں پر بھی اس کا اثر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چٹاؤں کے لئے نامزدگی کے طریقے نامزدگی کی کسوتیاں اور چٹاؤں کے تھلک لگ بھگ سب سدچار کی درشتی سے بطن کی حد کو بھرنے چکے ہیں۔ گڑی چل رہی ہے جس طرح بھی چل سکے اور جب تک چل سکے۔

دلی سے پچھلے سال پیلایا (Jaundice) کو بھا کے فکڑنے کی جو دھچٹنا دھڑے اور ابھی تک جاری ہے وہ کبھی انڈر کے گہرے رگ کا کھول ایک اوپری لکھن ہے۔ اس بیماری کا پھلنا ان حالات میں کسی کو کوئی عجب بات معلوم نہیں ہونی چاہئے۔ دلی بھارت کی راجدھانی ہے۔ بڑے بڑے شاموں اور نیتاؤں کا یہاں سدا جمہت رہتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے معطلوں جیسے بلکے ہیں۔ آٹھ دن بڑی بڑی دھنوں ہوتی ہیں۔ اسی دلی میں لگ بھگ دس ہزار انسان لگی لگی بھگ مانگتے پارتے ہیں۔ ان میں سے لگ بھگ آٹھ ہزار کو لگے کی سردی میں چھتروں میں لٹے ہوئے یا ہلا چھتروں کے کلمے آسمان کے نیچے پتروں پر پڑتے ہیں یا کسی طرح رات بتاتے ہیں۔

بڑی ہمارے مینز کے ساتھ لگی ہوئی تھی اسی طرح سی پولیسی پٹی کی اور سے ایک مٹر اور ایک مٹر راہز کی بھی تھوٹی اسی جگہ لگی ہوئی تھی۔ اور ٹھک کریدنے پر ہمارے آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ ادھک رچہ ناچہ کرنے پر معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ کے اور بھی بہت سے ممبر سی طرح کے گٹروں سے دیے ہوئے ہیں۔ ان پر خرچ کرنے والے پنے خرچ کا پورا بدلہ چکا لہنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ان بلکتوں کے لہتے سمے بھی ہمارا دل خون کے آنسو بہا رہا ہے۔

اُنچے سے اُنچے نیتاؤں اور سرکاری لوگوں پر بھی اس کا اثر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چٹاؤں کے لئے نامزدگی کے طریقے نامزدگی کی کسوتیاں اور چٹاؤں کے تھلک لگ بھگ سب سدچار کی درشتی سے بطن کی حد کو بھرنے چکے ہیں۔ گڑی چل رہی ہے جس طرح بھی چل سکے اور جب تک چل سکے۔

دلی سے پچھلے سال پیلایا (Jaundice) کی وبا کے پھلنے کی جو دھچٹنا ہوئی اور ابھی تک جاری ہے وہ کھول اندر کے گہرے رگ کا کھول ایک اوپری لکھن ہے۔ اس بیماری کا پھلنا ان حالات میں کسی کو کوئی عجب بات معلوم نہیں ہونی چاہئے۔ دلی بھارت کی راجدھانی ہے۔ بڑے بڑے شاموں اور نیتاؤں کا یہاں سدا جمہت رہتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے معطلوں جیسے بلکے ہیں۔ آٹھ دن بڑی بڑی دھنوں ہوتی ہیں۔ اسی دلی میں لگ بھگ دس ہزار انسان لگی لگی بھگ مانگتے پارتے ہیں۔ ان میں سے لگ بھگ آٹھ ہزار کو لگے کی سردی میں چھتروں میں لٹے ہوئے یا ہلا چھتروں کے کلمے آسمان کے نیچے پتروں پر پڑتے ہیں یا کسی طرح رات بتاتے ہیں۔

پارٹی سے सम्बन्ध रखने वाले बहुत से 'मेम्बरो' को अकसर ऐसे विषयों पर भी जिनका देश के भले या बुरे के साथ गहरा सम्बन्ध होता है अपनी अन्तर आत्मा की आवाज के खिलाफ भरे सदन में हाथ उठाना पड़ता है. इसका क्रूरती और लाजमी नतीजा यह है कि हमारी आजकल की पार्लिमेंटों या धारा सभाओं के अधिकांश मेम्बर इस बात पर सोचना भी बन्द कर देते हैं कि किस तजवीज या किस बिल से देश का क्या फायदा या क्या नुकसान होगा. वह मजबूर होकर अपनी मेम्बरी से दूसरी ही तरह के फायदे उठाने में लग जाते हैं.

इस तरह के मेम्बरों की हालत कुछ-कुछ उस जज की सी हालत होती है जो उस जवान माँ को जिसने किसी जबरदस्त दुख और निराशा की हालत में अपने तीन बरस के बच्चे का गला घोट कर मार डाला और फिर उस पर रोना और सिर पीटना शुरू किया. इसलिये फौसी की सजा देनी पड़ती है क्योंकि कानून की दफा, कानून का ज्ञान और कानूनी गवाहियाँ जज के लिये और कोई रास्ता ही नहीं छोड़ती. अकसर पढ़े लिखे जज तो इसे अपनी "डियुटी" अपना "फर्ज" समझ कर भी इस तरह के फैसले देते हैं.

आज हमारे सदाचार के गिरावट की यह हालत है कि देश के उत्तर से दक्खिन तक और पूरब से पच्छिम तक सैकड़ों शिक्षा संस्थाएँ ऐसी हैं जिनमें अध्यापकों से एक सौ बीस रुपये तनखाह लेकर दो सौ की रसीद पर वसूलत करने पड़ते हैं. हमें बड़ी हार्दिक वेदना के साथ कहना पड़ता है कि जिस तरह इस तरह की शिक्षा संस्थाओं में इस तरह के अध्यापकों से शिक्षा लेने वाले बालकों से यह आशा करना कि उनका चरित्र कभी भी जीवन में ऊँचा हो सकेगा, लगभग वैसा ही है, जैसा बबूल बोकल उससे आम की आशा करना. ठीक उसी तरह पारलिमेंट के या धारा सभाओं के जिन मेम्बरों को पारटी भक्ति के कारण अपनी अन्तर आत्मा की आवाज के खिलाफ हाथ उठाना पड़ जाता है उनसे यह आशा करना कि वह उन जिम्मेवारी की कुरसियों पर बैठ कर देश को सचमुच ऊँचा ले जा सकेंगे या करोड़ों जनता का सच्चा भला कर सकेंगे उतना ही गलत है.

इस दर्दनाक हालत का असर देश की इन पारलिमेंटों और धारा सभाओं में साफ़ दिखाई देता है. दिल्ली में हम एक दिन अचानक अपने एक पुराने मित्र पारलिमेंट के एक मेम्बर के घर पहुँच गए. हमने वहाँ एक नौजवान को टाइप करते हुए देखा जिसे हम पहले से जानते थे. हम कुछ हँसाने पर मालूम हुआ कि वह अब भी देश के उसी मशहूर पूँजीपति का नौकर था और उसी से वेतन पाया था जिससे कभी पहले पाया करता था. अब उसकी

पारٹی سے सम्بند رکھنے والے بہت سے ممبروں کو اکثر ایسے دعووں پر بھی جن کا دیہی کے بہلے یا برے کے ساتھ گہرا सम्बند होता है اپنی अन्तर आत्मा کی آواز کے خلاف برے سदन میں ہاتھ اٹھانا پڑتا ہے. اس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہماری آجکل کی پارلیمنٹوں یا دھارا سبھاؤں کے ادھیکاہں ممبر اس بات پر سوچنا بھی بند کر دیتے ہیں کہ کس تجویز یا کس بل سے دیہی کا کیا فائدہ یا کیا نقصان ہوگا. وہ مجبور ہو کر اپنی ممبری سے دوسری ہی طرح کے فائدے اٹھانے میں لگ جاتے ہیں.

اس طرح کے ممبروں کی حالت کچھ کچھ اُس جج کی سی حالت ہوتی ہے جو اُس جوان ماں کو جس نے کسی زبردست دہ اور نریشا کی حالت میں اپنے تین برس کے بچے کا گلا گھوت کر مار ڈالا اور پھر اُس پر رونا اور سر پیٹنا شروع کیا. اس لئے پھانسی کی سزا دی گئی ہوتی ہے کیونکہ قانون کی ذمہ داری کا ضابطہ اور قانونی گواہیاں جج کے لئے اور کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑتیں. اکثر بڑے لکھے جج تو اسے اپنی "ڈیوٹی" اپنا "فرض" سمجھ کر بھی اس طرح کے فیصلے دیتے ہیں.

آج ہمارے سداچار کے گراوٹ کی یہ حالت ہے کہ دیہی کے اُتر سے دکن تک اور یورپ سے پچھم تک سیکڑوں شکشا سانسٹائٹیں ایسی ہیں جنہیں ادھیاپکوں کو ایک سو بیس روپے تانخواہ لیکر دو سو کی رسید پر دستخط کرنے پڑتے ہیں. ہمیں بڑی ہارنک ویدنا کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح اس طرح کی شکشا سانسٹائٹیں میں اس طرح کے ادھیاپکوں سے شکشا لینے والے ہمارے یہ اُشا کرنا کہ اُن کا چرتر کبھی بھی جیون میں اُونچا ہو سیکگا، اک ہیگ ویسا ہی ہے، جیسا ہول ہو کر اُس سے اُم کی اُشا کرنا. ٹھیک اُسی طرح پارلیمنٹ کے یا دھارا سبھاؤں کے جن ممبروں کو پارتی ہکتی کے کلن اپنے اُنتر آتما کی آواز کے خلاف ہاتھ اٹھانا پڑ جاتا ہے اُن سے یہ اُشا کرنا کہ وہ اُن زمراری کی کرسیوں پر بیٹھ کر دیہی کو سچ سچ اُونچا لیجا سیکنگے یا کروڑوں جنتا کا سچا ہلا کر سیکنگے اُتلا ہی غلط ہے.

اس دردناک حالت کا اثر دیہی کی ان پارلیمنٹوں اور دھارا سبھاؤں میں صاف دکھائی دیتا ہے. دلی میں ہم ایک دن اچانک اپنے ایک پرانے مٹر پارلیمنٹ کے ایک ممبر کے گھر پہنچ گئے. ہم نے وہی ایک نوجوان کو ٹائپ کرتے ہوئے دیکھا جسے ہم پہلے سے جانتے تھے. ہم کچھ حیران ہوئے. پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اب بھی دیہی کے اُسی مشہور پونجی بٹی کا نوکر تھا اور اُسی سے ویتن پاتا تھا جس سے کبھی پہلے پایا کرتا تھا. اب اُس کی

پارٹی شاسن کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ
دش میں ایک سے ادھک راجدھک پارٹی ہوں اور دوسری
یہ کہ دیہ کی ساری حکومت کسی ایک پارٹی کے ہاتھوں
میں ہو۔ اس طرح کی راجدھک پارٹیاں عام طور پر کسی ایک
لکھ یا ادھک کو سامنے رکھ کر بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً اس
دیہ کی کانگریس پارٹی شروع میں کیوں "شانیت اور ویدھ
آپاٹیت دیوارا سوراج پر اپتی" کے ادھک سے بنی۔ بھارت کے جو
نر غاری اس ادھک سے سہمت تھے وہ کانگریس تھے ممبر بن
گئے۔ دیہ کے دیہی شاسن سے آزاد ہو جانے کے بعد اس ادھک
میں ٹھوڑا سا فرق آیا۔ کانگریس کا ادھک اب دیہ میں کلیان
کری راج (Welfare State) قائم کرنا یا اس کے بعد سماج
وانی ڈھانچے (Socialistic pattern) پر راج قائم
کرنا ٹھہرایا گیا۔ کانگریس نے سب سے پہلے اور خاص خاص
دشوں پر بھی ایک مت سے یا بھومت سے ٹھہراؤ دیا۔
اس پہلے دیہ کی سب سے بڑی پارٹی ہونے کے کزن حکومت
کی ہاگ کانگریس پارٹی کے ہاتھوں میں آئی۔ پارلیمنٹ کے
سامنے یا کسی دھار سبھا کے سامنے کوئی ایسا سوال آیا یا کوئی
ایسا بل پیش ہوا جس کا کانگریس کے اس سے تک کے
نردھارت ادھک سے کوئی خاص سبب نہ تھا۔ کوئی ممبر
اس خاص سوال پر ادھر یا ادھر وچن دیکر کانگریس کا ممبر
نہیں ہوا تھا۔ اب وہ سوال یا وہ بل بحث کے لئے کانگریس
پارٹی کی بیٹھک میں سامنے آیا۔ کانگریس کے پردھان
کی رائے یا رائے کی کمانڈ کی رائے ایک طرف دیکھائی دی۔ اس
پر بھی جب پارٹی کی بیٹھک میں ووٹ لئے گئے تو معمولی
نثر رائے سے ٹھٹھوں کی رائے کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ اس
کے بعد ان سب لوگوں کے لئے جن کی رائے بھومت سے نہیں ملتی
تھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ وہ بھومت کے ساتھ ہی ووٹ
دیں چاہے وہ کتنا بھی ان کی انسانی آواز کے خلاف کیوں نہ ہو۔
اگر ہم اس بات کا بھی دھان رکھیں کہ بھومت میں کم یا ادھک
کچھ نہ کچھ لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جنہوں نے خاص
خاص ٹھٹھوں کے چاہا بیجا اثر میں آکر پارٹی میٹنگ میں ووٹ
دیا ہو تو یہ بات بھی دعوے سے نہیں کہی جا سکتی کہ سچ
سچ پارٹی کا سچا بھومت اسی اور تھا جس اور اہمکانہ کے
ہاتھ آئے۔ یا گھٹا پارٹیوں کے ادھار پر شاسن کی آٹھ دن کی
گھٹا ہے۔

اس ایک معاملے میں جو حال اس پارٹی کا ہے جس کے
ہاتھوں میں شاسن کی ہاگ ہے لگ بھگ وہی حال
ضروری پارٹیوں یا اور دوسری پارٹیوں کا ہے۔ پارٹی
شاسن کا یہ ایک خاص اور آچاگر پہلو ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا
ہے کہ ہر پارلیمنٹ اور ہر دھار سبھا کے اندر کسی بھی

اس ایک معاملے میں جو حال اس پارٹی کا ہے جس کے
ہاتھوں میں شاسن کی ہاگ ہے لگ بھگ وہی حال
ضروری پارٹیوں یا اور دوسری پارٹیوں کا ہے۔ پارٹی
شاسن کا یہ ایک خاص اور آچاگر پہلو ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا
ہے کہ ہر پارلیمنٹ اور ہر دھار سبھا کے اندر کسی بھی

مہاتما گاندھی کی کچھ باتیں اس سلسلہ میں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے انگلینڈ کی اس پارلیمنٹ کی تین تینا جو دنیا کی پارلیمنٹوں کی ماں مانی جاتی ہے، ایک بار (A barren prostitute) سے کی تھی۔ دوسری یہ کہ جب آزادی کے دن نزدیک آنے لگے تو انہوں نے یہ صاف کہا تھا کہ—”اچکل کے کانگریسی نیتا پارلیمنٹری حکومت کے لئے کام کر رہے ہیں، میں پارلیمنٹری حکومت نہیں چاہتا، پر اس سہ تو میں انہیں کا ساتھ دے رہا ہوں۔“ تیسری یہ کہ جب آزادانہ سے تہذیبی دن پہلے جب دلی میں آزاد ہند کی پارلیمنٹری حکومت باضابطہ قائم ہو گئی تو اس کا روپ دیکھ کر گاندھی جی کے منہ سے نکل پڑا:—

”یہ تو ایک بہت بڑی بلا آ گئی! مجھے اب اس بلا سے لڑنا پڑے گا!“

اب ہم ذرا اپنی اچکل کی شاسن ویسٹا کی طرف ایک نگاہ ڈالیں۔ ہمارے اچکل کے اسپیکر راجکاجی نیتا انگریزوں کی دی ہوئی شکشا پائے ہوئے اور انگریزی وچاروں میں سے ہیں۔ ہونے والے قدرتی طور پر وہ انگریزی شاسن پدمتی کے دلدادہ تھے۔ اپنے دیہ میں اچھی سے اچھی نیت کے ساتھ بھی وہ اسی کی نقل کر سکتے تھے۔ یہی انہوں نے کیا—وہی پارلیمنٹری طرز، وہی دو سدن، وہی چناؤ کے قنگ، انگلینڈ کے بادشاہ کی جگہ بھارت کا راجا، گورنر اور لفٹننٹ گورنروں کا وہی سلسلہ، پارلیمنٹ اور دھا سبھاؤں کے اندر وہی سرکاری دل (Treasury Benches) اور دروہی دل (Opposition) اور وہی دھواں دھار تقریریں۔ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمارے سونکر دلوں اور دروہی دلوں کے ہرے سے بڑے نیتا بھی ایمانداری کے ساتھ ملتے اور کہتے ہیں کہ شاسن چھوٹے ہی دل کے ہاتھوں میں ہو اچھے شاسن کے لئے اچھے اور زبردست دروہی دلوں کا ہونا ضروری ہے۔ بنا ایک ایک اور کم یا ادھک ایک دوسرے کے پرتی اسپرہی راجکاجی داروں کے وہ شاسن کی کھانا بھی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ہم میں سے بہت سے روس اور چین جیسے دیہوں کی بابت یہ سن کر نہ وہلی الگ الگ راجکاجی پارٹیاں نہیں ہوں، یا اگر ہیں تو ایک دوسرے کے دروہی یا پرتی اسپرہی نہیں ہوں، کھیراں رہ جاتے ہیں اور یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس طرح کے کسی بھی دیہ کی حکومت اچھی اور جلتے کے لئے ہتھ حکومت کیسے ہو سکتی ہے۔

پارٹیوں کے आधार پر شاسن ویسٹا دوسرے کسی شاسن کے لئے کہاں تک ہتھ ثابت ہوئی ہے یا نہیں یا اس سہ ہتھ ہے یا نہیں اس سوال میں ہم ابھی نہیں پڑنا چاہتے۔ ہم کیوں اپنے دیہ کی اچکل کی ویسٹا کو ہی ذرا اور پاس سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

”یہ تو ایک بہت بڑی بلا آ گئی! مجھے اب اس بلا سے لڑنا پڑے گا!“

اب ہم ذرا اپنی اچکل کی شاسن ویسٹا کی طرف ایک نگاہ ڈالیں۔ ہمارے اچکل کے اسپیکر راجکاجی نیتا انگریزوں کی دی ہوئی شکشا پائے ہوئے اور انگریزی وچاروں میں سے ہیں۔ ہونے والے قدرتی طور پر وہ انگریزی شاسن پدمتی کے دلدادہ تھے۔ اپنے دیہ میں اچھی سے اچھی نیت کے ساتھ بھی وہ اسی کی نقل کر سکتے تھے۔ یہی انہوں نے کیا—وہی پارلیمنٹری طرز، وہی دو سدن، وہی چناؤ کے قنگ، انگلینڈ کے بادشاہ کی جگہ بھارت کا راجا، گورنر اور لفٹننٹ گورنروں کا وہی سلسلہ، پارلیمنٹ اور دھا سبھاؤں کے اندر وہی سرکاری دل (Treasury Benches) اور دروہی دل (Opposition) اور وہی دھواں دھار تقریریں۔ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمارے سونکر دلوں اور دروہی دلوں کے ہرے سے بڑے نیتا بھی ایمانداری کے ساتھ ملتے اور کہتے ہیں کہ شاسن چھوٹے ہی دل کے ہاتھوں میں ہو اچھے شاسن کے لئے اچھے اور زبردست دروہی دلوں کا ہونا ضروری ہے۔ بنا ایک ایک اور کم یا ادھک ایک دوسرے کے پرتی اسپرہی راجکاجی داروں کے وہ شاسن کی کھانا بھی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ہم میں سے بہت سے روس اور چین جیسے دیہوں کی بابت یہ سن کر نہ وہلی الگ الگ راجکاجی پارٹیاں نہیں ہوں، یا اگر ہیں تو ایک دوسرے کے دروہی یا پرتی اسپرہی نہیں ہوں، کھیراں رہ جاتے ہیں اور یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس طرح کے کسی بھی دیہ کی حکومت اچھی اور جلتے کے لئے ہتھ حکومت کیسے ہو سکتی ہے۔

پارٹیوں کے आधार پر شاسن ویسٹا دوسرے کسی شاسن کے لئے کہاں تک ہتھ ثابت ہوئی ہے یا نہیں یا اس سہ ہتھ ہے یا نہیں اس سوال میں ہم ابھی نہیں پڑنا چاہتے۔ ہم کیوں اپنے دیہ کی اچکل کی ویسٹا کو ہی ذرا اور پاس سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

آجکل کی سرکار

دنیا کے اندر ایک ایک زمانے میں ایک ایک چیز کا خاص زور ہوتا ہے۔ اسی کے انوسار کوئی زمانہ دھرم پر دھان سجھا جاتا ہے، کوئی سنسکرتی پر دھان، کوئی ارتھ پر دھان، کوئی ایک ہی سہ میں ایک ایک دیشوں میں ایک ایک چیزوں کا زور ہوتا ہے۔ آجکل ایک ایک دیشوں میں ایک ایک چیز کا بول بالا ہے۔ اسی لئے اس کے راجنیتی پر دھان بک کہا جا سکتا ہے۔ دھرم، سداچار، ارتھ، سنسکرتی، کلا اور ساہتی سب کو آج ہم अधिकतर राजनीति ही की निगाह से देखते हैं. राजनीति आज हमारे सारे मानव जीवन पर छाई हुई है. इसीलिये राजनीतिक नेता और कार्यकर्ता ही सब जगह आज दुनिया के नेता माने जाते हैं.

कहा जाता है कि मानव इतिहास के शुरू में मनुष्य और पशुओं में बहुत कम अन्तर था. धीरे धीरे मनुष्य ने अपने मस्तिष्क के सहारे उन्नति करना शुरू किया. कुटुम्ब बना. समाज बना. छोटे छोटे गिरोह बने. उन गिरोहों में प्रबन्ध और संचालन के लिये सरदार होने लगे. धीरे धीरे राजा बने, सम्राट बने, और राजा और प्रजा का अन्तर पैदा हुआ.

दुनिया के स्फूर्तों में पढ़ाई जाने वाली समाज शास्त्र की अधिकतर किताबें मनुष्य की सबसे पहले की जंगली हालत से शुरू होती हैं. राजनीति की अधिकतर किताबें राजाओं और सम्राटों के युग से शुरू होती हैं.

आजकल अक्सर कहा जाता है कि राजाओं या सम्राटों यानी बादशाहों या राइनशाहों का जमाना बड़े अन्धकार का जमाना था. उसी से गुलामी का रिवाज चला, राजा और प्रजा, मालिक और गुलाम का अन्तर पैदा हुआ, समार में ऊँच नीच की बात आई. दूसरों को चूस कर थोड़े से बड़ा बनने वालों और लाखों और करोड़ों बलित, नादार चुसने वालों में दुनिया बंट गई, इत्यादि.

यह भी कहा जाता है कि जिसे आजकल डेमोक्रेसी, जमहूरियत, प्रजातन्त्र, जनवन्त्र या लोकशाही कहा जाता है उसने जनम लेकर दुनिया और दुनिया की जनता को मुसीबत के उस गड्ढे में से निकाला. इस तरह की अधिकतर बातों में सचाई का एक अंश तो होता ही है, फिर चाहे वह रूपरे में छे आने हो या दस आने. इस तरह के जनतंत्र की सबसे बड़ी मिसालें आज संयुक्त राज अमरीका और इंग्लैन्ड की दी जाती हैं. भारत का आजकल का विधान भी, यूँ तो कहीं से कुछ और कहीं से कुछ लेकर तैयार किया गया है, पर अधिकतर प्रजातंत्र या जनतंत्र की इसी फरमा पर बना हुआ है.

आजکل کی سرکار

دنیا کے اندر ایک ایک زمانے میں ایک ایک چیز کا خاص زور ہوتا ہے۔ اسی کے انوسار کوئی زمانہ دھرم پر دھان سجھا جاتا ہے، کوئی سنسکرتی پر دھان، کوئی ارتھ پر دھان، کوئی ایک ہی سہ میں ایک ایک دیشوں میں ایک ایک چیزوں کا زور ہوتا ہے۔ آجکل ایک ایک دیشوں میں ایک ایک چیز کا بول بالا ہے۔ اسی لئے اس کے راجنیتی پر دھان بک کہا جا سکتا ہے۔ دھرم، سداچار، ارتھ، سنسکرتی، کلا اور ساہتی سب کو آج ہم अधिकतर राजनीति ही की निगाह से देखते हैं. राजनीति आज हमारे सारे मानव जीवन पर छाई हुई है. इसीलिये राजनीतिक नेता और कार्यकर्ता ही सब जगह आज दुनिया के नेता माने जाते हैं.

कहा जाता है कि मानव इतिहास के शुरू में मनुष्य और पशुओं में बहुत कम अन्तर था. धीरे धीरे मनुष्य ने अपने मस्तिष्क के सहारे उन्नति करना शुरू किया. कुटुम्ब बना. समाज बना. छोटे छोटे गिरोह बने. उन गिरोहों में प्रबन्ध और संचालन के लिये सरदार होने लगे. धीरे धीरे राजा बने, सम्राट बने, और राजा और प्रजा का अन्तर पैदा हुआ.

दुनिया के स्फूर्तों में पढ़ाई जाने वाली समाज शास्त्र की अधिकतर किताबें मनुष्य की सबसे पहले की जंगली हालत से शुरू होती हैं. राजनीति की अधिकतर किताबें राजाओं और सम्राटों के युग से शुरू होती हैं.

आजकल अक्सर कहा जाता है कि राजाओं या सम्राटों यानी बादशाहों या राइनशाहों का जमाना बड़े अन्धकार का जमाना था. उसी से गुलामी का रिवाज चला, राजा और प्रजा, मालिक और गुलाम का अन्तर पैदा हुआ, समार में ऊँच नीच की बात आई. दूसरों को चूस कर थोड़े से बड़ा बनने वालों और लाखों और करोड़ों बलित, नादार चुसने वालों में दुनिया बंट गई, इत्यादि.

यह भी कहा जाता है कि जिसे आजकल डेमोक्रेसी, जमहूरियत, प्रजातन्त्र, जनवन्त्र या लोकशाही कहा जाता है उसने जनम लेकर दुनिया और दुनिया की जनता को मुसीबत के उस गड्ढे में से निकाला. इस तरह की अधिकतर बातों में सचाई का एक अंश तो होता ही है, फिर चाहे वह रूपरे में छे आने हो या दस आने. इस तरह के जनतंत्र की सबसे बड़ी मिसालें आज संयुक्त राज अमरीका और इंग्लैन्ड की दी जाती हैं. भारत का आजकल का विधान भी, यूँ तो कहीं से कुछ और कहीं से कुछ लेकर तैयार किया गया है, पर अधिकतर प्रजातंत्र या जनतंत्र की इसी फरमा पर बना हुआ है.

امریکا یا انگلینڈ بنا دینے کے ہی چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف وہیں کے ساتھ اپنے سبیلہ میں ہم شانتی اور امن کے اس راستے پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں جو راشٹر پیتا महात्मा गांधी ने हमारे सामने रखा था. कभी कभी तो हम लगभग उन्हीं के शब्दों में उन्हीं के भावों को प्रगट भी करते रहते हैं. यह है आजकल के भारत का दो रस्ता पन.

इस दो रुखी चाल के चलने में सब से बड़ी मूल हम यह कर रहे हैं कि हम एक ऐसे बुनियादी उसूल को मूल जाते हैं कि जो जड़ और चेतन यानी बेजान और जानदार दोनों तरह की सृष्टि में साफ काम करता हुआ दिखाई देता है. वह उसूल यह है कि कोई भी परस्पर शत्रोधी शक्तियाँ जब एक साथ मैदानों में छोड़ दी जाती हैं तो वह दोनों एक दूसरे को काटकर अपने को नष्ट कर देती हैं. एक ही देश की शासन नीति में हिंसा और अहिंसा को साथ-साथ चलाने की यह कौशिश देश को अन्दर से और बाहर से दोनों तरफ से बेइद खोखला करती जा रही है. अगर भारत एक बार इस बात को समझ ले और पक्के इरादे के साथ देश के अन्दर की व्यवस्था को अपनी पुरानी कलचर से मिलाकर चले, अपनी औद्योगिक और आर्थिक आकांक्षाओं यानी सनअती और माली प्रोग्रामों को अपने नैतिक और रूढ़ानी उसूलों के साथ मिलाकर चले, और निडरता और सच्चाई के साथ 'पीसफुल को-एगजिस्टेंस' यानी शान्ति पूर्वक सब के साथ मिलकर रहने के उन अहिंसात्मक उसूलों और आदर्शों पर खुद अमल करने लगे जिन्हें वह दुनिया के सामने पेश कर रहा है, तो इसमें कोई सन्देह नहीं कि दुनिया की आजकल की कठिनाइयों पर भारत उसे वैसी ही अपूर्व विजय दिला सकता है जैसी विजय राष्ट्र-पिता ने हमें अपने आजादी के संग्राम में दिलाई है.

इसी भाव और इसी आशा के साथ हम अपने देश भाइयों और अपनी सरकार से यह अपील कर रहे हैं. हमें विश्वास है कि अगर हम सब मिलकर समय की आवश्यकता को समझें और उस पर अमल करें तो हम अमरीका और यूरोप के नकलची और उनके दस्तनिगर बने रहने के बजाय उनको राह दिखाने वाले और उन्हें नजात दिलाने वाले बन सकते हैं. आज हम साफ-साफ उनके नकलची और दस्तनिगर बने हुए हैं.

—सुन्दरलाल

امریکا یا انگلینڈ بنا دینے کے ہی چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف وہیں کے ساتھ اپنے سبیلہ میں ہم شانتی اور امن کے اس راستے پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں جو راشٹر پیتا महात्मा गांधी ने हमारे सामने रखा था. कभी कभी तो हम लगभग उन्हीं के शब्दों में उन्हीं के भावों को प्रगट भी करते रहते हैं. यह है आजकल के भारत का दो रस्ता पन.

اس دو رخی چال کے چلنے میں سب سے بڑی مूल ہم یہ کر رہے ہیں کہ ہم ایک ایسے بنیادی اصول کو بھول جاتے ہیں کہ جو جز اور چہتین یعنی بے جان اور جاندار دونوں طرح کی سرشتی میں صاف کلم کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ کوئی بھی پرسور مردھی شکلیاں جب ایک ساتھ میدان میں چڑھ دی جاتی ہیں تو وہ دونوں ایک دوسرے کو کات کر اپنے کو نشت کر دیتی ہیں۔ ایک ہی دیہ کی شاسن نیہتی میں ہنسا اور امن کو ساتھ ساتھ چلانے کی یہ کوشش دیہ کو اندر سے اور باہر سے دونوں طرف سے بے حد کھوکھا کرتی جا رہی ہے۔ اگر بھارت ایکبار اس بات کو سمجھ لے اور پکے ارادے کے ساتھ دیہ کے اندر کی دوستیا کو اپنی پرانی کلچر سے ملا کر چلے، اپنی آؤدیوگک اور آرتھک آگانداؤں یعنی صنعتی اور مالی روگراموں کو اپنے نیک اور روحانی اصولوں کے ساتھ ملا کر چلے، اور پندرنا اور سچائی کے ساتھ 'پیسفل کو-ایگزسٹینس' یعنی شانتی پرورک سب کے ساتھ مل کر رہنے کے ان امنسانک اصولوں اور آدرشوں پر خود عمل کرنے لگے جنہیں وہ دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے، تو اس میں کوئی سندیہ نہی کہ دنیا ہی آچکل کی تھانوں پر بھارت آئے ویسی ہی ایورو وجہ دلا سکتا ہے جیسی وجہ راشٹر پیتا نے ہمیں اپنے آزادی کے سنگرام میں دلائی ہے۔

اسی بھاؤ اور اسی آشا کے ساتھ ہم اپنے دیہ بھانوں اور اپنی سرکار سے یہ اپیل کر رہے ہیں۔ ہمیں وشواس ہے کہ اگر ہم سب ملکر سٹہ کی آوشیکتا کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں تو ہم امریکا اور یورپ کے نقلچی اور ان کے دست نکر بنے رہنے کے بجائے ان کو راہ دکھانے والے اور انہیں نجات دلانے والے بن سکتے ہیں۔ آج ہم صاف صاف ان کے نقلچی اور دست نکر بنے ہوئے ہیں۔

—سلیم لال

لے کہیں سوال یہ ہے کہ اس معاملے میں پہل کون کرے، اور کیسے کرے؟

میری راہ میں اس سوال کا جواب سیدھا اور سادہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ پہل بھارت ہی کر سکتا ہے اور اسے ہی کرنی چاہئے۔ بھارت ہی کو سب سے پہلے اپنے سب ہتھیار فेंک دینے چاہیئے اور اپنی سب فوجیں برباد کر دینی چاہیئے۔ بھارت ہی اس پر توجہ اور پوری طرح عمل کر کے دیکھا جاسکتا ہے۔

اس کے कारण بھی سادہ ہیں اور بھارت کے پرانے اور حال کے इतिहास کے صفحات پر मोटे अक्षरों में लिखे हुए हैं۔ प्राचीन समय में अशोक ने दुनिया को एक नया रास्ता ऐसे बड़े पैमाने पर दिखाया कि जिस से उस समय उसी की सारी नैतिक बुनियादें ढिल गईं। अशोक के उस कारनामे ने ही महात्मा गांधी के आगमन के लिये ज़मीन तैयार की जिसने उनके उसूलों, उनके तरीकों, उनके अहिंसात्मक उपायों, और उनकी आज़ादी की लड़ाई और उसकी अन्तिम विजय को मुमकिन बना दिया।

पर कठिनाई यह है कि भारत की पुरानी मजहबी और रुहानी तहजीब के साथ यूरोप की दुनिया और माहा परस्ती के भयंकर टकराव ने भारत के राष्ट्रीय जीवन में एक अजीब दो रुखी और दो दिली पैदा कर दी है। इस द्वंद्व या दो रुखे पन ने जब तक महात्मा गांधी जीवित रहे, उनके स्वतंत्रता संग्राम में बराबर तरह तरह की रुकावटें डालीं जिनसे उन के अहिंसात्मक मिशन को काफी नुकसान पहुँचा और वह जैसा चाहिये था कामयाब न हो सका। उन के मरते ही हमारे इस दो रुखेपन ने देश की लगभग सारी शक्ति को पच्छिमी राहों पर डाल दिया। मगर फिर भी हमारी यह गलत रबी और कमजोरी ने जमाने के उस रुख, हालात और उन जरूरतों को न बदल सकी जिन्होंने महात्मा गाँधी को जन्म दिया था और न दुनिया की उन शक्तियों को नष्ट कर सकी जिन की मदद से महात्मा गाँधी भारत को अपने ढंग से आज़ादी दिलाने में कामयाब हो सके।

इस दुविधा या दो रुखे पन को ठीक ठीक समझने के लिये हमें एक बार अपने देश के अन्दर की हालत और अपने विदेशी सम्बन्धों दोनों को पूरी तरह समझना होगा और दोनों का मुकाबला करके देखना होगा। इन दोनों का मुकाबला करने से पता चलेगा कि एक तरफ तो देश के अन्दर के प्रोग्राम, प्रबन्ध और व्यवस्था में, और देश को आगे बढ़ाने की योजनाओं में हमने अपने आप को बिलकुल पच्छिमी विचारों और पच्छिमी तरीकों के हवाले कर रखा है, और देश के प्रबन्ध और फौजों के संगठन दोनों में हमने जीवन के वही आदर्श अपने सामने रख रखे हैं जो अमरीका और यूरोप के सामने रहे हैं, यहां तक कि हम अपने देश को

लेकिन سوال یہ ہے کہ اس معاملے میں پہل کون کرے، اور کیسے کرے؟

میری راہ میں اس سوال کا جواب سیدھا اور سادہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ پہل بھارت ہی کر سکتا ہے اور اسے ہی کرنی چاہئے۔ بھارت ہی کو سب سے پہلے اپنے سب ہتھیار پھینک دینے چاہیئے اور اپنی سب فوجیں برباد کر دینی چاہیئے۔ بھارت ہی اس پر توجہ اور پوری طرح عمل کر کے دیکھا جاسکتا ہے۔

اس کے کارن بھی صاف ہیں اور بھارت کے پرانے اور حال کے इतिहास کے صفحات پر मोटे अक्षरों में लिखे हुए हैं۔ प्राचीन समय में अशोक ने दुनिया को एक नया रास्ता ऐसे बड़े पैमाने पर दिखाया कि जिस से उस समय उसी की सारी नैतिक बुनियादें ढिल गईं। अशोक के उस कारनामे ने ही महात्मा गांधी के आगमन के लिये ज़मीन तैयार की जिसने उनके उसूलों, उनके तरीकों, उनके अहिंसात्मक उपायों, और उनकी आज़ादी की लड़ाई और उसकी अन्तिम विजय को मुमकिन बना दिया।

पर कठिनाई यह है कि भारत की पुरानी मजहबी और रुहानी तहजीब के साथ यूरोप की दुनिया और माहा परस्ती के भयंकर टकराव ने भारत के राष्ट्रीय जीवन में एक अजीब दो रुखी और दो दिली पैदा कर दी है। इस द्वंद्व या दो रुखे पन ने जब तक महात्मा गांधी जीवित रहे, उनके स्वतंत्रता संग्राम में बराबर तरह तरह की रुकावटें डालीं जिनसे उन के अहिंसात्मक मिशन को काफी नुकसान पहुँचा और वह जैसा चाहिये था कामयाब न हो सका। उन के मरते ही हमारे इस दो रुखेपन ने देश की लगभग सारी शक्ति को पच्छिमी राहों पर डाल दिया। मगर फिर भी हमारी यह गलत रबी और कमजोरी ने जमाने के उस रुख, हालात और उन जरूरतों को न बदल सकी जिन्होंने महात्मा गाँधी को जन्म दिया था और न दुनिया की उन शक्तियों को नष्ट कर सकी जिन की मदद से महात्मा गाँधी भारत को अपने ढंग से आज़ादी दिलाने में कामयाब हो सके।

इस दुविधा या दो रुखे पन को ठीक ठीक समझने के लिये हमें एक बार अपने देश के अन्दर की हालत और अपने विदेशी सम्बन्धों दोनों को पूरी तरह समझना होगा और दोनों का मुकाबला करके देखना होगा। इन दोनों का मुकाबला करने से पता चलेगा कि एक तरफ तो देश के अन्दर के प्रोग्राम, प्रबन्ध और व्यवस्था में, और देश को आगे बढ़ाने की योजनाओं में हमने अपने आप को बिलकुल पच्छिमी विचारों और पच्छिमी तरीकों के हवाले कर रखा है, और देश के प्रबन्ध और फौजों के संगठन दोनों में हमने जीवन के वही आदर्श अपने सामने रख रखे हैं जो अमरीका और यूरोप के सामने रहे हैं, यहां तक कि हम अपने देश को

ہم نے اسے 'شانتی یوڈ' کہا ہے۔ شانتی یوڈ سب سے پہلے ایک انوکھا واقعہ ہے۔ یہ آندولن بھی اپنے ڈھنگ کا رہا ہے۔ اس کا ہونا ایک نیا اور انوکھا ہے۔ لیکن 'جائے یا انجانے' سم کی آوشیکتاؤں اور مانگوں کو جتنی اچھی طرح یہ آندولن ظاہر کر رہا ہے اتنی اچھی طرح دنیا کا کوئی آندولن اس سے نہیں کر رہا ہے۔ راستہ میں بھی آندولن اس دور کا 'بگ ڈھرم' ہے۔

یہ بات بھی قدرتی اور لازمی ہے کہ اس شانتی یوڈ کا سب سے خاص مقصد اور آخری منزل وہ تحریک ہو جو آج 'تس آرما میٹ' کے روپ میں چل رہی ہے یعنی یہ کہ دنیا کی سب قوموں کے سب ہتھار لے لیتے جاویں اور دنیا کی سب فوجیں برخاست کردی جاویں۔ اس شانتی آندولن کی اصلی اور آخری حیثیت ہار انہیں فوجوں اور ہتھیاروں کے کم یا ختم ہو جانے کے سوال پر ٹہر رہی ہے۔ اسی ایک سوال پر یہ بھی ٹہر رہی ہے کہ مانو جاتی کا جیون ختم ہوگا یا مانو انہیں میں ایک ایسے نئے یگ اور نئی سہیتا کا ادب ہوگا جو اب تک کے سب یگوں اور سب سہیتاؤں سے کہیں ادھک شاندار ہوگی۔ آجکل دنیا کے سامنے جتنی سہیتاؤں ہیں ان سب کے حل کی کسوٹی بھی تس آرما میٹ ہی ہے۔ اگر ایک بار یہ سوال ٹھیک ٹھیک حل ہو جائے تو باقی کے وہ سب سوال دھیرے دھیرے اپنے آپ شانتی اور سہیتا کے ساتھ حل ہو جائیں گے جو آج مانو جاتی کو ایک زبردست بھول بھلائی میں ڈالے ہوئے ہیں اور جن کا حل آسانی سے کسی کو سوچ نہیں رہا ہے۔ پچھلے پچاس برس کے اندر جیسے جیسے ہمارے نئے نئے ہتھیار اور طریقے نکلتے گئے ویسے ہی آدمی کے اندر سچی مانو اور انسانیت بھی زوروں کے ساتھ پیدا ہوتی گئی۔ یہ مانو ہی شانتی آندولن میں راکٹروں کے ایک دوسرے کو ادھک اچھی طرح سمجھنے کی اچھا میں اور پوری یا ادھوری ہتھیار ہادی میں اپنے کو پرکھ کر رہی ہے۔

ایک اور سوویت روس کی راجنیتی اور اس کی پالیسی میں جو زبردست آنت پھوڑ ہوئے ہیں انہوں نے اور دوسری اور بھارت کی اہلساتیک، تقسیم یعنی غیر جانب داری اور اس کے ساتھ بھارت کے 'پلچ شول' کے اصول نے جو دعوے شانتی اور دعوے بھارت کی بھاد ہو سکتا ہے ان دونوں نے مل کر پوری کامیابی کے ساتھ دنیا کی فینک توازن کے پلڑے کو شانتی کی طرف جھکا دیا ہے۔ ساری دنیا اب شانتی کے حق میں آواز اٹھاتی ہو رہی ہے۔ دنیا کو اس سے جو شکی ملی ہے اور جو اوسر ملے ہے اس سے بدی ٹھیک ٹھیک اور سچائی کے ساتھ فائنہ اٹھایا جا سکے تو مانو انہیں میں ایک نیا پلٹا جا سکتا ہے جس کے لئے ساری مانو جاتی اس سے ہوگی اور پھلے گی۔

ہم نے اسے 'شانتی یوڈ' کہا ہے۔ شانتی یوڈ سب سے پہلے ایک انوکھا واقعہ ہے۔ یہ آندولن بھی اپنے ڈھنگ کا رہا ہے۔ اس کا ہونا ایک نیا اور انوکھا ہے۔ لیکن 'جائے یا انجانے' سم کی آوشیکتاؤں اور مانگوں کو جتنی اچھی طرح یہ آندولن ظاہر کر رہا ہے اتنی اچھی طرح دنیا کا کوئی آندولن اس سے نہیں کر رہا ہے۔ راستہ میں بھی آندولن اس دور کا 'بگ ڈھرم' ہے۔

یہ بات بھی قدرتی اور لازمی ہے کہ اس شانتی یوڈ کا سب سے خاص مقصد اور آخری منزل وہ تحریک ہو جو آج 'تس آرما میٹ' کے روپ میں چل رہی ہے یعنی یہ کہ دنیا کی سب قوموں کے سب ہتھار لے لیتے جاویں اور دنیا کی سب فوجیں برخاست کردی جاویں۔ اس شانتی آندولن کی اصلی اور آخری حیثیت ہار انہیں فوجوں اور ہتھیاروں کے کم یا ختم ہو جانے کے سوال پر ٹہر رہی ہے۔ اسی ایک سوال پر یہ بھی ٹہر رہی ہے کہ مانو جاتی کا جیون ختم ہوگا یا مانو انہیں میں ایک ایسے نئے یگ اور نئی سہیتا کا ادب ہوگا جو اب تک کے سب یگوں اور سب سہیتاؤں سے کہیں ادھک شاندار ہوگی۔ آجکل دنیا کے سامنے جتنی سہیتاؤں ہیں ان سب کے حل کی کسوٹی بھی تس آرما میٹ ہی ہے۔ اگر ایک بار یہ سوال ٹھیک ٹھیک حل ہو جائے تو باقی کے وہ سب سوال دھیرے دھیرے اپنے آپ شانتی اور سہیتا کے ساتھ حل ہو جائیں گے جو آج مانو جاتی کو ایک زبردست بھول بھلائی میں ڈالے ہوئے ہیں اور جن کا حل آسانی سے کسی کو سوچ نہیں رہا ہے۔ پچھلے پچاس برس کے اندر جیسے جیسے ہمارے نئے نئے ہتھیار اور طریقے نکلتے گئے ویسے ہی آدمی کے اندر سچی مانو اور انسانیت بھی زوروں کے ساتھ پیدا ہوتی گئی۔ یہ مانو ہی شانتی آندولن میں راکٹروں کے ایک دوسرے کو ادھک اچھی طرح سمجھنے کی اچھا میں اور پوری یا ادھوری ہتھیار ہادی میں اپنے کو پرکھ کر رہی ہے۔

ایک اور سوویت روس کی راجنیتی اور اس کی پالیسی میں جو زبردست آنت پھوڑ ہوئے ہیں انہوں نے اور دوسری اور بھارت کی اہلساتیک، تقسیم یعنی غیر جانب داری اور اس کے ساتھ بھارت کے 'پلچ شول' کے اصول نے جو دعوے شانتی اور دعوے بھارت کی بھاد ہو سکتا ہے ان دونوں نے مل کر پوری کامیابی کے ساتھ دنیا کی فینک توازن کے پلڑے کو شانتی کی طرف جھکا دیا ہے۔ ساری دنیا اب شانتی کے حق میں آواز اٹھاتی ہو رہی ہے۔ دنیا کو اس سے جو شکی ملی ہے اور جو اوسر ملے ہے اس سے بدی ٹھیک ٹھیک اور سچائی کے ساتھ فائنہ اٹھایا جا سکے تو مانو انہیں میں ایک نیا پلٹا جا سکتا ہے جس کے لئے ساری مانو جاتی اس سے ہوگی اور پھلے گی۔

شانتي یدھ

अंगरेजी में एक मशहूर कहावत है कि आदमी के जीवन और उसके तरह तरह के मामलों में कभी कभी इस तरह की एक जोरदार लहर आती है जिससे अगर उसी समय पूरा पूरा फायदा उठा लिया जाय तो आदमी की किस्मत जाग जाती है और अगर आदमी उस समय चूक जाय तो लहर के एक बार चढ़कर उतर जाने के बाद सिवाय बरबादी और पछतावे के और कुछ बाक़ी नहीं रह जाता, यहाँ तक कि उस बरबादी से फिर पनप सकना भी कठिन हो जाता है। आज दुनिया में ठीक इसी तरह की एक लहर आई हुई है। मानव जाति का सबसे अधिक भला इसी में है कि इस लहर से वह पूरा पूरा फ़ायदा उठा ले और उसे पीछे हट जाने का मौक़ा न दे।

यह लहर दुनिया का वह ज्वरदस्त आन्दोलन है जिसे शान्ति आन्दोलन, अमन तहरीक या पीस मूवमेन्ट कहा जाता है. कोई कोई इसे "पीस-वार" यानी शान्ति-युद्ध या 'शान्ति के लिए युद्ध' भी कहते हैं. यह अद्भुत युद्ध वास्तव में हिंसा और अहिंसा के बीच का युद्ध है. इस युद्ध के अन्त में चाहे हिंसा जीते और चाहे अहिंसा जीते मगर हकीकत यह है कि इतना बड़ा संग्राम मानव जीवन में हिंसा और अहिंसा के बीच आज तक दुनिया में कभी नहीं हुआ था. इस संग्राम में बाज़ी और दाँव भी बहुत गहरे लगे हुए हैं हार जीत केवल इसमें नहीं है कि मानव सभ्यता और संस्कृति जिन्दा रहे या न रहे, बल्कि इस बात की भी है कि मानत जाति जिन्दा बचे या न बचे.

हिंसा ने दुनिया में इस समय वह विराट रूप और एक ऐसे भयंकर ज्वालमुखी पहाड़ का सा रूप धारण कर लिया है कि उस का कुदरती नतीजा यह हुआ कि इनसान के दिलों विमारा के अन्दर अहिंसा और शान्ति की जो प्रवृत्तियाँ और रजहान साँप हुए थे वह एकदम जगह जगह जाग उठे. इन सब दितकर प्रवृत्तियों और रजहानों का विश्वव्यापी और आलमगीर शान्ति आन्दोलन में अपने का जाहिर करने का मौका मिल रहा है. इसीलिये यह आन्दोलन इतना गहरा, जबरदस्त और व्यापक विस्तार पैता है.

انگریزی میں ایک مشہور کہادت ہے کہ آدمی کے جھون اور
اس کے طرح طرح کے معاملوں میں کبھی کبھی اس طرح کی
ایک زوردار لہرائی ہے جس سے اگر اسی سمہ پورا پورا فائدہ
اُٹھا لیا جائے تو آدمی کی قسمت جاگ جاتی ہے اور اگر آدمی
اُس سمہ چوم جائے تو لہر کے ایک بار چڑھ کر اُتر جانے کے
بعد سوائے بربادی اور بچھتاوے کے اور کچھ باقی نہیں رہ جاتا ۔
یہاں تک کہ اُس بربادی سے پھر پاپ سکنا بھی لگھن ہو جاتا
ہے ۔ آج دنیا میں ٹیک اسی طرح کی ایک لہرائی ہوئی ہے ۔
مانو جاتی کا سب سے اُدھک پیلا اُسی میں ہے کہ اِس لہر
سے وہ پورا پورا فائدہ اُٹھا لے اور اُسے پوچھے ہٹ جانے کا موقع
نہ دے ۔

یہ لہر دنیا کا وہ زہر دست آندولن ہے جسے شائقی آندلن، امن تحریک یا پیس مومینٹ کہا جاتا ہے۔ کوئی کوئی اسے ”پیس-وار“ یعنی شائقی یدھ یا ”شائقی کے لئے یدھ“ بھی کہتے ہیں۔ یہ ادبہت یدھ راستہ میں ہنسا اور اھنسا کے بیچ کا یدھ ہے۔ اس یدھ کے انت میں چاہے ہنسا جیتے اور چاہے اھنسا جیتے مگر حقیقت یہ ہے کہ اتنا بڑا سنگرام مانو جیروں میں ہنسا اور اھنسا کے بیچ آج تک دنیا میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس سنگرام میں ہازی اور داؤں بھی بہت گہرے لکھ ہوئے ہیں۔ ہار جیت کھول اس میں نہیں ہے کہ مانو سبھوتا اور سنسکرتی زندہ رہے یا نہ رہے بلکہ اس بات کی بھی ہے کہ مانو جانی زندہ رہے یا نہ رہے۔

ہنسنا لے دنیا میں اس سمہ وہ درات روپ اور ایک ایسے
 ہونکر جو لامبھی پہار کا ساروپ دھارن کر لیا ہے کہ اُس کا قدرتی
 ندرجہ بہ ہوا کہ انسان کے دل و دماغ کے اندر اہلسا اور
 شانتی کی چو پروتیاں اور رجحان سوئے ہوئے تھے وہ ایکنم جگہہ
 جگہہ جاگ اٹھے۔ ان سب ہنکر پرور تھیں اور رجحانوں کو
 وشوہابی اور عالمگیر شانتی آندولن میں اپنے کو ظاہر کرنے کا
 مرتع مل رہا ہے۔ اسی لیے یہ آندولن 'اٹنا گھبرا' زبردست اور
 ویاہک دکھائی دیتا ہے۔

बहादुरी को सराहते हुए अपनी पिछली दुरमनी को भुला दिया, इस दोस्ती से सिखों में फिर कुछ हौसला बढ़ा और वह अंग्रेजी फौज में भरती होने लगे जहाँ वे अपनी सिख निशानियों को जैसे के तैसा ही कायम रख सकते थे, लेकिन और सब बातों में सिखों में कोई जीवन नहीं रह गया था, उनमें न तो धार्मिक जीवन था और न कौमी जीवन, वह उन्हीं पुराने देवताओं को पूजने लगे थे और वही पुरानी और लचर रस्में अदा करते थे जिनमें से उन्हें निकालने के लिये उनके गुरुओं ने निहायत बहादुरी से कोशिश की थी, सिखों की तालीम और पाँच निशानियाँ सिर्फ बराए नाम बूझ गई, आजकल की संघ सभा सिखों को फिर पुराने ठीक रास्ते पर लाने की कोशिश कर रही है.

بہادری کو سراہتے ہوئے اپنی پچھلی دُرمانی کو بھلا دیا، اس دوستی سے سکھوں میں پھر کچھ حوصلہ بڑھا اور وہ انگریزی فوج میں بھرتی ہونے لگے جہاں وہ اپنی سکھ نشانیوں کو جیسا کہ تیساریں قائم رکھ سکتے تھے، لیکن اور سب باتوں میں سکھوں میں کوئی جھون نہیں رہ گیا تھا، اُن میں نہ تو دھارمک جھون تھا اور نہ قومی جھون، وہ انہیں پرانے دیوتاؤں کو پوجنے لگے تھے اور وہی پرانی اور لچر رسمیں ادا کرتے تھے جن میں سے انہیں نکالنے کے لئے اُن کے گروں نے نہایت بہادری سے کوشش کی تھی، سکھوں کی تعلیم اور اور پانچ نشانیوں صرف برائے نام رہ گئیں، آجکل کی سنگم سبھا سکھوں کو پھر پرانے ٹھیک راستے پر لانے کی کوشش کر رہی ہے.

700 PAGES,

32 ILLUSTRATIONS

2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madra.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the lighty mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

نند سنگھ بھرا، سیرسنگھ انڈیا اور کریمسنگھ مان بھرا۔ ایک مسلمان کو جس کا نام سونہا تھا سہ ہزار اُس کا نام بھی رام سنگھ رکھا گیا تھا اور اُس کی شادی رام گڑیا کے سرداروں کے پہلے ہوئی تھی۔ بعد میں ہائی ہری سنگھ پیدائشی مسلمان تھے۔ اُن کو بھائی اولے سنگھ کتلہ والے نے سکھ بنایا تھا۔ ایک مسلمان جس کا نام نرال سنگھ رکھا گیا تھا، گردوارا بھائیانی کا مہنت ہو گیا تھا۔ مہاراج نریندر سنگھ پٹیلہ نریش کے اشارے سے ایک شخص صدر الدین سکھ بنایا گیا تھا اور مہنت تھا سکھ نے اُس کا نام فتح سنگھ رکھا تھا۔ یہ شخص 26 سال تک دھرم شالا بھول کا مہنت رہا اور سن 1869 میں مر گیا۔ اِس طرح مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں ہزاروں مسلمان مرد اور عورتیں سکھ دھرم کے حلقے میں شامل ہوئے تھے۔ 3

لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت میں ہندو اثر نے سکھ دھرم کو سخت دھکا پہنچایا۔ اُس کا اثر خالصہ سہاویں پر بھی پڑا، اگرچہ اِن سہاویوں میں سکھ دھرم قریب قریب اپنی پرانی پاکیزگی میں موجود تھا۔ نئی عیش پسندی نے سکھوں کی سادگی اور آزادی کو برباد کر دیا۔ اصل میں سکھ دھرم ایک سادا اور سخت دھرم ہے اور آسانی سے سکھ لوگ عیش اور آرام کی طرف نہیں جھکتے۔ سکھوں کے مذہبی اور دنیاوی رسموں میں اکثر سوائے بھجن گائے اور پرارتھنا کرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ایک مہاراجہ اپنے برابر والے مہاراجوں میں اپنا مرتبہ کس طرح قائم رکھتا ہے جب تک کی وہ گدی پر بیٹھنے والی شادی کے موقع پر نجومیوں اور پندتوں کو بلا کر اُن رسموں اور اور جلسوں کو شاندار نہ بنا دے۔ سکھ راجاؤں اور امیروں کو سکھ دھرم کو اپنی پسند کے مطابق بنا لینا ہمیشہ مشکل رہا ہے۔ اِس لئے جب کہیں وہ دکھایا اور رسمیں پوری کرنا چاہتے ہیں تو سکھ دھرم کے دائرے کے باہر جانے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔

ایک مہاراجہ اپنے برابر والے مہاراجوں میں اپنا مرتبہ کس طرح قائم رکھتا ہے جب تک کی وہ گدی پر بیٹھنے والی شادی کے موقع پر نجومیوں اور پندتوں کو بلا کر اُن رسموں اور اور جلسوں کو شاندار نہ بنا دے۔ سکھ راجاؤں اور امیروں کو سکھ دھرم کو اپنی پسند کے مطابق بنا لینا ہمیشہ مشکل رہا ہے۔ اِس لئے جب کہیں وہ دکھایا اور رسمیں پوری کرنا چاہتے ہیں تو سکھ دھرم کے دائرے کے باہر جانے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد جب بادشاہت صرف زمینوں اور قیمتی چیزوں تک ہی رہ گئی تو اونچے خاندانوں کے لئے سکھ دھرم بھی صرف پکڑی اور داڑھی کا فیشن رہ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر ایسے لوگوں نے جن کے رہن سہن کے طریقے سخت اور جن میں ضبط موجود تھا، سکھ سرداروں کے ہاتھ سے حکومت چھین لی۔ عام سکھوں میں ایسی پرانی سہرت کچھ باقی تھی لیکن وہ بھی گردواروں کی حالت بدل جانے اور لوہائی میں دھکا پہنچانے کی وجہ سے کم ہونے لگی۔ ٹکڑوں نے اُس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی اور سکھوں کی شریفانہ

لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت میں ہندو اثر نے سکھ دھرم کو سخت دھکا پہنچایا۔ اُس کا اثر خالصہ سہاویں پر بھی پڑا، اگرچہ اِن سہاویوں میں سکھ دھرم قریب قریب اپنی پرانی پاکیزگی میں موجود تھا۔ نئی عیش پسندی نے سکھوں کی سادگی اور آزادی کو برباد کر دیا۔ اصل میں سکھ دھرم ایک سادا اور سخت دھرم ہے اور آسانی سے سکھ لوگ عیش اور آرام کی طرف نہیں جھکتے۔ سکھوں کے مذہبی اور دنیاوی رسموں میں اکثر سوائے بھجن گائے اور پرارتھنا کرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ایک مہاراجہ اپنے برابر والے مہاراجوں میں اپنا مرتبہ کس طرح قائم رکھتا ہے جب تک کی وہ گدی پر بیٹھنے والی شادی کے موقع پر نجومیوں اور پندتوں کو بلا کر اُن رسموں اور اور جلسوں کو شاندار نہ بنا دے۔ سکھ راجاؤں اور امیروں کو سکھ دھرم کو اپنی پسند کے مطابق بنا لینا ہمیشہ مشکل رہا ہے۔ اِس لئے جب کہیں وہ دکھایا اور رسمیں پوری کرنا چاہتے ہیں تو سکھ دھرم کے دائرے کے باہر جانے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد جب بادشاہت صرف زمینوں اور قیمتی چیزوں تک ہی رہ گئی تو اونچے خاندانوں کے لئے سکھ دھرم بھی صرف پکڑی اور داڑھی کا فیشن رہ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر ایسے لوگوں نے جن کے رہن سہن کے طریقے سخت اور جن میں ضبط موجود تھا، سکھ سرداروں کے ہاتھ سے حکومت چھین لی۔ عام سکھوں میں ایسی پرانی سہرت کچھ باقی تھی لیکن وہ بھی گردواروں کی حالت بدل جانے اور لوہائی میں دھکا پہنچانے کی وجہ سے کم ہونے لگی۔ ٹکڑوں نے اُس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی اور سکھوں کی شریفانہ

رکھا۔ 8۔ عیسائی گرجوں کے کھلے دروازے تو انہی لوگوں کو دیے جاتے تھے جو یھودیوں سے عیسائی ہوتے تھے اور جن کا ختنہ ہوتا تھا۔

اسی طرح جب برائے سکھ جن کو گرو گوند سنگھ نے خود دیکھا دی تھی، شہید ہوئے اور ان کی اولاد جلاوطنی (بریدی) میں رہا۔ ان کے لئے مسجدیں بنائی گئیں اور سنگتوں پر سرداروں کے رہ گئے تو وہ برائے رسم رواجوں اور وشواسوں میں ڈھل گئے۔ جو لوگ چھوٹی قوموں میں سے آئے تھے ان سے اور ان لوگوں سے فرق ہونے لگا جو اونچے ذاتوں سے آئے تھے۔ دیکھا گیا کہ بعد بھی کچھ کو تو صرف دروازے پر ہی جگہ ملتی تھی اور دوسروں کو مندر کے اندر داخل ہونے کا حکم ہوتا تھا۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو اُس مصیبت کے زمانے میں کپے طور پر سکھ ہونے کا اقرار کرنے کی ہمت نہ دیتے تھے۔ ان کو اجازت دی گئی کہ وہ سکھ دھرم کی اویسی نشانہوں کے بغیر ہی کام چلائیں اور ایسے آدمیوں کو 'سہجندھاری' کہا گیا۔ ان دنوں جب لمحہ کڑھ رہا تھا موت کو بلاتا تھا کوئی آدمی ان کے اُس بھیس بدلنے پر اعتراض کرنے کا خیال دل میں نہیں لانا تھا جو سہجندھاریوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ ان کو سکھ دھرم پر پورا اعتقاد تھا مگر وہ اس کے لئے مرنے کو تیار نہ تھے۔ جن سہجندھاریوں نے یہ رعایتی طریقہ اختیار کر رکھا تھا وہ اصلی سکھوں کی برابری کا دعوہ نہیں کرتے تھے۔ یہ اپنے جلاوطن بھائیوں کی اسورت اور ان کی ظالمانہ شکل کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اور ہر طرح ان کی مدد کرتے تھے۔

اسی طرح سکھ اسورت اور طرز زندگی خالصہ کی صورت میں اُس وقت بھی قائم رکھا گیا جب کہ قصبوں اور شہروں میں پابندیاں تھیں جو گئیں تھیں۔ سرداروں کے لئے ان کے لئے "پلیٹ پرکاش" میں لکھا ہے کہ سکھوں کے زمانے کے بعد بھی جس میں ہو کر وہ گزر چکے تھے لڑنے والے سکھوں کے دلوں میں پرانی بھاؤ اب بھی صاف صاف اور مستعدی سے موجود تھی۔ وہ اب بھی روزی پوجا سے دور رہتے تھے اور انہی طریقے پر شادی کرتے اور بلیک کی حکومت سب سے بڑھ کر مانتے تھے۔ جو سوجھاؤ (نچوہیز) ان کی سنگت یا پلچایت میں ملے ہوتے تھے ان پر عمل کرتے تھے۔ جیہ، اوتار، ذات-پات یا چھو چھوٹ کو نہیں مانتے اور آزادی سے ان لوگوں کو واپس لے لیتے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ بہت سے مشہور سکھوں نے ایسی مسلمان عورتوں سے شادی کی جنہوں نے سکھ دھرم کو اپنا لیا تھا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں—اگر سکھ جو چندر تھال کا رہنے والا برعین تھا، سخت سکھ بیچ گئے کا کہتی تھی۔

پھر بھی ہندو کے سرحد فتح کرنے پر کچھ مسلمانوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا (دیکھا دستور اللہ شاہ مصنف بنو محمد)۔

اسی طرح جب پورے سکھ جن کو گرو گوند سنگھ نے خود دیکھا دی تھی، شہید ہوئے اور ان کی اولاد جلاوطنی (بریدی) میں رہا۔ ان کے لئے مسجدیں بنائی گئیں اور سنگتوں پر سرداروں کے رہ گئے تو وہ برائے رسم رواجوں اور وشواسوں میں ڈھل گئے۔ جو لوگ چھوٹی قوموں میں سے آئے تھے ان سے اور ان لوگوں سے فرق ہونے لگا جو اونچے ذاتوں سے آئے تھے۔ دیکھا گیا کہ بعد بھی کچھ کو تو صرف دروازے پر ہی جگہ ملتی تھی اور دوسروں کو مندر کے اندر داخل ہونے کا حکم ہوتا تھا۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو اُس مصیبت کے زمانے میں کپے طور پر سکھ ہونے کا اقرار کرنے کی ہمت نہ دیتے تھے۔ ان کو اجازت دی گئی کہ وہ سکھ دھرم کی اویسی نشانہوں کے بغیر ہی کام چلائیں اور ایسے آدمیوں کو 'سہجندھاری' کہا گیا۔ ان دنوں جب لمحہ کڑھ رہا تھا موت کو بلاتا تھا کوئی آدمی ان کے اُس بھیس بدلنے پر اعتراض کرنے کا خیال دل میں نہیں لانا تھا جو سہجندھاریوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ ان کو سکھ دھرم پر پورا اعتقاد تھا مگر وہ اس کے لئے مرنے کو تیار نہ تھے۔ جن سہجندھاریوں نے یہ رعایتی طریقہ اختیار کر رکھا تھا وہ اصلی سکھوں کی برابری کا دعوہ نہیں کرتے تھے۔ یہ اپنے جلاوطن بھائیوں کی اسورت اور ان کی ظالمانہ شکل کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اور ہر طرح ان کی مدد کرتے تھے۔

اسی طرح سکھ اسورت اور طرز زندگی خالصہ کی صورت میں اُس وقت بھی قائم رکھا گیا جب کہ قصبوں اور شہروں میں پابندیاں تھیں جو گئیں تھیں۔ سرداروں کے لئے ان کے لئے "پلیٹ پرکاش" میں لکھا ہے کہ سکھوں کے زمانے کے بعد بھی جس میں ہو کر وہ گزر چکے تھے لڑنے والے سکھوں کے دلوں میں پرانی بھاؤ اب بھی صاف صاف اور مستعدی سے موجود تھی۔ وہ اب بھی روزی پوجا سے دور رہتے تھے اور انہی طریقے پر شادی کرتے اور بلیک کی حکومت سب سے بڑھ کر مانتے تھے۔ جو سوجھاؤ (نچوہیز) ان کی سنگت یا پلچایت میں ملے ہوتے تھے ان پر عمل کرتے تھے۔ جیہ، اوتار، ذات-پات یا چھو چھوٹ کو نہیں مانتے اور آزادی سے ان لوگوں کو واپس لے لیتے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ بہت سے مشہور سکھوں نے ایسی مسلمان عورتوں سے شادی کی جنہوں نے سکھ دھرم کو اپنا لیا تھا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں—اگر سکھ جو چندر تھال کا رہنے والا برعین تھا، سخت سکھ بیچ گئے کا کہتی تھی۔

پھر بھی ہندو کے سرحد فتح کرنے پر کچھ مسلمانوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا (دیکھا دستور اللہ شاہ مصنف بنو محمد)۔

गुरु गोबिन्द सिंह ने बिलकुल साफ-साफ कहा है कि सिख दूसरी क्रीमों से हमदर्दी और मोहब्बत रखते भी ऐसा न करें कि अपने मैआर को दूसरों के साथ मिलाकर गड़बड़ कर दें। सिख अपनी रसमों को बारों फिरकों के लोगों से अलग ही रखेंगे, वह सब से मुनासिब बर्ताव करेंगे लेकिन उनका विश्वास और ज़िन्दगी के काम का अमल सबसे अलग रहेगा।" 2 सिख अपने उसूलों को बहुत दिनों तक बरकरार रखे रहे और हिन्दू और मुसलमान दोनों के मेल से बहुत कायदा उठाते रहे और अपनी तरक्की को दोनों तरफ के राजत असर से बचाते रहे, लेकिन जब सिखों को मुगल हुकूमत से लड़ना पड़ा तो उनकी वह भावना कम होने लगी। गुरु गोबिन्द सिंह मोहब्बत के भन्डार होने के सबब से अपने दुश्मनों के दिलों में भी मोहब्बत पैदा कर सके। औरंगज़ेब का एक सिपहसालार सैयद बेग गुरु से जंग करने आया लेकिन उनसे मुलाकात होने पर उसे अफसोस हुआ और रम से लौटकर उसने अहद कर लिया कि जुल्म की मदद के लिये मैं कभी जंग न करूँगा। बुद्ध-शाह, नबीखाँ और रानीखाँ मुसलमान ही थे जिन्होंने बहुत नाजुक वक्त पर गुरु की मदद की थी। सिखों से मुसलमानों की बढ़ती हुई नफरत का नतीजा यह हुआ कि मुसलमानों में सिख धर्म की बढ़ती पर असर पड़ा और मुसलमानों का सिखों में शामिल होना कम होता गया। यहाँ तक कि जब बाद के मुगल बादशाहों की सख्तियाँ बाबा बन्दा के हिन्दुओं और सिखों के खिलाफ बढ़ गईं तो सिखों में दीक्षा सिर्फ हिन्दुओं तक ही महदूद हो गई। नतीजा यह हुआ कि सिख धर्म ने जो नया ख्याल पैदा किया था उसमें पुराने हिन्दू ख्याल भी शामिल होने लगे।

यही हाल ईसाई धर्म का भी हुआ था। शुरू में जब ज्यादातर यहूदियों में से भी ईसाई बनते थे तो नये ईसाइयों के साथ पुराने यहूदी तरीके पर बर्ताव होता था। उस तरीके में अन्दर के हलक़े के मुरीदों और बाहर वाले मुरीदों में फर्क समझा जाता था।

अन्दर के हलक़े के मुरीदों का खतना हुआ करता था और वह यहूदी रस्म अदा किया करते थे, गिरजे के सब से अन्दर के हिस्से तक जाने के हकदार होते थे और बाहर के हलक़े के मुरीदों को जो उन रस्मों की पाबन्दी न करते थे सिर्फ 'हमदर्द' समझा जाता था, उनको सिर्फ गिरजे के दरवाजे पर ही पूजा करने की इजाजत होती थी। ईसाइयों और तैर यहूदियों में यही फर्क

गुरु गोबिन्द सिंह ने बिलकुल साफ-साफ कहा है कि सिख दूसरी क्रीमों से हमदर्दी और मोहब्बत रखते भी ऐसा न करें कि अपने मैआर को दूसरों के साथ मिलाकर गड़बड़ कर दें। सिख अपनी रसमों को बारों फिरकों के लोगों से अलग ही रखेंगे, वह सब से मुनासिब बर्ताव करेंगे लेकिन उनका विश्वास और ज़िन्दगी के काम का अमल सबसे अलग रहेगा।" 2 सिख अपने उसूलों को बहुत दिनों तक बरकरार रखे रहे और हिन्दू और मुसलमान दोनों के मेल से बहुत कायदा उठाते रहे और अपनी तरक्की को दोनों तरफ के राजत असर से बचाते रहे, लेकिन जब सिखों को मुगल हुकूमत से लड़ना पड़ा तो उनकी वह भावना कम होने लगी। गुरु गोबिन्द सिंह मोहब्बत के भन्डार होने के सबब से अपने दुश्मनों के दिलों में भी मोहब्बत पैदा कर सके। औरंगज़ेब का एक सिपहसालार सैयद बेग गुरु से जंग करने आया लेकिन उनसे मुलाकात होने पर उसे अफसोस हुआ और रम से लौटकर उसने अहद कर लिया कि जुल्म की मदद के लिये मैं कभी जंग न करूँगा। बुद्ध-शाह, नबीखाँ और रानीखाँ मुसलमान ही थे जिन्होंने बहुत नाजुक वक्त पर गुरु की मदद की थी। सिखों से मुसलमानों की बढ़ती हुई नफरत का नतीजा यह हुआ कि मुसलमानों में सिख धर्म की बढ़ती पर असर पड़ा और मुसलमानों का सिखों में शामिल होना कम होता गया। यहाँ तक कि जब बाद के मुगल बादशाहों की सख्तियाँ बाबा बन्दा के हिन्दुओं और सिखों के खिलाफ बढ़ गईं तो सिखों में दीक्षा सिर्फ हिन्दुओं तक ही महदूद हो गई। नतीजा यह हुआ कि सिख धर्म ने जो नया ख्याल पैदा किया था उसमें पुराने हिन्दू ख्याल भी शामिल होने लगे।

यही हाल ईसाई धर्म का भी हुआ था। शुरू में जब ज्यादातर यहूदियों में से भी ईसाई बनते थे तो नये ईसाइयों के साथ पुराने यहूदी तरीके पर बर्ताव होता था। उस तरीके में अन्दर के हलक़े के मुरीदों और बाहर वाले मुरीदों में फर्क समझा जाता था।

अन्दर के हलक़े के मुरीदों का खतना हुआ करता था और वह यहूदी रस्म अदा किया करते थे, गिरजे के सब से अन्दर के हिस्से तक जाने के हकदार होते थे और बाहर के हलक़े के मुरीदों को जो उन रस्मों की पाबन्दी न करते थे सिर्फ 'हमदर्द' समझा जाता था, उनको सिर्फ गिरजे के दरवाजे पर ही पूजा करने की इजाजत होती थी। ईसाइयों और तैर यहूदियों में यही फर्क

بیتا کسی فرق کے سب کو اپنے مذہب میں شامل کر لینے کے علاوہ اور ہی ایسے طریقے تھے جن سے سکھ دھرم کی اس پہچان کو قائم رکھا جاتا تھا۔ ”گروں کا لنگر“ جس میں بالخصوص چولہے بڑے سب کو کھانا ملتا تھا، اسی لئے قائم کیا گیا تھا کہ وہ تمام رگوں جو فرقہ اور مذہب کے تعصب کی وجہ سے قائم تھیں دور ہو جائیں اور سب برابر ہو جائیں۔ اس لئے یہ قاعدہ رکھا گیا تھا کہ جو بھی کھانا کھائے اُسے چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان، سب کو ایک پائنت میں بیٹھ کر ایک ساتھ کھانا کھانا ہوگا، یہاں تک کہ اکثر اور راجہ صاحب ہری پور کو بھی، جب وہ گرو امرداس سے ملاقات کرنے گئے تھے، اسی طرح سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا پڑا تھا۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ مسلمان اور نہیج ذات کے ہندو سب ویسے ہی رہتے ہیں جیسے اونچے ذات والے، گرو ارجن ویو نے 1 گرنتم صاحب میں ان لوگوں کی ساکھیاں بھی شامل کی ہیں۔ ان میں کبیر صاحب مسلمان چولہے تھے، فرید ایک مسلمان فقیر، بھیکن ایک مسلم عالم، ساٹوں نائی، نام دیو چھوٹے، روری داس مرجی، مردانہ مسلمان، مردھا اور بہت سے دوسرے مسلمان راگی شامل ہیں۔ یہ بات اور بھی صاف ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سکھ لوگ اُس پرورے گرنتم صاحب کو جس میں یہ سب راگ ساکھیاں وغیرہ شامل ہیں ایشوری یا الہاسی سمجھتے ہیں اور اُس کی پرحد عزت کرتے ہیں۔

ان باتوں کا اثر اُس زمانے کے سکھوں کی عدالتوں اور رسم رواجوں پر برابر دکھائی پڑتا ہے۔ سکھ اوگ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے تھے اور مذہبی طور پر اپنے کو ان میں سے کسی فرقے میں شامل نہیں کرتے تھے۔ گرو نانک کا پہلا قول جب انہیں لے پرچار شروع کیا تھا یہ تھا کہ ”نا کوئی ہندو نا مسلمان“ اور جب اُن کا چولا چھوڑا تو ہندو مسلمان دونوں اُن کو اپنا بتاتے تھے۔ گرو ارجن نے اپنی کتاب میں نہایت دہری سے صاف صاف کہا ہے—

”میں نہ ہندو ورت رکھتا ہوں اور نہ دھن کے روزے۔“

”میں صرف اُس کی عبادت کرتا ہوں، وہی مہری آخری پناہ ہے۔“

”میں نے ہندو اور ترک دونوں سے ناتا توڑ لیا ہے۔“

”میں صرف ایک مالک کو مانتا ہوں جو اللہ ہے۔“

”میں نہ ہندو ورت رکھتا ہوں اور نہ رخصان کے روزے۔“

”میں سیکرے اسکی بھادرت برتاؤں، بھدی مہری آخیری پناہ ہے۔“

”میں نے ہندو اور ترک دونوں سے ناتا توڑ لیا ہے۔“

”میں سیکرے ایک مالک کو مانتا ہوں جو اللہ ہے۔“

1. ”ساری سنگت ایک ساتھ بیتا لیٹا بھرن یا آہم کے سنگرکھانے میں داخل ہو کر ایک پلنگ میں بیٹھتی تھی اور سمجھا جاتا تھا کہ سب ایک برابر صاف اور پاک ہیں۔“—سوربہ پرکاش، راس 1—صفحہ 30

1 ”ساری سنگت ایک ساتھ بالخصوص بھرن یا آہم کے لنگر خانے میں داخل ہو کر ایک پلنگ میں بیٹھتی تھی اور سمجھا جاتا تھا کہ سب ایک برابر صاف اور پاک ہیں۔“—سوربہ پرکاش، راس 1—صفحہ 30

سبب—آج کل پہلے ایک ڈاکو تھا مگر گرونانک فی
کی نسیہت سے سیخ ہوا اور ان کے دھرم کا اُس نے پرچار کیا؛
ایک نواب کا لڑکا جس کو دلا کے باہر
یہاں نے جلالپور دوآب میں سیخ بنایا تھا؛ وچیرا—
اکبر کا ایک نائب وزیر تھا اور
خفیہ طور پر گرو ارجن دیو کی تعلیم پر عمل کرتا تھا؛ دھن
شاہ—گرو نانک کا بڑا بھتیجا تھا اور آخر میں گرو گورد
زمانے میں سکھ ہو کر ہی مرا؛ بی بی گلن— لاہور کے
قاضی کی لڑکی تھی اور اُس کو گرو گورد سکھ دھرم کی
تعلیم دی تھی؛ سیفباد ریاست— پٹالہ کے رہنے والے شفیع
الدین کو گرو تیغ بہادر نے عین اپنی گرفتاری سے پہلے سکھ
بنایا تھا؛ سید شاہ کو بھائی نند لال نے سکھ بنایا؛ ایک
مسلمان فقیر ابراہیم نے سب سے پہلے اپنے کو گرو گورد سکھ کے
روہ سکھ دھرم اختیار کرنے کے لئے پیسے کیا تھا۔ گرو نے اُس کا
نام اجمل سکھ رکھا اور سکھوں کو ایک حکم جاری کیا کہ
”اگر کوئی مسلمان آدمی ہو یا اعلیٰ سچائی سے خالصہ دھرم
ماننا چاہتا ہو تو مناسب ہے کہ اُس کو دیکھا دی جائے اور
سکنت میں شامل کر لیا جائے۔“

بہت سے ناموں میں سے جنہوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا
یہ صرف چند نام ہیں۔ ان نئے سکھوں کی حالت جانچ کرنے
پر، جو گرو نانک اور ان کے بعد سکنت میں شامل ہوئے تھے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پتھان، سید اور شیخ جن کو مسلمانوں نے
شکست دے دی تھی سکھ مذہب کو زیادہ پسند کرتے تھے؛
جب کہ مغرب میں ان لوگوں کا دھرم اختیار کرنا اپنی توہین
سمجھتے تھے جن کو انہوں نے جنگ میں شکست دی تھی۔
جہانگیر کو گرو ارجن نے خلاف جیسا کہ جہانگیر نے خود
”تڑک جہانگیری“ میں لکھا ہے، سب سے بڑی شکایت یہ تھی
کہ ”بہت سے سیدھے سادے ہندو ہی نہیں بلکہ بہت سے بدو و ف
مسلمان بھی گرو ارجن کی دیکھا اور طریقوں سے موہت ہو جاتے
ہیں۔“ گرو نے بہت سے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا دی تھی جو
نیچے ذاتوں کے تھے۔ مثلاً رام داس جو سوجی تھے۔ گرو گورد
سکھ نے پہول (سکھ ہلمے) کا دروازہ سب کے لئے برابر کھول دیا
تھا۔ یہاں تک کہ مہتروں کو بھی دیکھا دی تھی اور انہوں ان
کے مضبوط وشولس کے لئے ’مذہبی‘ کہا جاتا تھا۔ ان مذہبیوں کو
بعض وقت وزن رنگریلا بھی کہتے ہیں؛ اِس کی وجہ یہ ہو سکتی
ہے کہ اُن میں سے بہت سے لوگ ’رنگر‘ ذات کے مسلمان تھے۔
ان لوگوں نے گرو تیغ بہادر کی نفی ہوئی لہٰذا وہ نکال لئے میں
نہایت جوانمردی سے کام لیا تھا۔ اِس پر اُن کو گرو گورد سکھ
نے ’رنگریلا‘ کہہ کر پکارتا تھا۔

سبب—آج کل پہلے ایک ڈاکو تھا مگر گرونانک فی
کی نسیہت سے سیخ ہوا اور ان کے دھرم کا اُس نے پرچار کیا؛
ایک نواب کا لڑکا جس کو دلا کے باہر
یہاں نے جلالپور دوآب میں سیخ بنایا تھا؛ وچیرا—
اکبر کا ایک نائب وزیر تھا اور
خفیہ طور پر گرو ارجن دیو کی تعلیم پر عمل کرتا تھا؛ دھن
شاہ—گرو نانک کا بڑا بھتیجا تھا اور آخر میں گرو گورد
زمانے میں سکھ ہو کر ہی مرا؛ بی بی گلن— لاہور کے
قاضی کی لڑکی تھی اور اُس کو گرو گورد سکھ دھرم کی
تعلیم دی تھی؛ سیفباد ریاست— پٹالہ کے رہنے والے شفیع
الدین کو گرو تیغ بہادر نے عین اپنی گرفتاری سے پہلے سکھ
بنایا تھا؛ سید شاہ کو بھائی نند لال نے سکھ بنایا؛ ایک
مسلمان فقیر ابراہیم نے سب سے پہلے اپنے کو گرو گورد سکھ کے
روہ سکھ دھرم اختیار کرنے کے لئے پیسے کیا تھا۔ گرو نے اُس کا
نام اجمل سکھ رکھا اور سکھوں کو ایک حکم جاری کیا کہ
”اگر کوئی مسلمان آدمی ہو یا اعلیٰ سچائی سے خالصہ دھرم
ماننا چاہتا ہو تو مناسب ہے کہ اُس کو دیکھا دی جائے اور
سکنت میں شامل کر لیا جائے۔“

بہت سے ناموں میں سے جنہوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا
یہ صرف چند نام ہیں۔ ان نئے سکھوں کی حالت جانچ کرنے
پر، جو گرو نانک اور ان کے بعد سکنت میں شامل ہوئے تھے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پتھان، سید اور شیخ جن کو مسلمانوں نے
شکست دے دی تھی سکھ مذہب کو زیادہ پسند کرتے تھے؛
جب کہ مغرب میں ان لوگوں کا دھرم اختیار کرنا اپنی توہین
سمجھتے تھے جن کو انہوں نے جنگ میں شکست دی تھی۔
جہانگیر کو گرو ارجن نے خلاف جیسا کہ جہانگیر نے خود
”تڑک جہانگیری“ میں لکھا ہے، سب سے بڑی شکایت یہ تھی
کہ ”بہت سے سیدھے سادے ہندو ہی نہیں بلکہ بہت سے بدو و ف
مسلمان بھی گرو ارجن کی دیکھا اور طریقوں سے موہت ہو جاتے
ہیں۔“ گرو نے بہت سے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا دی تھی جو
نیچے ذاتوں کے تھے۔ مثلاً رام داس جو سوجی تھے۔ گرو گورد
سکھ نے پہول (سکھ ہلمے) کا دروازہ سب کے لئے برابر کھول دیا
تھا۔ یہاں تک کہ مہتروں کو بھی دیکھا دی تھی اور انہوں ان
کے مضبوط وشولس کے لئے ’مذہبی‘ کہا جاتا تھا۔ ان مذہبیوں کو
بعض وقت وزن رنگریلا بھی کہتے ہیں؛ اِس کی وجہ یہ ہو سکتی
ہے کہ اُن میں سے بہت سے لوگ ’رنگر‘ ذات کے مسلمان تھے۔
ان لوگوں نے گرو تیغ بہادر کی نفی ہوئی لہٰذا وہ نکال لئے میں
نہایت جوانمردی سے کام لیا تھا۔ اِس پر اُن کو گرو گورد سکھ
نے ’رنگریلا‘ کہہ کر پکارتا تھا۔

ਦੁਬਾਰਾ ਜਾਰੀ کرنے کا मौक़ा मिल गया था. सिख गुरुद्वारे मठधारी महन्तों के हाथ में पड़ गये और संगतों से जब पहले के हम-मजहब सिख खत्म हो गये तो हकूमत वन्हीं महन्तों के हाथ में आ गई जो गुरुद्वारों पर कब्ज़ा रखते थे.

एक बात और भी थी जिस से सिख धर्म के सचचाई के साथ बढ़ने में खलल पड़ गया. सिक्खों की तारीख के आखिरी जमाने में सिख धर्म में दाखिजा सिर्फ एक मौक़े के लिये रह गया. चूँकि इस पहलू पर आम तौर से विचार नहीं किया गया है इसलिये मैं इसको कुछ तफ़सील के साथ बयान करना चाहता हूँ.

सिख धर्म सब जातों और फिरकों के लिये था और शुरु में हिन्दू और मुसलमान दोनों में से ही सिख लिये जाते थे. गुरु नानक ने एशियाई कोचक, ईरान और दूसरे मुल्कों में, जहाँ जहाँ बढ़ गये थे, बहुत से शुरीद बनाये थे. सेवादास ने अपने ग्रंथ "जन्म साखी" (1528 ईसवी) में बहुत सी ऐसी जगहों का जिक्र किया है जैसे "पठानों की किरि", जहाँ बहुत से मुसलमानों ने सिख धर्म अपनाया था. सिक्खों की इस फ़ेहरिस्त से जो भाई गुरुदास (1629) ने अपने ग्यारहवें गीत में दी है इसमें और नामों के साथ ऐसे नाम भी लिखते हैं जैसे मर्दाना जो गुरु नानक के साथ रहता था, दौलतख़ाँ पठान जो बाद में एक सिख संत हुआ है और गूतर लोहार जो गुरु अंगद का चेला था. उसने अपने गाँव में सिख धर्म की लोगों को तालीम दी थी. इनके अलावा हमजा और मियाँ जमाल बराबर गुरु गोविन्द की खिदमत में हाज़िर रहते थे. तारीख में हमकाँ मुसलमानों के बहुत से नाम मिलते हैं जो सिख धर्म का सराहते थे; मसलन राय बूजा रतलबन्डी का मुसलमान सरदार जो गुरुनानक के माँ बाप की निश्चत भी गुरु नानक को ज्यादा क़दर करता था. अल्लाहयार और हुसेनो शाह, जिन्होंने गुरु अमरदास से रुहानी सचक़ लिया था, करीब करीब सिख हो सकते जा सकते हैं. अक़बर की रवादास पर और सती के रिवाज के बन्द करने पर भी गुरु अमरदास का असर था. साई मियाँ मीर का गुरु अर्जुन देव से इस क़दर गहरा ताल्लुक था कि गुरु जी अमृतसर के गुरुद्वारे की नींव रखने के लिये साई मियाँ मीर को लाये थे. गुरुद्वारे की नींव साई मियाँ मीर के हाथों की रखी हुई है. वाराशिकोह का सिखों की तरफ़ इतना ज्यादा फ़ुकाव था कि इसी बजह से औरंगज़ेब ने उनके साथ ज्यादातियाँ की थी. सैयद बुख़्शाह साकिन सुधौरा, कालेख़ाँ और सैयद बेग़ गुरु गोविन्द सिंह की तरफ़ से लड़े थे. इनके सिवाय और बहुत से ऐसे लोग भी थे जिन्होंने सिख धर्म क़बूल कर लिया था. इनमें सिर्फ़ बोदे से नाम यहाँ दिये जा सकते हैं. मसलन—

दुबारा जारी करने का मौक़े मिल गया था. सिख गुरुद्वारे मठधारी महन्तों के हाथ में पड़ गये और संगतों से जब पहले के हम-मजहब सिख खत्म हो गये तो हकूमत वन्हीं महन्तों के हाथ में आ गई जो गुरुद्वारों पर कब्ज़ा रखते थे.

एक बात और भी थी जिस से सिख धर्म के सचचाई के साथ बढ़ने में खलल पड़ गया. सिक्खों की तारीख के आखिरी जमाने में सिख धर्म में दाखिजा सिर्फ एक मौक़े के लिये रह गया. चूँकि इस पहलू पर आम तौर से विचार नहीं किया गया है इसलिये मैं इसको कुछ तफ़सील के साथ बयान करना चाहता हूँ.

सिख धर्म सब जातों और फिरकों के लिये था और शुरु में हिन्दू और मुसलमान दोनों में से ही सिख लिये जाते थे. गुरु नानक ने एशियाई कोचक, ईरान और दूसरे मुल्कों में, जहाँ जहाँ बढ़ गये थे, बहुत से शुरीद बनाये थे. सेवादास ने अपने ग्रंथ "जन्म साखी" (1528 ईसवी) में बहुत सी ऐसी जगहों का जिक्र किया है जैसे "पठानों की किरि", जहाँ बहुत से मुसलमानों ने सिख धर्म अपनाया था. सिक्खों की इस फ़ेहरिस्त से जो भाई गुरुदास (1629) ने अपने ग्यारहवें गीत में दी है इसमें और नामों के साथ ऐसे नाम भी लिखते हैं जैसे मर्दाना जो गुरु नानक के साथ रहता था, दौलतख़ाँ पठान जो बाद में एक सिख संत हुआ है और गूतर लोहार जो गुरु अंगद का चेला था. उसने अपने गाँव में सिख धर्म की लोगों को तालीम दी थी. इनके अलावा हमजा और मियाँ जमाल बराबर गुरु गोविन्द की खिदमत में हाज़िर रहते थे. तारीख में हमकाँ मुसलमानों के बहुत से नाम मिलते हैं जो सिख धर्म का सराहते थे; मसलन राय बूजा रतलबन्डी का मुसलमान सरदार जो गुरुनानक के माँ बाप की निश्चत भी गुरु नानक को ज्यादा क़दर करता था. अल्लाहयार और हुसेनो शाह, जिन्होंने गुरु अमरदास से रुहानी सचक़ लिया था, करीब करीब सिख हो सकते जा सकते हैं. अक़बर की रवादास पर और सती के रिवाज के बन्द करने पर भी गुरु अमरदास का असर था. साई मियाँ मीर का गुरु अर्जुन देव से इस क़दर गहरा ताल्लुक था कि गुरु जी अमृतसर के गुरुद्वारे की नींव रखने के लिये साई मियाँ मीर को लाये थे. गुरुद्वारे की नींव साई मियाँ मीर के हाथों की रखी हुई है. वाराशिकोह का सिखों की तरफ़ इतना ज्यादा फ़ुकाव था कि इसी बजह से औरंगज़ेब ने उनके साथ ज्यादातियाँ की थी. सैयद बुख़्शाह साकिन सुधौरा, कालेख़ाँ और सैयद बेग़ गुरु गोविन्द सिंह की तरफ़ से लड़े थे. इनके सिवाय और बहुत से ऐसे लोग भी थे जिन्होंने सिख धर्म क़बूल कर लिया था. इनमें सिर्फ़ बोदे से नाम यहाँ दिये जा सकते हैं. मसलन—

سیخ مہاجر کا درمیانی راستا

پروفیسر تے جاسیہ ایم۔ اے۔

سیخ دھرم اس وقت تک صرف ایک مہاجری آبادیوں تھا جب تک کہ دنیاوی طاقت کی حوس کا اس پر اثر نہ ہوا تھا۔ شروع کے سکھ گروں نے ظالم حاکموں سے لڑائی ضرور لڑی تھی مگر وہ کسی لوہے میں نہ اُٹے تھے۔ چٹے سکھ گرو نے چٹلی لڑائیاں لڑیں ان سب میں فتح پائی اور دسویں گرو صاحب نے بھی زیادہ تر لڑائیاں میں فتح پائی تھی۔ مگر ان لڑائیوں میں جیتلے پر بھی انہوں نے ایک اچھے زمانے پر ہی قبضہ نہیں کیا۔ جو کچھ زمانے ان کے پاس تھے اس کو انہوں نے یا تو نقد روپیہ دے کر خرید لیا یا ان کے چیلوں نے انہیں نذر دی تھی۔

سیخ گروؤں کے پاس جب عیشی آرام کے سارے سامان مہیجود تھے تب بھی انہوں نے اپنا رہن سہن سادہ ہی بنایا رکھا۔ جین راگیاؤں کی ساکھیاؤں پرانے ساہب میں جما کی گئی ہیں انہوں نے ہمیشہ اوسط درجے کے رہن سہن کے طریقے کو ہی سراہا ہے۔ اسے وہ راجیوگ کہا کرتے تھے۔ ایسا یوگ جو تھاک اور بھوک دونوں کے بیچ کا راستہ ہے۔ یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کہ پانچویں یا چھٹے سکھ گرو کے زمانے سے سکھ دھرم کا معیار گر گیا اور گروں کو سچا بادشاہ اور ان کی گدی کو تخت اور سکھوں کی سلطنت کو دربار کہا جانے لگا۔ لیکن شروع گروں اور خاص کر ان راگھوں کی تحریروں سے جن کی ساکھیاں دوسرے گرو کے وقت سے ہی لکھی جانے لگی تھیں یہ صاف معلوم ہوتا ہے اس طرح کے لفظ بعد میں نہیں چلے بلکہ شروع سے ہی کام میں آئے رہے ہیں۔ ایشیا میں فقیر مہاتماؤں کا درجہ بادشاہوں سے بڑا مانا جانا رہا ہے اور ان کی شاہن میں اسی طرح کی بدویاں کام میں لائی جاتی رہی ہیں۔

سیخ دھرم میں تبدیلی بعد میں ضرور ہوئی لیکن یہ تبدیلی اس وقت سے ہی نظر آتی ہیں جب آخری گرو صاحب پنجاب سے چلے گئے تھے اور انہوں میں جاکر انہوں نے شہر تھاک دیا تھا۔ گرو کے جن چلے ہوئے بھکتوں نے گرو گورند سکھ سے سبق پایا اور تھا جن کی موجودگی سے عام سکھوں میں سچائی کی پہچان قائم رہ سکتی تھی ان کو گرو کے شہر تھاک کے بعد کمزوروں کی حفاظت کرنے کے لئے اپنی زندگی بچانا اور ظالموں سے لڑنا پڑا اور انہیں عام لوگوں سے دور چلا جانا پڑا۔ اس وقت عام سکھوں کو یا تو اپنی قسمت پر بھروسہ کرنا پڑا یا ان پرالے پیشہ ور گروں سے سبق لینا پڑا اور جن کو اب روپیہ نہ کر اپنے پرالے پیشہ کو

سیکھ مذہب کا درمیانی راستہ

پروفیسر تے جاسیہ ایم۔ اے۔

سیکھ دھرم اس وقت تک صرف ایک مذہبی آبادیوں تھا جب تک کہ دنیاوی طاقت کی حوس کا اس پر اثر نہ ہوا تھا۔ شروع کے سکھ گروں نے ظالم حاکموں سے لڑائی ضرور لڑی تھی مگر وہ کسی لوہے میں نہ اُٹے تھے۔ چٹے سکھ گرو نے چٹلی لڑائیاں لڑیں ان سب میں فتح پائی اور دسویں گرو صاحب نے بھی زیادہ تر لڑائیاں میں فتح پائی تھی۔ مگر ان لڑائیوں میں جیتلے پر بھی انہوں نے ایک اچھے زمانے پر ہی قبضہ نہیں کیا۔ جو کچھ زمانے ان کے پاس تھے اس کو انہوں نے یا تو نقد روپیہ دے کر خرید لیا یا ان کے چیلوں نے انہیں نذر دی تھی۔

سیکھ گروں کے پاس جب سب عیش و آرام کے سارے سامان موجود تھے تب بھی انہوں نے اپنا رہن سہن سادہ ہی بنائے رکھا۔ جن راگھوں کی ساکھیاں گرو صاحب میں جمع کی گئیں ہیں انہوں نے ہمیشہ اوسط درجے کے رہن سہن کے طریقے کو ہی سراہا ہے۔ اس سے راج یوگ کہا کرتے تھے۔ ایسا یوگ جو تھاک اور بھوک دونوں کے بیچ کا راستہ ہے۔ یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کہ پانچویں یا چھٹے سکھ گرو کے زمانے سے سکھ دھرم کا معیار گر گیا اور گروں کو سچا بادشاہ اور ان کی گدی کو تخت اور سکھوں کی سلطنت کو دربار کہا جانے لگا۔ لیکن شروع گروں اور خاص کر ان راگھوں کی تحریروں سے جن کی ساکھیاں دوسرے گرو کے وقت سے ہی لکھی جانے لگی تھیں یہ صاف معلوم ہوتا ہے اس طرح کے لفظ بعد میں نہیں چلے بلکہ شروع سے ہی کام میں آئے رہے ہیں۔ ایشیا میں فقیر مہاتماؤں کا درجہ بادشاہوں سے بڑا مانا جانا رہا ہے اور ان کی شاہن میں اسی طرح کی بدویاں کام میں لائی جاتی رہی ہیں۔

سیکھ دھرم میں تبدیلی بعد میں ضرور ہوئی لیکن یہ تبدیلی اس وقت سے ہی نظر آتی ہیں جب آخری گرو صاحب پنجاب سے چلے گئے تھے اور انہوں میں جاکر انہوں نے شہر تھاک دیا تھا۔ گرو کے جن چلے ہوئے بھکتوں نے گرو گورند سکھ سے سبق پایا اور تھا جن کی موجودگی سے عام سکھوں میں سچائی کی پہچان قائم رہ سکتی تھی ان کو گرو کے شہر تھاک کے بعد کمزوروں کی حفاظت کرنے کے لئے اپنی زندگی بچانا اور ظالموں سے لڑنا پڑا اور انہیں عام لوگوں سے دور چلا جانا پڑا۔ اس وقت عام سکھوں کو یا تو اپنی قسمت پر بھروسہ کرنا پڑا یا ان پرالے پیشہ ور گروں سے سبق لینا پڑا اور جن کو اب روپیہ نہ کر اپنے پرالے پیشہ کو

मुसलमानों की दोस्ताना मजहबी बहस बराबर चलती रहती थी.

مسلمانوں کی دوستانہ مذہبی بحث برابر چلتی رہتی تھی.

1. Islamic Culture Vol. 1, No. 2 pp. 190-191.
2. فتوح المل-ملدان (لغة ن. سفا 446 مفتح) (الدين) مفتح البلدان
3. Ibn Batuta (H. A. R. Gibb) p. 295
4. Burton's Pilgrimage to Al-Madinah, Vol. 11, p. 174.
5. AS. Soc. Vols. iii and iv
6. Balazuri, p. 489.
7. The Caliphate its Rise, Decline and Fall, by Sir W. Muir, pp. 354-355.
8. Islamic Culture, Vol. I, No. 2. p. 205
9. Ajaib al Hind (ed. P. A. Von Der Lith), p. 155.
10. Abid, p. 481.
11. Voyage du Merchant Sulayman (Paris), p. 119.
12. Ibn Hauqal (de Goeje) p. 232.
13. Ahsan ut-Taqasim, p. 482.
14. Voyage du Merchant Sulayman (Paris), p. 119.
15. Muruj-uz-Zahab (Paris), Vol I. pp. 253-54.
16. Ajaib al-Hind, pp. 2-3
17. Voyage du Merchand Arb (Frrand), p. 139.
18. Ajaib al-Hind, p. 147.
19. Fihrist pp. 345-349.

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madra.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the lighty mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

پجاری ہے اور انکلت تعداد میں عرب سیاح، عالم، تاریخ دان اور جغرافیہ دان بھارت میں آ کر کہاں کے اس محدود خزانے سے دان حاصل کرتے تھے۔ ہارون الرشید کے وزیر بہاؤمکی نے ایک عام کو اس بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ ہندستان میں مختلف مذہبوں اور ہندستان کی جڑی بوٹیوں کے بارے میں اپنی تفصیلی رپورٹ پیش کرے۔ ابن-ان-ظہم کا کہنا ہے: کہ اُس نے بتاریخ 349 ہجری کی آمدی کے نام کی لکھی ہوئی اس رپورٹ کی ایک نقل دیکھی ہے۔ ابن-ان-ظہم کے مطابق اس رپورٹ میں بلہ رائے کی راجدھانی مہانگر کے دیو مندروں اور ملتان اور بھارت کے مختلف مذہبوں اور مذہبی کتابوں کا بھی بیان تھا۔ ابن-ان-ظہم نے پوری کتاب کا خلاصہ بھی دیا ہے۔ جن مذہبی کتابوں کا اس میں بیان ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں—سہاکالیا، آدت بھکتیا، چلندر بھکتیا، وکرانتیا (جس کے پیروکار زنجیر پہنتے تھے)، گنگا یاتریا، راج پتربا اور ایک اور فرقہ جس کے حامی امیر بال رکیتے تھے، شراب سے پرہیز کرتے تھے اور عورتوں کی صحبت سے بچتے تھے۔“ 19

ہندوستان کے مگرہی ساحل پر جگہ جگہ ہندو مسلمانوں کی جس طرح کی ملی جلی آبادیاں اُس وقت بس گئیں تھیں اور جس طرح دونوں ایک دوسرے کے مذہب کی کہانی اور مذہبی گہرائیوں میں داخلہ پانے کی کوشش کر رہے تھے، اُن کا یہ شوق آپس کے گہرے تعاقب اور مل جل جوں سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔

اس وقت کے ایک راجہ کے بابت لکھا ہے کہ اُس نے خلیفہ ہارون الرشید کو خط لکھ کر کسی ایسے مسلم عالم کو بھیجنے کی درخواست کی جو راجہ کے ہندو پندتوں سے مذہبی بحث کر سکے۔ اسی واقعہ کا ایک دوسرا بیان یہ ہے کہ راجہ نے مسلمان عالم کو اس لئے بلایا تاکہ وہ ایک بہت اُرنچے ہوئے عالم سے مذہبی بحث مباحثہ کر سکے۔ یہ صحیح بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال وہ مسلم عالم بھارت آیا، لیکن اُس ہوئے عالم کے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ کئی دن تک بحث ہوئی رہی۔ مسلم عالم قرآن اور حدیث کو آخری سند کہہ کر پیش کرنا تھا جب کہ ہوئے عالم قرآن اور حدیث دونوں سے انکار کرتا تھا۔ اُس کے بعد بحث خدا کے وجود پر شروع ہو گئی اور ہوئے لاجواب ہوئے لگا۔ اور اُس ہار کی شرم سے بچنے کے لئے کہتے ہیں، ایک دن اُس مسلمان عالم کو زہر دے کر مروا ڈالا۔ لیکن اُس انسپسٹاک رائج سے یہ مذہبی بحث رکی نہیں اور اُس زمانے کے واقعات میں اُن کی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو

پجاری ہے اور انکلت تعداد میں عرب سیاح، عالم، تاریخ دان اور جغرافیہ دان بھارت میں آ کر کہاں کے اس محدود خزانے سے دان حاصل کرتے تھے۔ ہارون الرشید کے وزیر بہاؤمکی نے ایک عام کو اس بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ ہندستان میں مختلف مذہبوں اور ہندستان کی جڑی بوٹیوں کے بارے میں اپنی تفصیلی رپورٹ پیش کرے۔ ابن-ان-ظہم کا کہنا ہے: کہ اُس نے بتاریخ 349 ہجری کی آمدی کے نام کی لکھی ہوئی اس رپورٹ کی ایک نقل دیکھی ہے۔ ابن-ان-ظہم کے مطابق اس رپورٹ میں بلہ رائے کی راجدھانی مہانگر کے دیو مندروں اور ملتان اور بھارت کے مختلف مذہبوں اور مذہبی کتابوں کا بھی بیان تھا۔ ابن-ان-ظہم نے پوری کتاب کا خلاصہ بھی دیا ہے۔ جن مذہبی کتابوں کا اس میں بیان ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں—سہاکالیا، آدت بھکتیا، چلندر بھکتیا، وکرانتیا (جس کے پیروکار زنجیر پہنتے تھے)، گنگا یاتریا، راج پتربا اور ایک اور فرقہ جس کے حامی امیر بال رکیتے تھے، شراب سے پرہیز کرتے تھے اور عورتوں کی صحبت سے بچتے تھے۔“ 19

ہندوستان کے مگرہی ساحل پر جگہ جگہ ہندو مسلمانوں کی جس طرح کی ملی جلی آبادیاں اُس وقت بس گئیں تھیں اور جس طرح دونوں ایک دوسرے کے مذہب کی کہانی اور مذہبی گہرائیوں میں داخلہ پانے کی کوشش کر رہے تھے، اُن کا یہ شوق آپس کے گہرے تعاقب اور مل جل جوں سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔

اس وقت کے ایک راجہ کے بابت لکھا ہے کہ اُس نے خلیفہ ہارون الرشید کو خط لکھ کر کسی ایسے مسلم عالم کو بھیجنے کی درخواست کی جو راجہ کے ہندو پندتوں سے مذہبی بحث کر سکے۔ اسی واقعہ کا ایک دوسرا بیان یہ ہے کہ راجہ نے مسلمان عالم کو اس لئے بلایا تاکہ وہ ایک بہت اُرنچے ہوئے عالم سے مذہبی بحث مباحثہ کر سکے۔ یہ صحیح بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال وہ مسلم عالم بھارت آیا، لیکن اُس ہوئے عالم کے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ کئی دن تک بحث ہوئی رہی۔ مسلم عالم قرآن اور حدیث کو آخری سند کہہ کر پیش کرنا تھا جب کہ ہوئے عالم قرآن اور حدیث دونوں سے انکار کرتا تھا۔ اُس کے بعد بحث خدا کے وجود پر شروع ہو گئی اور ہوئے لاجواب ہوئے لگا۔ اور اُس ہار کی شرم سے بچنے کے لئے کہتے ہیں، ایک دن اُس مسلمان عالم کو زہر دے کر مروا ڈالا۔ لیکن اُس انسپسٹاک رائج سے یہ مذہبی بحث رکی نہیں اور اُس زمانے کے واقعات میں اُن کی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو

ہندو مسلمانوں کا تعلق...

حاضرمان میں بڑا۔ مسلمان کے تئیں ہندو مسلمانوں کے ساتھ، جو اس کے دربار میں آتے تھے، مذہبی خیالات کا تبادلہ کرنا تھا۔ 15

اسی طرح سے بزرگ بن شہریار لکھتا ہے کہ اور کے راجہ مہروگ نے جس کی حکومت اونچے اور نیچے کے کشمیر کے بیچ میں تھی، مصلوٹ کے راجہ کو لکھا کہ وہ کسی ایسے آدمی کو بھیجے جو ہندی زبان میں اسلام کے اصولوں کو سمجھا سکے۔ مصلوٹ کے بادشاہ نے عبداللہ نامی ایک قابل شخص کو، جو قرآن میں نیک مصلوٹ میں رہ چکا تھا، اور بھیجا۔ اس نے قرآن کا ہندی میں ترجمہ کر کے راجہ کو سنانا شروع کیا۔ راجہ پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ 16 اس طرح کے اثر پڑنے اس وقت قدرتی تھے۔ اس کے بعد مسلم ملکوں میں ہندوؤں کی آمدنیت شروع ہوئی اور دونوں کے بیچ کے سماجی تعلقات اور زیادہ گہرے اور دلچسپ ہوتے گئے۔ سلیمان لکھتا ہے—

عراق کے بادشاہ سیراف میں بہت سے ہندو رہتے تھے اور جب کوئی عرب سوداگر ان کی دعوت کرتا ہے تو ان کی تعداد سے تک پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے ہر شخص کا کھانا الگ الگ کمرے میں پڑا جاتا ہے کیونکہ ایک ہی دکانی میں کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کھاتا۔ 17 انہیں ہندوؤں کے مطابق بزرگ بن شہریار لکھتا ہے—

”یہ لوگ بول چال کی عربی اس صفائی سے اور جلد جلد بولتے ہیں کہ ہمارے عالم فاضل مولوی دنگ اور حوران رہ جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں عام طور پر سندھی، گجراتی اور ملکانی ہیں جو عرصہ قدیم سے ہمارے ملکوں کے ساتھ تجارت کرتے آ رہے ہیں۔“ 18

اس تجارتی رشتے سے ہندوستان مسلمانوں کے گہرے مہل چل رہا ہے اور اسلامی دنیا پر اپنے گہرے رشتے، روحانی تعلقات اور مذہب کا اثر ڈال رہا ہے۔ عرب اور ایرانی سوداگر ہندوستان سے تجارتی مال کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور سائنس کے گہرے بھی لے جاتے تھے۔

دوسری طرف عباسی خلیفوں کے دربار کی انسانی رحمدلی اور مذہبی برداشت سے متاثر ہو کر ہندو پختہ بڑی تعداد میں ہندوؤں میں جمع ہوئے لکھ خلیفہ کے دربار میں نجوم اور ہندو کے سب سے اعلیٰ عہدوں پر ہندو پختہ ہی سرفراز تھے۔ مسلمانوں کے دلوں میں ہندوستان کے گہرے رشتے کی بھاری گہرائی کی تہا، لہذا کی، گہرائی، دھنی اور سرچن شہل بھارت کو جاننے کا گہرا شوق پیدا ہوا۔ عرب کے عالم گہرے کے سچے

ہندو مسلمانوں کا تعلق...

عراق کے بادشاہ سیراف میں بہت سے ہندو رہتے تھے اور جب کوئی عرب سوداگر ان کی دعوت کرتا ہے تو ان کی تعداد سے تک پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے ہر شخص کا کھانا الگ الگ کمرے میں پڑا جاتا ہے کیونکہ ایک ہی دکانی میں کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کھاتا۔ 17 انہیں ہندوؤں کے مطابق بزرگ بن شہریار لکھتا ہے—

”یہ لوگ بول چال کی عربی اس صفائی سے اور جلد جلد بولتے ہیں کہ ہمارے عالم فاضل مولوی دنگ اور حوران رہ جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں عام طور پر سندھی، گجراتی اور ملکانی ہیں جو عرصہ قدیم سے ہمارے ملکوں کے ساتھ تجارت کرتے آ رہے ہیں۔“ 18

اس تجارتی رشتے سے ہندوستان مسلمانوں کے گہرے مہل چل رہا ہے اور اسلامی دنیا پر اپنے گہرے رشتے، روحانی تعلقات اور مذہب کا اثر ڈال رہا ہے۔ عرب اور ایرانی سوداگر ہندوستان سے تجارتی مال کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور سائنس کے گہرے بھی لے جاتے تھے۔

دوسری طرف عباسی خلیفوں کے دربار کی انسانی رحمدلی اور مذہبی برداشت سے متاثر ہو کر ہندو پختہ بڑی تعداد میں ہندوؤں میں جمع ہوئے لکھ خلیفہ کے دربار میں نجوم اور ہندو کے سب سے اعلیٰ عہدوں پر ہندو پختہ ہی سرفراز تھے۔ مسلمانوں کے دلوں میں ہندوستان کے گہرے رشتے کی بھاری گہرائی کی تہا، لہذا کی، گہرائی، دھنی اور سرچن شہل بھارت کو جاننے کا گہرا شوق پیدا ہوا۔ عرب کے عالم گہرے کے سچے

اس تجارتی رشتے سے ہندوستان مسلمانوں کے گہرے مہل چل رہا ہے اور اسلامی دنیا پر اپنے گہرے رشتے، روحانی تعلقات اور مذہب کا اثر ڈال رہا ہے۔ عرب اور ایرانی سوداگر ہندوستان سے تجارتی مال کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور سائنس کے گہرے بھی لے جاتے تھے۔

دوسری طرف عباسی خلیفوں کے دربار کی انسانی رحمدلی اور مذہبی برداشت سے متاثر ہو کر ہندو پختہ بڑی تعداد میں ہندوؤں میں جمع ہوئے لکھ خلیفہ کے دربار میں نجوم اور ہندو کے سب سے اعلیٰ عہدوں پر ہندو پختہ ہی سرفراز تھے۔ مسلمانوں کے دلوں میں ہندوستان کے گہرے رشتے کی بھاری گہرائی کی تہا، لہذا کی، گہرائی، دھنی اور سرچن شہل بھارت کو جاننے کا گہرا شوق پیدا ہوا۔ عرب کے عالم گہرے کے سچے

اسنے اسلام کے بارے میں اپنی باکفایت لوگوں کو بتایا کہ مسلمانوں کا خلیفہ نہایت ساری زندگی بسر کرتا ہے اور غور سے چھو تک نہیں گناہ شہر یار لکھتا ہے۔ ”یہی وجہ ہے کہ ہندو مسلمانوں سے اتنی محبت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اتنی ہمدردی رکھتے ہیں۔“ 10۔ سلیمان سوداگر لکھتا ہے۔ ”راجہ بلہر کی طرح راجہ گجرات بھی عربوں کی جانب دوستانہ برتاؤ رکھتا ہے۔“ 11

استاخری 951 عیسوی میں ہندوستان آیا تھا۔ اس کے جغرافیہ کی کتاب میں ہندستان کا بیان ہے۔ استاخری نے سب سے پہلے ہندستان کے ایک صوبے سندھ کا نقشہ تیار کیا۔ استاخری کے وقت تک خاص خاص شہروں میں ہندو مسلم تجارت کے مرکز قائم ہو چکے تھے۔ ایک مسلم مصنف نے مطابق ان مرکوزوں میں ہندو اور مسلمانوں کے سماجی رشتے کے نتیجے کی شکل میں ملے جیسے رسم رواج اور برتاؤ ملتے جارہے تھے۔ اس ہوکل لکھتا ہے۔ ”ملتان میں ہندو اور مسلمان ایک ہی سی پوشاک پہنتے ہیں اور ایک ہی فیشن کے بال سلواتے ہیں۔ منصوری اور ملتان اور اس پاس کے شہروں میں دونوں یکساں عربی اور سندھی زبان بولتے ہیں۔“ 12۔ بسہری لکھتا ہے کہ۔ ”سندھ میں عربی، فارسی اور سندھی تینوں یکساں سمجھی جاتی ہیں۔“ 13۔ استاخری اور ابن ہوکل لکھتے ہیں کہ ہندو علانوں میں مسلمان جگہ جگہ بس گئے تھے اور انہوں نے عبادت کے لئے مسجدیں تعمیر کر لی تھیں۔ سلیمان سوداگر سنگھ کے بارے میں لکھتا ہے کہ ! ”سنگھ میں مختلف مذاہب کے پیروکار بسے ہیں اور سنہال کا راجہ ان مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے اپنے مذہب کو پھیلانے کی اجازت دیتا ہے۔“ 14

یہ ظاہر ہے کہ تجارت کے مرکز تہذیبی ردوبدل کے بھی مرکز تھے۔ اس میں خاص شہر خوددار، ماحوڑا، منصورا اور جلدھر وغیرہ تھے۔ جو مسلمان ان شہروں میں بس گئے تھے وہ قوم کے عرب تھے۔ وہ بھارتیوں میں اس درجے مل جل گئے تھے کہ کچھ بڑھاپوں بعد ان کا پہچانا جانا بھی ناممکن ہو گیا۔

ان کے طور طریقے، خیالات بالکل ہندوؤں جیسے ہو گئے۔ ان لوگوں کی ایک الگ ہی جماعت بن گئی جو تمام جنوبی بھارت میں پھیل گئی۔ ان میں سے ایک جماعت علی کو شو کا اوتار سمجھ کر پوجا کرتی تھی۔

تجارتی رشتے کے ساتھ جہیں جہیں تہذیبی لہن دہن ہوتا نہیں تھا، بھارتیوں اور عربوں میں ایک دوسرے کو جاننے سمجھنے اور ایک دوسرے سے موافقت کرنے اور ایک دوسرے کے مصلحت کی بجا سے بجا باکفایت حاصل کرنے کا

اسنے اسلام کے بارے میں اپنی باکفایت لوگوں کو بتایا کہ مسلمانوں کا خلیفہ نہایت ساری زندگی بسر کرتا ہے اور غور سے چھو تک نہیں گناہ شہر یار لکھتا ہے۔ ”یہی وجہ ہے کہ ہندو مسلمانوں سے اتنی محبت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اتنی ہمدردی رکھتے ہیں۔“ 10۔ سلیمان سوداگر لکھتا ہے۔ ”راجہ بلہر کی طرح راجہ گجرات بھی عربوں کی جانب دوستانہ برتاؤ رکھتا ہے۔“ 11

استاخری 951 عیسوی میں ہندستان آیا تھا۔ اس کے جغرافیہ کی کتاب میں ہندستان کا بیان ہے۔ استاخری نے سب سے پہلے ہندستان کے ایک صوبے سندھ کا نقشہ تیار کیا۔ استاخری کے وقت تک خاص خاص شہروں میں ہندو مسلم تجارت کے مرکز قائم ہو چکے تھے۔ ایک مسلم مصنف نے مطابق ان مرکوزوں میں ہندو اور مسلمانوں کے سماجی رشتے کے نتیجے کی شکل میں ملے جیسے رسم رواج اور برتاؤ ملتے جارہے تھے۔ اس ہوکل لکھتا ہے۔ ”ملتان میں ہندو اور مسلمان ایک ہی سی پوشاک پہنتے ہیں اور ایک ہی فیشن کے بال سلواتے ہیں۔ منصوری اور ملتان اور اس پاس کے شہروں میں دونوں یکساں عربی اور سندھی زبان بولتے ہیں۔“ 12۔ بسہری لکھتا ہے کہ۔ ”سندھ میں عربی، فارسی اور سندھی تینوں یکساں سمجھی جاتی ہیں۔“ 13۔ استاخری اور ابن ہوکل لکھتے ہیں کہ ہندو علانوں میں مسلمان جگہ جگہ بس گئے تھے اور انہوں نے عبادت کے لئے مسجدیں تعمیر کر لی تھیں۔ سلیمان سوداگر سنگھ کے بارے میں لکھتا ہے کہ ! ”سنگھ میں مختلف مذاہب کے پیروکار بسے ہیں اور سنہال کا راجہ ان مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے اپنے مذہب کو پھیلانے کی اجازت دیتا ہے۔“ 14

یہ ظاہر ہے کہ تجارت کے مرکز تہذیبی ردوبدل کے بھی مرکز تھے۔ اس میں خاص شہر خوددار، ماحوڑا، منصورا اور جلدھر وغیرہ تھے۔ جو مسلمان ان شہروں میں بس گئے تھے وہ قوم کے عرب تھے۔ وہ بھارتیوں میں اس درجے مل جل گئے تھے کہ کچھ بڑھاپوں بعد ان کا پہچانا جانا بھی ناممکن ہو گیا۔

ان کے طور طریقے، خیالات بالکل ہندوؤں جیسے ہو گئے۔ ان لوگوں کی ایک الگ ہی جماعت بن گئی جو تمام جنوبی بھارت میں پھیل گئی۔ ان میں سے ایک جماعت علی کو شو کا اوتار سمجھ کر پوجا کرتی تھی۔

تجارتی رشتے کے ساتھ جہیں جہیں تہذیبی لہن دہن ہوتا نہیں تھا، بھارتیوں اور عربوں میں ایک دوسرے کو جاننے سمجھنے اور ایک دوسرے سے موافقت کرنے اور ایک دوسرے کے مصلحت کی بجا سے بجا باکفایت حاصل کرنے کا

موہنات کا کھنڈن کاہم ہوا جسہیں کالیکا تک نہ سینھ میں منڈیروں کو گرنے یا اسلام کو फैلانے کی ہجاعت نہی دی۔

انبرہ تاریکواں سر بیلیم مھر اکسوس کے ساآ لیآتا ہے :—

”یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اعراب فاتہ جو ربریا ماتہات کوماں کے ساآ برتتے تے وہ ہندوستان میں آکر بیلکول ولت گیا۔ منڈیروں کو آوں کا آوں مہ فوج آوک دیا گیا اور بولت-پرستی کی کوئی مناہی نہی کی گئی۔ آسا کہ بول نے لکھا ہے ”ہندوستان کی لکڑی مآہبی آنگ یا آہاد نہی رہ گئی کیونکہ مآہبی تندیلی کا آوال ہی نہی آٹایا گیا۔ سلہ میں اللہ کی پرستش کے ساآ ساآ ہوں کی پرستش کی بھی آسانی ہو گئی..... اور اس طرح باوجود اسلامی حکومت کے بھارت ایک ہت پرست ملک بنا رہ گیا۔“ 7

آرمن آالیم بان کمر لیآتا ہے —

سینھ میں آبول کاسیم کی ہکومت میں اور اسکے باء بھی آاہا آوں کی ہکوت اور شان آوں کی آوں کایم رہی۔ آمین کی مالگجاری بھی 3 کسدی آوں کی آوں جاری رکھی گئی۔ ہندوآوں کو آولی ہجاعت آی کہ بے مان مانے منڈر بنواآے، مسلمانوں کے ساآ تیاارت کرے اور بکوف ہوکر آپنی بکوتی کے لیے آو ککھ موناآیس سہمہ کرے۔“ 8

اس پر آسانی سے یتبار کیا آا سکتا ہے کہ ہن آالتوں کے اندر آوں آوں گروہ اک آسے کی طرف بہت درجے تک نرم ہو گئے آوں اور آوں میں تہجیبی ریشا کایم آوا آوگا۔ لکین سینھ ہی آکےلا آسا آوبا نہی آا آہا آوں آوں کے آکھ آوستانا سماآی بکوا بول رہا آا۔ آارت کے تمام مگاری آاھل کے مسلمان ہندوآوں کے ساآ میل آول کر موہنات کے ساآ رہ رہے تے۔ مسلمان سآاآوں کے مآابک مسلمانوں اور آارتی آوڈوں میں بے ہد آاآارا آو گیا آا۔ بکوری آین شہریار نواں سدی کے آارت کے پآکھی کینارے کے بارے میں آپنے آاس رآرآوں کے بول پر لیآتا ہے —

”بیکور یا بیکور آوں کا گروہ سیکل کا رہنے والا ہے۔ انہیں مسلمانوں سے محبت اور مسلمانوں کی آانب یہ بے حد نرم ہیں۔“ 9

ان بیکور نے اسلام کے بارے میں واقفیت آاصل کرنے کے لکھ اپنا ایک نمائندہ عرب بیکور۔ یہ نمائندہ آاوفہ عمر کے وقت میں عرب پہنچا۔ آپس لوتکے آوے مکران میں آس کا انتقال ہو گیا۔ لکین اس کا ایک ساآی صحیح سلامت سیکل پہنچا اور وہاں

محبت کا آوال قائم ہو گیا جس میں آاوفہ تک کے مسلمانوں کو گرائے یا اسلام کو بھلانے کی آجاعت نہی دی۔

آنگر: آارج داں سرولیم مھر آسوس کے ساآ لکھتا ہے:—

”یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عرب فاتح جو روہ مانکت قوموں کے ساآ برتتے تے وہ ہندوستان میں آکر بالکل الٹ گیا۔ مآدروں کو آوں کا آوں محفوظ آہر دیا گیا اور ہت پرستی کی کوئی مآہی نہی کی گئی۔ آسا کہ بول نے لکھا ہے ”ہندوستان کی لکڑی مآہبی آنگ یا آہاد نہی رہ گئی کیونکہ وہاں مآہبی تبدیلی کا سوال ہی نہی آٹایا گیا۔ سلہ میں اللہ کی پرستش کے ساآ ساآ ہوں کی پرستش کی بھی آسانی ہو گئی..... اور اس طرح باوجود اسلامی حکومت کے بھارت ایک ہت پرست ملک بنا رہ گیا۔“ 7

آرمن عالم وان کریم لکھتا ہے —

سلہ میں ابولقاسم کی حکومت میں اور آس کے بعد بھی بھہل میں عزت اور شان آوں کی آوں قائم رہی۔ زمین کی مالکآاری بھی 3 فیصدی آوں کی آوں جاری رکھی گئی۔ ہادوں کو کھلی آجاعت تھی کہ وہ من مانے مسلمان ہوانہں مسلمانوں کے ساآ تجارت کریں اور بے آرف ہو کر اپنی بڑھتی کے لکھ آو ککھ مناسب سیکھیں کریں۔“ 8

اس پر آسانی سے اعتبار کیا آا سکتا ہے کہ ان آالتوں کے اندر آوں گروہ ایک آوسے کی طرف بہت درجے تک نرم ہو گئے ہوں گے اور آوں میں تہجیبی ریشہ قائم آوا آوگا۔ لکین سلہ ہی آکےلا آسا آوبا نہی آا آہا آوں آوں کے آکھ آوستانا سماآی بکوا بول رہا آا۔ آارت کے تمام مگاری آاھل کے مسلمان ہندوآوں کے ساآ میل آول کر موہنات کے ساآ رہ رہے تے۔ مسلمان سآاآوں کے مآابک مسلمانوں اور آارتی آوڈوں میں بے ہد آاآارا آو گیا آا۔ بکوری آین شہریار نواں سدی کے آارت کے پآکھی کینارے کے بارے میں آپنے آاس رآرآوں کے بول پر لیآتا ہے —

”بیکور یا بیکور آوں کا گروہ سیکل کا رہنے والا ہے۔ انہیں مسلمانوں سے محبت اور مسلمانوں کی آانب یہ بے حد نرم ہیں۔“ 9

ان بیکور نے اسلام کے بارے میں واقفیت آاصل کرنے کے لکھ اپنا ایک نمائندہ عرب بیکور۔ یہ نمائندہ آاوفہ عمر کے وقت میں عرب پہنچا۔ آپس لوتکے آوے مکران میں آس کا انتقال ہو گیا۔ لکین اس کا ایک ساآی صحیح سلامت سیکل پہنچا اور وہاں

باسبوت اور تفصیل سے لکھا ہے اور جسکا ماد کے مسلمانوں نے بھی سناد کے تہر پر ہوا دیا ہے۔ ان کے علاوہ ابن رستاق (903 عیسوی) ابو ظرئف (943 عیسوی) استاخری (951 عیسوی) مسعودی (945 عیسوی) مطاعر ابن طاهر البہرزی (999 عیسوی) ابن بطوطہ (918 عیسوی) حمد اللہ مصطفیٰ اور بعد کے دوسرے مسلم تاریخ دانوں نے اُس وقت کے ہندستان کے بارے میں نہایت قیمتی تاریخی، تجارتی، جغرافیائی اور سماجی جانکاری کی باتیں اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔

عرب یا عربی تہذیب نے یونانی اور ہندی تہذیب سے ہی وجود پایا۔ عرب عیسائی تہذیب کی بدرونی شکل حالانکہ سیمٹک اور ایرانی تھی لیکن اُس کا سائنسی اور روحانی گہاں اُس کی ویدک اور اُس کی فلسفی پر گہرا ہندی اور بعد میں یونانی اثر پڑا۔ اُس کے عربی تہذیب میں ہندی روح ظاہر ہو رہی تھی۔ سندھ کی فتح کے بعد بھارت کی مالی دولت کے ساتھ ساتھ بھارت کی روحانی دولت بھی خلیفہ کے دربار میں پہنچی۔ ہندی یونیورسٹیوں میں نکشلا میں ضرور مسلم طالب علم رہے ہوں گے۔ کاشمیر اُس زمانے میں تہذیب کا خاص مرکز تھا جہاں ایرانی بودھ طلبا تعلیم حاصل کرتے آئے کرتے تھے۔ عیسائی تہذیب کو خلیفہ کے ہرمی (بودھ) دوزیروں نے جو عظمت اور شان دی وہ بلاشبہ بے مثال ہے۔ قانون اور انصاف کے دوزیروں کی حیثیت سے اور تہذیب کے روشنی کے مہینار کی حیثیت سے کوئی بھی ایرانی یا عرب شاعری خاندان اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ ہرمی اُس وقت بودھ مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور انہیں کی کوشش سے عربوں اور بھارتیوں میں گہرا تہذیبی رشتہ قائم ہوا تھا۔ انہیں کی کوششوں سے اسلامی تہذیب نے دل کھول کر بھارتی تہذیب کی دین کو دونوں ہاتھوں سے قبول کیا۔

جب مسلمانوں نے سن 707 عیسوی میں سندھ فتح کیا تو انہوں نے دیکھا کہ ملک ہندو اور براہمن حکمرانوں میں بٹا ہوا ہے اور براہمن دھیرے دھیرے ہندو کو پہچانتے جا رہے ہیں۔ براہمنوں اور عربوں کی جنگ میں ہندو نے عربوں کا ساتھ دیا اور اِس طرح سے عربوں کی سندھ فتح کو آسان بنا دیا۔ سندھ فتح کرنے کے بعد ابو القاسم نے اعلان کیا کہ ”بھارت کے باشندے بھی ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں اور اُن کے مندر بھی عیسائیوں کے گرجوں پرستش کے سنگوں اور ماگوں کے آتشکدوں کی طرح ہیں اور اُسی طرح سے یہ لوگ اہل کتاب ہیں جس طرح سے عیسائی اور یہودی“ 6 سندھ وچنے کے بعد سے ہی عربوں اور بھارتیوں میں ایک ایسی مہربان

عرب یا عربی تہذیب نے یونانی اور ہندی تہذیب سے ہی وجود پایا۔ عرب عیسائی تہذیب کی بدرونی شکل حالانکہ سیمٹک اور ایرانی تھی لیکن اُس کا سائنسی اور روحانی گہاں اُس کی ویدک اور اُس کی فلسفی پر گہرا ہندی اور بعد میں یونانی اثر پڑا۔ اُس کے عربی تہذیب میں ہندی روح ظاہر ہو رہی تھی۔ سندھ کی فتح کے بعد بھارت کی مالی دولت کے ساتھ ساتھ بھارت کی روحانی دولت بھی خلیفہ کے دربار میں پہنچی۔ ہندی یونیورسٹیوں میں نکشلا میں ضرور مسلم طالب علم رہے ہوں گے۔ کاشمیر اُس زمانے میں تہذیب کا خاص مرکز تھا جہاں ایرانی بودھ طلبا تعلیم حاصل کرتے آئے کرتے تھے۔ عیسائی تہذیب کو خلیفہ کے ہرمی (بودھ) دوزیروں نے جو عظمت اور شان دی وہ بلاشبہ بے مثال ہے۔ قانون اور انصاف کے دوزیروں کی حیثیت سے اور تہذیب کے روشنی کے مہینار کی حیثیت سے کوئی بھی ایرانی یا عرب شاعری خاندان اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ ہرمی اُس وقت بودھ مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور انہیں کی کوشش سے عربوں اور بھارتیوں میں گہرا تہذیبی رشتہ قائم ہوا تھا۔ انہیں کی کوششوں سے اسلامی تہذیب نے دل کھول کر بھارتی تہذیب کی دین کو دونوں ہاتھوں سے قبول کیا۔

جب مسلمانوں نے سن 707 عیسوی میں سندھ فتح کیا تو انہوں نے دیکھا کہ ملک ہندو اور براہمن حکمرانوں میں بٹا ہوا ہے اور براہمن دھیرے دھیرے ہندو کو پہچانتے جا رہے ہیں۔ براہمنوں اور عربوں کی جنگ میں ہندو نے عربوں کا ساتھ دیا اور اِس طرح سے عربوں کی سندھ فتح کو آسان بنا دیا۔ سندھ فتح کرنے کے بعد ابو القاسم نے اعلان کیا کہ ”بھارت کے باشندے بھی ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں اور اُن کے مندر بھی عیسائیوں کے گرجوں پرستش کے سنگوں اور ماگوں کے آتشکدوں کی طرح ہیں اور اُسی طرح سے یہ لوگ اہل کتاب ہیں جس طرح سے عیسائی اور یہودی“ 6 سندھ وچنے کے بعد سے ہی عربوں اور بھارتیوں میں ایک ایسی مہربان

جب مسلمانوں نے سن 707 عیسوی میں سندھ فتح کیا تو انہوں نے دیکھا کہ ملک ہندو اور براہمن حکمرانوں میں بٹا ہوا ہے اور براہمن دھیرے دھیرے ہندو کو پہچانتے جا رہے ہیں۔ براہمنوں اور عربوں کی جنگ میں ہندو نے عربوں کا ساتھ دیا اور اِس طرح سے عربوں کی سندھ فتح کو آسان بنا دیا۔ سندھ فتح کرنے کے بعد ابو القاسم نے اعلان کیا کہ ”بھارت کے باشندے بھی ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں اور اُن کے مندر بھی عیسائیوں کے گرجوں پرستش کے سنگوں اور ماگوں کے آتشکدوں کی طرح ہیں اور اُسی طرح سے یہ لوگ اہل کتاب ہیں جس طرح سے عیسائی اور یہودی“ 6 سندھ وچنے کے بعد سے ہی عربوں اور بھارتیوں میں ایک ایسی مہربان

نیشانہ۔ کبھی ایک اونچے کالے پتھر پر نکشا ہے۔ یہ نیشانہ پتھر پر ہونے پر اندازہ ہوتا ہے کہ اب تک جہیز کا نہیں ڈالیا ہے۔ یہ نشان سوا آٹھ فٹ لمبا ہے۔ 8 اس سچائی کو ثابت کرنے کے لئے کہ ہندوستان سب ملکوں کا سرکار ہے اس طرح کی دلیلیں آخری نبوت کی طرح پیش کی جاتی ہیں۔ ان باتوں سے مسلمان ہندوستان کے اور زیادہ قریب آتے ہیں اور اسے اپنا ملک سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ لوگ اس وقت تک روایتیں نہیں کرتے کہ جب تک کہ اس کے پیچھے کوئی خاص وجہ نہ ہو۔

اسی طرح ہندو بھی مسلمانوں کے کعبہ کو اپنا ہی دھرم مندر سمجھتے ہیں۔ ایک زمانے میں کعبہ، عرب اور عرب کے اس پاس کے رہنے والے سہمی دھرم مذہب والوں کا ایک پاک مرکز تھا۔ نیچے کے واقعہ کو ناممکن ماننے ہونے بھی ہمیں اس سے حیرت میں نہیں آنا چاہئے۔ برٹن لکھتا ہے—

”ہندو پंडित اس بات کو جاور کے ساتھ کہتے ہیں کہ مکہ میں شو اور پاروتی ’کوتیشور‘ اور ’کوتیشوری‘ کی شکل میں جلوہ افروز ہیں۔۔۔ کچھ مصنفوں کا کہنا ہے کہ حضرت محمد کے وقت مکہ کے دیوبی دیوتوں میں لکڑی میں لکھی ہوئی کوتیشور اور کوتیشوری کے بت تھے جنہیں علی نے پیغمبر کے کندھوں پر چڑھ کر نیچے کرا دیا تھا۔ 4

ویلنگٹن لکھتا ہے—

”ہندو کہتے ہیں کہ مکہ کا یا ’موتیشور‘ یا ’موتیشور‘ میں جو کالا پتھر یا ’سنگ-ا-اسود‘ ہے وہ ’موتیشور‘ بھگوان شیبہ کے ابھارت کا نشان ہے۔ بھگوان شو اور پاروتی العجاز کے اپنے بھکتوں کی پوجا سے خوش ہو کر موتیشور کی شکل میں مکہ میں جلوہ گر ہوئے تھے۔ 5

ہم اب اس مسلمان سچائیوں اور مسلمانوں نے भारत کی اس بات کی حاکم کو اپنے مرنیوں میں درج کیا ہے۔ سینہ کے ہتھیار پر پہلا مرنی ’جھ-ناما‘ ہے، جو ہونیا دی شکل میں ارباب میں لکھا گیا۔ وہ مسلمان تاریخدانوں کی ہندوستان پر پہلی تاریخی کتاب ہے۔ ’جھ-ناما‘ کے بعد ابن خلدون نے سن 816 ہجری میں ہندوستان کے جغرافیہ پر ایک کتاب لکھی۔ ایک دوسری کتاب ابوہد نے سن 916 ہجری میں لکھی جس میں مسلمان سوداگر کی भारत اور چین کی سیاحتوں کا حال درج ہے۔ اس میں ہندوستان کی مذہبی اور سماجی حالتوں پر بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس زمانے کا ایک دوسرا تاریخ دان ابوہد ابلیسی (984 ہجری) ہے جس نے ہندوستان کی تاریخ پر بہت

نشان قدم ایک اونچے کالے پتھر پر نقش ہے۔ یہ نشان پتھر پر اتار دیا گیا ہے کہ اب تک جہیز کا نہیں ڈالیا ہے۔ یہ نشان سوا آٹھ فٹ لمبا ہے۔ 8 اس سچائی کو ثابت کرنے کے لئے کہ ہندوستان سب ملکوں کا سرکار ہے اس طرح کی دلیلیں آخری نبوت کی طرح پیش کی جاتی ہیں۔ ان باتوں سے مسلمان ہندوستان کے اور زیادہ قریب آتے ہیں اور اسے اپنا ملک سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ لوگ اس وقت تک روایتیں نہیں کرتے کہ جب تک کہ اس کے پیچھے کوئی خاص وجہ نہ ہو۔

اسی طرح ہندو بھی مسلمانوں کے کعبہ کو اپنا ہی دھرم مندر سمجھتے ہیں۔ ایک زمانے میں کعبہ، عرب اور عرب کے اس پاس کے رہنے والے سہمی دھرم مذہب والوں کا ایک پاک مرکز تھا۔ نیچے کے واقعہ کو ناممکن ماننے ہونے بھی ہمیں اس سے حیرت میں نہیں آنا چاہئے۔ برٹن لکھتا ہے—

”ہندو پंडित اس بات کو زور کے ساتھ کہتے ہیں کہ مکہ میں شو اور پاروتی ’کوتیشور‘ اور ’کوتیشوری‘ کی شکل میں جلوہ افروز ہیں۔۔۔ کچھ مصنفوں کا کہنا ہے کہ حضرت محمد کے وقت مکہ کے دیوبی دیوتوں میں لکڑی میں لکھی ہوئی کوتیشور اور کوتیشوری کے بت تھے جنہیں علی نے پیغمبر کے کندھوں پر چڑھ کر نیچے کرا دیا تھا۔ 4

ویلنگٹن لکھتا ہے—

”ہندو کہتے ہیں کہ مکہ کا یا ’موتیشور‘ یا ’موتیشور‘ میں جو کالا پتھر یا ’سنگ-ا-اسود‘ ہے وہ ’موتیشور‘ بھگوان شیبہ کے ابھارت کا نشان ہے۔ بھگوان شو اور پاروتی العجاز کے اپنے بھکتوں کی پوجا سے خوش ہو کر موتیشور کی شکل میں مکہ میں جلوہ گر ہوئے تھے۔ 5

ہم اب اس مسلمان سچائیوں اور مسلمانوں نے भारत کی اس بات کی حاکم کو اپنے مرنیوں میں درج کیا ہے۔ سینہ کے ہتھیار پر پہلا مرنی ’جھ-ناما‘ ہے، جو ہونیا دی شکل میں ارباب میں لکھا گیا۔ وہ مسلمان تاریخدانوں کی ہندوستان پر پہلی تاریخی کتاب ہے۔ ’جھ-ناما‘ کے بعد ابن خلدون نے سن 816 ہجری میں ہندوستان کے جغرافیہ پر ایک کتاب لکھی۔ ایک دوسری کتاب ابوہد نے سن 916 ہجری میں لکھی جس میں مسلمان سوداگر کی भारत اور چین کی سیاحتوں کا حال درج ہے۔ اس میں ہندوستان کی مذہبی اور سماجی حالتوں پر بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس زمانے کا ایک دوسرا تاریخ دان ابوہد ابلیسی (984 ہجری) ہے جس نے ہندوستان کی تاریخ پر بہت

عرب سؤداگروں کا ایک جتھا سنگھ دیپ میں 'آدم کی چوٹی' کا سفر کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ کنگالور کے ہندو گاہ میں راجہ چیرومن پیرومل نے ان سؤداگروں کا استقبال کیا۔ سؤداگروں نے پیغمبر محمد کے ذریعہ چاند کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چائے کی کہانی راجہ کو سنائی۔ راجہ نے اسلام قبول کر لیا اور چپ چاپ ان سؤداگروں کے ساتھ مدینہ کا سفر کیا۔ واپس لوٹتے ہوئے راستے میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ مرنے وقت چیرومن نے مسلمانوں کو شاہی فرمان کے ذریعہ مسجدیں بنوانے کی اجازت دے دی۔ اُسی کے مطابق ملابار میں کئی چھ مسجدیں بنائی گئیں۔ ہجری 842 عیسوی کے قریب پچھلی اندھارت کے ایک راجہ نے اسلام قبول کرنے کا واقعہ سناتا ہے۔ 2 بزرگ بن شہریار اور سؤداگر سلیمان، جو نویں صدی میں ہندوستان آئے تھے، لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے راجوں کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف بے حد اچھا خیال موجود تھا۔

پتا نہیں کہسے مسلمانوں کے دلوں میں یہ پتہ باریاں کر گئی ہیں کہ انسانی قوم کے پہلے پیغمبر اور پہلے انسان حضرت آدم پرشت سے نکالے جانے کے بعد ہندوستان میں آکر اترے۔ ہندوستان میں جو خوشبودار پھول اور جڑی بوٹی ہیں وہ حضرت آدم ہی پرشت کے 'باغِ ارم' سے پہلے آئے تھے جس پر حضرت آدم اترے اُس پر اُن کے قدموں کا نشان آج تک موجود ہے۔ اسی پتھر کے نشان کو سنگھ کے ہندو بھکوان بردہ کے نشان قدم مسجد کو پوجتے ہیں۔ بعد کے مسلم لیکھروں نے دوسرے لکھروں کے مقابلے میں بھارت کی عظمت پر اس ہٹا پر اور زیادہ زور دیا ہے کہ حضرت آدم انسانی قوم کے پہلے پیغمبر تھے اور اللہ نے اپنا حکم سب سے پہلے انہیں کو سنایا اور آدم چونکہ اُس وقت ہندوستان میں تھے اُس لئے ہندوستان ہی کو سب سے پہلے حکم خدا سننے کا فخر ہو سکتا ہے، ممکن ہے کہ شاید اسی لئے اسلام کے پیغمبر نے فرمایا ہے—”میں ہندوستان سے بھڑک کر آئی ہوں اور اللہ کے وحی کی بھلی بھلی خوشبو سن کر رہا ہوں۔“ عام مسلمانوں کے لئے ہندوستان کی سرزمین کی پاکیزگی کی یہ آخری اور زبردست دلیل ہے۔ اِس طرح کی روایتیں کہیں شروع ہوئیں اِس کی میں وجہ نہیں پہنچ سکا لیکن یہ بھی یہ بھارت کے مسلمانوں کے علم اعتبار کا جزو بنی ہوئی ہیں۔ پڑھ لکھ اور سمجھدار لوگ بھی ان روایتوں کو لفظ بہ لفظ سچ مانتے ہیں۔

ابن بطوطہ (1377 عیسوی) نے بھی حضرت آدم کے پاک نشان قدم کی زیارت کی تھی۔ اِس نشان کو دیکھ کر اُس نے لکھا ہے—”حضرت آدم کا یہ پاک

نشان آج تک موجود ہے۔ اسی پتھر کے نشان کو سنگھ کے ہندو بھکوان بردہ کے نشان قدم مسجد کو پوجتے ہیں۔ بعد کے مسلم لیکھروں نے دوسرے لکھروں کے مقابلے میں بھارت کی عظمت پر اس ہٹا پر اور زیادہ زور دیا ہے کہ حضرت آدم انسانی قوم کے پہلے پیغمبر تھے اور اللہ نے اپنا حکم سب سے پہلے انہیں کو سنایا اور آدم چونکہ اُس وقت ہندوستان میں تھے اُس لئے ہندوستان ہی کو سب سے پہلے حکم خدا سننے کا فخر ہو سکتا ہے، ممکن ہے کہ شاید اسی لئے اسلام کے پیغمبر نے فرمایا ہے—”میں ہندوستان سے بھڑک کر آئی ہوں اور اللہ کے وحی کی بھلی بھلی خوشبو سن کر رہا ہوں۔“ عام مسلمانوں کے لئے ہندوستان کی سرزمین کی پاکیزگی کی یہ آخری اور زبردست دلیل ہے۔ اِس طرح کی روایتیں کہیں شروع ہوئیں اِس کی میں وجہ نہیں پہنچ سکا لیکن یہ بھی یہ بھارت کے مسلمانوں کے علم اعتبار کا جزو بنی ہوئی ہیں۔ پڑھ لکھ اور سمجھدار لوگ بھی ان روایتوں کو لفظ بہ لفظ سچ مانتے ہیں۔

ابن بطوطہ (1377 عیسوی) نے بھی حضرت آدم کے پاک نشان قدم کی زیارت کی تھی۔ اِس نشان کو دیکھ کر اُس نے لکھا ہے—”حضرت آدم کا یہ پاک

خوشامدوں سے متبرک ہیں۔“ لیکن ہندوستان کے بارے میں صحیح صحیح جانکاری حاصل کرنے کی پہلی کوشش شاید خلیفہ عثمان کے زمانے میں کی گئی۔ عثمان نے 624 اور 664 عیسوی کے بیچ حکم بن جبالہ کو مقرر کیا کہ وہ لاکھ ہندوستان کے بارے میں صحیح صحیح خبریں خلیفہ کو دے۔ جبالہ نے ہندوستان آکر یہاں کے بارے میں ایک رپورٹ (Thaghar-al Hind) تیار کر کے خلیفہ کی خدمت میں پیش کی۔ 1 اس بات کے بھی بہت سے ثبوت ملتے ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کے شروعات میں ایران سے لے کر ہندوستان کے صوبوں کے ساتھ عرب سوداگروں کا تجارتی رشتہ قائم تھا اور وہ جاٹوں اور مدینوں سے واقف تھے۔ چنانچہ ہندوستان کے ان حصوں پر ایک وقت ایرانیوں کی حکومت تھی اس لیے ان حصوں کے ہندوستانی قبیلوں اور ایرانیوں کے بیچ قریبی رشتہ رہا ہوتا۔ جب ایران نے اسلام قبول کیا تو تجارتی رشتے کے ساتھ ساتھ یہ نزدیکی اور زیادہ بڑھی ہوئی۔ ایک بات ہمیں اور دھیان میں رکھنی چاہئے کہ ایک زمانے میں خراسان، ترکستان اور ایران میں ہندو مذہب پھیل چکا تھا اور ہندو مذہب کے پیرو اعراف، موصلا اور شام کی سرحد تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان ملکوں کے باشندوں نے حالانکہ ہندو مذہب کی جگہ اسلام قبول کر لیا تھا پھر بھی ان کے دلوں میں ہندوستان کے لئے ایک محبت اور عزت کا خیال ضرور رہا ہوگا۔

جبکہ آپس کے تعلقوں کا بہت بڑا اثر تھا تب بھی ہندوستان کو دنیا کا سب سے زیادہ تہذیبی و تمدنی طاقتا ملک سمجھ کر اس کی بڑھتی ہوئی اور عزت کرنے لگے تھے۔ ہندوستان کی تعریف میں اسلام کے پیغمبر اور ان کے مشہور پیروکاروں کی روایتیں لفظ بہ لفظ پیش کی جاتی تھیں۔ اس طرح کی روایتوں کی سچائی پر توہم بہت کم ہو سکتا ہے لیکن یہ بات دعویٰ کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ شروع زمانے کے اسلام کے ادب میں ہندوستان کی بڑھتی ہوئی تعریف پوری ہے۔

اس وقت کے عرب سوداگروں نے گجرات کے بلوچ راجوں اور ملتان کے سامری راجوں کو اپنی طرف بڑھتی ہوئی دوستی سے بہرا ہوا پایا۔ سندھ کے کنارے کنارے انہیں اپنی بستیاں بسانے اور مسجدیں بنوانے کی اجازت تھی۔ ان مسلمانوں نے ہندو لڑکوں سے عی شادی کی جن کی ملی جلی اولادیں ملتان میں ’موہا‘ اور کوکن میں ’ہٹیا‘ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اگر ہم ملتان کے راجہ چھوڑیں تو ہندوستان کے اسلام قبول کرنے کی عام فہم روایت ان لوگوں تو ہندوستان کی مسلم نو آبادیوں کا وقت پیغمبر کی زندگی کے ہی قریب ماننا پڑے گا۔ روایت یہ ہے کہ

خوشامدوں سے متبرک ہیں۔“ لیکن ہندوستان کے بارے میں صحیح صحیح جانکاری حاصل کرنے کی پہلی کوشش شاید خلیفہ عثمان کے زمانے میں کی گئی۔ عثمان نے 624 اور 664 عیسوی کے بیچ حکم بن جبالہ کو مقرر کیا کہ وہ لاکھ ہندوستان کے بارے میں صحیح صحیح خبریں خلیفہ کو دے۔ جبالہ نے ہندوستان آکر یہاں کے بارے میں ایک رپورٹ (Thaghar-al Hind) تیار کر کے خلیفہ کی خدمت میں پیش کی۔ 1 اس بات کے بھی بہت سے ثبوت ملتے ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کے شروعات میں ایران سے لے کر ہندوستان کے صوبوں کے ساتھ عرب سوداگروں کا تجارتی رشتہ قائم تھا اور وہ جاٹوں اور مدینوں سے واقف تھے۔ چنانچہ ہندوستان کے ان حصوں پر ایک وقت ایرانیوں کی حکومت تھی اس لیے ان حصوں کے ہندوستانی قبیلوں اور ایرانیوں کے بیچ قریبی رشتہ رہا ہوتا۔ جب ایران نے اسلام قبول کیا تو تجارتی رشتے کے ساتھ ساتھ یہ نزدیکی اور زیادہ بڑھی ہوئی۔ ایک بات ہمیں اور دھیان میں رکھنی چاہئے کہ ایک زمانے میں خراسان، ترکستان اور ایران میں ہندو مذہب پھیل چکا تھا اور ہندو مذہب کے پیرو اعراف، موصلا اور شام کی سرحد تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان ملکوں کے باشندوں نے حالانکہ ہندو مذہب کی جگہ اسلام قبول کر لیا تھا پھر بھی ان کے دلوں میں ہندوستان کے لئے ایک محبت اور عزت کا خیال ضرور رہا ہوگا۔

جبکہ آپس کے تعلقوں کا بہت بڑا اثر تھا تب بھی ہندوستان کو دنیا کا سب سے زیادہ تہذیبی و تمدنی طاقتا ملک سمجھ کر اس کی بڑھتی ہوئی اور عزت کرنے لگے تھے۔ ہندوستان کی تعریف میں اسلام کے پیغمبر اور ان کے مشہور پیروکاروں کی روایتیں لفظ بہ لفظ پیش کی جاتی تھیں۔ اس طرح کی روایتوں کی سچائی پر توہم بہت کم ہو سکتا ہے لیکن یہ بات دعویٰ کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ شروع زمانے کے اسلام کے ادب میں ہندوستان کی بڑھتی ہوئی تعریف پوری ہے۔

اس وقت کے عرب سوداگروں نے گجرات کے بلوچ راجوں اور ملتان کے سامری راجوں کو اپنی طرف بڑھتی ہوئی دوستی سے بہرا ہوا پایا۔ سندھ کے کنارے کنارے انہیں اپنی بستیاں بسانے اور مسجدیں بنوانے کی اجازت تھی۔ ان مسلمانوں نے ہندو لڑکوں سے عی شادی کی جن کی ملی جلی اولادیں ملتان میں ’موہا‘ اور کوکن میں ’ہٹیا‘ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اگر ہم ملتان کے راجہ چھوڑیں تو ہندوستان کے اسلام قبول کرنے کی عام فہم روایت ان لوگوں تو ہندوستان کی مسلم نو آبادیوں کا وقت پیغمبر کی زندگی کے ہی قریب ماننا پڑے گا۔ روایت یہ ہے کہ

تुकों کا ہندوستان میں آنا ایک انسانی عجیب و غریب قدرتی واقعہ ہے جتنا طوفانوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ سے مقلدانا ترکوں نے آکر ہندوستان کو اُس کی چوڑوں تک دنیا اور لوگوں کو چھوڑ کر اپنے امکانات کے لئے جگا کر تیار اور باخبر کر دیا۔ یہ بدلاؤ اپنے آپ میں فائدہ مند یا نقصان دہ نہیں اس کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بدلاؤ نے بھارت کی سماجی بنیادوں کو ہی بدل دیا۔ اُنہوں کے حملہ نے بھارت کی سماجی زندگی کو جس طرح جوڑ سے ہلا دیا تھا ترکوں کا حملہ اُس سے توڑا ہی کچھ کم رہا۔ لیکن طوفان کے بعد سکون لڑی ہے۔ زلزلے کے بعد دوبارہ تعمیر ضروری ہے۔ جب ندیوں کا مہل ہوتا ہے تو درنوں ندیوں کی دھاراؤں گرجتے ہوئے ٹکراتی ہیں لیکن جلد ہی وہ خاموش ہو کر رل مل کر ایک دھارا میں بہنے لگ جاتی ہیں۔ الہ آباد کے بعد گنگا جمنی کی دھارا میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اسی طرح ہندو اور مسلمان آپس میں ٹکرا کر ایک انسانی سنگم میں ملے تھے اور پھر اُن کی تہذیبیں رل مل کر بھارتی تہذیب کی اثوت دھارا بن کر بہنے لگی تھیں کہ جس نے صامت اور حرفت، کاریگری اور سائنس، ادب اور شاعری، مصوری اور بت تراشی، سیسے، مودانوں کو سرمیز اور ہرا ہرا کر دیا تھا۔ آج ہم پھر ایک بار ذوال طریقوں کے ذریعہ تہذیب کی اُس اثوت دھارا کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی، جمنی کی دھارا کو گنگا کی دھارا سے الگ کرنے کی شرمناک کوشش کر رہے ہیں۔

بھارت میں ترکوں کے حملے کے تین سو برس پہلے سے مسلمانوں میں بھارت کی اعلیٰ تہذیب اور اُس کے سائنس کے لامحدود ذخیرے کو سمجھنے اور اُس کی طرف عزت کا اظہار کرنے کی لگاتار کوشش ہو رہی تھی۔ بھارت اور عرب کے بیچ بہت پرانے زمانے سے تجارتی تعلقات چلے آ رہے تھے لیکن موجودہ تعلقات کا سرا ہم اُسی وقت سے جوڑ سکتے ہیں جب عربوں نے اپنے مشرقی حکومت میں تہذیب کے نئے نئے مرکز قائم کئے۔ خلیفہ عمر کے زمانے تک اسلامی دنیا کو ہندوستان کے بارے میں سچی جانکاری تھی۔ ہندوستان کے سمندری کلاؤں کے بارے میں عرب اور ایرانی ملاحوں کو توہرے بہت واقفیت تھی اور وہ ہندوستان کی تجارتی دولت کی تعریف کے گیت گاتا کرتے تھے۔ جب خلیفہ عمر نے ایک عرب ملاح سے ہندوستان کے بارے میں پوچھا تو وہ تعریف کے پل باندھنے لگا کہ—”ہندوستان کے دریا، موتیوں سے بھرے ہیں اور اُس کے پہاڑوں میں جواہرات کی کھانیں ہیں اور اُس کے پتھر پودے

بھارت میں ترکوں کے حملہ کے تین سو برس پہلے سے مسلمانوں میں بھارت کی اعلیٰ تہذیب اور اُس کے سائنس کے لامحدود ذخیرے کو سمجھنے اور اُس کی طرف عزت کا اظہار کرنے کی لگاتار کوشش ہو رہی تھی۔ بھارت اور عرب کے بیچ بہت پرانے زمانے سے تجارتی تعلقات چلے آ رہے تھے لیکن موجودہ تعلقات کا سرا ہم اُسی وقت سے جوڑ سکتے ہیں جب عربوں نے اپنے مشرقی حکومت میں تہذیب کے نئے نئے مرکز قائم کئے۔ خلیفہ عمر کے زمانے تک اسلامی دنیا کو ہندوستان کے بارے میں سچی جانکاری تھی۔ ہندوستان کے سمندری کلاؤں کے بارے میں عرب اور ایرانی ملاحوں کو توہرے بہت واقفیت تھی اور وہ ہندوستان کی تجارتی دولت کی تعریف کے گیت گاتا کرتے تھے۔ جب خلیفہ عمر نے ایک عرب ملاح سے ہندوستان کے بارے میں پوچھا تو وہ تعریف کے پل باندھنے لگا کہ—”ہندوستان کے دریا، موتیوں سے بھرے ہیں اور اُس کے پہاڑوں میں جواہرات کی کھانیں ہیں اور اُس کے پتھر پودے

ہندو-موسلمانوں کے تہذیبی میل-جول کی شुरुآات

ڈاکٹر لطف دھستری ایم۔ اے، ڈی۔ فیل

موسلمانوں کے پنجاب آنے کے ایک صدی بعد ہی ہندو اور موسلمانوں کے تہذیبی میل-جول کی پہلی داغوبل میلی-جولی بولی کے شکل میں پڑی۔ ہندی اور فارسی نے ملکر بڑی بولی کو جنم دیا۔ میلی-جولی بولی کی پیدائش اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت تک ہندو اور مسلمانوں میں ایک ملا جلا باہمی خیال ہماری سماجی، سیاسی اور فکری زندگی کے ہر میدان میں گہرائی کے ساتھ پیدا ہو رہا تھا۔ اس لیے جیسے خیال نے تہذیبی ارتقاء کی گہری چھاپ ہماری کارپوری ہمارے ادب اور ہمارے مذہب کے اوپر چھوڑی ہے۔

ہندو کے اس تہذیبی ایکٹ کے پہلے سے پہلے مطالعہ کی اب تک بہت تہذیبی سی کوشش کی گئی ہے۔ اس بارے میں جو چند کتابیں چھپ چکی ہیں ان میں مولیٰ سید سلیمان ندوی کی 'عرب اور ہند کے تعلقات' ڈاکٹر سی۔ آر۔ بھٹناکر کی 'The Slow Progress of Islam in India' ڈاکٹر تاراچند کی 'The Influence of Islam on Indian Culture' اور ایک یورپی اسکریپٹورم آرابم دے ریبس انڈیس لوسی ایٹ اوپسکولا اینڈیٹا' بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ پچھلے سترہ برسوں میں انسانی تہذیب کے پورے عالم میں ہندو اور مسلمانوں کے میل جول کے بارے میں بہت سا غور و خوض کیا گیا ہے۔ ہندوستانی عالموں کے ذریعہ ان کی ایک کوششوں کو جتنی اہمیت دی جاتی ہے اتنی اہمیت نہیں دی گئی۔ اہمیت دینا تو دور رہا دونوں فریقوں کے عالم غیر ترقی یافتہ اور چھوٹی دلوں کے ذریعہ ملی جلی بھارتی تہذیب کو ترقی دینے کے لیے اور ہندو اور مسلمانوں کے دلوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی خراب اور بڑی کوششیں کر رہے ہیں۔ ہندو اور مسلمانوں نے سترہ برس تک جس ہندوستانی تہذیب کو اپنا وسیع بنایا ہے انہیں کے نام لیا آج ہندوستان کے طریقوں سے اس کی دھجیاں اڑانے میں مشغول ہیں۔

ہندو مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی شروعات

ڈاکٹر لطیف دھستری ایم۔ اے، ڈی۔ فیل

موسلمانوں کے پنجاب آنے کے ایک صدی بعد ہی ہندو اور مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی پہلی داغوبل میلی-جولی بولی کے شکل میں پڑی۔ ہندی اور فارسی نے مل کر اردو بولی کو جنم دیا۔ ملی جلی بولی کی پیدائش اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت تک ہندو اور مسلمانوں میں ایک ملا جلا باہمی خیال ہماری سماجی، سیاسی اور فکری زندگی کے ہر میدان میں گہرائی کے ساتھ پیدا ہو رہا تھا۔ اس لیے جیسے خیال نے تہذیبی ارتقاء کی گہری چھاپ ہماری کارپوری ہمارے ادب اور ہمارے مذہب کے اوپر چھوڑی ہے۔

ہندو کے اس تہذیبی ایکٹ کے پہلے سے پہلے مطالعہ کی اب تک بہت تہذیبی سی کوشش کی گئی ہے۔ اس بارے میں جو چند کتابیں چھپ چکی ہیں ان میں مولیٰ سید سلیمان ندوی کی 'عرب اور ہند کے تعلقات' ڈاکٹر سی۔ آر۔ بھٹناکر کی 'The Slow Progress of Islam in India' ڈاکٹر تاراچند کی 'The Influence of Islam on Indian Culture' اور ایک یورپی اسکریپٹورم آرابم دے ریبس انڈیس لوسی ایٹ اوپسکولا اینڈیٹا' بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ پچھلے سترہ برسوں میں انسانی تہذیب کے پورے عالم میں ہندو اور مسلمانوں کے میل جول کے بارے میں بہت سا غور و خوض کیا گیا ہے۔ ہندوستانی عالموں کے ذریعہ ان کی ایک کوششوں کو جتنی اہمیت دی جاتی ہے اتنی اہمیت نہیں دی گئی۔ اہمیت دینا تو دور رہا دونوں فریقوں کے عالم غیر ترقی یافتہ اور چھوٹی دلوں کے ذریعہ ملی جلی بھارتی تہذیب کو ترقی دینے کے لیے اور ہندو اور مسلمانوں کے دلوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی خراب اور بڑی کوششیں کر رہے ہیں۔ ہندو اور مسلمانوں نے سترہ برس تک جس ہندوستانی تہذیب کو اپنا وسیع بنایا ہے انہیں کے نام لیا آج ہندوستان کے طریقوں سے اس کی دھجیاں اڑانے میں مشغول ہیں۔

اب رہنمائی لگا ہے۔ آج کا انسان جن نئی نئی تجربوں سے گزر رہا ہے اُن کی بنا پر اُسے کہنا پڑتا ہے:

کتنے شکوک ایسے ہیں ان میں جو ہشک میں مول

میں !
کتنے دھرماتما ایسے ہیں اُپر سے جو پانی میں بہتے سے اُن
کتنے پریم دھاری ہلکاری ہیں اور کتنے کرمچاری اُتھاری

ہیں !
اخلاقی طور پر اُتھائے اور اُتھارے سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن
نگا جل سے دھو کر، دُور کی ہو من سے نکال کر اور بھگوان کا
بے دل میں رکھ کر، اپنا نیتک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب
انسانوں کی دنیا بے گی تو ایسے لوگ اُس دائرے سے خارج
سمجھے جائیں گے۔

انت سے بے خبر رہنے والی ہر ش نہیں بے ہوش ہوتی ہیں۔
سب ہی اُن کو ہر ش میں لاسکتا۔ تب تک یہ اُتھ پتھ
ہی رہیں گے۔ ہم نے بہت کچھ دیکھا اِس آٹ پھر میں، کل سے
لیکر آج تک اور آج سے لیکر آگے تک۔

ناگوں کو دھارمک سنسار میں بڑا مان ملتا ہے اور
دُھ کا اُنکو دان ملتا ہے، اُنکی پُجّا بھی ہوتی ہے،
لیکن ہر دُش اور ہر ہردے میں نہیں۔ ہر دُش اور ہر من کا چلن
جدا ہوتا ہے۔ کہیں یہ پوجا جانا ہے، کہیں پالا جانا ہے، کہیں
کہا جانا ہے، کہیں مارا جانا ہے۔ اپنے اپنے من کی بات ہے،
کسی کے من پر کسی کا بس نہیں۔ من بھی دُش کی مانند
آزاد ہوتا ہے جیسے آزاد حکومت! من زور جبر سے کبھی قابو میں
نہیں لایا جاسکتا۔ من پر وجہ رہی ہے ہمیشہ پریم کی۔

کہنے کو ایک سانپ ہے اُسکیں میں لیکن اُس کی پوندہ
اور بچ کتنی رینکتی پھر رہی ہے اُس پاس تنظیم کے ساتھ،
جیسے کہ سنگم ہو سانپوں کا، اور گھبرا ڈال کر قید میں لے رکھا
ہو دھیرہ اور نہرہکتا کی ایک اتم اور مہان چٹان کو۔ اُن کی
لکیریں اور نشان، اُن کے کراس اور جال درشن شاستر کا کام
دیتے ہیں، سوچتے سمجھتے والوں کے لئے اور ہوشیہ دانوں
کے لئے۔

اگر سانپ مارنا ہلکا ہے یا منح ہے آپ کے من۔ میں تو
یہ سمجھتا ہوں کہ سانپ بھی جاسکتے ہیں، لیکن اُن کو آزاد کرنے کے دو ہی
سادھن ہیں۔ یا تو ڈالو ”شری شکر“ کے گلے میں اُن کو، یا
پھر دھو یہ سب سانپ سہاسی سلہروں کو، جو راجنیتک ہیں
پریم کے راگ اپ کو اور تماشا اُن کا دکھا کر کہاتے کہاتے پوریں
نکر، پوانت پوانت، پتھ پتھ، گرام گرام۔

کبھی بھی جات یا نام کا ہو، کبھی بھی بےس یا بےد کا ہو، دُشمن سے اپنی حفاظت میں دُشمن کیوں غفلت کا ہی نئی جہاں ہوتی ہے۔ پر کچھ دُشمن اور سہم کا بھی کاروبار ہوتا ہے۔ سہمے رہنے سے شत्रو ساہس پااتا ہے۔ شत्रو یا دُشمن کو کبھی دُشمنی نہ سمجھنا چاہیے۔ سائپ کا بچھا سائپ ہی کھلاتا ہے۔ ناگ کی اولاد ناگ ہی ہوتی ہے بالآخر۔

سماجی راجنیتی کی طرح "ناگنیتی" میں بھی بدلتے کا باا ہوتا ہے جسکی بدلتے بارے بارے تک کھی جاتی ہے۔ لیکن راجنیتی ناگ کا بدلتا شتادیتوں تک چلتا ہے اور چلتا ہی رہتا ہے۔ بدھ تو سیکر ایک سے بدلتا لیتا ہے اور یہ نسلوں تک زہر اگلتا رہتا ہے۔ سہمے دُشمن کو پکڑنے یا پکڑنے کے لئے دُشمن کے پاس ہتھیوں کی گرہ بند رہی ہوتی ہیں۔ اور بلیدان کا پد دینے کے لئے زہر کا جام تیار رہتا ہے۔ ان کالوں کے پاس کھول مہتی چھڑتی ہوتی ہے مگر زہر کی بھی !

مہاتما گاندھی پر ہمالا کرنے والا کون تھا ؟ وہ ایک ناگ ہی تو تھا جس نے ان کو کتا ۔

مگر دنیا اُسے دوسرے نام سے جانتی ہے ۔ دنیا کی نظروں میں وہ انسان ہی تھا جس نے انسان کی جان لی ۔

اب بھی کتے ایسے ہنسک ہیں جو نمائی روپ اور لباس میں اہلسک ہیں مگر ان کو اُپدیش دینے کا بڑا شوق ہے ۔ نہ دیکھیں بڑا نہ دیکھیں مرقعہ نہ دیکھیں ودان نہ دیکھیں سہمے بدلتے شروع کر دیتے ہیں ۔

اپنا سدھار اور نرمان کرے سے پہلے دوسروں کے گھروں کی ناگ جھانک بڑی حد تک بھڑوہ جسارت ہے ۔ سیوا اور سدھار کے کام میں تمیز اور تہذیب پہلی چیز ہے ۔ پہلے اپنا من صاف کریں اور اپنا دامن دھوئیں ۔ پہلے اپنی انتر آتما کو جواب دے لیں پھر اگے بڑھیں ۔

مانتے ہیں ہم کہ پریم انسانیت کا سندھیں ہے ۔ اور اہمکا کا کھنڈر ہی صحیح مقام ہے انسانیت کا ۔ لیکن اسی مقام پر پریم اور اہمکا کا کلا کاٹا جاتا ہے اور انسانیت کا خوں کھا جاتا ہے ۔ کتنا دہم ہوتا ہے یہ کہتے کہ اسی پریم اور اہلسک واناور میں کتے بے گناہ شوت کئے گئے کتوں کو زہر دیا گیا ۔ کتے ساڑھوں کا شکار ہوئے اور کتوں کو "قرآن آف قیام" دیا گیا ۔ یہ وہ سچائیاں ہیں جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور جن کو تاریخ نے سمجھ کر اپنے دامن میں محفوظ کر رکھا ہے ۔

آج شک اور اُپدیشک اُتے ہی سستے شد ہو گئے ہیں جسے لہتر اور نہتا کے شد ہلکے اور بے وزن ہو گئے ہیں ۔ ان کے اُرتے تک اب پلٹ گئے ہیں ۔

کسی بھی جات یا نام کا ہو، کسی بھی بےس یا بےد کا ہو، دُشمن سے اپنی حفاظت میں دُشمن کیوں غفلت کا ہی نتیجہ ہوتی ہے۔ پر کچھ دُشمن اور سہم کا بھی کاروبار ہوتا ہے۔ سہمے رہنے سے شत्रو ساہس پااتا ہے۔ شत्रو یا دُشمن کو کبھی دُشمنی نہ سمجھنا چاہیے۔ سائپ کا بچھا سائپ ہی کھلاتا ہے۔ ناگ کی اولاد ناگ ہی ہوتی ہے آخر ۔

سماجی راجنیتی کی طرح "ناگنیتی" میں بھی بدلتے کا باا ہوتا ہے جس کی مدت بارے برس تک کھی جاتی ہے۔ لیکن راجنیتی ناگ کا بدلتا شتادیتوں تک چلتا ہے اور چلتا ہی رہتا ہے۔ وہ تو صرف ایک سے بدلتا لیتا ہے اور یہ نسلوں تک زہر اگلتا رہتا ہے۔ سہمے دُشمن کو پکڑنے یا پکڑنے کے لئے دُشمن کے پاس ہتھیوں کی گرہ بند رہی ہوتی ہیں۔ اور بلیدان کا پد دینے کے لئے زہر کا جام تیار رہتا ہے۔ ان کالوں کے پاس کھول مہتی چھڑتی ہوتی ہے مگر زہر کی بھی !

مہاتما گاندھی پر ہمالا کرنے والا کون تھا ؟ وہ ایک ناگ ہی تو تھا جس نے ان کو کتا ۔

مگر دنیا اُسے دوسرے نام سے جانتی ہے ۔ دنیا کی نظروں میں وہ انسان ہی تھا جس نے انسان کی جان لی ۔

اب بھی کتے ایسے ہنسک ہیں جو نمائی روپ اور لباس میں اہلسک ہیں مگر ان کو اُپدیش دینے کا بڑا شوق ہے ۔ نہ دیکھیں بڑا نہ دیکھیں مرقعہ نہ دیکھیں ودان نہ دیکھیں سہمے بدلتے شروع کر دیتے ہیں ۔

اپنا سدھار اور نرمان کرے سے پہلے دوسروں کے گھروں کی ناگ جھانک بڑی حد تک بھڑوہ جسارت ہے ۔ سیوا اور سدھار کے کام میں تمیز اور تہذیب پہلی چیز ہے ۔ پہلے اپنا من صاف کریں اور اپنا دامن دھوئیں ۔ پہلے اپنی انتر آتما کو جواب دے لیں پھر اگے بڑھیں ۔

مانتے ہیں ہم کہ پریم انسانیت کا سندھیں ہے ۔ اور اہمکا کا کھنڈر ہی صحیح مقام ہے انسانیت کا ۔ لیکن اسی مقام پر پریم اور اہمکا کا کلا کاٹا جاتا ہے اور انسانیت کا خوں کھا جاتا ہے ۔ کتنا دہم ہوتا ہے یہ کہتے کہ اسی پریم اور اہلسک واناور میں کتے بے گناہ شوت کئے گئے کتوں کو زہر دیا گیا ۔ کتے ساڑھوں کا شکار ہوئے اور کتوں کو "قرآن آف قیام" دیا گیا ۔ یہ وہ سچائیاں ہیں جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور جن کو تاریخ نے سمجھ کر اپنے دامن میں محفوظ کر رکھا ہے ۔

آج شک اور اُپدیشک اُتے ہی سستے شد ہو گئے ہیں جسے لہتر اور نہتا کے شد ہلکے اور بے وزن ہو گئے ہیں ۔ ان کے اُرتے تک اب پلٹ گئے ہیں ۔

घात में लगी रहती हैं, घात और काट का असर सर्प की सन्तान को विरसे में मिलता है.

नाग के सम्बन्ध में हमने "गुण गान" के शब्दों के बारे में कुछ खोज की है. इस खोज के अनुसार हम "गान" के मानी नाग के लेते हैं. गान को उल्टा करके देखो तो मालूम होगा कि गान ही से नाग ने जन्म लिया है. इसी तरह "गुण" से नाग का अर्थ निकलता है. वह नाग ही तो है जो नाग के मणि से निकल कर राज के ताज को जगमगाता और शोभा देता है—कहने को तो यह एक कीड़ा है मगर मणि का हीरा है.

भारत में नाग और नागिन देवी देवता माने जाते हैं. इनमें राजा भी होता है जिसको "वासुकी" कहते हैं.

आजकल विश्व मित्रता के कारण देश और अन्तर देश भाई-भाई का नारा बुलन्द है. इसी राजनीतिक नीति के अनुसार अमेरिका और भारत में भी बहनापा शुरू हो गया है. मगर यह नाता हमको खटकता है. अमेरिका का "मिल्क पावडर" भारती नागिन के स्वभाव और मिजाज को अनुकूल नहीं पड़ेगा, क्योंकि वह हमेशा से शुद्ध दूध के आदी रहे हैं. यह बात अच्छी तरह अनुभव में आ चुकी है कि सियासी भाई एतबारी भाई नहीं होते, इसलिये कि सियासत खुद एतबारी चीज नहीं.

यूँ तो साँपों की सैकड़ों किसमें हैं लेकिन भारत में इनकी दो जातें खास हैं—धार्मिक और राजनैतिक.

धार्मिक अहिंसक होते हैं और राजनैतिक हिंसक.

आजकल राजनीतिक काले अधिक उबल पड़े हैं देश के भाग-भाग में, बस्ती-बस्ती और गाँव-गाँव में. यही काले प्यादा कटीले और जियादा-जहरीले होते हैं.

यह बात یاد रखने की है कि धार्मिक नाग अहिंसक ही नहीं रहता सदा. उस भी लेता है अचानक. मगर उसका दोष नहीं. वह तो उसकी فितरत है.

नाग जब डसता है तो हिंसक कहलाता है और जब हँसता है तो अहिंसक होता है. उस समय वह कितना सुन्दर और प्रेमी मालूम होता है! उसका डसना जितना खतरनाक है, उसका हँसना भी खतरے سے خالی نہیں. वह हँستے-ہنسے جان لیتا ہے اور کھیلتے-کھیلتے جام پی جاتا ہے کسی کے بھی پیران کا، اُس پر ہرورسہ غلط. ہرورسہ کی چیز تو منشیہ بھی نہیں، وہ تو پیر آخر کھڑا ہے.

منشیہ بھی ڈسنا ہے اُرشہ، پر سرب اور منشیہ کے قتلے قتلے میں اُتر کے. بھاؤ بھاؤ میں اُتر ہے.

سرب ڈسنا ہے اپنی جات باہر کسی بھی پڑائی کو، اور منشیہ ڈسنا ہے اپنی ہی جات کو، یعنی آدمی آدمی کو. یہی اُس کی وہ شہمتا ہے جس کے کارن اُس نے ہربرتا کو جیتا ہے اور وجہ پرواہت کی ہے حیوانوں کی خو خصلت پر.

گہات میں لگی دھتی ہیں۔ گہات اور گات کا اثر سرب کی سنگتوں کو ورثہ میں ملتا ہے.

ناگ کے سلسلہ میں ہم نے "گن گن" کے شبدوں کے بارے میں کچھ کھوج کی ہے. اُس کھوج کے अनुसार ہم "گن" کے معنی ناگ کے لیتے ہیں. گن کو اُٹا کر کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ گن ہی سے ناگ نے جنم لیا ہے. اسی طرح "گن" سے نگ کا ارتھ نکلتا ہے. وہ نگ ہی تو ہے جو ناگ کے من سے نکل کر راج کے تاج کو چمکانا اور شوہیا دیتا ہے—کہنے کو تو یہ ایک کھڑا ہے مگر من کا ہیرو ہے.

بھارت میں ناگ اور ناگن دیوی دیوتا مانے جاتے ہیں. ان میں راجا بھی ہوتا ہے جس کو "واسکی" کہتے ہیں.

اُچکل وشومرتا کے کارن دہش اور اُتر دیش بھائی بھائی کا نعرہ بلند ہے. اسی راجنیتک نیٹی کے अनुसार امریکہ اور بھارت میں بھی بھنپا شروع ہو گیا ہے. مگر یہ نانا ہم کو کھٹکتا ہے. امریکہ کا "ملک پوتہ" بھارتی ناگن کے سپھاؤ اور مزاج کو انوکھل نہیں پڑیگا، کیونکہ وہ ہمیشہ سے شدہ دودھ کے عادی رہے ہیں. یہ بات اچھی طرح انوکھو میں اُچکی ہے کہ سیاسی بھائی اعتباری بھائی نہیں ہوتے، اُس لئے کہ سیاست خود اعتباری چیز نہیں.

یہ تو سانپوں کی سینکڑوں قسمیں ہیں لیکن بھارت میں ان کی دو جاتیں خاص ہیں—دھارمک اور راجنیتک.

دھارمک اہنسک ہوتے ہیں اور راجنیتک ہنسک.

اُچکل راجنیتک کالہ آدمک اُبل پڑے ہیں دیہش کے بھاگ بھاگ میں، بستی بستی اور گڑوں گڑوں میں. یہی کالہ زیادہ کٹیلتے اور زیادہ زہریلے ہوتے ہیں.

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دھارمک ناگ اہنسک ہی نہیں رہتا سدا. دس بھی لیتا ہے اچانک. مگر اُس کا دوش نہیں. وہ تو اُس کی فطرت ہے.

ناگ جب ڈسنا ہے تو ہنسک کہلاتا ہے اور جب ہنسنا ہے تو اہنسک ہوتا ہے. اُس سمے وہ کتنا سندر اور پریمی معلوم ہوتا ہے! اُس کا ڈسنا جتنا خطرناک ہے اُس کا ہنسنا بھی خطرے سے خالی نہیں. وہ ہنسے ہنسے جان لیتا ہے اور کھیلتے کھیلتے جام پی جاتا ہے کسی کے بھی پیران کا، اُس پر ہرورسہ غلط. ہرورسہ کی چیز تو منشیہ بھی نہیں، وہ تو پیر آخر کھڑا ہے.

منشیہ بھی ڈسنا ہے اُرشہ، پر سرب اور منشیہ کے قتلے قتلے میں اُتر کے. بھاؤ بھاؤ میں اُتر ہے.

سرب ڈسنا ہے اپنی جات باہر کسی بھی پڑائی کو، اور منشیہ ڈسنا ہے اپنی ہی جات کو، یعنی آدمی آدمی کو. یہی اُس کی وہ شہمتا ہے جس کے کارن اُس نے ہربرتا کو جیتا ہے اور وجہ پرواہت کی ہے حیوانوں کی خو خصلت پر.

آستیون میں ساँپ

भाई अब्दुल हलीम अनसारी, आर्टिस्ट

जैसे अमन में जंग—रंग में भंग—मन्दिर में पाप—यह केवल सियासत की बात कि आसतीन में साँप.

सियासत हमेशा सेवा और प्रेम का दम भरती रहती है. कितनी सुन्दर होती है उसकी भावनाएं और कितने लुभावने होते हैं उसके प्रेम भाषण सियासी स्टेज पर.

जैसे किसी पक्कर हाउस के किल्मी परदे पर मूठी मुहब्बत के बनावटी अदाकार !

जैसे समाज सुधार के नाटक और प्रेम थ्यार के भूटे किरदार !

सफेद आस्तीन की लम्बी गुफा में रहने वाला सर्प राज-नीति की बीन पर प्रेम की रागिनी से कितना आनन्द लेता है और गोल कुन्डल पर बैठा पहरा देता है. केवल उसके फुंकार की दहशत और विष का भय मनमानी कराने के लिये काफी होता है. इनसानियत के साथ प्रेम और हमदर्दी के कारण हमारी यह शुभ कामना कभी-कभी दिल से निकले बिना नहीं रहती कि उस आसतीन का फिटक देना ही उचित है.

जैसे धन के ढेर पर साँप नाथ लहराते हैं, इसी तरह राज्य के संघ पर नाग नाथ पहरा देते हैं. राज्य का भन्डार केवल धन का ही नहीं होता. उसका भन्डार भिन्न भिन्न प्रकार का होता है. यह कहना अनुचित नहीं कि आज के समय जबकि नए-नए टैक्सों की भरमार है, भूमि का कण-कण भन्डार है और मनुष्य का अंश-अंश धन है राज्य के निकट.

जान की रक्षा सब से अधिक अकलमन्दी की बात है और शत्रु की मित्रता बड़ी नादानی !

एक शत्रु को जिहादा दिन मुहलत देने से एक के दो होते हैं, और दो के चार. अब भी कितने रंग बिरंग के सर्प छुपे हुए हैं, मतभेद के सूराखों में, साम्प्रदायिकता के गारों में, और राजनीति के पिढारों में. इनकी ज़बान का बारीक और लहरदार करेन्ट पेटम से कम नहीं, इसलिये कि जान लेना दोनों का मकसद है.

एक नागिन सैकड़ों अण्डे देती है, उन अण्डों से सैकड़ बच्चे निकालती है. उनसे कितनी नसलें बनती हैं. कितनी पीढ़ियां चलती हैं जो रंगती फिरती हैं धरती के ऊपर भी और भीतर भी और फुंकारती रहती हैं इफर उधर, जिससे वातावरण ख़रीला होता है—कितने ही सफ़िल और लापरवाह लोग ख़तरों के घेरे में आ जाते हैं. साँपों की रस्सी के गले में बँध जाते हैं. नई नसलें उनको अपनी निगरानी में रखते हुए अपनी-अपनी

آستين میں سانپ

بھائی عبدالکلام انصاری آرٹسٹ

جیسے امن میں جنگ—رنگ میں بھنگ—مندر میں پاپ—یہ کھول سہادت کی بات کہ آستین میں سانپ .

سہادت ہمیشہ سہوا اور پریم کا دم بھرتی رہتی ہے . کئی سندر ہوتی ہیں اُس کی بھاؤنائیں اور کتنے اباؤلے ہوتے ہیں اُس کے پریم بھاشن سیاسی اسٹیج پر .

جیسے کسی پکچر ہاؤس کے فلمی پردے پر چوٹی محبت کے بھاؤئی اداکار !

جیسے سماج سدھار کے نائک اور پریم پیار کے چھوٹے کردار . سفید آستین کی لمبی گھٹا میں رہنے والا سرپ راجنیتی کی بین پر پریم کی راگنی سے تننا آند لیتا ہے اور گول کنڈل پر بیٹھا پہرا دیتا ہے . کھول اُس کے پھنکار کی دھشت اور رش کا بھ . بن مانی کرائے کے لئے کالی ہوتا ہے . انسانیت کے ساتھ پریم اور ہمدردی کے کان ہماری یہ شیعہ کاملا کبھی کبھی دل سے نکلے بنا نہیں رہتی کہ اُس آستین کا جھٹک دینا ہی اچت ہے .

جیسے دھن کے تھیر پر سانپ ناتھ لہراتے ہیں ! اسی طرح راجہ کے سنگ پر ناگ ناتھ پہرا دیتے ہیں . راجہ کا بھنڈار کھول دھن کا ہی نہیں ہوتا . اُس کا بھنڈار بہن بہن پرکار کا ہوتا ہے . یہ بھنا انرچت نہیں کہ آج کے سمے جب کہ نئے نئے ٹیکسوں کی بھرمار ہے . ہومی کا دن کن بھنڈار ہے اور منشیہ کا انھی انھی دھن ہے راجہ کے نمک .

جان کی رکشا سب سے ادھک نقلمانی کی بات ہے اور شترو کی مٹونا بڑی نادانی !

ایک شترو، زیادہ دن مہلت دینے سے ایک کے دو ہوتے ہیں اور دو کے چار . اب بھی اتنے رنگ بزرگ کے سرپ چھوٹے ہوئے ہوں . مت بھد کے سوراخوں میں سا پردا بھٹا کے غاروں میں اور راجنیتی کے مقاموں میں . اُن کی زبان کا باریک اور لہردار کریمنٹ ایٹم سے کم نہیں ! اِس لئے کہ جان لینا دینوں کا مقصد ہے .

ایک ناگن سیکڑوں اٹڈے دیتی ہے ! اُن اٹڈوں سے سیکڑوں بچے نکالتی ہے . اُن سے کئی نسلیں بنتی ہیں . کئی پیڑھیاں چلتی ہوں جو دھمکتی پھرتی ہوں دھرتی کے اوپر بھی اور بہتر بھی . اور بھٹکرتی رہتی ہیں ادھر ادھر جس سے واناورن زہریلا ہوتا ہے—تکے ہی غافل اور لاپرواہ لوگ خطروں کے گھوڑے میں آجاتے ہیں ! سانپوں کی رسی کے پالہ میں بلندہ جاتے ہیں . نئی نسلوں اُن کو اپنی نکرانی میں رکھتے ہوئے اپنی اپنی

ہیرات کی غاٹی میں 'تاجیکوں' کی کافی بڑی آبادی ہے۔ تاجیک ملک کے بہت بڑے باشندے ہیں اور انہیں کے بعد انہیں کی آبادی سب سے زیادہ ہے۔ آج کل یہ زیادہ تر افغانستان کے شمال میں رہتے ہیں۔ خاص کر ہرات صوبہ میں جہاں وہ کل آبادی کے 34 فیصدی ہیں؛ کابل صوبہ (28.8 فیصدی)، کنگاہن بدخشان صوبہ (46 فیصدی)، مزار شریف صوبہ میں (23.7 فیصدی)۔ وہ ہندوکش، گوربند، پانچوہ، نیاکوب، نورستان اور کوگر کی پہاڑیوں میں بھی رہتے ہیں۔

تاجیک مہنتکش آبادی ہیں۔ لیکن وہ زیادہ تر کسان ہیں اور زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر کام کرتے ہیں۔ یہ لوگ چھوٹے کھیتے ہیں اور بہت غریبی میں رہتے ہیں۔ سوکھی یا تازہ ملبری ہی ان کی خوراک ہے۔ بہت سے گلوں میں حواری کا دلوا، جس میں گھاس بھی ملی رہتی ہے، بہت ذائقہ سے کھایا جاتا ہے۔ ہر روز اور بالخصوص کی گھاٹیوں میں اور ان کے جلوں میں بھی کسانوں کو لکڑی کے ٹکڑوں سے زمین جوڑتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

کسان افغانستان کی آبادی کے 70 فیصدی ہیں، لیکن ان کو صرف دو تہائی ہی کمتر زمین فی شخص ملتی ہے۔

کھیتی کی جانے والی زمین کا رقبہ 15,00,000 ہے، جس میں سے 9,00,000 بڑے زمینداروں کے پاس ہے، باقی 60 فیصدی کسانوں کے پاس ہے۔ 60 فیصدی کسانوں کے پاس یا تو کوئی زمین نہیں ہے اور کسی کے پاس ہے بھی تو بہت کم۔

کھیتی کی ترقی نہیں ہو سکتی۔

افغانستان کی زندگی اسی طرح چلتی رہتی ہے لیکن خانہ بدوشوں کے تہذیبوں میں پرانا امن ہی قائم ہے۔ ہر نئے اپریل کے مہینے میں گولہ اور ان کے جانوروں کے جھنڈ اپنے سفر کے لئے روانہ ہوتے ہیں، جیسا کہ صدیوں سے کرتے آئے ہوں۔ ہر بسنت کو یہ چٹانیں اور محنت کش قافلہ شمال کی جانب کوچ کرنا ہے، جب کہ خزاں آئے واپس اپنے پہلے کی جگہ پر آتی ہے۔

تاجیک ملک کے بہت بڑے باشندے ہیں اور انہیں کے بعد انہیں کی آبادی سب سے زیادہ ہے۔ آج کل یہ زیادہ تر افغانستان کے شمال میں رہتے ہیں۔ خاص کر ہرات صوبہ میں جہاں وہ کل آبادی کے 34 فیصدی ہیں؛ کابل صوبہ (28.8 فیصدی)، کنگاہن بدخشان صوبہ (46 فیصدی)، مزار شریف صوبہ میں (23.7 فیصدی)۔ وہ ہندوکش، گوربند، پانچوہ، نیاکوب، نورستان اور کوگر کی پہاڑیوں میں بھی رہتے ہیں۔

تاجیک مہنتکش آبادی ہیں۔ لیکن وہ زیادہ تر کسان ہیں اور زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر کام کرتے ہیں۔ یہ لوگ چھوٹے کھیتے ہیں اور بہت غریبی میں رہتے ہیں۔ سوکھی یا تازہ ملبری ہی ان کی خوراک ہے۔ بہت سے گلوں میں حواری کا دلوا، جس میں گھاس بھی ملی رہتی ہے، بہت ذائقہ سے کھایا جاتا ہے۔ ہر روز اور بالخصوص کی گھاٹیوں میں اور ان کے جلوں میں بھی کسانوں کو لکڑی کے ٹکڑوں سے زمین جوڑتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

کسان افغانستان کی آبادی کے 70 فیصدی ہیں، لیکن ان کو صرف دو تہائی ہی کمتر زمین فی شخص ملتی ہے۔

کھیتی کی جانے والی زمین کا رقبہ 15,00,000 ہے، جس میں سے 9,00,000 بڑے زمینداروں کے پاس ہے، باقی 60 فیصدی کسانوں کے پاس ہے۔ 60 فیصدی کسانوں کے پاس یا تو کوئی زمین نہیں ہے اور کسی کے پاس ہے بھی تو بہت کم۔

کھیتی کی ترقی نہیں ہو سکتی۔

افغانستان کی زندگی اسی طرح چلتی رہتی ہے لیکن خانہ بدوشوں کے تہذیبوں میں پرانا امن ہی قائم ہے۔ ہر نئے اپریل کے مہینے میں گولہ اور ان کے جانوروں کے جھنڈ اپنے سفر کے لئے روانہ ہوتے ہیں، جیسا کہ صدیوں سے کرتے آئے ہوں۔ ہر بسنت کو یہ چٹانیں اور محنت کش قافلہ شمال کی جانب کوچ کرنا ہے، جب کہ خزاں آئے واپس اپنے پہلے کی جگہ پر آتی ہے۔

مشرقی افغانی جانوں نے اپنے خاص قسم کے پہاڑی شکل کو قائم رکھا ہے۔ مگر مغربی جانوں، خاص کر غلجائی اور قزائی فرقوں کا قبلی عمارت ٹوٹ رہا ہے اور ان میں امیروں اور جاگیرداروں کا زور بڑھ رہا ہے۔ یہ جانیں اب خانہ بدوشی چھوڑ کر سنجائی والی زمین پر آباد ہو رہی ہیں۔ قبیلوں کے اونچے خاندان تمام زمین پر قبضہ کر لیتے ہیں اور قبیلے کے سردار بن جاتے ہیں۔ یہ اونچا طبقہ دھیرے دھیرے بڑھتا جا رہا ہے۔ اس سے قبیلے والوں کو نقصان ہے۔ یہ سردار خان ان گذریوں سے ان خرید لیتے ہیں جنہیں انہوں نے ادھار دیکر قرضدار بنا دیا ہے۔ یہ خان سرکار کے لئے ٹیکس بھی وصول کرتے ہیں۔

کراہ سے فرارہ تک کا سفر گرمیوں کے دنوں میں برداشت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ گرمی بہت سخت پڑتی ہے۔ مگر بہت سی شروعات میں یہ ضلع بہت خوشنما ہو جاتے ہیں۔ گردش کے نزدیک گرمی ہلندگھائی کو یہ سڑک پار کرتی ہے۔ 'دلارام' نامی جگہ کے پاس سے یاقوہ نامی ریگستان شروع ہوتا ہے۔ ادھر اب خانہ بدوشوں کے تہو بھی بہت ایت سے لگے ہیں۔

فرارہ نامی سڑک داخلسلستان، جسکا پہلے کھدرا کہتے تھے، پہلے ایک تھوڑی سی مزرعہ تھا۔ اس کے جنوب میں رستم کا مشاہر شہر نیمروز ہے۔ پورے زمانے میں یہ حصہ سیستان کے نام سے مشہور تھا، یہاں بہت سی سنجائی کی نہریں تھیں اور یہاں کی کھیتی بھی بڑھی چڑھی تھی۔ اس کا سب سے زیادہ عروج یونانیوں کے وقت میں ہوا تھا۔

لیکن منگولوں نے سب کچھ برباد کر دیا۔ آخری حملہ تیمور لنگ کے ذریعہ کیا گیا، جس نے ہلند دریا کے سب پشتوں اور سب سنجائی کی نہروں کو برباد کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریگستان سیستان کو پار کر تمام علاقہ میں پھیل گیا اور آج فرارہ کی حالت ازحد قابل رحم ہے۔

فرارہ سے شمال کی طرف جاتے ہوئے ہم کالہ تہوؤں (خانہ بدوشوں) کے علاقہ کو چھوڑ کر ان ضلعوں میں داخل ہوتے ہیں جہاں پشتو نامی افغانی زبان بہت کم سن پڑتی ہے۔

ہم ایک پہاڑی سڑک پر چل کر شمالی افغانستان چلے جاتے ہیں، جہاں ہم ہرات کی زرخیز گھاٹی میں رکتے ہیں۔ افغانستان کا چوتھا نمبر کا شہر ہرات اس گھاٹی کے ٹھیک وسط میں ہے جو لمبائی میں 120 کلومیٹر اور چوڑائی میں 30 کلومیٹر ہے۔

ہرات کی پرانی شان چلی گئی ہے۔ شہر کی آبادی آج 25,000 آدمیوں سے زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ ایک پختلی روایت ہے کہ منگولوں کے حملہ کے پہلے ہرات کی آبادی دس لاکھ تھی۔

مشرقی افغانی جانوں نے اپنے خاص قسم کے پہاڑی شکل کو قائم رکھا ہے۔ مگر مغربی جانوں، خاص کر غلجائی اور قزائی فرقوں کا قبلی عمارت ٹوٹ رہا ہے اور ان میں امیروں اور جاگیرداروں کا زور بڑھ رہا ہے۔ یہ جانیں اب خانہ بدوشی چھوڑ کر سنجائی والی زمین پر آباد ہو رہی ہیں۔ قبیلوں کے اونچے خاندان تمام زمین پر قبضہ کر لیتے ہیں اور قبیلے کے سردار بن جاتے ہیں۔ یہ اونچا طبقہ دھیرے دھیرے بڑھتا جا رہا ہے۔ اس سے قبیلے والوں کو نقصان ہے۔ یہ سردار خان ان گذریوں سے ان خرید لیتے ہیں جنہیں انہوں نے ادھار دیکر قرضدار بنا دیا ہے۔ یہ خان سرکار کے لئے ٹیکس بھی وصول کرتے ہیں۔

فرارہ سے فرارہ تک کا سفر گرمیوں کے دنوں میں برداشت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ گرمی بہت سخت پڑتی ہے۔ مگر بہت سی شروعات میں یہ ضلع بہت خوشنما ہو جاتے ہیں۔ گردش کے نزدیک گرمی ہلندگھائی کو یہ سڑک پار کرتی ہے۔ 'دلارام' نامی جگہ کے پاس سے یاقوہ نامی ریگستان شروع ہوتا ہے۔ ادھر اب خانہ بدوشوں کے تہو بھی بہت ایت سے لگے ہیں۔

فرارہ نامی سڑک داخلسلستان، جس کا پہلے کھدرا کہتے تھے، پہلے ایک تھوڑی سی مزرعہ تھا۔ اس کے جنوب میں رستم کا مشاہر شہر نیمروز ہے۔ پورے زمانے میں یہ حصہ سیستان کے نام سے مشہور تھا، یہاں بہت سی سنجائی کی نہریں تھیں اور یہاں کی کھیتی بھی بڑھی چڑھی تھی۔ اس کا سب سے زیادہ عروج یونانیوں کے وقت میں ہوا تھا۔

لیکن منگولوں نے سب کچھ برباد کر دیا۔ آخری حملہ تیمور لنگ کے ذریعہ کیا گیا، جس نے ہلند دریا کے سب پشتوں اور سب سنجائی کی نہروں کو برباد کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریگستان سیستان کو پار کر تمام علاقہ میں پھیل گیا اور آج فرارہ کی حالت ازحد قابل رحم ہے۔

فرارہ سے شمال کی طرف جاتے ہوئے ہم کالہ تہوؤں (خانہ بدوشوں) کے علاقہ کو چھوڑ کر ان ضلعوں میں داخل ہوتے ہیں جہاں پشتو نامی افغانی زبان بہت کم سن پڑتی ہے۔

ہم ایک پہاڑی سڑک پر چل کر شمالی افغانستان چلے جاتے ہیں، جہاں ہم ہرات کی زرخیز گھاٹی میں رکتے ہیں۔ افغانستان کا چوتھا نمبر کا شہر ہرات اس گھاٹی کے ٹھیک وسط میں ہے جو لمبائی میں 120 کلومیٹر اور چوڑائی میں 30 کلومیٹر ہے۔

ہرات کی پرانی شان چلی گئی ہے۔ شہر کی آبادی آج 25,000 آدمیوں سے زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ ایک پختلی روایت ہے کہ منگولوں کے حملہ کے پہلے ہرات کی آبادی دس لاکھ تھی۔

دُنیا میں یہاں کوئی ملک نہیں ہے جہاں کہ اندھلس کی طرح باشندوں کی خانہ بدوش زندگی میں بدلاؤ ہوتا ہے۔ نام سال بہر جانوروں کے جائزے کے چھاؤں چرتے رہتے ہیں اور ملک کی چرتائی آبادی ہمیشہ چراگاہ ہی سے نکلے ہوئے ہیں۔ مہموں رہتی ہے۔ گرمی کے موسم کی گرمی جنوب کے چراگاہوں کو سکھا دیتی ہے، جس سے ہزاروں افغان شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک ہر سال چراگاہوں کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے ہیں۔ بیکروں اور اونٹوں کے بڑے بڑے چھتے سڑوں میں بہرے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ ہزاروں آدمی چلتے رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کا سہارا اور سیدھا سادہ سامان بھی رہتا ہے۔ اپنے 'خانوں' اور بڑے بڑوں کی دیکھ ریکھ میں یہ قافلے ہمیشہ چلتے پھرتے رہتے ہیں۔

جب خزاں آتی ہے تو یہ قافلے اپنے جائزوں کی چراگاہوں کی طرف واپس چلے جاتے ہیں۔ ہر ایک قبیلے اور فرقے کے اپنے خاص راستے ہیں اور ان لوگوں کی خرابی ہوتی ہے جو دوسرے قبیلوں کے چراگاہوں کو چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اچھے چورلکھوں کی کسی کے سبب سے کئی ضلعوں میں اس طرح کے ہتھیار بند چھتے ہوتے رہتے ہیں، جہاں پر حملہ آوروں کے خلاف ہتھیاروں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ خانہ بدوش دھورے دھورے گھومتے ہیں۔ تصویروں میں ان 'چمڑا' اور نو بیچتے ہیں اور بدھ میں روٹی کا کپڑا، بارود، کارٹوس اور رائفل خریدتے ہیں۔

یہ خانہ بدوش دھورے دھورے گھومتے ہیں۔ تصویروں میں ان 'چمڑا' اور نو بیچتے ہیں اور بدھ میں روٹی کا کپڑا، بارود، کارٹوس اور رائفل خریدتے ہیں۔

افغان ایک خوبصورت اور مہناتکش کرائم ہے۔ وہ لمبے مچھوٹے پٹوں والے، نپے تولیہ سیڈیل کٹ کے اور بڑے بڑے بالوں والے ہوتے ہیں۔

افغان اپنی آزادی کی محبت کے لئے مشہور ہیں۔ بڑے اپنی لڑائی گئی پرانی لڑائیوں کو بیان کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

افغان اپنی آزادی کی محبت کے لئے مشہور ہیں۔ بڑے اپنی لڑائی گئی پرانی لڑائیوں کو بیان کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

افغان اپنی آزادی کی محبت کے لئے مشہور ہیں۔ بڑے اپنی لڑائی گئی پرانی لڑائیوں کو بیان کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

افغان اپنی آزادی کی محبت کے لئے مشہور ہیں۔ بڑے اپنی لڑائی گئی پرانی لڑائیوں کو بیان کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

افغان اپنی آزادی کی محبت کے لئے مشہور ہیں۔ بڑے اپنی لڑائی گئی پرانی لڑائیوں کو بیان کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

افغان اپنی آزادی کی محبت کے لئے مشہور ہیں۔ بڑے اپنی لڑائی گئی پرانی لڑائیوں کو بیان کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

توئی پہلے چنگیز خاں کے قریب اور بعد کو اس پر حسن کے قریب بہاد کر دیا گیا تھا۔ اس چوٹ سے کمزور ہو کر شہر کا ذوال ہو چکا ہے، اس کی پرانی چمک دمک کے آخری نشان کچھ ٹوٹی ہوئی شاندار تہریں اور ایک پرانا قلعہ ہی رہ گئے ہیں۔

غزنی صوبہ میں افغان قوم کا 16, 25,000 آبائی والا غذائی فرقہ رہتا ہے۔ وزارتات تک سارا غزنی کا پتہ انہیں جانیں سے ہوتا ہے، جن کا پتہ وزارت اور گردنہ انہیں کرنا ہے، مگر وہاں متی کی بہت کمی ہے اور غذائیں میں سے ایک حصہ ہر سال خانہ بدوشی کے لئے بھارت کی طرف نکل جاتا ہے۔ اور بھی جنوب کی ایک اور بڑی پٹائی ہوئی گھائی میں ملک کا پرانا دارالسلطنت قندھار ہے۔ یہاں کی حرارت سدا جازوں میں بھی پانی جسٹہ کی حرارت سے زیادہ نہیں پہنچتی۔ قندھار جنوبی اور جنوبی-مغربی افغانستان کا ایک بڑا تجارتی مرکز ہے۔ کابل جانے والی سڑکوں اور ہرات کو بھارت سے ملانے والے راستوں کا بھی یہ مرکز ہے۔

قندھار اور فاریز صوبے جن نے زرخیز نخلستان ہیلند،
اقلداپ اور فرا-رود کی گھاٹیوں میں مہم، 14,40,000
آہادی والے درودی فرقے نے ہیں—جو کہ ملک کے حکومت کرنے
والے افغان فرقوں میں سے سب سے زبردست ہیں۔ اسی فرقہ
میں سے حکومت کرنے والوں اور اونچے عہدوں کے سرکاری کام
کرنے والوں کو چھاننا جاتا ہے۔

فونی سے قندھار جانے والی سڑک سے گذرنے پر ہم کسانوں کو اپنے چوٹے سے کھیتوں کو اپنے لکڑی کے ہلوں سے جوتے یا پتھر اور لکڑی کی کڈالوں سے کھودتے دیکھ سکتے ہیں۔ سارے جنوبی افغانستان کی (ہزارہ جات کی پہاڑی قبیلہوں کو چھوڑ کر) کھیتی سنبھالنے کے اوپر مامور ہے، مگر سنبھالنے پرے ہی پڑا ہے طریقوں سے ہوتی ہے، وہ پڑا ہاندہ، جنہوں نے یہاں سنبھالنے سے بڑے بڑے رزخیز نظامستان بنا دیئے تھے، اب نہیں رہے۔ فٹے ہاندہ ہاتھ بھی نہیں جا رہے ہیں۔ ابرہہ اور ابراکھیا کے تباریشتی مشہور مشہور ہیں۔ آج کلندر ہی وہاں نظر آتے ہیں، پرانی بستیوں کے کلندر بھی رہتے ہیں جا رہے ہیں۔

قدیم سے نواحِ رائی سڑک پر بھڑوں کے بڑے بڑے
چھتہ چڑھتے ہیں۔ کالی بکری اور قہقہے لہانہ پہلے افغان گڈیے
انہیں چرایا کرتے ہیں۔

ملک کی مالی زندگی میں جانوروں کا پالا جانا بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ بہت سا کچرا سامان جیسے آٹا، چمڑا اور کراں درآمد کے لئے پیدا ہوتا ہے۔

افغانستان جا تیلیاں خاص طور پر جنوب کی طرف پائی جاتی ہیں، جب کہ ہندوکش کے شمال میں مقیم ملک کے ہائی حصہ میں، افغان شمار میں کم و بڑے ہی ہیں۔

افغانی چار خاص حصوں میں بٹا ہے—شربانی، غلذائی، کیرلانی اور گروہ۔ ان میں سے بھی ہر شاخ کئی فرقوں خاندانوں اور بڑے یا چھوٹے قبیلوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ مغربی گروہ کے خاندانی قبیلوں کا حکومتی انتظام پشاییلی 'خان' نامی افسر کرتے ہیں۔ لیکن مشرقی کیرلانی گروہ میں آج بھی بڑے بڑوں کے پنچایتی گروہ چاہیں 'جرگہ' کہا جاتا ہے قبیلوں کی تنظیم کرتے ہیں۔

افغانستان ایک شاہی خودمختار ملک ہے۔ یہاں کا شاہ جو ساتھ ہی ساتھ تمام فوجی دستوں کا کمانڈر-ان-چیف بھی ہے، یہاں کا سب سے اونچا حاکم ہے۔ یہاں کی پارلیمنٹ میں دو چیمبر، ایک حکومتی مجلس جس کے نمائندے رعایا چنتے ہیں اور ایک سینیٹ ہوتا ہے جس کے ممبر خاندانی امیروں اور سرداروں میں سے شاہ کی رائے کے مطابق چنے جاتے ہیں۔

قانون کے ذریعہ پارلیمنٹ کو ہل پھس کرنے و پاس کرنے کی آزادی ہے۔ اس کے ذریعہ سرکاری قانون بھی بنائے جاتے ہیں اور صلحناموں کو منظور کرنے کا حق بھی اسی کو ہے۔ دوسرے لفظوں میں پارلیمنٹ کو قانون بننا کر وزیروں کو ان کے مطابق حکومت کے لئے ذمہ دار بنانا ہے۔ پر اصلیت میں قانونی مجلس میں ایسے قاعدے بھی ہیں، جنہوں نے پارلیمنٹ کی طاقتوں کو محدود کر دیا ہے جیسے کہ قانون میں یہ بھی ہے کہ حکومتی نمائندوں کی مجلس کے فیصلے سرکاری پالیسی یا اسلام کے خلاف نہیں ہونے چاہئیں۔ پارلیمنٹ سرکار کے اوپر عظیم اعتماد کی تحریز نہیں پاس کر سکتی اور نہ وزیروں کی مجلس کے استیفاء کی ہی مانگ کر سکتی ہے۔ تمام وزیر وزیر آہ نام کی رائے سے شاہ کے ذریعہ قائم کئے یا نکالے جاتے ہیں۔

اس وقت ظاہرہ طور پر افغانستان نے بھارتی حد کے 'آزاد قبیلوں' کی حفاظتی پالیسی کو چھوڑ دیا ہے۔ ان قبیلوں کے کچھ سرداروں کا یہ اعتقاد ہے کہ برطانیہ نے افغانستان کو ان کے خلاف کرنے کے لئے کچھ مالی رعایتیں دی ہیں جن میں افغان مال کے ہمارے سے ہو کر گزرنے دینے کی منظوری اور اس ملک سے زیادہ تجارت کرنے کی منظوری بھی شامل ہے۔

اگر یہاں پر دیکھا جائے کہ افغانستان کی زیادہ تر درآمد بھارتی حد کے اندر سے ہی ہوتی ہے تو رائے مذکور درست معلوم دیتی ہے۔

کابل سے جنوب کی طرف مرکز، کچھ گھنٹوں کے سفر کے بعد غزنی نامی صوبہ کے غزنی نامی مرکز میں ہی پہونچتے ہیں۔ محمود غزنوی کے وقت میں غزنی ہی ملک کا دارالسلطنت تھا۔ اس کی شہرت کی شروعات دسویں صدی میں ہی ہو گئی تھی، جب کہ وہ جنوبی مشرقی ایران کی خلافت کا مرکز تھا۔

افغانستان ایک شاہی خودمختار ملک ہے۔ یہاں کا شاہ جو ساتھ ہی ساتھ تمام فوجی دستوں کا کمانڈر-ان-چیف بھی ہے، یہاں کا سب سے اونچا حاکم ہے۔ یہاں کی پارلیمنٹ میں دو چیمبر، ایک حکومتی مجلس جس کے نمائندے رعایا چنتے ہیں اور ایک سینیٹ ہوتا ہے جس کے ممبر خاندانی امیروں اور سرداروں میں سے شاہ کی رائے کے مطابق چنے جاتے ہیں۔

قانون کے ذریعہ پارلیمنٹ کو ہل پھس کرنے و پاس کرنے کی آزادی ہے۔ اس کے ذریعہ سرکاری قانون بھی بنائے جاتے ہیں اور صلحناموں کو منظور کرنے کا حق بھی اسی کو ہے۔ دوسرے لفظوں میں پارلیمنٹ کو قانون بننا کر وزیروں کو ان کے مطابق حکومت کے لئے ذمہ دار بنانا ہے۔ پر اصلیت میں قانونی مجلس میں ایسے قاعدے بھی ہیں، جنہوں نے پارلیمنٹ کی طاقتوں کو محدود کر دیا ہے جیسے کہ قانون میں یہ بھی ہے کہ حکومتی نمائندوں کی مجلس کے فیصلے سرکاری پالیسی یا اسلام کے خلاف نہیں ہونے چاہئیں۔ پارلیمنٹ سرکار کے اوپر عظیم اعتماد کی تحریز نہیں پاس کر سکتی اور نہ وزیروں کی مجلس کے استیفاء کی ہی مانگ کر سکتی ہے۔ تمام وزیر وزیر آہ نام کی رائے سے شاہ کے ذریعہ قائم کئے یا نکالے جاتے ہیں۔

اس وقت ظاہرہ طور پر افغانستان نے بھارتی حد کے 'آزاد قبیلوں' کی حفاظتی پالیسی کو چھوڑ دیا ہے۔ ان قبیلوں کے کچھ سرداروں کا یہ اعتقاد ہے کہ برطانیہ نے افغانستان کو ان کے خلاف کرنے کے لئے کچھ مالی رعایتیں دی ہیں جن میں افغان مال کے ہمارے سے ہو کر گزرنے دینے کی منظوری اور اس ملک سے زیادہ تجارت کرنے کی منظوری بھی شامل ہے۔

اگر یہاں پر دیکھا جائے کہ افغانستان کی زیادہ تر درآمد بھارتی حد کے اندر سے ہی ہوتی ہے تو رائے مذکور درست معلوم دیتی ہے۔

کابل سے جنوب کی طرف مرکز، کچھ گھنٹوں کے سفر کے بعد غزنی نامی صوبہ کے غزنی نامی مرکز میں ہی پہونچتے ہیں۔ محمود غزنوی کے وقت میں غزنی ہی ملک کا دارالسلطنت تھا۔ اس کی شہرت کی شروعات دسویں صدی میں ہی ہو گئی تھی، جب کہ وہ جنوبی مشرقی ایران کی خلافت کا مرکز تھا۔

جنوب کی طرف بڑھ کر سب سے پہلی جگہ کے علاقے کے حصے سے ملتا ہوا ہے جس میں افغانی پہاڑی باشندوں کی جاتی 'مٹال' جاتی، 'درویش خیل'، 'روہی' وغیرہ جاتیں بسنی ہیں۔ ان پہاڑی گلوں میں بڑی غریبی ہے۔ یہاں کی مٹی کی تول سرنے کے برابر ہے، کیونکہ لوگ اسے ہاتھ اور سر میں بھر کر اور رکھ کر اونچے پہاڑوں میں اپنے گھروں تک لے گئے ہیں۔ اپنے اس اٹھک محنت سے بھی لوگوں کی گذر نہیں ہوتی اور قبیلے کے قبیلے خوراک حاصل کرنے کے لئے بھارت کی طرف چل پڑتے ہیں۔

مشرقی اور جنوبی صوبہ ان چنگیز افغان جاتوں کے رہنے کے علاقے ہیں جو کہ کوہ سلیمان سے ادھر چلی آئی ہیں۔ شمال اور مغرب کی طرف بڑھ کر ان جاتوں نے باہری حملہ آوروں کے راستے کو روک دیا اور پہلی افغان ریاست کی بنیاد ڈالی۔ جنوبی حد کے بار بھی کئی ضلع ہیں جو کہ افغانوں سے آباد ہیں۔ یہ قبیلے جو کہ اپنے ملک سے الگ کر دیئے گئے ہیں، 'آزاد قبیلوں کے علاقے' نامی اپنی خاص زمین میں رہتے ہیں۔ ایک صدی سے وہ انگریزوں کے ذریعہ جہلم جالے کی کوششوں کا مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ کتھ ہی چھوٹے چھوٹے فوجی دستے ان کو دہانے کے لئے بھیجے جا چکے ہیں؛ چندسے اٹھنے کے لئے جا چکے ہیں اور ان کے سرداروں کو شدت دیکر پھرتے پھرتے کی کوششیں بھی ہوئی ہیں، پر ان کے حفاظتی مورچے کو کبھی نہیں توڑا جا سکا۔

افغانستان میں آئے والے مسافر یہاں کی جاتوں اور باشندوں میں پہیلی بدانتظامی کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ یہ اس ملک کی جغرافیائی حالت کا ہی نتیجہ نہیں ہے، جس نے کہ پچھلے دنوں میں کئی طرح کی جاتوں کے لئے راستہ بنایا۔ اس کا سبب کچھ حد تک برطانوی نوآبادیاتی پالیسی بھی ہے، جس نے اس ملک کی حدود کو بھی قائم کیا۔ برطانیہ افغانستان کو ایک بفر (روکائی) ریاست بنانے پر لا ہوا تھا۔ اس طرح اس کی حدود میں ایسے ضلع بھی ہیں جہاں ترکمانی، ازبک و تازی جاتیں رہتی ہیں، جب کہ جنوب میں 40 لاکھ سے زیادہ (41,78,500) افغانی رہا یا اپنے ملک سے الگ کر کے ہندوستان اور بلوچستان میں ملا دی گئی ہے۔ یہ حصہ آزاد قبیلوں کا اور بنو، پشاور، کہات، ڈیرہ اسماعیل خان اور بھارتی وزارت کے شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں ہے۔

افغانستان میں رہنے والی خاص جاتیں افغان (44,84,562)، تازی (21,06,000)، ازبک (8,02,000) اور ہزارہ (8,67,000) ہیں۔ باقی رہا یا ترکمانوں اور دوسری غیر جاتیں جیسے 'نورستان'، 'طہلی'، 'فرز کوہ'، 'جمہودی'، 'نوروزی'، 'بلوچی'، 'مغرب'، 'ہندستانی'، 'ترکی'، 'پہودی'، 'کھانی'، 'کرد' اور 'پشپاک' لوگوں سے بنی ہے۔

افغانستان میں رہنے والی خاص جاتیں افغان (44,84,562)، تازی (21,06,000)، ازبک (8,02,000) اور ہزارہ (8,67,000) ہیں۔ باقی رہا یا ترکمانوں اور دوسری غیر جاتیں جیسے 'نورستان'، 'طہلی'، 'فرز کوہ'، 'جمہودی'، 'نوروزی'، 'بلوچی'، 'مغرب'، 'ہندستانی'، 'ترکی'، 'پہودی'، 'کھانی'، 'کرد' اور 'پشپاک' لوگوں سے بنی ہے۔

ہندوکشا کا بڑا پھاڑ مُلک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ شمالی اور جنوبی، جن میں کہ جغرافیائی اور آبادی سے ملتی جلتی فرق ہے۔ ملک کے سب سے بڑے زرعتی نظمستان شمالی افغانستان میں ہی ہیں، جہاں درجنوں جاتیں اور فرقہ آباد ہیں۔ یہی حصہ جنوبی افغانستان کو خوراک دیتا ہے جو کہ چٹانی اور افغان جاتیوں سے بسی زمین ہے۔

سب سے اُچھے کوہستان شمال۔ مشرق میں ہیں، جہاں کہ سفدر کی سطح سے تین یا چار ہزار میٹر تک کی اونچائی کے بہت سے درے ہیں۔ ہندو کش، کوہ ابابا کے نام سے آگے پھیل کر آمو دریا اور سندھ کے بیچ کے میدان میں پانی پانی بائیں والے کا کام کرتا ہے۔ وسطی افغانستان 'مزار جت' نام کے سخت پہاڑی حصے سے بنا و گہرا ہے۔ مغرب کی طرف کوہ ابابا کی پہاڑی تین سلسلوں میں ملت جاتی ہے جو کہ دہرے دہرے لقوہ، ہلند اور پاکستان کی چٹانی اور ہالودار زمین میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

افغانی جاتیوں کی پودایشی جگہ بہارت سلیمان پہاڑوں کے اُس پار ہے۔ بلوچستان چٹانی کے پہاڑوں کے جنوب میں ہے۔

یہ پہاڑی سلسلے ملک کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، گو کہ حال ہی میں بنی سڑکوں نے الگ الگ صوبوں کو ایک دعامے میں باندھنے میں مدد دی ہے۔ لیکن حالت میں سدھار نہیں ہوا ہے۔ شمالی اور جنوبی حصوں کو ملانے والی ایک خاص کڑی خانہ بدوش افغان جاتیں ہیں، جو کہ ہر سال ملک کو پار کرتی ہیں اور جنوب سے شمال ہرات، میمانہ اور کٹاکان۔ بدخشاں کے صوبوں کی طرف جاتی ہیں۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملا ہوا ہے۔ اس صوبہ کا وسط جلال آباد کا میدان ہے۔ یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت کھلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملا ہوا ہے۔ اس صوبہ کا وسط جلال آباد کا میدان ہے۔ یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت کھلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

مشرقی صوبوں کی آبادی افغان جاتوں سے بنی ہے جو کہ کپھالی، شلوری، موہند، صفی وغیرہ نسل کی ہیں۔ ان میں سے کچھ جاتیں ابھی بھی غاروں میں رہتی ہیں۔ صوبائی مرکز جلال آباد ہی یہاں کا ایک قصبہ ہے۔ پوشاور سے کابل جانے والے رستے پر آبادی کے لوگوں کی جگہ پر آباد ہے، کابل کے اسی طبقہ کے لوگوں کی جگہ پر آباد ہے۔ اس کے چوتھے شہروں میں بہت سے خوب صورت باغیچوں سے گھرے ہوئے شاعی محل بھی ہیں۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملا ہوا ہے۔ اس صوبہ کا وسط جلال آباد کا میدان ہے۔ یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت کھلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

افغانی جاتیوں کی پودایشی جگہ بہارت سلیمان پہاڑوں کے اُس پار ہے۔ بلوچستان چٹانی کے پہاڑوں کے جنوب میں ہے۔

یہ پہاڑی سلسلے ملک کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، گو کہ حال ہی میں بنی سڑکوں نے الگ الگ صوبوں کو ایک دعامے میں باندھنے میں مدد دی ہے۔ لیکن حالت میں سدھار نہیں ہوا ہے۔ شمالی اور جنوبی حصوں کو ملانے والی ایک خاص کڑی خانہ بدوش افغان جاتیں ہیں، جو کہ ہر سال ملک کو پار کرتی ہیں اور جنوب سے شمال ہرات، میمانہ اور کٹاکان۔ بدخشاں کے صوبوں کی طرف جاتی ہیں۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملا ہوا ہے۔ اس صوبہ کا وسط جلال آباد کا میدان ہے۔ یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت کھلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملا ہوا ہے۔ اس صوبہ کا وسط جلال آباد کا میدان ہے۔ یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت کھلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

مشرقی صوبوں کی آبادی افغان جاتوں سے بنی ہے جو کہ کپھالی، شلوری، موہند، صفی وغیرہ نسل کی ہیں۔ ان میں سے کچھ جاتیں ابھی بھی غاروں میں رہتی ہیں۔ صوبائی مرکز جلال آباد ہی یہاں کا ایک قصبہ ہے۔ پوشاور سے کابل جانے والے رستے پر آبادی کے لوگوں کی جگہ پر آباد ہے، کابل کے اسی طبقہ کے لوگوں کی جگہ پر آباد ہے۔ اس کے چوتھے شہروں میں بہت سے خوب صورت باغیچوں سے گھرے ہوئے شاعی محل بھی ہیں۔

हमारा पड़ोसी अफ़ग़ानिस्तान

प्रोफ़ेसर कजलबाश खाँ

अफ़ग़ानिस्तान एशिया के ठीक दक्खिन पड़ोस पर आबाद है जहाँ की बड़ी-बड़ी पहाड़ियाँ मिलकर हिन्दु-स्तान की तरफ एक पहाड़ी सिलसिला बनकर मुड़ जाती हैं।

अफ़ग़ानिस्तान ग़ालों और किसानों का मुल्क है। आज भी यहाँ की करीब-करीब चौथाई जनता खाना-बदोश है।

अफ़ग़ानिस्तान का रकबा 6,55,000 मुरब्बा (वर्ग) किलोमीटर है पर उसकी आबादी 95,00,000 से ज्यादा नहीं है। मुसलमान मगर शुमाल मशरिफ़ की तरफ कुछ तंग हव लिये हुए, अफ़ग़ानिस्तान के शुमाल में सोवियत रूस का तुर्क-मानिया, उजबैक और ताजीक जम्हूरियत, मरारिब में ईरान और जनुब व जनुब-मशरिफ़ में भारत और ब्लाचिस्तान हैं।

मौजूदा अफ़ग़ानिस्तान के संगठन से पहिले, जॉकि अठारहवीं सदी में किया गया, यह मुल्क कई हिस्सों में मुनकसिम था, जिसकी तबारीख़ मुखतलिफ़ थी। इसकी जुग्राफ़ियाई हालत ने इस सारे इलाक़े को बस्ती-मशरिफ़ से दूर दराज मशरिफ़ को मिलाने वाले मरकज का रुतबा देकर दुनिया की खास शाहराहों में खास जगह दे दी है। एक वक़्त था जबकि योरप और ऐशिया से बड़ी-बड़ी फ़ौजों और आबादियों ने इस मुल्क के अन्दर से गुज़र कर हिन्दु-स्तान में क़दम रखा। अफ़ग़ानिस्तान में पार्थी, हुण, और सक जातियाँ आईं; मेसिडोन के सिकन्दर आज़म ने भी इस मुल्क को फतह किया। चंगेज़खाँ के ग़िरोहों, तेमूर लंग की फ़ौजों और इस्लाम कायम करने वाली अरब फ़ौजों ने भी इस देश पर वक़तनू वक़तनू क़ब्ज़ा किया। मशरिफ़ से लेकर मरारिब तक और शुमाल से लेकर जनुब तक बस्ती बनती और बरबाद होती रहीं। कोई भी ऐसा हमला नहीं हुआ जिसके नतीजे के बाइस यहाँ नये आदमियों की कोई नई बस्ती आबाद न हुई हो। यहाँ से बड़ी-बड़ी सलतन्तों के धरुज के सितारे का दौर शुरू हुआ और यहीं से वे ज़वाल के तबारीख़ी निशान से बनकर रायच भी हो गये।

अपनी ज़मीन के 4/5 हिस्से के पहाड़ियों से घिरे होने के सबब अफ़ग़ानिस्तान एक पहाड़ी मुल्क है। इसलिये यहाँ की रिफ़्तार का बड़ा हिस्सा बड़ी या छोटी घाटियों में, नदियों के किनारे या शुमाल व शुमाल-मरारिब के तंग सड्डों के तालों में क़ायम करता था।

हमारा पड़ोसी अफ़ग़ानिस्तान

प्रोफ़ेसर कजलबाश खाँ

अफ़ग़ानिस्तान एशिया के ठीक दक्खिन पड़ोस पर आबाद है जहाँ की बड़ी-बड़ी पहाड़ियाँ मिलकर हिन्दु-स्तान की तरफ एक पहाड़ी सिलसिला बनकर मुड़ जाती हैं।

अफ़ग़ानिस्तान ग़ालों और किसानों का मुल्क है। आज भी यहाँ की करीब-करीब चौथाई जनता खाना-बदोश है।

अफ़ग़ानिस्तान का रकबा 6,55,000 मुरब्बा (वर्ग) किलोमीटर है पर उसकी आबादी 95,00,000 से ज्यादा नहीं है। मुसलमान मगर शुमाल मशरिफ़ की तरफ कुछ तंग हव लिये हुए, अफ़ग़ानिस्तान के शुमाल में सोवियत रूस का तुर्क-मानिया, उजबैक और ताजीक जम्हूरियत, मरारिब में ईरान और जनुब व जनुब-मशरिफ़ में भारत और ब्लाचिस्तान हैं।

मौजूदा अफ़ग़ानिस्तान के संगठन से पहिले, जॉकि अठारहवीं सदी में किया गया, यह मुल्क कई हिस्सों में मुनकसिम था, जिसकी तबारीख़ मुखतलिफ़ थी। इसकी जुग्राफ़ियाई हालत ने इस सारे इलाक़े को बस्ती-मशरिफ़ से दूर दराज मशरिफ़ को मिलाने वाले मरकज का रुतबा देकर दुनिया की खास शाहराहों में खास जगह दे दी है। एक वक़्त था जबकि योरप और ऐशिया से बड़ी-बड़ी फ़ौजों और आबादियों ने इस मुल्क के अन्दर से गुज़र कर हिन्दु-स्तान में क़दम रखा। अफ़ग़ानिस्तान में पार्थी, हुण, और सक जातियाँ आईं; मेसिडोन के सिकन्दर आज़म ने भी इस मुल्क को फतह किया। चंगेज़खाँ के ग़िरोहों, तेमूर लंग की फ़ौजों और इस्लाम कायम करने वाली अरब फ़ौजों ने भी इस देश पर वक़तनू वक़तनू क़ब्ज़ा किया। मशरिफ़ से लेकर मरारिब तक और शुमाल से लेकर जनुब तक बस्ती बनती और बरबाद होती रहीं। कोई भी ऐसा हमला नहीं हुआ जिसके नतीजे के बाइस यहाँ नये आदमियों की कोई नई बस्ती आबाद न हुई हो। यहाँ से बड़ी-बड़ी सलतन्तों के धरुज के सितारे का दौर शुरू हुआ और यहीं से वे ज़वाल के तबारीख़ी निशान से बनकर रायच भी हो गये।

अपनी ज़मीन के 4/5 हिस्से के पहाड़ियों से घिरे होने के सबब अफ़ग़ानिस्तान एक पहाड़ी मुल्क है। इसलिये यहाँ की रिफ़्तार का बड़ा हिस्सा बड़ी या छोटी घाटियों में, नदियों के किनारे या शुमाल व शुमाल-मरारिब के तंग सड्डों के तालों में क़ायम करता था।

اگست 1957

کيا کيس سے	صفحہ	کيا کس سے
1. ہمارا پڑوسی افغانستان —پروفیسر کمالیہا شاہ	... 47 ...	1. ہمارا پڑوسی افغانستان —پروفیسر کمالیہا شاہ
2. آسٹین میں سائپ —میر عبدالکظیم انصاری آرٹسٹ	... 55 ...	2. آسٹین میں سائپ —میر عبدالکظیم انصاری آرٹسٹ
3. ہندو مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی شروعات —ڈاکٹر لکشمی دھرتی एस० ए० बी० फिला०	... 59 ...	3. ہندو مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی شروعات —ڈاکٹر لطیف دھرتی एस० ए० बी० फिला०
4. سیخ مزارع کا درمیانہ راستہ —پروفیسر تاجا سینگ एस० ए०	... 70 ...	4. سیخ مذہب کا درمیانہ راستہ —پروفیسر تاجا سینگ एस० ए०
5. ہماری راہ— شانہ بدھ؛ آجکل کی سرکاریں—سندر لال	... 79 ...	5. ہماری راہ— شانہ بدھ؛ آجکل کی سرکاریں—سندر لال



نمبر 2 نمبر 24 جلد 24 جلد

اگست 1957 اگست

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

145 مڈل گنج، کراچی

145 مڈل گنج، کراچی

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editor

Suresh Ramabhai

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.

NAYA HIND

نیاجہ

اس نمبر کے خاص لکھ



ہمارا پہلی افغانستان

—پروفیسر کمالیہاں جی

آسٹریا میں سوائے

—ہارڈ بکسول ہسٹریک انسانی
آرٹسٹ

ہندو مسلمانوں کے تہذیبی میل جول
کی شروعات

—ڈاکٹر لکھن دھرتی

اسم ۵۰ ۵۰ کیل

سینس ماسٹر کا درمیانی راستہ

—پروفیسر تاجا سید اسم ۵۰ ۵۰

ہمارا پہلی افغانستان

—پروفیسر کمالیہاں جی

آسٹریا میں سوائے

—ہارڈ بکسول ہسٹریک انسانی
آرٹسٹ

ہندو مسلمانوں کے تہذیبی میل جول
کی شروعات

—ڈاکٹر لکھن دھرتی

اسم ۵۰ ۵۰ کیل

سینس ماسٹر کا درمیانی راستہ

—پروفیسر تاجا سید اسم ۵۰ ۵۰

हिन्दी घर

हिन्दी घर

कलचर पर हर तरह की किताबें मिलने का एक बड़ा केन्द्र—पाठक हिन्दी, उर्दू, अंग्रेजी की अपनी मन-पसन्द किताबों के लिखे हमें लिखें।

हमारी नई किताबें

महात्मा गान्धी की वसीयत

(हिन्दी और उर्दू में)

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने

विद्वान : स्व. श्री मंजर अली सारुता

सके 225, कीमत दो रुपया

—:०:—

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

लेखिका—कुवसिया जैदी

भूमिका—पण्डित जवाहरलाल नेहरू

मोटा काराज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें

दाम दो रुपया

—:०:—

पण्डित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम दस रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सके, दाम बारह आने

महात्मा गान्धी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत चार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुद्रोगंज इलाहाबाद

कलचर पर हर तरह की किताबें मिलने का एक बड़ा केन्द्र—पाठक हिन्दी, उर्दू, अंग्रेजी की अपनी मन-पसन्द किताबों के लिखे हमें लिखें।

हमारी नई किताबें

महात्मा गान्धी की वसीयत

(हिन्दी और उर्दू में)

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने

विद्वान : स्व. श्री मंजर अली सारुता

सके 225, कीमत दो रुपया

—:०:—

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

लेखिका—कुवसिया जैदी

भूमिका—पण्डित जवाहरलाल नेहरू

मोटा काराज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें

दाम दो रुपया

—:०:—

पण्डित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम दस रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सके, दाम बारह आने

महात्मा गान्धी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत चार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुद्रोगंज इलाहाबाद

सांस्कृतिक साहित्य

سانسکرتک ساھتیه

हजरत मोहम्मद और इसलाम

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इसलाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

सुमेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय फिराक, कीमत—तीन रुपया

حضرت محمد اور اسلام

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولاہ—تین روپیہ
اسلام کے پیغمبر کے سمبندھ میں بیارتیہ بھاشاؤں میں اس سے
سندر کوئی دوسری پستک نہیں

حضرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولاہ—ڈیڑ روپیہ

مہاتما زرتشت اور ایرانی سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

یہودی دھرم اور سامی سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

پراچین مصر کی سبھیتا اور سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

سمیر، بابل اور اسوریائی پراچین سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

پراچین یونانی سبھیتا اور سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

گنگا سے گوتمی تک

(پرگتی شیل کہانی سنڈرہ)

لیکھک—شری مجیب رفوی، قیمت—دو روپیہ

آگ اور آنسو

(بھاؤپورن سماجک کہانیاں)

لیکھک—ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، قیمت—ڈیڑ روپیہ

قرآن اور دھارمک مت بھید

لیکھک—مولا ابوالکلام آزاد، قیمت—ڈیڑ روپیہ

جھنکار

(پرگتی شیل کہانیاں کا سنڈرہ)

لیکھک—رگھوپتی سہائے فریق، قیمت—تین روپیہ

میلے کا پتہ

ہندوستانی کلچر سوسائٹی ہندوستانی کالچر سوسائٹی

145 مٹھی گنج، الہ آباد 145 मुठीगंज, इलाहाबाद

और अपने बहकड़ को भुलकर गाँव गाँव में जमीन की
साक्षिकता मिलाने में, गाँव गाँव का प्रभाव करने में जुट
जावे। अगामी दूसरी अक्टूबर को ही, बापू-जयन्ती के दिन
इस काम की पूर्ति हो सकती है। सत्तावन माई का भारतीयता
हमारे साथ है। भगवान् खुद हमारे साथ है।

22. 6. 57

—सुरेश रामभाई

اور اپنے بھکڑ کو بھول کر گاؤں گاؤں میں زمین کی
سাক্ষی کا کرادان کرانے میں جھٹلے۔ اگلی دسمبر
اکتوبر کو ہی 'باپو-جینتی' کے دن اس کام کی پوری ہو
سکتی ہے۔ سत्तावन مائی کا भारतीयता
ہمارے ساتھ ہے۔

—سوریش رامभाई

22. 6. 57

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
3 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the lighty mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

जैसे बच्चों के काम करके उनको सही अर्थाजलि दे सकेंगे ? वह तो अपनी कायरता का, अपनी निर्बलता का, अपनी लाचारी का ही प्रतीक होगा। वीर पुरुषों की औलाद अगर हमारे जैसी डरपोक व कायर निकली तो फिर औलाद कहलाने के अपने दावे को ही खो बैठेगी।

लेकिन नहीं, हमें हिम्मत नहीं हारनी है। जमीन की मालकियत मिटाने का काम उतना मुश्किल नहीं है जितना कि भास होता है। जमीन की मालकियत की दीवारें ढह रही हैं, जो बाक़ी हैं वे भी हिल रही हैं। एक-दो नहीं, दस-बीस नहीं, सौ-सवासी नहीं—ढाई हज़ार गाँव में जमीन की मालकियत मिट चुकी है ! मिट चुकी है !! मिट चुकी है !!! हमेशा के लिये ख़त्म। पुराने ज़माने की एक सत्यता रह गई है। उन गाँवों में उसका कोई आस्तित्व नहीं बचा। तो जो बात ढाई हज़ार गाँवों में हो सकती है, वह देश के कुल के कुल साढ़े पाँच लाख गाँवों में क्यों नहीं हो सकती ? क्या उन ढाई हज़ार गाँवों के लोग देवता या फ़रिश्ते हैं और बाक़ी के उनसे गये बीते हैं ?

नहीं, नहीं, कमी केवल अपने पुरुषार्थ की है, बल्कि हम कहेंगे कि कमी अपनी अद्धा की है। जो अद्धा हमारे पूर्वजों को अग्नेयों की हुकूमत मिटाने में थी, वह हमको जमीन की मालकियत मिटाने में अभी तक नहीं आई है। अद्धा कोई पर्वा नहीं है जो इधर-उधर डोले। अद्धा दीवार की तरह है जो या तो गिरी है या खड़ी है। या तो है या नहीं है। अपना दिल टटोल कर हम देखें कि हम कहाँ हैं, वह अद्धा हम में कितनी है, है भी कि नहीं ?

जहाँ हमारे अन्दर वह अद्धा आई, जमीन की मालकियत मिटाने की आवश्यकता और अनिवार्यता पर यकीन आया कि देखते देखते यह मालकियत टूट कर चकनाचूर हो जायेगी। जिस तरह सदियों का अंधेरा एक छोट-सा चिराग़ क्षण भर में क़त्तम कर देता है, उसी तरह सदियों की जमीन का व्यक्तिगत स्वामित्व एक दिन में, निश्चित घड़ी पर ख़त्म हो सकता है। फिर यह तीसरी चीज़ नहीं जो अनहोनी हो। संताने कहा है "सबै भूमि गोपाल की"। पिछले दो-ढाई सौ साल में हम इस पाठ का भूल से गये थे। इसे फिर से याद कर उस पर अब अमल कर डालना है। देखते देखते यह मालकियत मिट जायेगी और अपने मुरबी बुजुर्गों का हम सच्ची अर्थाजलि अर्पित कर सकेंगे।

यही है सत्तावन माई की असली पूजा करने की विधि। सत्तावन के छः महीने पूरे हो रहे हैं, छः ही बचे हैं। 'बीती आदि बिखार दे, आगे की सुधिले'—अभी कुछ नहीं बिगड़ा है, अब भी सब चीज़ संभल सकती है। हम अब चेत जायें और सब थिलकर—अपने आदि-मेद, माया-मेद, पक्ष-मेद

जैसे बच्चों के काम कर के अर्थाजलि दे सकेंगे ? वह तो अपनी कायरता का, अपनी निर्बलता का, अपनी लाचारी का ही प्रतीक होगा। वीर पुरुषों की औलाद अगर हमारे जैसी डरपोक व कायर निकली तो फिर औलाद कहलाने के अपने दावे को ही खो बैठेगी।

लेकिन नहीं, हमें हिम्मत नहीं हारनी है। जमीन की मालकियत मिटाने का काम उतना मुश्किल नहीं है जितना कि भास होता है। जमीन की मालकियत की दीवारें ढह रही हैं, जो बाक़ी हैं वे भी हिल रही हैं। एक-दो नहीं, दस-बीस नहीं, सौ-सवासी नहीं—ढाई हज़ार गाँव में जमीन की मालकियत मिट चुकी है ! मिट चुकी है !! मिट चुकी है !!! हमेशा के लिये ख़त्म। पुराने ज़माने की एक सत्यता रह गई है। उन गाँवों में उसका कोई आस्तित्व नहीं बचा। तो जो बात ढाई हज़ार गाँवों में हो सकती है, वह देश के कुल के कुल साढ़े पाँच लाख गाँवों में क्यों नहीं हो सकती ? क्या उन ढाई हज़ार गाँवों के लोग देवता या फ़रिश्ते हैं और बाक़ी के उनसे गये बीते हैं ?

नहीं, नहीं, कमी केवल अपने पुरुषार्थ की है, बल्कि हम कहेंगे कि कमी अपनी अद्धा की है। जो अद्धा हमारे पूर्वजों को अग्नेयों की हुकूमत मिटाने में थी, वह हमको जमीन की मालकियत मिटाने में अभी तक नहीं आई है। अद्धा कोई पर्वा नहीं है जो इधर-उधर डोले। अद्धा दीवार की तरह है जो या तो गिरी है या खड़ी है। या तो है या नहीं है। अपना दिल टटोल कर हम देखें कि हम कहाँ हैं, वह अद्धा हम में कितनी है, है भी कि नहीं ?

जहाँ हमारे अन्दर वह अद्धा आई, जमीन की मालकियत मिटाने की आवश्यकता और अनिवार्यता पर यकीन आया कि देखते देखते यह मालकियत टूट कर चकनाचूर हो जायेगी। जिस तरह सदियों का अंधेरा एक छोट-सा चिराग़ क्षण भर में क़त्तम कर देता है, उसी तरह सदियों की जमीन का व्यक्तिगत स्वामित्व एक दिन में, निश्चित घड़ी पर ख़त्म हो सकता है। फिर यह तीसरी चीज़ नहीं जो अनहोनी हो। संताने कहा है "सबै भूमि गोपाल की"। पिछले दो-ढाई सौ साल में हम इस पाठ का भूल से गये थे। इसे फिर से याद कर उस पर अब अमल कर डालना है। देखते देखते यह मालकियत मिट जायेगी और अपने मुरबी बुजुर्गों का हम सच्ची अर्थाजलि अर्पित कर सकेंगे।

यही है सत्तावन माई की असली पूजा करने की विधि। सत्तावन के छः महीने पूरे हो रहे हैं, छः ही बचे हैं। 'बीती आदि बिखार दे, आगे की सुधिले'—अभी कुछ नहीं बिगड़ा है, अब भी सब चीज़ संभल सकती है। हम अब चेत जायें और सब थिलकर—अपने आदि-मेद, माया-मेद, पक्ष-मेद

हुआकर गाँव गाँव में पहुँचा दे. सभी समाज बलवान होगा और हर इन्सान में भी आत्म-शक्ति निखर उठेगी. क्या व्यक्ति, क्या समाज, दोनों गुणवान बनेंगे.

सवाल है कि यह हो कैसे ? बहुत ही कठिन सवाल है कि गाँव गाँव किस तरह बलवान और खुद मुख्तयार बने. बरा ध्यानपूर्वक विचार करेंगे तो सहज पता चलेगा कि देश भर में, गाँव गाँव के अन्दर जिस चीज ने हमको निस्तेज और निर्बल बना दिया है, जिसके कारण हममें न आत्म-सम्मान बचा है न सहृदयता, जिसकी वजह से हमने आत्म-विश्वास और मानवता को उठा कर मानो ताक़ पर रख दिया है, वह है धरती को व्यक्तिगत स्वामित्व या निजी मालिकियत. व्यक्तिगत स्वामित्व के अहंकार से भू-स्वामी भू-माता की अपने हाथ से सेवा करना अनादर ही नहीं, अधर्म समझता है. दूसरी तरफ व्यक्तिगत स्वामित्व के पूर्ण अभाव में, भूमिहीन मजदूरों की भू-सेवा निष्प्राण और जड़ बन गई है, और जब तक ज़मीन को यह निजी मालिकियत कायम रहती है, जब तक ज़मीन की खरीद बिक्री चलती है. जब तक धरती माता की पुत्रवत् उपासना कुल औलाद नहीं करती, तब तक कैसा स्वराज्य, कैसी स्वाधीनता और कैसी अज्ञांजलि !!!

इस वास्ते सत्तावन माई की पूजा के लिये सबसे पहली जरूरत इस बात की है कि धरती माता व्यक्तिगत स्वामित्व के बन्धनों से मुक्त होनी चाहिये. उसकी खरीद-बिक्री सदा-सर्वदा के लिये बन्द होनी चाहिये. उसका इन्साफ से और एक राय से गाँव गाँव में फिर से बंटवारा होना चाहिये. देश में न कोई भूमिहीन रहे न भूमि-स्वामी. सब भूमि-पुत्र बनें. पुत्र बनकर माता की यथा शक्ति सेवा करें और प्रेम से एक दूसरे का सहयोग लें. अगर हम ऐसा न करके, इधर-उधर की बीसियों बातें करें, सैकड़ों कार्य-क्रम रचें, व्याख्यान आदि, फूल मालायें स्मारकों को पहनायें तो उसका कोई असर न हमारे जीवन पर पड़ेगा, न समाज पर पड़ेगा और न उन पाँच आत्माओं को संतोष ही होगा. इन छुट-पुट कामों में अपनी ताक़त न खर्च कर हमको अपनी पूरी ताक़त बुनियादी और पहला काम करने में लगानी चाहिये.

आहिर बात है कि काम मुश्किल है. दूर दूर से देखने में नामुमकिन भी लगता है. लेकिन क्या अंग्रेज़ी राज को निकाल बाहर कर देना भी कोई आसान काम था ? जिस अंग्रेज़ की परछाई देखकर ही हम भाग खड़े होते थे, उसका शासन उखाड़ फेंकना कोई हँसी-खेल था ? वीर आसान काम के लिये नहीं, मुश्किल काम करने के लिये पैदा होते हैं. जो जिन वीरों ने अंग्रेज़ी राज्य से मुक्ति के जैसा मुश्किल काम उठाया, क्या हम केवल फूल-माला या व्याख्यान देना

चुनकर कर लेंगे ? नहीं. हमें सचाज बलवान होना होगा और हर आदमी में भी आत्म-शक्ति निखर आने लगेगी. क्या व्यक्ति, क्या समाज, दोनों गुणवान बनेंगे.

सवाल है कि यह हो कैसे ? बहुत ही कठिन सवाल है कि गाँव गाँव किस तरह बलवान और खुद मुख्तयार बने. बरा ध्यानपूर्वक विचार करेंगे तो सहज पता चलेगा कि देश भर में, गाँव गाँव के अन्दर जिस चीज ने हमको निस्तेज और निर्बल बना दिया है, जिसके कारण हममें न आत्म-सम्मान बचा है न सहृदयता, जिसकी वजह से हमने आत्म-विश्वास और मानवता को उठा कर मानो ताक़ पर रख दिया है, वह है धरती को व्यक्तिगत स्वामित्व या निजी मालिकियत. व्यक्तिगत स्वामित्व के अहंकार से भू-स्वामी भू-माता की अपने हाथ से सेवा करना अनादर ही नहीं, अधर्म समझता है. दूसरी तरफ व्यक्तिगत स्वामित्व के पूर्ण अभाव में, भूमिहीन मजदूरों की भू-सेवा निष्प्राण और जड़ बन गई है, और जब तक ज़मीन को यह निजी मालिकियत कायम रहती है, जब तक ज़मीन की खरीद बिक्री चलती है. जब तक धरती माता की पुत्रवत् उपासना कुल औलाद नहीं करती, तब तक कैसा स्वराज्य, कैसी स्वाधीनता और कैसी अज्ञांजलि !!!

इस वास्ते सत्तावन माई की पूजा के लिये सबसे पहली जरूरत इस बात की है कि धरती माता व्यक्तिगत स्वामित्व के बन्धनों से मुक्त होनी चाहिये. उसकी खरीद-बिक्री सदा-सर्वदा के लिये बन्द होनी चाहिये. उसका इन्साफ से और एक राय से गाँव गाँव में फिर से बंटवारा होना चाहिये. देश में न कोई भूमिहीन रहे न भूमि-स्वामी. सब भूमि-पुत्र बनें. पुत्र बनकर माता की यथा शक्ति सेवा करें और प्रेम से एक दूसरे का सहयोग लें. अगर हम ऐसा न करके, इधर-उधर की बीसियों बातें करें, सैकड़ों कार्य-क्रम रचें, व्याख्यान आदि, फूल मालायें स्मारकों को पहनायें तो उसका कोई असर न हमारे जीवन पर पड़ेगा, न समाज पर पड़ेगा और न उन पाँच आत्माओं को संतोष ही होगा. इन छुट-पुट कामों में अपनी ताक़त न खर्च कर हमको अपनी पूरी ताक़त बुनियादी और पहला काम करने में लगानी चाहिये.

आहिर बात है कि काम मुश्किल है. दूर दूर से देखने में नामुमकिन भी लगता है. लेकिन क्या अंग्रेज़ी राज को निकाल बाहर कर देना भी कोई आसान काम था ? जिस अंग्रेज़ की परछाई देखकर ही हम भाग खड़े होते थे, उसका शासन उखाड़ फेंकना कोई हँसी-खेल था ? वीर आसान काम के लिये नहीं, मुश्किल काम करने के लिये पैदा होते हैं. जो जिन वीरों ने अंग्रेज़ी राज्य से मुक्ति के जैसा मुश्किल काम उठाया, क्या हम केवल फूल-माला या व्याख्यान देना

سत्تاवन مائی کی پوجا کیسے ہو؟

پیدہلی دس مئی سے دہرا ہر مے، خاصکر ہندی भाषा-भाषी इलाकے में, सन् 1857 के अपने प्रांत: स्मरणीय शहीदों, वीरों और योद्धाओं के प्रति अष्टांजलि की धूम मची है. शहरों में तो इस कार्यक्रम को मनाने के लिये सभायें होती हैं, जुलूस निकलते हैं, स्मारकों पर फूल-मालायें चढ़ायी जाती हैं. लेकिन दूर देहात में इस अष्टांजलि ने सत्तावन माई की पूजा का नाम लिया है. आजकल देहातों में बेचक की यानी देवी माई का खोर बैसे ही है, माई की पूजा होती है. इसी तरह दशहरे पर काली माई की और दूसरे मौकों पर दूसरी माईयों की पूजा होती है. तो सत्तावन शताब्दि समारोह भी माई बनकर सामने आ रहा है. मगर इस पूजा का अभी कोई ठोस शकल नहीं निकल पाई है. पर धीरे-धीरे वह शकल निकल भी आयेगी. क्या शकल निकलेगी, कोई नहीं कह सकता—पर उसकी दिशा क्या हो, इस सम्बन्ध में कुछ सुझाव यहाँ पर नम्रतापूर्वक पेश किये जा रहे हैं.

अपने बुजुर्गों को अष्टांजलि अर्पित करना हर किसी का धर्म है. वह पूजा सचमुच अपने समाधान और सन्तोष के लिये होती है. फिर, जब हमारे जैसे देश में, जो आत्मा को शरीर, मन और बुद्धि से अलग मानता हो, इस पूजा का प्रयोजन अपने हित के लिये ही है, न कि दिवंगत पूज्य आत्माओं के लिये. और कौन नहीं जानता कि आत्मा की शान्ति सदगुण के विकास में, सदभावना के निर्माण में है. इसलिये सच्ची अष्टांजलि वही है जिससे पूजा करने वाले आवामी या समाज के अन्दर सदगुण या सदभावना जाग जावे. अगर ऐसा नहीं होता तो सारी पूजा बाहरी आडम्बर बन जायेगी और ढकोसला साबित होगी. सत्तावन माई की पूजा इस दृष्टि को ध्यान में रखकर ही होनी चाहिये.

जाहिर है कि सन सत्तावन में जो बीड़ा उठाया गया वह था स्वाधीनता के लिये. किस की स्वाधीनता? देश भर की—देश भर के गांव गांव में रहने वाले हर बच्चे की. अंग्रेजी सरकार उसमें सबसे बड़ी बाधा थी, इसलिये उसको हटाना पहला जरूरी काम समझा गया. इसी कामना ने स्वराज्य का नाम लिया. 1857 में हमारी वीर आत्माओं ने जो बीज बोया, 1947 में उसमें फल आया और देश को स्वराज्य मिला. देश स्वाधीन हुआ. लेकिन कहने की जरूरत नहीं कि इस स्वाधीनता का अर्थ केवल यही है कि शक्ति व शासन का पारसल लंदन से छुड़ाकर दिल्ली ले आया गया. देश का नियंत्रण, संचालन, संयोजन आदि सब कुछ दिल्ली से होता है. गांव वहीं के वहीं हैं. इस तरह देश जरूर स्वाधीन है, पर गांव पराधीन है. सत्तावन माई की वही पूजा, मार्गक कही जायेगी जो इस पराधीनता को दूर करे—यानी शक्ति व शासन के पारसल को दिल्ली से

स्ताون माँی کی پوجا کیسے ہو؟

پیدہلی دس مئی سے دہرا ہر مے، خاص کر ہندی भाषा-भाषी इलाकے में, सन् 1857 के अपने प्रांत: स्मरणीय शहीदों, वीरों और योद्धाओं के प्रति अष्टांजलि की धूम मची है. शहरों में तो इस कार्यक्रम को मनाने के लिये सभायें होती हैं, जुलूस निकलते हैं, स्मारकों पर फूल-मालायें चढ़ायी जाती हैं. लेकिन दूर देहात में इस अष्टांजलि ने सत्तावन माई की पूजा का नाम लिया है. आजकल देहातों में बेचक की यानी देवी माई का खोर बैसे ही है, माई की पूजा होती है. इसी तरह दशहरे पर काली माई की और दूसरे मौकों पर दूसरी माईयों की पूजा होती है. तो सत्तावन शताब्दि समारोह भी माई बनकर सामने आ रहा है. मगर इस पूजा का अभी कोई ठोस शकल नहीं निकल पाई है. पर धीरे-धीरे वह शकल निकल भी आयेगी. क्या शकल निकलेगी, कोई नहीं कह सकता—पर उसकी दिशा क्या हो, इस सम्बन्ध में कुछ सुझाव यहाँ पर नम्रतापूर्वक पेश किये जा रहे हैं.

अपने बुजुर्गों को अष्टांजलि अर्पित करना हर किसी का धर्म है. वह पूजा सचमुच अपने समाधान और सन्तोष के लिये होती है. फिर, जब हमारे जैसे देश में, जो आत्मा को शरीर, मन और बुद्धि से अलग मानता हो, इस पूजा का प्रयोजन अपने हित के लिये ही है, न कि दिवंगत पूज्य आत्माओं के लिये. और कौन नहीं जानता कि आत्मा की शान्ति सदगुण के विकास में, सदभावना के निर्माण में है. इसलिये सच्ची अष्टांजलि वही है जिससे पूजा करने वाले आवामी या समाज के अन्दर सदगुण या सदभावना जाग जावे. अगर ऐसा नहीं होता तो सारी पूजा बाहरी आडम्बर बन जायेगी और ढकोसला साबित होगी. सत्तावन माई की पूजा इस दृष्टि को ध्यान में रखकर ही होनी चाहिये.

जाहिर है कि सन सत्तावन में जो बीड़ा उठाया गया वह था स्वाधीनता के लिये. किस की स्वाधीनता? देश भर की—देश भर के गांव गांव में रहने वाले हर बच्चे की. अंग्रेजी सरकार उसमें सबसे बड़ी बाधा थी, इसलिये उसको हटाना पहला जरूरी काम समझा गया. इसी कामना ने स्वराज्य का नाम लिया. 1857 में हमारी वीर आत्माओं ने जो बीज बोया, 1947 में उसमें फल आया और देश को स्वराज्य मिला. देश स्वाधीन हुआ. लेकिन कहने की जरूरत नहीं कि इस स्वाधीनता का अर्थ केवल यही है कि शक्ति व शासन का पारसल लंदन से छुड़ाकर दिल्ली ले आया गया. देश का नियंत्रण, संचालन, संयोजन आदि सब कुछ दिल्ली से होता है. गांव वहीं के वहीं हैं. इस तरह देश जरूर स्वाधीन है, पर गांव पराधीन है. सत्तावन माई की वही पूजा, मार्गक कही जायेगी जो इस पराधीनता को दूर करे—यानी शक्ति व शासन के पारसल को दिल्ली से

ہمارا ہمسایہ

ہندوستان کی دولت بڑی ہے !

پچھلے پانچ برسوں میں پہلی پانچ سالہ یोजना کے چرچے ہندوستان کی آسامیوں میں کچھ نہ کچھ بڑھ چکا ہے۔ ماہروں کا خیال ہے کہ ہر فرد پچھلے پانچ سالہ ملک کی مالی ترقی کو ظاہر کرتا ہے۔ ماہر ظاہر جب کوئی بات کرتا ہے تو ملک کیسے اس کی سچائی سے انکار کر سکتا ہے ؟ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکریٹری آچاریہ اکروال بھی اس سچائی سے انکار نہیں کرتے لیکن وہ کہتے ہیں کہ دولت کے اس اضافے سے ملک کے امیروں کی تجزیات اور زیادہ بڑی ہیں۔ وہ بڑے درد کے ساتھ کہتے ہیں کہ ”امیر زیادہ امیر ہوتے جا رہے ہیں اور غریب دنوں دن زیادہ غریب ہوتے جا رہے ہیں۔ امیروں اور غریبوں کا یہ فرق دنوں دن بڑھتا جا رہا ہے۔“ اگر اسی رفتار سے یہ فرق بڑھتا گیا تو ملک میں سماج وادی سماج کیسے قائم ہوگا ؟ ایک اور جب کہ اُنہیں بڑھا ہے دوسری اور لوگوں کی خریداری کی طاقت دنوں دن گھٹتی جا رہی ہے۔ دوسری پانچ سالہ یोजना کو پورا کرنے کے لئے اور زیادہ دھن کی ضرورت ہے۔ اس دھن کا ایک بڑا حصہ ٹیکسوں سے ہی اٹھا کرنا پڑے گا۔ ماہر کہتے ہیں کہ چلتا تو خوشحال بنانے کے لئے یہ ٹیکس ضروری ہیں۔ اور چلتا ان ٹیکسوں کے بوجھ سے دن بدن زندگی کے بنیادی اسباب سے بھی محروم ہوتی جا رہی ہے۔

ہندستان کی دولت بڑی ہے !

ہندستان کی آمدنی میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوا ہے۔ ماہروں کا خیال ہے کہ ہر فرد پچھلے پانچ سالہ ملک کی مالی ترقی کو ظاہر کرتا ہے۔ ماہر ظاہر جب کوئی بات کرتا ہے تو ملک کیسے اس کی سچائی سے انکار کر سکتا ہے ؟ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکریٹری آچاریہ اکروال بھی اس سچائی سے انکار نہیں کرتے لیکن وہ کہتے ہیں کہ دولت کے اس اضافے سے ملک کے امیروں کی تجزیات اور زیادہ بڑی ہیں۔ وہ بڑے درد کے ساتھ کہتے ہیں کہ ”امیر زیادہ امیر ہوتے جا رہے ہیں اور غریب دنوں دن زیادہ غریب ہوتے جا رہے ہیں۔ امیروں اور غریبوں کا یہ فرق دنوں دن بڑھتا جا رہا ہے۔“ اگر اسی رفتار سے یہ فرق بڑھتا گیا تو ملک میں سماج وادی سماج کیسے قائم ہوگا ؟ ایک اور جب کہ اُنہیں بڑھا ہے دوسری اور لوگوں کی خریداری کی طاقت دنوں دن گھٹتی جا رہی ہے۔ دوسری پانچ سالہ یोजना کو پورا کرنے کے لئے اور زیادہ دھن کی ضرورت ہے۔ اس دھن کا ایک بڑا حصہ ٹیکسوں سے ہی اٹھا کرنا پڑے گا۔ ماہر کہتے ہیں کہ چلتا تو خوشحال بنانے کے لئے یہ ٹیکس ضروری ہیں۔ اور چلتا ان ٹیکسوں کے بوجھ سے دن بدن زندگی کے بنیادی اسباب سے بھی محروم ہوتی جا رہی ہے۔

ہمیں تسلی ہے کہ اس مسئلے پر وہ لوگ بھی اب سلجھتے ہوئے ہیں جو اس دردناک کیفیت کے لئے سنبھل رہے ہیں۔

ہمیں تسلی ہے کہ اس مسئلے پر وہ لوگ بھی اب سنبھلتے ہوئے ہیں جو اس دردناک کیفیت کے لئے سنبھل رہے ہیں۔

—بی. نا. پانڈے

—بی. نا. پانڈے

एक दोही होगी, तुम्हें उनका स्याल होगा ! तुम्हें बंगलों और ओहोंसे प्यार होगा ! बरा सोचो तो सही, समाज के बेधुमार जीव जिनकी माएँ बहिनें तब-तब कर प्राण दे रही हैं, जिनके बच्चे रोटी के टुकड़ों के न मिलने पर सीधे स्वर्ग चले जाते हैं, तो सोचो ! अगर समाज को उठाने के काम में, उसे चेतनमय कर डालने में अगर कष्ट आ पड़े, जेलों की हवा खानी पड़े, अगर तुम्हें फाँसी का डर भी दिखाया जावे तो इतना याद रखो, हमारे समाज के हजारों लाखों को इस नरक से बचाने के काम में अगर तुम सहायक हो सको तो तुम चेतनामय हो, उठ चुके हो।

ऐसी कठिनाई में याद करो राष्ट्रपिता महात्मा गान्धी को, दरिद्र नारायण के उस सच्चे पुजारी को, गरीब हिन्दुस्तानियों के उस सच्चे वकील को, अपने आत्म बल से लोगों का मुकाबला करने वाले उस फकीर को। उनका रास्ता तुम्हारा रास्ता रहे, उनका प्रेम भरा दिल तुम्हारा दिल हो तो तुम अजय हो।

आज का समाज जिसमें अभी, शोषण है, दोहन है, गरीबी है, उसमें पिसने वाले, उसको भुगतने वाले बेधुमार साथियो उठो ! इसलिये कि तुम्हारा काम आज उठना है, तुम्हारा काम आज इन्सानियत की स्थापना करना है, पर उसका रास्ता क्या हो ? उसका रास्ता यही है कि समाज को उठने दो। ठेकेदारों को इजारेदारों को, समाजकी इजारेदारी से अलग करो, अपने प्रेम और बलिदान के सहारे अलग करो ! क्यों ? इसलिये कि अब तुम भी सोच सकने का माहा रखते हो, और पहले भी तुम में माहा था, पर उस समय उसपर परदा था ! पढ़ें हटा दो, लम्बी नींद से जाग उठो, और उठकर एक काम करो ! वैसे कि गुलामी और छीना भपटी से इन्सान को मुक्त करो ! शोषण का—मेहनत के शोषण का—रास्ता बन्द करो, विचारकी आजादी दो ! यही पुन्य काम है ! समाज की कुरूपता को भिटा दो !

उठो, मेहनत का लाभ उसे उठाने दो जिसकी मेहनत है, जिसका जिस्म है, जिसकी मशकत है !

एक ठोली होगी, तुम्हें उनका स्याल होगा ! तुम्हें बंगलों और ओहोंसे प्यार होगा ! बरा सोचो तो सही, समाज के बेधुमार जीव जिनकी माएँ बहिनें तब-तब कर प्राण दे रही हैं, जिनके बच्चे रोटी के टुकड़ों के न मिलने पर सीधे स्वर्ग चले जाते हैं, तो सोचो ! अगर समाज को उठाने के काम में, उसे चेतनमय कर डालने में अगर कष्ट आ पड़े, जेलों की हवा खानी पड़े, अगर तुम्हें फाँसी का डर भी दिखाया जावे तो इतना याद रखो, हमारे समाज के हजारों लाखों को इस नरक से बचाने के काम में अगर तुम सहायक हो सको तो तुम चेतनामय हो, उठ चुके हो।

ऐसी कठिनाई में याद करो राष्ट्रपिता महात्मा गान्धी को, दरिद्र नारायण के उस सच्चे पुजारी को, गरीब हिन्दुस्तानियों के उस सच्चे वकील को, अपने आत्म बल से लोगों का मुकाबला करने वाले उस फकीर को। उनका रास्ता तुम्हारा रास्ता रहे, उनका प्रेम भरा दिल तुम्हारा दिल हो तो तुम अजय हो।

आज का समाज जिसमें अभी, शोषण है, दोहन है, गरीबी है, उसमें पिसने वाले, उसको भुगतने वाले बेधुमार साथियो उठो ! इसलिये कि तुम्हारा काम आज उठना है, तुम्हारा काम आज इन्सानियत की स्थापना करना है, पर उसका रास्ता क्या हो ? उसका रास्ता यही है कि समाज को उठने दो। ठेकेदारों को इजारेदारों को, समाजकी इजारेदारी से अलग करो, अपने प्रेम और बलिदान के सहारे अलग करो ! क्यों ? इसलिये कि अब तुम भी सोच सकने का माहा रखते हो, और पहले भी तुम में माहा था, पर उस समय उसपर परदा था ! पढ़ें हटा दो, लम्बी नींद से जाग उठो, और उठकर एक काम करो ! वैसे कि गुलामी और छीना भपटी से इन्सान को मुक्त करो ! शोषण का—मेहनत के शोषण का—रास्ता बन्द करो, विचारकी आजादी दो ! यही पुन्य काम है ! समाज की कुरूपता को भिटा दो !

اٹو ! موٹے موٹے گدوں پر، بڑے کے بیلوں پر، پلوں کی
 ڈبلی ہوا کے نیچے، سڑکیوں کی دھکڑی ہوا کے نیچے،
 کورسی توڑ پھوڑ پر ! بیلوں کے مالک ! بک کے رکھک،
 اٹو ! اجناج کا भाव مہنگا کرنے کے لیے نہیں ! اس لیے
 میں نہیں کہ سب سے اور پھانک میں غریبوں کی نقدی کے ساتھ
 کھوار کرو ! اس لیے میں نہیں کہ چور بازاری اور روپیوں کا
 قہر جمع کرو ! پر اس لیے اٹو کہ تمہیں سماج کی اگر کوئی کوئی
 ہے 'شوشن کی' خون چوسنے کی کڑ سے آزاد ہونا ہے اور سب
 کو آزاد کرنا ہے ! انسان اور سماج ایک دوسرے پر مرکب
 ہیں ۔ انسان کو آزادی دو ! انسان کو روٹی ملے دو ! اسے روٹی
 بالکل مت ! وہ تو خود روٹی پیدا کرتا ہے ۔ پھر اسے تم کیا
 روٹی بانٹو گے ؟ اسے مکان دو ! کیونکہ وہ خود مکان بناتا ہے ۔
 یہ سب ہونے دو ! سماج اپنے آپ بڑے گا ۔ اٹو ! انسان کی آزادی
 کے نام پر سماج میں پہلی ہوئی ان خندوں اور کھانوں کو
 پامال دو ! شوشن کے شوشن ناگو ! آج پھیلنا بند کرو ! کمزوروں
 کو کٹا رک دو ! اٹو ! تمہارا سماج بدل رہا ہے ! انسان اور آج
 کا دھرم 'مذہب' و شواس بدل رہا ہے ! اس بدلتے ہوئے انسان
 و شواس اور سماج سب کا ساتھ دو ! اپنی مانسک نظم کے
 مطالعے کے لئے دماغ کے روشندان کھول دو ! ہر تم محسوس
 کرو کہ سڑک پر بڑے بڑے گاڑیوں کی کراہٹ 'ہیت' میں ہلکتا
 ہیت کی روٹی کی متنگ ! پر ایک کو اٹھا کر دوسرے کو نہ
 گراؤ۔ سب کا دھرم ہے اٹھا ! اٹھا ! اس و شواس کے ساتھ
 اٹو کہ انسان کو اٹھا ہے ! اس لیے اٹھا ہے کہ وہ بن کی
 سہا لگ چکا ہے ! وہ آتم ہٹا کر لے پر اٹارو ہے ! آج ! پر کھاتم
 چلتے ہو کہ بھڑوں کو ابدی دھم سے خون کی تریبی
 نہیں ہوتی ! انہیں خون کی ہی چاہ ہوتی ہے ! تو شوشن 'کرو'
 تم انسان ہو ! بڑے بڑے نہیں ! اپنی سبھنا اور سنسکرتی پر آج
 ہمت کرو کرتے ہو ! تم جیو دہ دھرم کے پرچارک ہو ! اس بھڑوں
 میں سے آزاد ہو ! شوشن کا جامہ اُتار پھینکو ! اٹو ! سب کو
 اٹھا دو ! اٹھا سب کا ادھیکار ہے ۔

جوانو اٹو ! تمہارا یہ سب سے بڑا کام ہے ! تم تو مرثلی
 کے کھمبے ہو ! اٹو ! ہر دھم کی لہجہ ہے تم پر ! دھمروں
 کی آموں کو سن کر اٹو ! یہی کی ماری میں کی چبھ کر
 سن کر اٹو ! اٹو ! انسانیت کو یہی شرمناک والی دھم دینا ہے
 چالے والی میں بہانوں کی لہجہ کی خاطر اٹو ! اٹو ! شوشن
 کی چکی کے پائوں سے پس رہے سماج کو آگے بڑھا کر شوشن
 ہمت کر دینے کا کام تم پر ہے ! اُٹو ! کھلم مت لہو ! اہل
 مت پہنچو ! اُٹو ! غمی کو سونہکار مت کرو !

جانو اٹو ! تمہارا یہ سب سے بڑا کام ہے ! تم تو
 سڑی کے سب سے ہو ! اٹو ! ہر دھم کی لہجہ ہے تم پر !
 دھمروں کی آموں کو سن کر اٹو ! یہی کی ماری میں کی چبھ کر
 سن کر اٹو ! اٹو ! انسانیت کو یہی شرمناک والی دھم دینا ہے
 چالے والی میں بہانوں کی لہجہ کی خاطر اٹو ! اٹو ! شوشن
 کی چکی کے پائوں سے پس رہے سماج کو آگے بڑھا کر شوشن
 ہمت کر دینے کا کام تم پر ہے ! اُٹو ! کھلم مت لہو ! اہل
 مت پہنچو ! اُٹو ! غمی کو سونہکار مت کرو !

اب پٹان نے اسے بتایا کہ "میری گردن پر تلوار کا ایک
اتم مارو، پھر تم کہو "اچھا" اور تلوار چھو کر کے کسی
لوہن پر دھرتے ہو۔ اس پر پتھر کو پٹان نے کہا "بھئی"
تم تو بالکل انسانی معلوم ہوتے ہو۔ قتل کرنا ایک ذرا سی بات
ہے، وہ بھی تم نہیں جانتے!"
پٹان نے تلوار پھینک دی اور کہا "بھئی" یہاں پہلی
انکھوں سے خون تو بہا دیا، خون بہنے سے تیرے ہاتھ کی بات
پوری ہو گئی۔"

اب پٹان نے اسے بتایا کہ "میری گردن پر تلوار کا ایک
اتم مارو، پھر تم کہو "اچھا" اور تلوار چھو کر کے کسی
لوہن پر دھرتے ہو۔ اس پر پتھر کو پٹان نے کہا "بھئی"
تم تو بالکل انسانی معلوم ہوتے ہو۔ قتل کرنا ایک ذرا سی بات
ہے، وہ بھی تم نہیں جانتے!"
پٹان نے تلوار پھینک دی اور کہا "بھئی" یہاں پہلی
انکھوں سے خون تو بہا دیا، خون بہنے سے تیرے ہاتھ کی بات
پوری ہو گئی۔"

وٹو !

اٹھو !

ایک اہلی بھائی

ایک اہلی بھائی

وٹو ! کچھ ! اسلئے کہ بہت سو چکے ہو ! پر
سونا، اور وٹنا تو نیت کا کام ہے ! نہیں، میں تمہاری
چھتا کو جگانا چاہتا ہوں ! کچھ ! کچھ ! تم
جانتے ہوئے ہی سو رہے ہو ! یہ نیت نہیں سندرہ ہے۔ یہ جب
آدمی پر چھا جاتی ہے، تو آدمی سو جاتا ہے اور پھر سناج
بھی سو جاتا ہے۔

وٹو ! کچھ ! اسلئے کہ بہت سو چکے ہو ! پر
سونا، اور وٹنا تو نیت کا کام ہے ! نہیں، میں تمہاری
چھتا کو جگانا چاہتا ہوں ! کچھ ! کچھ ! تم
جانتے ہوئے ہی سو رہے ہو ! یہ نیت نہیں سندرہ ہے۔ یہ جب
آدمی پر چھا جاتی ہے، تو آدمی سو جاتا ہے اور پھر سناج
بھی سو جاتا ہے۔

آج اٹھنے کی بے لگ ہے، بلیدان کی کھڑی ہے، اٹھو ! پوجا کا
سامان باندھ لو ! پر سامان نہیں، باندھنا نہیں، پوجا بھی نہیں۔
یہ سب پرانا ہو چکا ! آج سامان باندھو نہیں، آسکو بکھڑ دو !
باندھنے کی بھی اڑھینا نہیں، سب کو پالے دو ! پوجا کی
تھالی کو آج مندر میں نہیں، وہاں جالے دو، جہاں بھوک کی
چھتا ہے، لچاڑگی کا ماتم ہے، موت کا تالترناچ ہے !

آج اٹھنے کی بے لگ ہے، بلیدان کی کھڑی ہے، اٹھو ! پوجا کا
سامان باندھ لو ! پر سامان نہیں، باندھنا نہیں، پوجا بھی نہیں۔
یہ سب پرانا ہو چکا ! آج سامان باندھو نہیں، آسکو بکھڑ دو !
باندھنے کی بھی اڑھینا نہیں، سب کو پالے دو ! پوجا کی
تھالی کو آج مندر میں نہیں، وہاں جالے دو، جہاں بھوک کی
چھتا ہے، لچاڑگی کا ماتم ہے، موت کا تالترناچ ہے !

وٹو ! پوجا کرو انسان کی، بھئی دےوہا ہے، نرنرائن ہے
وہی راج ہے، وہی بالے والا ہے، مزدوروں کے سلسار کا، مصلحت
کی دنیا کے لگن چمبی، مصلحتوں اور آئاریوں کا، بڑے بڑے دھن کے
بھائیوں کا !

وٹو ! پوجا کرو انسان کی، بھئی دےوہا ہے، نرنرائن ہے
وہی راج ہے، وہی بالے والا ہے، مزدوروں کے سلسار کا، مصلحت
کی دنیا کے لگن چمبی، مصلحتوں اور آئاریوں کا، بڑے بڑے دھن کے
بھائیوں کا !

وٹو ! کارخانے کی چیمنی کے دھوئے میں دم توڑ کر مر
جانے والے مزدور وٹو ! جیتنے کی دوپہری میں پسینے میں لگے
پست ہوئے کسان وٹو ! مصلحت کی چٹان سے لڑنے والے بکڑوں
کے پھلے وٹو ! آہ ! تم سوئے ہو، کب لڑو ! تم سوئے نہیں، پر یہ
بھی سے ہار کھا، تو پھر کٹے، تم روئے نہیں، چوٹوں کی مار سے
پھلے ہو کر تھکے ہو گئے !

لیئے انکے پاس پہنچا اور بولا—”لو، آگے بڑھے اس سے۔“ سٹھ جی نے ہر کے مارے دونوں ہاتھوں سے آگے مڑے لی اور دھڑائی دینے لگے۔

پٹان کے سامنے بڑھانے پر جب سٹھ جی کے ہوش جڑا ٹکانے آئے، تو پٹان نے ان سے مافی مائی اور کہا—”ماہی، تُو تو میری جان کا مالک ہے۔ تُو ابھی میری گردن کاٹ لے۔ اتنی دُور سے چل کر جس کام کے لیے تُو آیا ہے، وہ تُو پورا کر۔“

اب سٹھ جی کی سامنے آیا کہ دراصل معاملہ اتنا ہے۔ سٹھ جی سوچ میں پڑ گئے کہ کیا جواب دیں؟ اگر انکار کرتے ہیں تو خیر نہیں اور منظور کرتے ہیں تو قتل کا گناہ ہوتا ہے۔ کہنے لگے—”اچھا بھائی، کچھ ٹھہر کر تمہیں مارونگا، کیونکہ میں نہیں جانتا، تم ہو کون؟ تمہارے گھر پر چل کر پہلے تمہارے بھائی سے پوچھ لوں، پھر مارونگا۔“

بھائی کا نام سن کر ہی پٹان نے کہا—”اُس دشمن کا میرے سامنے نام نہ لو۔ ہاں، اگر گھر پر چل کر مارنا چاہتے ہو، تو چلو، وہیں سہی۔“

دونوں گھر آئے۔ سٹھ جی نے کہا—”بھائی، میں تجھے تب مارونگا جب کہ تو اپنے بھائی سے میل کر لے، ورنہ سب یہی کہیں گے کہ سٹھ جی نے تجھے تیرے بھائی کے جھگڑے کے سبب مار ڈالا۔ تیرے بھائی سے بھی لوگ یہی کہیں گے کہ آپسی جھگڑے کے سبب اپنے منہ بولے دھرم بھائی کو ہلا کر اُس سے ملے بھائی کو مروا ڈالا۔ جو تو میری بات نہیں مانتے تو پھر تو ہی مجھے مار ڈال۔“

ہار کر پٹان اپنے بھائی سے جا کر ملا۔ دونوں میں صلح ہو گئی۔ آخر میں چھوٹے بھائی نے سٹھ جی سے کہا کہ اب تو مجھے مار ڈال، ناکہ میرے باپ کی بات یہی پوری ہو جائے۔“ پٹھ جی نے پہلے دن تو یہ بہانہ بتایا کہ آج صبح کا دن ہے، اُس لئے مولنا مارنا ٹھیک نہیں۔ دوسرے دن سٹھ جی نے کہا—”بھائی، میرے تجھے معاف کیا۔ اب تو ہی میری جان بخش۔“

چھوٹے بھائی نے کہا—”یہ نہیں ہو سکتا۔ تم میری جان بخش کر مجھے نالائق بنانا چاہتے ہو؟ یہ کسے نہیں معلوم کہ تمہارے آئے ہی میں نہیں مارے تو دوڑا تھا؟ یہ ہو نہیں سکتا کہ تم میرا خون نہ کرو۔ میں اپنے باپ کی بات کو کسی طرح لالہ نہ دوں گا۔“

وہ کسی طرح بھی نہیں مانا اور خلیج بڑے کے ہاتھ میں سے کر، گردن جھکا کر آگے بڑھا۔ بڑے نے اُس کی انگلی میں خلیج کی نوک لٹائی۔ وہ بکر کر بولا—”یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ بڑے نے ہنس کر کہا—”تمہیں قتل کرنا ہوں۔“ اُس نے کہا—”تم بھی بڑے عجیب آدمی ہو۔“ اُس پر ہنسا بولا—”پھر مجھے ہڈی“ میں تو یہ سب لکل پٹل کے جھگڑے جانتا نہیں۔“

پٹان کے سامنے بڑھانے پر جب سٹھ جی کے ہوش جڑا ٹکانے آئے، تو پٹان نے اُن سے مافی مائی اور کہا—

”بھائی، تُو تو میری جان کا مالک ہے۔ تُو ابھی میری گردن کاٹ لے۔ اتنی دُور سے چل کر جس کام کے لیے تُو آیا ہے، وہ تُو پورا کر۔“

اب سٹھ جی کی سامنے آیا کہ دراصل معاملہ اتنا ہے۔ سٹھ جی سوچ میں پڑ گئے کہ کیا جواب دیں؟ اگر انکار کرتے ہیں تو خیر نہیں اور منظور کرتے ہیں تو قتل کا گناہ ہوتا ہے۔ کہنے لگے—”اچھا بھائی، کچھ ٹھہر کر تمہیں مارونگا، کیونکہ میں نہیں جانتا، تم ہو کون؟ تمہارے گھر پر چل کر پہلے تمہارے بھائی سے پوچھ لوں، پھر مارونگا۔“

بھائی کا نام سن کر ہی پٹان نے کہا—”اُس دشمن کا میرے سامنے نام نہ لو۔ ہاں، اگر گھر پر چل کر مارنا چاہتے ہو، تو چلو، وہیں سہی۔“

دونوں گھر آئے۔ سٹھ جی نے کہا—”بھائی، میں تجھے تب مارونگا جب کہ تو اپنے بھائی سے میل کر لے، ورنہ سب یہی کہیں گے کہ سٹھ جی نے تجھے تیرے بھائی کے جھگڑے کے سبب مار ڈالا۔ تیرے بھائی سے بھی لوگ یہی کہیں گے کہ آپسی جھگڑے کے سبب اپنے منہ بولے دھرم بھائی کو ہلا کر اُس سے ملے بھائی کو مروا ڈالا۔ جو تو میری بات نہیں مانتے تو پھر تو ہی مجھے مار ڈال۔“

ہار کر پٹان اپنے بھائی سے جا کر ملا۔ دونوں میں صلح ہو گئی۔ آخر میں چھوٹے بھائی نے سٹھ جی سے کہا کہ اب تو مجھے مار ڈال، ناکہ میرے باپ کی بات یہی پوری ہو جائے۔“ پٹھ جی نے پہلے دن تو یہ بہانہ بتایا کہ آج صبح کا دن ہے، اُس لئے مولنا مارنا ٹھیک نہیں۔ دوسرے دن سٹھ جی نے کہا—”بھائی، میرے تجھے معاف کیا۔ اب تو ہی میری جان بخش۔“

چھوٹے بھائی نے کہا—”یہ نہیں ہو سکتا۔ تم میری جان بخش کر مجھے نالائق بنانا چاہتے ہو؟ یہ کسے نہیں معلوم کہ تمہارے آئے ہی میں نہیں مارے تو دوڑا تھا؟ یہ ہو نہیں سکتا کہ تم میرا خون نہ کرو۔ میں اپنے باپ کی بات کو کسی طرح لالہ نہ دوں گا۔“

وہ کسی طرح بھی نہیں مانا اور خلیج بڑے کے ہاتھ میں سے کر، گردن جھکا کر آگے بڑھا۔ بڑے نے اُس کی انگلی میں خلیج کی نوک لٹائی۔ وہ بکر کر بولا—”یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ بڑے نے ہنس کر کہا—”تمہیں قتل کرنا ہوں۔“ اُس نے کہا—”تم بھی بڑے عجیب آدمی ہو۔“ اُس پر ہنسا بولا—”پھر مجھے ہڈی“ میں تو یہ سب لکل پٹل کے جھگڑے جانتا نہیں۔“

پٹان بولا—“भाई, और तो कोई बात नहीं, सिवाय इसके कि तुम्हें उसके हमले का खतरा है.”

सेठ जी ने कहा—“हाँ, और कोई बात नहीं.”

पटान बोला—“फिर तुम बेधड़क मेरे साथ चलो. किसी बात की फिक्र मत करो. जरा भी न चबराओ, वह अगर मेरा एक मेहमान मार डाले तो मैं उसके दो मेहमान मार डालूँगा. तुम चलो, देखें अगर वह तुम्हारा बाल भी बीका करे.”

उसने सेठ जी को लाख समझाया कि उन्हें अपने बारे में डरने की कतई जरूरत नहीं, पर उनकी समझ में कुछ नहीं आया. पटान ने उनकी बड़ी मिन्नत. खुशामद की, मगर सब बेकार. सेठ जी वहाँ से दूर जाकर ऐसी जगह ठहरे कि उसके जालिम भाई को उसका पता न चले. लांटा, और और चादर भी गँवाई, पर जान बची लाखों पाये.

पटान के छोटे भाई ने लोटा-डोर के साथ एक चादर भी पाई, जिसमें एक गाँठ लगी थी. उसने उसे खोला, तो उसमें से उसके बाप का खत निकला, जिसमें सेठ जी को लिखा था कि आप आकर मेरे छोटे लड़के को मार अपने भाई के खून का बदला लें. था वह सपूत. खत पढ़कर बहुत सोच विचार में पड़ गया. आखिर तै किया कि वह अपने बाप की बात पूरी करके ही दम लेगा. उसने सोचा, सेठ घर असल मुझे मारे ही डालने को आया था. लेकिन वह तो मेरे बाप का बुलाया हुआ आया था और मैंने उल्टा उसे ही मार डाला होता ! बड़ा ग़बब होता. खैर, अब भी कुछ नहीं बिगड़ा है. सेठ जी को तलाश कर और उनके हाथों क़त्ल हो जाना चाहिये. वह तो बदला लेने आवे और मैं जान सुराऊँ, यह पटान के लड़के को शोभा नहीं देता.

पटान सेठ जी का पता लगाने में रात भर हैरान होता रहा. सुबह होते-होते वह ठीक जगह पर पहुँच गया. सेठ जी उस वक्त जंगल गये थे. वह भी उधर ही गया. सेठ जी उधर से झोट ही रहे थे कि सामने पटान का भाई आता हुआ दिखाई दिया. उसे देखते ही सेठ जी सरपट भागे तो वह भी उनके पीछे खजर हाथ में लिये यह कहता हुआ भागा कि “प्यारे भाई, तुम्हें क्रसम है, भाग मत, मुझे मार डाल और मेरे बाप की बात पूरी कर.” मगर जनाब, वहाँ होश किसे, कौन सुने और कौन समझे ? पटान हाथ में खजर लिये चीखता ही रहा. उसने सोचा, वे निकल न जायें, वना उसके बाप की बात अधूरी रह जायगी. वह और तेजी से उनके पीछे भागने लगा. न वह साईं देखता और न खन्दक. भागते-भागते सेठ जी के पैर थक गये थे और सौस फूल रही थी. आखिर बेचारे गिर ही तो पड़े. उनके गिरते ही पटान खजर हाथ में

पटान बोला—“بھائی، اور تو کوئی بات نہیں، سوائے اس کے کہ تمہیں اس کے حملے کا خطرہ ہے.”

سیدہ جی نے کہا—“ہاں، اور کوئی بات نہیں.”

پٹان بولا—“پھر تم پھڑک میرے ساتھ چلو. کسی بات کی فکر مت کرو. ذرا بھی نہ گھبرائو، وہ اگر میرا ایک مہمان مار ڈالے تو میں اس کے دو مہمان مار ڈالوں گا. تم چلو، دیکھیں اگر وہ تمہارا بال بھی ہٹا کرے.”

اُس نے سیدہ جی کو لایم سمجھایا کہ انہیں اپنے بارے میں ڈرنے کی قطعی ضرورت نہیں، پر ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا. پٹان نے ان کی ہنسی منت خوشامدی، مگر سب بیکار. سیدہ جی وہاں سے دور جاکر ایسی جگہ ٹھہرے کہ اُس کے ظالم بھائی کو اس کا پتہ نہ چلے. لوٹا دور اور چادر بھی گنوانی، پر جان بچتی لاہور پائے.

پٹان کے چھوٹے بھائی نے لوٹا دور کے ساتھ ایک چادر بھی پائی، جس میں ایک گانچ لگی تھی. اس نے اسے کھولا، تو اُس میں سے اُس کے باپ کا خط نکلا، جس میں سیدہ جی کو لکھا تھا کہ آپ اگر میرے چھوٹے لڑکے کو مار اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لیں. تھا وہ سپوت. خط پڑھ کر بہت سوچ وچار میں پڑ گیا. آخر طے کیا کہ وہ اپنے باپ کی بات پوری کر کے ہی دم لے گا. اس نے سوچا، سیدہ دراصل مجھے مارنے ڈالنے کو آیا تھا. لیکن وہ تو میرے باپ کا بھیا ہوا آیا تھا، اور میں نے اِنا اسے ہی مار ڈالا ہونا ! بڑا غصہ ہوتا. خیر، اب بھی کچھ نہیں بکرا ہے. سیدہ جی کو نقش کر فوراً ان کے عاتقوں قتل ہو جانا چاہئے. وہ تو بدادہ لہنے آویں اور میں جان چڑوں یہ پٹان کے لڑکے کو شویا نہیں دیتا.

پٹان سیدہ جی کا پتہ لگانے میں رات بھر حیران ہوتا رہا. صبح ہوتے ہوتے وہ ٹھیک جگہ پر پہنچ گیا. سیدہ جی اُس وقت جنگل گئے تھے. وہ بھی اُدھر ہی گیا. سیدہ جی اُدھر سے لوٹ ہی رہے تھے کہ سامنے پٹان کا بھائی آنا ہوا دکھائی دیا. اسے دیکھتے ہی سیدہ جی سرپٹ بھاگے تو وہ بھی ان کے پیچھے خلعچر ہاتھ میں لٹے یہ کہتا ہوا بھاگا کہ “بھارے بھائی، مجھے دم ہے، بیک مت، مجھے مار ڈال اور میرے باپ کی بات پوری کر.” مگر جناب، وہاں ہوش کسے، کون سمجھ کر سمجھے ؟ پٹان ہاتھ میں خلعچر لٹے چیختا ہی رہا. اُس نے سوچا، وہ نکل نہ جائیں، ورنہ اُس کے باپ کی بات ادھوری رہ جائیگی. وہ اور تیزی سے ان کے پیچھے بھاگنے لگا. نہ وہ کھٹی دیکھتا اور نہ خلعچر. بھاگتے بھاگتے سیدہ جی کے پیرو تک گئے تھے اور سانس پھل رہی تھی. آخر بھارے کوئی تو پڑے. ان کے گرتے ہی پٹان خلعچر ہاتھ میں

بظاہر بدھیمستی سے سے ٹکی پر انکے گاؤں میں آفات آئی، ہاکیجہ رستم جی کا بھائی ہاکیجہ تھا۔ رستم جی سے کسی سے نہایت خیرا ہی۔ مچال نہیں جو رستم جی پر کوئی بھی ظلم ہو۔ پر لہائی جو ہوئی تو سرکاری انیسویں نے جن جن کو روپہ والہ سیکھ سادھوکاروں کو دیا دھما کر روپہ اپنے لا شروع کیا اور انہیں اپنا پریشان کیا کہ وہ دیکھ چور چور نہ پتھانوں کی حکومت میں رہتے تھے۔ مگر پتھانوں کے پاس اب رہ رہ گیا تھا؟ سیکھ جی نے سوچا—چلو! اب اس شہر میں چل کر وہیں جہاں ہمارا دھرم بھائی پتھان رہتا ہے۔ چاند اور لوٹا تو کدھے پر رک کر سیکھ جی چل کھڑے ہوئے۔ پتھان کا نام تو معلوم تھا ہی، پتھان کے نام تھا، سو سوچا کسی سے پوچھ کر معلوم کر لیتے۔

بازار میں جا رہے تھے کہ اچانک وہ پتھان دھرم بھائی مل گیا۔ دونوں بڑے پریم سے ملے۔ پتھان بولا—”چلو ہمارے گھر چل کر تھرو۔“ انہوں نے کہا—”تم کو بیکار تکلیف ہوگی!“ پر پتھان نے مانا اور سیکھ جی کو لے جا کر اپنے گھر میں لگایا اور خود ان کے کھانے پینے کا سامان لیتے چلا گیا۔

سیکھ جی ایک تو لمحہ سفر کے مارے تھک گئے تھے اور دوسرے دوسرے تھکے ہاتھ کمزور۔ سامنے آنکھ میں کلوں جو دکھائی پڑا تو سوچا—چلو! ہاتھ منہ دھو لیں۔ پس، لوٹا تو لے کر چل پڑے ادھر ہی۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ بیچ آنکھ میں یہ دسی کھسی تھی۔ دسی ہاندہ کر دے کدھوں پر پہنچے اور لکھ پانی نکال کر ہاتھ منہ دھوئے۔

پتھان کا بھائی چیت پر بیٹھا تھا۔ اُس نے آؤ دیکھا نہ ناؤ، خلیجہ لے کر نہ چھوٹا اور سیکھ جی پر چھوٹا۔ سیکھ جی نے دیکھا کہ ایک خونری آدھی ایک خلیجہ ہاتھ میں لے کر انہیں مارنے آ رہا ہے، تو لوٹا تو وہیں چھوڑ کر پڑ کر رہ گیا۔ پتھان بھی بڑی تیزی سے دوڑا ان کے پیچھے؛ پر وہ صاف نکل گئے۔ بدحواس دے بھاگے جا رہے تھے کہ سامنے پتھان کا بڑا بھائی—اُن کا درست—آگیا مل گیا۔ وہ ان کے لئے کھانے پینے کا سامان لے کر لوٹ رہا تھا۔ سیکھ جی کو اس ہی طرح بھانکے اور پریشان دیکھا، تو بولا—”ارے بھائی کہاں بھاگے جا رہے ہو آخر؟ خیر تو ہے؟“

”خیر؟ کھسی خیر؟“ بھائی نے جان پر بن آئی ہے—”سیکھ جی، اے۔“ انہوں نے ساری کھٹا کھٹائی اور بھانکے پر اُتر آئے۔

پتھان نے کہا—”ارے، تم ادھر گئے ہی کیوں؟ تمہیں دسی نہیں لگتی چاہیے تھی۔“

سیکھ جی نے کہا—”جو کچھ ہوا، سو ہوا، مگر اب میں یہاں نہیں جاتا۔“

پتھان نے کہا—”تم ادھر گئے ہی کیوں؟ تمہیں دسی نہیں لگتی چاہیے تھی۔“

سیکھ جی نے کہا—”جو کچھ ہوا، سو ہوا، مگر اب میں یہاں نہیں جاتا۔“

پتھان نے کہا—”ارے، تم ادھر گئے ہی کیوں؟ تمہیں دسی نہیں لگتی چاہیے تھی۔“

سیکھ جی نے کہا—”جو کچھ ہوا، سو ہوا، مگر اب میں یہاں نہیں جاتا۔“

پتھان نے کہا—”ارے، تم ادھر گئے ہی کیوں؟ تمہیں دسی نہیں لگتی چاہیے تھی۔“

سیکھ جی نے کہا—”جو کچھ ہوا، سو ہوا، مگر اب میں یہاں نہیں جاتا۔“

نہیں۔“ اسی رات یہاں بے جاگر چپ چاپ بلنے کے بیٹھی ہو
 مار ڈالا۔ لوٹ کر یہاں نے سیتو جی کو یہ خوشخبری سنائی
 پھر کہا۔ ”اب اُن قرضداروں کا بھی نام بتاؤ جنہوں نے بس
 کے ورغزلے سے تمہارا رویہ مار لیا ہے۔“

”ہائے بھائی! ہائے“..... کہتے ہوئے بنایا پچھڑا کر گرا اور ٹوٹتا کر بولا کہ ”یہ تم نے کیا کیا؟ پتھان گھبرایا کہ ماجرا کیا ہے؟ اس نے کہا۔ ”بھئی، بات کیا ہے؟ میں نے اگر تمہارے بھائی کو مار کر ہرا کیا، تو تم میرے بھائی کو مار ڈالو۔ چلو“ قصہ ختم۔ اب رونے دھونے سے کیا حاصل؟“ یہ کہہ کر اس نے سیٹھ جی کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ ”چلو میرے گھر اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لیتے۔“

سیتہ جی نے سوچا، غلیمت یہی ہے کہ اُس کو رخصت کیا جائے۔ انہوں نے اُسے کچھ روپیہ نقد دے کر رخصت کیا اور سوچا کہ چلو، آفت نئی۔ بٹھان نے چلتے چلتے کہا کہ ”میں اپنے باپ اور بھائی سے ملکر بدلا لینے کے لئے تم کو خبر دوں گا۔“

پتھان کو گھر چھوڑے۔ مل بھر ہو گیا تھا۔ اِس لئے اُس کے باپ نے سمجھا کہ شاید مر کپ گیا ہوگا۔ اُسے پھر گھر لوٹا دیکھ کر بدھے کو خوشی ہوئی۔ پتھان نے بیٹے کے یہاں کا سارا قصہ اپنے باپ سے کہہ سنایا۔ اُس کے باپ نے کہا—”پتھان کی بات نہیں جانی چاہئے۔“ اور دونوں بدلہ کے لئے راضی ہو گئے۔ خود اُس کے بھائی نے کہا کہ ”مجھے خوشی سے جان دنیا منظور ہے۔ سچو جی آکر خوشی سے اپنے بھائی کے بدلہ میں مجھے مار ڈالیں۔“

پتھان کے باپ نے ایک چھٹی سوتھ جی کو آکر بدلہ لینے کے لئے لکھا۔ اس میں اپنے لڑکے کے ساتھ ٹی گٹھی اس کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ دوسرا بدلتا حاضر ہے، جب خوشی ہو، آکر اسے اپنے بھائی کے خون کے بدلہ میں مار ڈالو۔

باپ ہفتوں نے مہینوں انتظار کیا مگر نہ تو سوتہ جی آئے
 اور نہ ان کا کوئی جواب ہی آیا۔ مہینوں تک انہوں نے اپنے
 کئی کام روک رکھے اور یہ وہ لیا کہ چھوٹا بیٹا اب مرے والا ہے
 لیکن سوتہ جی کی کچھ خبر نہ آئی۔ آخر کو سب نامہد
 ہو گئے۔

تھوڑے دن میں پتھان بھائیوں کا باپ مر گیا۔ جائیداد کی بانٹ پر دونوں بھائیوں میں بڑا جھگڑا ہوا۔ گھر کا بھی بے قرار ہو گیا۔ ادھا چھوٹے بھائی کو ملے اور ادھا بڑے کو۔ بیچ آنکھ میں چربی کی اردو لیں کھول کر اس سرے سے اس سرے تک زمیں پر کھینچی کر کر باندھ دی گئی۔ یہی تے دو بھائیوں کی حد بنتی تھی 'اگر ایک دوسرے کی سرحد میں قدم رکھ دے' تو بس جنگ !

کھانا ہو جائے کہ آدھ سے ایک بلنا تک ، بلنا کچھ پر کہیں سے اناج بیج کو آرہا تھا ۔ اُس نے دور سے دیکھا اور قریب آئے ہوئے ذرا مگر آخر کار آیا ، تو گھنٹہ ذرا مٹ گئے ۔ اُس نے دیکھا کہ خاں صاحب کے پیر گھڑوں نے بیچ ڈالے ہیں ۔ خاں صاحب نے ہلکے سے کہے — ”بھائی یا تو تم مجھے مارا لو ، نہیں تو ان گھڑوں سے بچاؤ ۔“ پہلے تو وہ بہت قرا مگر پھر اُس سے نہ رہا گیا ۔ اُس نے پتھان کو اپنے گلو پر اناج کی بورہوں میں چھپا کر لے لیا ، تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے ۔ سوچا کہیں لے جا کر چھوڑ دوں گا ، مگر یہ بھی نہ تھا کہ نہیں کوئی دیکھ نہ لے ، کیونکہ نواب اور انگریزوں کے آدمی روہیلوں اور اُن کے ساتھیوں کا برابر پیچھا کر رہے تھے ۔ جنگل میں چھوڑنے سے خاں صاحب کی جان کا خطرہ تھا اور ہستی میں لے جانے میں خود اُس کو مشکل میں پھنس جانے کا خطرہ تھا ۔ آدمی وہ دم دل تھا ۔ سوچا گھر ہی لے چلو ۔ اور چھپا کر خاں صاحب کو اپنے گھر لے آیا ۔

ہلکے کی بی بی خاں صاحب کو دیکھ کر گھبرائی کہ یہ کیا نئی آفت گھر لے آئے ۔ لیکن ہلکے نے کہا کہ اِس کی سہوا کر دو اور اسے چھپا کر رکھو ۔ پتھان کو گھر کے اندر ایک کوٹھری میں چھپا کر رکھا اور چھپکے سے اُن کی مرہم پٹی اور علاج کرایا گیا ۔ مہینوں میں جا کر کہیں پتھان اچھا ہوا ۔ پتھان نے جب چلنے کی بات کہی ، تو ہلکے نے کہا ، ”ابھی تم کمزور ہو ، ذرا دودھ بھی کھا کر سوئے تازہ ہو لو ، تب جانا۔“ پتھان اسن گیا اور وہیں رہ کر خوب دودھ بھی کھاتے لگا ۔

(2)

(2)

پتھان کو اِس بات کا بڑا خیال تھا کہ ہلکے نے اُس کی جان بچائی ہے ۔ اُس نے ہلکے کو اپنا دھرم بھائی بنا لیا ۔ وہ دن رات اِسی سوچ میں رہتا کہ ہلکے کی ہولناکت کا کیا بدلہ چکاؤں ۔ اُس کے قرض سے کسے چھٹکا پاؤں ؟ پتھان اچھا ہو چکا تھا اور جانے ہی والا تھا کہ ایک عجیب معاملہ پدھ ہوا ۔ ہلکے کا ایک بھائی تھا ، جس سے اُس کی لڑائی تھی ، اِس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے گراہک تورتے اور بگڑتے رہتے تھے ۔ ایک روز بلنا بڑا آداس تھا ۔ اسے آداس دیکھ کر پتھان نے پوچھا — ”سوتلہ جی ، معاملہ کیا ہے ؟ آپ شکین کہیں ہیں ؟“ اُس نے بتایا کہ ”میرے اپنے بھائی سے دشمنی ہے ۔ اُس نے جینا مشکل کر رکھا ہے ۔ سارے قرضداروں کو درغل دیا ہے کہ ہتھ قرض مت ادا کرو ۔ میرے خلاف اُس نے پوری پارٹی بنا لی ہے ۔ کی برسوں سے تنگ تو کرتا تھا ، پر اب تو مجھے بالکل تباہ کرنے پر تلے ہے اور سچے میں نہیں آتا کہ ابھی کیا کیا کرے گا ؟“ پتھان نے ہلکے کو دلاستہ دیا اور کہا ، ”گھبراؤ

کھانا ہو جائے کہ آدھ سے ایک بلنا تک ، بلنا کچھ پر کہیں سے اناج بیج کو آرہا تھا ۔ اُس نے دور سے دیکھا اور قریب آئے ہوئے ذرا مگر آخر کار آیا ، تو گھنٹہ ذرا مٹ گئے ۔ اُس نے دیکھا کہ خاں صاحب کے پیر گھڑوں نے بیچ ڈالے ہیں ۔ خاں صاحب نے ہلکے سے کہے — ”بھائی یا تو تم مجھے مارا لو ، نہیں تو ان گھڑوں سے بچاؤ ۔“ پہلے تو وہ بہت قرا مگر پھر اُس سے نہ رہا گیا ۔ اُس نے پتھان کو اپنے گلو پر اناج کی بورہوں میں چھپا کر لے لیا ، تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے ۔ سوچا کہیں لے جا کر چھوڑ دوں گا ، مگر یہ بھی نہ تھا کہ نہیں کوئی دیکھ نہ لے ، کیونکہ نواب اور انگریزوں کے آدمی روہیلوں اور اُن کے ساتھیوں کا برابر پیچھا کر رہے تھے ۔ جنگل میں چھوڑنے سے خاں صاحب کی جان کا خطرہ تھا اور ہستی میں لے جانے میں خود اُس کو مشکل میں پھنس جانے کا خطرہ تھا ۔ آدمی وہ دم دل تھا ۔ سوچا گھر ہی لے چلو ۔ اور چھپا کر خاں صاحب کو اپنے گھر لے آیا ۔

ہلکے کی بی بی خاں صاحب کو دیکھ کر گھبرائی کہ یہ کیا نئی آفت گھر لے آئے ۔ لیکن ہلکے نے کہا کہ اِس کی سہوا کر دو اور اسے چھپا کر رکھو ۔ پتھان کو گھر کے اندر ایک کوٹھری میں چھپا کر رکھا اور چھپکے سے اُن کی مرہم پٹی اور علاج کرایا گیا ۔ مہینوں میں جا کر کہیں پتھان اچھا ہوا ۔ پتھان نے جب چلنے کی بات کہی ، تو ہلکے نے کہا ، ”ابھی تم کمزور ہو ، ذرا دودھ بھی کھا کر سوئے تازہ ہو لو ، تب جانا۔“ پتھان اسن گیا اور وہیں رہ کر خوب دودھ بھی کھاتے لگا ۔

خون کا बदلتا !

میرزا اجماعیہ چورٹا

سن 1761 کی پانیپت کی لڑائی کے بعد ۷۰۰ پی۰ میں
رہیلوں کا زور ہوا۔ وہ 'گنگوٹری سے گنگ' علاقے کے مالک ہو
گئے۔ رہیلوں کی حکومت سرداروں کے ہاتھ میں تھی، جنکا
مکھیا تھا حافظ رحمت خاں۔ حافظ رحمت خاں ایک جنگجو
اور اچھے حاکم تھے۔ وہ اپنے ہندو وزیر کی مدد سے مسجد
میں بیٹھ کر حکومت کا سارا کام کرتے تھے۔ رعایا بھی اُن سے
خوش تھی۔

جب اودھ کے نواب اور رہیلوں میں ان بن ہو گئی، تب
رحمت خاں نے اودھ کے نواب کو جنگ کے لئے لکھا اور ہری
طرح ہرایا۔ تب نواب نے انگریزوں کی مدد لی۔ انگریزوں
اور رحمت میں ویسے تو صلح تھی؛ مگر انگریزوں نے رہیلوں
کا ہوتا ہوا زور توڑنے کا یہ اچھا موقع دیکھ صلح کو ہلاک
رکھ دیا۔ انہیں خبر تھا کہ ایلے اودھ کے نواب کو فرصت کے رفت
یہ آسانی سے بیرون کھائیں گے۔ لہذا اودھ کے نواب سے روپیہ
لے کر وہ اُس فی طرف سے مگر اپنے مطلب کے لئے لڑنے
آ گئے۔

اودھ اور انگریزوں کی فوجیں روہیلوں کی طرف بڑھیں۔
ادھر سے حافظ رحمت بھی اپنے روہیل سرداروں کو لے کر بڑھا۔
دجور کے میدان میں دونوں طرف کی فوجیں میں گھمسان
جنگ ہوئی۔ اُس جنگ میں روہیلے بڑی بہادری سے لڑے
اور جیت گئے؛ مگر دشمن کا پیچھا کرنے کے بدلہ وہ اُن کے
کمپ لوٹنے لگے اور رحمت خاں انہیں روکتے ہی رہ گئے۔
انگریزی فوج، جو کہیں میں چھپ گئی تھی، لڑائی اور جمع
ہو کر فوراً روہیلوں پر ٹوٹ پڑی۔ پانسیہ اٹ پڑا۔ جیت کے
بدلہ روہیلوں نے ہار ہوئی۔ حافظ رحمت خاں میدان سے نہ
ہٹے اور بڑی بہادری سے لڑ کر کٹ مرے۔

روہیلوں کی طرف سے لڑنے والوں میں دو پٹان भाई بھی
آئے تھے، جن میں سے ایک تو لڑتے لڑتے مارا گیا اور دوسرا گھائل
ہو کر لڑائی کے میدان میں اُدھ مرا پڑا تھا۔ اصل میں یہ
دون بھائی تھے۔ اُن کا باپ زندہ تھا۔ اُس نے ایک بھائی کو
روک کر اور دو بھائیوں کو لڑنے کے لئے بھیج دیا تھا۔

رات کا وقت تھا۔ گیدڑ اور کتہ میدان میں لڑیں کو
کھا رہے تھے۔ اور گھائل خاں صاحب بڑے بڑے اپنے کرگدڑوں
سے بچا رہے تھے۔ مگر گیدڑ بڑے چالاک تھے۔ انہیں نوچ
نچکر ہانگہ تھے۔ اِس طرح صبح ہو گئی اور گیدڑ بدستور
خاں صاحب کو نوچتے رہے۔ قریب تھا کہ اُن کا

خون کا بدلہ !

مرزا عظیم بیگ چندانی

سن 1761 کی پانیپت کی لڑائی کے بعد ۷۰۰ پی۰ میں
رہیلوں کا زور ہوا۔ وہ 'گنگوٹری سے گنگ' علاقے کے مالک ہو
گئے۔ رہیلوں کی حکومت سرداروں کے ہاتھ میں تھی، جنکا
مکھیا تھا حافظ رحمت خاں۔ حافظ رحمت خاں ایک جنگجو
اور اچھے حاکم تھے۔ وہ اپنے ہندو وزیر کی مدد سے مسجد
میں بیٹھ کر حکومت کا سارا کام کرتے تھے۔ رعایا بھی اُن سے
خوش تھی۔

جب اودھ کے نواب اور رہیلوں میں ان بن ہو گئی، تب
رحمت خاں نے اودھ کے نواب کو جنگ کے لئے لکھا اور ہری
طرح ہرایا۔ تب نواب نے انگریزوں کی مدد لی۔ انگریزوں
اور رحمت میں ویسے تو صلح تھی؛ مگر انگریزوں نے رہیلوں
کا ہوتا ہوا زور توڑنے کا یہ اچھا موقع دیکھ صلح کو ہلاک
رکھ دیا۔ انہیں خبر تھا کہ ایلے اودھ کے نواب کو فرصت کے رفت
یہ آسانی سے بیرون کھائیں گے۔ لہذا اودھ کے نواب سے روپیہ
لے کر وہ اُس فی طرف سے مگر اپنے مطلب کے لئے لڑنے
آ گئے۔

اودھ اور انگریزوں کی فوجیں روہیلوں کی طرف بڑھیں۔
ادھر سے حافظ رحمت بھی اپنے روہیل سرداروں کو لے کر بڑھا۔
دجور کے میدان میں دونوں طرف کی فوجیں میں گھمسان
جنگ ہوئی۔ اُس جنگ میں روہیلے بڑی بہادری سے لڑے
اور جیت گئے؛ مگر دشمن کا پیچھا کرنے کے بدلہ وہ اُن کے
کمپ لوٹنے لگے اور رحمت خاں انہیں روکتے ہی رہ گئے۔
انگریزی فوج، جو کہیں میں چھپ گئی تھی، لڑائی اور جمع
ہو کر فوراً روہیلوں پر ٹوٹ پڑی۔ پانسیہ اٹ پڑا۔ جیت کے
بدلہ روہیلوں نے ہار ہوئی۔ حافظ رحمت خاں میدان سے نہ
ہٹے اور بڑی بہادری سے لڑ کر کٹ مرے۔

روہیلوں کی طرف سے لڑنے والوں میں دو پٹان भाई بھی
آئے تھے، جن میں سے ایک تو لڑتے لڑتے مارا گیا اور دوسرا گھائل
ہو کر لڑائی کے میدان میں اُدھ مرا پڑا تھا۔ اصل میں یہ
دون بھائی تھے۔ اُن کا باپ زندہ تھا۔ اُس نے ایک بھائی کو
روک کر اور دو بھائیوں کو لڑنے کے لئے بھیج دیا تھا۔

رات کا وقت تھا۔ گیدڑ اور کتہ میدان میں لڑیں کو
کھا رہے تھے۔ اور گھائل خاں صاحب بڑے بڑے اپنے کرگدڑوں
سے بچا رہے تھے۔ مگر گیدڑ بڑے چالاک تھے۔ انہیں نوچ
نچکر ہانگہ تھے۔ اِس طرح صبح ہو گئی اور گیدڑ بدستور
خاں صاحب کو نوچتے رہے۔ قریب تھا کہ اُن کا

کہا کہ میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ برا رہے تھے۔ مگر تھوڑی دیر میں وہ سمجھ گئی باتیں کرنے لگے۔ ہر ایک کو دوسرا دیکھ کر خوش ہوئی۔

....جب صبح میں نے اُنہیں بستر پر پڑے دیکھا تو وہ مری ہوئی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اُن کے چہرے پر خاموشی تھی۔ اُن کی پیشانی پر اب بھی وہی شان موجود تھی، لیکن وہ شخصیت کہاں تھی، صرف ایک بے جان خول باقی رہ گیا تھا۔

اُن کا انتقال 80 برس کی عمر میں ہوا۔ اُن کے ساتھ ایک نسل کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھے جن کو ہندوستان کی جنگ آزادی خوب یاد تھی، جسے ہمارے انگریز تاریخ دان سن 1857 عیسوی کا گذر کہتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے ہاتھوں، پیازوں، بزرگوں اور ہمدردوں کو بے رحمی سے قتل ہوتے دیکھا۔ ہر روز ہنگامے والوں کی لاشیں گھنڈوں اور گلوں میں پڑی ملتی تھیں اور ہر روز وہ ایک نظار میں کھڑے کئے جاتے اور اُن کے سر کاٹ لئے جاتے۔ اُنہوں نے عورتوں کو بے رحمی سے ہارے ہوئے بچوں کو کھلے جاتے اور ہزاروں کو ہاروں میں مرنے دیکھا تھا۔ اُنہوں نے بادشاہ کو گرفتار ہوتے ہوئے اور ملک سے نکالے جاتے دیکھا تھا۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے شہزادے ذبح کئے گئے اور اُن کے سر دلی دارے پر لٹکائے گئے، جو اب بھی خونی دروازے کے نام سے مشہور ہے، اُنہوں نے اپنے وطن اور اپنے شہر پر انگریزوں کو قابض ہوتے دیکھا۔ اُن کے ہاتھوں اُنہوں نے ہندوستان کی تہذیب اور اس کی عظمت کو خاک میں ملنے دیکھا تھا۔

پھر کیا تعجب کہ انگریزوں کے لئے اُن کے دل میں نفرت تھی اور اُس قدر کہ ہم بھی انہی نفرت نہیں کر سکتے۔ اُنہوں نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کو، جب اُنہوں نے انگریزی پڑھنا شروع کیا، گھر سے نکال دیا اور اُن کو اپنے چچا کے گھر پناہ لینی پڑی، تاکہ وہ اپنا پڑھنا جاری رکھ سکے۔ انگریزوں کی ہر چیز کے ساتھ اُس قدر نفرت غالباً اُن کے بڑے ہوئے نقص کی بنا پر تھی۔ لیکن آج ہم اس کو سمجھ سکتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ اُن کے بیٹوں کی نسل ایسی تھی جو غالباً نہ انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور نہ محبت ہی کرتے تھے۔ وہ انگریزوں کے فریضے کام کرتے تھے، کیونکہ انگریز اُن کو ملازمت دیتے تھے۔ لیکن اب پہلے نے پورا چکر لے لیا ہے۔ آج ہمارا ملک آزاد ہے۔ یہ ایسی آزادی ہے جو پہلے نہیں حاصل ہو سکتی تھی، جس کا اندازہ بھی ہمارے بزرگ نہ کر سکتے تھے۔

کہا کہ میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ برا رہے تھے۔ مگر تھوڑی دیر میں وہ سمجھ گئی باتیں کرنے لگے۔ ہر ایک کو دوسرا دیکھ کر خوش ہوئی۔

....جب صبح میں نے اُنہیں بستر پر پڑے دیکھا تو وہ مری ہوئی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اُن کے چہرے پر خاموشی تھی۔ اُن کی پیشانی پر اب بھی وہی شان موجود تھی، لیکن وہ شخصیت کہاں تھی، صرف ایک بے جان خول باقی رہ گیا تھا۔

اُن کا انتقال 80 برس کی عمر میں ہوا۔ اُن کے ساتھ ایک نسل کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھے جن کو ہندوستان کی جنگ آزادی خوب یاد تھی، جسے ہمارے انگریز تاریخ دان سن 1857 عیسوی کا گذر کہتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے ہاتھوں، پیازوں، بزرگوں اور ہمدردوں کو بے رحمی سے قتل ہوتے دیکھا۔ ہر روز ہنگامے والوں کی لاشیں گھنڈوں اور گلوں میں پڑی ملتی تھیں اور ہر روز وہ ایک نظار میں کھڑے کئے جاتے اور اُن کے سر کاٹ لئے جاتے۔ اُنہوں نے عورتوں کو بے رحمی سے ہارے ہوئے بچوں کو کھلے جاتے اور ہزاروں کو ہاروں میں مرنے دیکھا تھا۔ اُنہوں نے بادشاہ کو گرفتار ہوتے ہوئے اور ملک سے نکالے جاتے دیکھا تھا۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے شہزادے ذبح کئے گئے اور اُن کے سر دلی دارے پر لٹکائے گئے، جو اب بھی خونی دروازے کے نام سے مشہور ہے، اُنہوں نے اپنے وطن اور اپنے شہر پر انگریزوں کو قابض ہوتے دیکھا۔ اُن کے ہاتھوں اُنہوں نے ہندوستان کی تہذیب اور اس کی عظمت کو خاک میں ملنے دیکھا تھا۔

उनके प्यारों को दिखाते हैं. दादा अब्बा का बूढ़ा और कमजोर जिस्म सिसकियों से काँप रहा है.

लोग क्रम में किट्टी ढाल रहे हैं. दादा अब्बा अपने काँपते हुए हाथों में थाड़ी सी मिट्टी उठाते हैं. कहार बोली को क्रम के करीब ले जाते हैं. आँखों से दो क्रतरे आँसू के उस ताजा मिट्टी पर गिर पड़ते हैं जो वे हाथों में लिये हुए हैं. वे बेबसी से हाथों की मिट्टी क्रम में गिरा देते हैं और चेहरा ठक लेते हैं.

❀

❀

❀

बेटे की मौत के तीन बरस बाद दादा और जिन्दा रहे, हालाँकि वे जिन्दगी से थककर आजिज हो गये थे. वे अक्सर रांते थे, लेकिन उनका खात्मा बहुत खामोशी से हुआ. उन पर एक मर्तबा फ़ालिज गिर ही चुका था. एक मर्तबा और गिरा. उनका दाहिना हाथ और दाहिना पाँव पहले ही बेकार था, अबकी बार बाँए हाथ और पैर पर असर हुआ.

मरने से कुछ पहले वे बहुत बिड़बिड़े हो गये थे और हर तीमारदार को उनकी खरगी का सामना करना पड़ता था. सिर्फ़ एक बूढ़ी मामा उनको चुप करा सकती थी और उनकी तबियत के मुआफ़िक़ काम कर सकती थी. दादा अब्बा अपने लड़के के मरने के बाद ज़नानख़ाने में पहुँचा दिये गये थे. यह मामा भी अपनी जवानी के ज़माने से हमारे ही यहाँ मुलाजिम थी और लोग कहते थे कि वह दादा की दास्ता थी. इनसे एक लड़का भी हुआ था, जो बचपन में ही मर गया था. वही दादा की राक़ थाम कर सकती थी, क्योंकि न तो वह उनकी बातों की परवाह करती और न उनके मिज़ाज की. यह देखकर तकलीफ़ होती कि वह अपने बूढ़े मालिक से कितनी बेपरवाही से पेश आती है. दादा अपनी कमजोर आवाज़ में कुछ कहते, लेकिन वह न सुनती. अगर कोई उसे कहता कि सुनो देखो क्या माँग रहे हैं, तो वह जवाब देती:—

“उनकी यही आदत है. उनको किसी चीज़ की ज़रूरत नहीं. वे सिर्फ़ मुझे परेशान करते हैं”... लेकिन किसी का कुछ बस न चलता क्योंकि वही उन्हें ख़ामोश कर सकती थी. फिर इसमें शक़ नहीं कि अब वह सब बोझ महसूस कर रहे थे.

वह रात में शान्ति के साथ गुज़र गये. उनकी जुबान आखिरी वक़्त तक उनके क़ाबू में रही और मौत से कुछ पहले उन्होंने सबको दुआएँ दीं और अपने तमाम प्यारों को, जो वहाँ नहीं थे या मर गये थे, याद किया.

मौत से कुछ ही पहले वह राफ़लत में थे और कुछ बिड़बिड़ते थे. एक मर्तबा उन्होंने किसी को मुखातिब किया, ज़ाँ अर्खा हुआ मर चुका था और उससे बुलन्द आवाज़ में

अन के प्यारों को دکھاتے ہیں. دادا ابا کا بوڑھا اور کمزور جسم سسکیوں سے کانپ رہا ہے.

لوگ قبر میں مٹی ڈال رہے ہیں. دادا ابا اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں تھوڑی سی مٹی اٹھاتے ہیں. کہار بولی کو قبر کے قریب لے جاتے ہیں. انہوں نے دو قطرے آنسو کے اس تازہ مٹی پر گر پڑتے ہیں جو وہ ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں. وہ بے بسی سے ہاتھوں کی مٹی قبر میں گرا دیتے ہیں اور چہرہ دھمک لیتے ہیں.

❀

❀

❀

بیٹہ کی موت کے نہیں برس بعد دادا اور زندہ رہے، حالانکہ وہ زندگی سے تھک کر عاجز ہو گئے تھے. وہ اکثر راتے تھے، لیکن اُن کا خاتمہ بہت خاموشی سے ہوا. اُن پر ایک مرتبہ فالج گر ہی چکا تھا. ایک مرتبہ اور گرا. اُن کا داہنا ہاتھ اور داہنے پاؤں پہلے ہی بیکار تھا، اب کی بار بائیں ہاتھ اور پیر پر اثر ہوا.

مرنے سے کچھ پہلے وہ بہت چیزچیز ہو گئے تھے اور ہر تیماردار کو اُن کی خفگی کا سامنا کرنا پڑتا تھا. صرف ایک بوزخی मामا اُن کو چپ کر سکتی تھی اور اُن کی طبیعت کے موافق کام کر سکتی تھی. دادا ابا اپنے لڑکے کے مرنے کے بعد زناں خالے میں پہنچا دیئے گئے تھے. یہ मामا بھی اپنی جوانی کے زمانہ سے ہمارے ہی یہاں ملازم تھی اور لوگ کہتے تھے کہ وہ دادا کی داشتہ تھی. اُن سے ایک لڑکا بھی ہوا تھا، جو بچپن ہی میں مر گیا تھا. وہی دادا کی روک تھام کر سکتی تھی، کیونکہ نہ تو وہ اُن کی باتوں کی پرواہ کرتی اور نہ اُن کے مزاج کی. یہ دیکھ کر تکلیف ہوتی کہ وہ اپنے بوزھے مالک سے نکلی بے پرواہی سے پیش آتی ہے. دادا اپنی کمزور آواز میں کچھ کہتے، لیکن وہ نہ سنتی. اگر کوئی اسے کہتا کہ سنو دیکھو کیا مانگ رہے ہیں، تو وہ جواب دیتی:—

“اُن کی یہی عادت ہے. اُن کو کسی چیز کی ضرورت نہیں. وہ صرف مجھے پریشان کرتے ہیں...” لیکن کسی کا کچھ بس نہ چلتا کیونکہ وہی انہیں خاموش کر سکتی تھی. پھر اِس میں شک نہیں کہ اب وہ سب بوجھ محسوس کر رہے تھے.

وہ رات میں شانتی کے ساتھ گذر گئے. اُن کی زبان آخری وقت تک اُن کے قابو میں رہی اور موت سے کچھ پہلے انہوں نے سب کو دعاؤں دیں اور اپنے تمام پداروں کو، جو وہاں نہیں تھے یا مر گئے تھے، یاد کیا.

موت سے کچھ ہی پہلے وہ غلط میں تھے اور کچھ بربڑاتے تھے. ایک مرتبہ انہوں نے کسی کو مخاطب کیا، جو عرصہ ہوا مر چکا تھا اور اُس سے بلند آواز میں

وہ 70 برس کے تھے جب میرے والد، جو انکے بڑے بھائی تھے، بیمار ہوئے۔ ہر طرح کا علاج کیا گیا۔ تمام ڈاکٹروں اور حکیموں نے جواب دے دیا۔ بہت سے مولویوں نے اپنے عقلی گدے لوائے اور اپنے تجربہ کے مطابق جادو ٹوٹے اور اسباب وغیرہ کا علاج کیا؛ مگر ان کی حالت خراب ہوتی گئی۔

شروع شروع میں تو والد دادا ابا کے ساتھ مکان کے مردانے حصے میں ہی رہتے تھے؛ کیونکہ اسی میں سہولیت تھی۔ دوسرے پرانے زمانے کے لوگ زمانہ گزشتہ میں زیادہ دیر تک رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ دادا کے سب سے قریبی دوست آتے اور دعائیں مانگتے۔ مگر ان کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ تب وہ مکان کے اندر پہنچا دینے گئے؛ تاکہ ان کی تیمارداری اچھی طرح ہو سکے۔ دادا پر فالج کر چکا تھا اور وہ ہر دوسرے تیسرے اپنے بھائی کو دیکھنے ایک چھوٹی سی چارپائی پر چار آدمیوں کی مدد سے لائے جاتے اور کچھ گھنٹے گزر جانے کے بعد وہ اسی طرح باہر لے جاتے جاتے۔

والد کی حالت اب اور خراب ہو گئی، تو تازہ ہوا کے خاطر انہیں کونٹے پر لے جایا گیا۔ دادا ابا نے دیکھا کہ ان کی حالت مایوس کرنے والی ہے اور وہ جب انہیں دیکھنے کے لئے کونٹے پر لائے گئے، تو زینہ کی فٹکی کی وجہ سے بڑی دقت ہوئی۔ یہ دیکھ کر کہ ان کے لئے جانے میں کتنی دقت ہو رہی ہے؛ وہ بیہوش کر دیئے۔ میں نے انہیں زندگی میں پہلے پہل روئے دیکھا۔ وہ ایک بے بس اور پرزے آدمی کے خاموش اور درد سے بھرے آنسو تھے۔ انہوں نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن سب سمجھ گئے کہ وہ بہت مایوس ہیں۔

آخر ایک دن والد کا انتقال ہو گیا۔ مجھے یاد ہے دادا اپنے پلنگ پر پڑے روئے تھے۔ میرے سامنے اُس وقت کی اُن کی تصویر ہے۔ زار زار رو رہے ہیں۔ اُن کی سسکیوں سے پلنگ ہل رہا ہے۔ یہ ایک بوڑھے آدمی کی سسکیاں ہیں جو محسوس کرتا ہے کہ اُس کی ہستی اب دلہا میں صرف ایک فرد کی مدد ہے۔

مجھے یاد ہے کہ پھر وہ جنازے کے پیچھے ایک قبری میں قبرستان میں لے جائے گئے۔ اُن کی آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ سسکیاں لیتے اور زندگی کے فنا ہونے کی شکایت کرتے۔ اپنی اِس بے چارگی پر روتے کہ بڑے کے جنازہ کو کدھا بھی دے سکے تھے۔ موت قبر میں اتاری جا رہی ہے۔ کھودی ہوئی مٹی کے قہر پر دادا ابا قبری میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ قبر کے اندر نہیں دیکھ سکتے؛ کیونکہ اُن کے اگے آدمیوں کی ہڈیاں ہیں۔

بہت چھٹتی ہے۔ موت قبر میں ہے۔ کہاں قبری کو قبر تک لائے ہیں۔ لوگ مرحوم والد کا چہرہ آخری بار

والد کا انتقال ہو گیا۔ دادا ابا کے ساتھ مکان کے مردانے حصے میں ہی رہتے تھے؛ کیونکہ اسی میں سہولیت تھی۔ دوسرے پرانے زمانے کے لوگ زمانہ گزشتہ میں زیادہ دیر تک رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ دادا کے سب سے قریبی دوست آتے اور دعائیں مانگتے۔ مگر ان کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ تب وہ مکان کے اندر پہنچا دینے گئے؛ تاکہ ان کی تیمارداری اچھی طرح ہو سکے۔ دادا پر فالج کر چکا تھا اور وہ ہر دوسرے تیسرے اپنے بھائی کو دیکھنے ایک چھوٹی سی چارپائی پر چار آدمیوں کی مدد سے لائے جاتے اور کچھ گھنٹے گزر جانے کے بعد وہ اسی طرح باہر لے جاتے جاتے۔

والد کی حالت اب اور خراب ہو گئی، تو تازہ ہوا کے خاطر انہیں کونٹے پر لے جایا گیا۔ دادا ابا نے دیکھا کہ ان کی حالت مایوس کرنے والی ہے اور وہ جب انہیں دیکھنے کے لئے کونٹے پر لائے گئے، تو زینہ کی فٹکی کی وجہ سے بڑی دقت ہوئی۔ یہ دیکھ کر کہ ان کے لئے جانے میں کتنی دقت ہو رہی ہے؛ وہ بیہوش کر دیئے۔ میں نے انہیں زندگی میں پہلے پہل روئے دیکھا۔ وہ ایک بے بس اور پرزے آدمی کے خاموش اور درد سے بھرے آنسو تھے۔ انہوں نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن سب سمجھ گئے کہ وہ بہت مایوس ہیں۔

آخر ایک دن والد کا انتقال ہو گیا۔ مجھے یاد ہے دادا اپنے پلنگ پر پڑے روئے تھے۔ میرے سامنے اُس وقت کی اُن کی تصویر ہے۔ زار زار رو رہے ہیں۔ اُن کی سسکیوں سے پلنگ ہل رہا ہے۔ یہ ایک بوڑھے آدمی کی سسکیاں ہیں جو محسوس کرتا ہے کہ اُس کی ہستی اب دلہا میں صرف ایک فرد کی مدد ہے۔

مجھے یاد ہے کہ پھر وہ جنازے کے پیچھے ایک قبری میں قبرستان میں لے جائے گئے۔ اُن کی آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ سسکیاں لیتے اور زندگی کے فنا ہونے کی شکایت کرتے۔ اپنی اِس بے چارگی پر روتے کہ بڑے کے جنازہ کو کدھا بھی دے سکے تھے۔ موت قبر میں اتاری جا رہی ہے۔ کھودی ہوئی مٹی کے قہر پر دادا ابا قبری میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ قبر کے اندر نہیں دیکھ سکتے؛ کیونکہ اُن کے اگے آدمیوں کی ہڈیاں ہیں۔

بہت چھٹتی ہے۔ موت قبر میں ہے۔ کہاں قبری کو قبر تک لائے ہیں۔ لوگ مرحوم والد کا چہرہ آخری بار

लाता। इस दरमیان में दादा अब्बा हमारा सबक दोहराते या हल्फ़ कहलाते, और जब हम में से कोई सबक भूल जाता, तो हम सब डर जाते, क्योंकि दादा अब्बा को गुस्सा आ जाता और वे बिगड़ने लगते, हालाँकि आम तौर पर वे मेहरबान रहते।

एक मर्तबा मैं और कुछ मेरे बड़े भाइयों ने बड़ी चची का एक रुपया चुरा लिया। दरअसल रुपया लुढ़क गया था और हमने चुपके से उसे चठा लिया था। हमने उसको जाकर भुना लिया और उसके चौंसठ पैसे कर लिये। हमने दो पैसे के बिस्कुट और मिठाई खरीदी। उस जमाने में चीजें काफी सस्ती मिलती थीं, और बाक़ी पैसों को पोशीदा जगह पर रख दिया। लेकिन किसी ने उसको देख लिया। अब तो हम सब बहुत डरे कि कहीं दादा को इसका पता न चल जाये, लेकिन जिस बात से डरते थे वही हुई। दादा अब्बा को बेहद गुस्सा आया और उन्होंने कहा कि मैं तुम सबको मार डालूँगा। उन्होंने अपनी तलवार के निकाले जाने का हुक्म दिया, जो एक बड़े लकड़ी के सन्दूक में बन्द रहती थी। यह सन्दूक एक अंधेरी कोठरी में रखा हुआ था, जिसके अंदर जाने के लिये लालटेन की जरूरत पड़ती थी; तब उन्होंने मेरे बड़े भाइयों को बुलाया और उनकी आँखों के सामने तलवार धमकाई। दोनों ने पातामे में पेशाब कर दिया और खौफ़ के मारे उनका रंग उड़ गया। शायद मेरे कमसिन होने के रुयाल से उन्होंने मुझको तलवार से नहीं धमकाया, लेकिन उनकी आवाज़ ही मेरे हवास उड़ा देने के लिये क्या कम थी। हम सबने वादा किया कि आइन्दा चोरी न करेंगे और अच्छे लड़कों की तरह रहेंगे।

मगर जब हम चाय के लिये भूखे कुत्तों की तरह दादा अब्बा के चारों तरफ़ बैठे रहते थे, तो हमको कोई खौफ़ नहीं होता था। वह आम तौर से मजे मजे की बातें करते, मोहबत से पेश आते और कहानियाँ सुनाते। जब चाय तैयार हो जाती, तो उसको वह चीनी की छांटी प्यालियों में डालते। यह चीनी के प्याले आजकल की प्यालियों की तरह न थे, यह बहुत खूबसूरत असली चीनी के थे। इनमें हस्ता न था। उनका पेंदा तंग और मुंह चौड़ा था। चाय दूर से महकती थी। अक्सर बेसबरी में हम अपने हाँठ हिला लेते थे। हमको छोटे-छोटे, फूले फूले बिस्कुट दिये जाते, जिनका हम चाय में डबोकर चमच से खाते। चाय ऐसी मजेदार होती थी कि उसके बाद कभी ऐसी मजेदार चाय पी ही नहीं और न मैं इसका मजा कभी चख सकूँगा।

दादा की बन्द और बातें मुझे याद हैं। यह याद एक - अच्छे मजज़ब आदमी की है, जिसे ज़िन्दगी के बोझ ने दबसा कर दिया।

ता। इस दरमیان में दादा अब्बा हमारा सबक दोहराते या हल्फ़ कहलाते, और जब हम में से कोई सबक भूल जाता, तो हम सब डर जाते, क्योंकि दादा अब्बा को गुस्सा आ जाता और वे बिगड़ने लगते, हालाँकि आम तौर पर वे मेहरबान रहते।

एक मर्तबा मैं और कुछ मेरे बड़े भाइयों ने बड़ी चची का एक रुपया चुरा लिया। दरअसल रुपया लुढ़क गया था और हमने चुपके से उसे चठा लिया था। हमने उसको जाकर भुना लिया और उसके चौंसठ पैसे कर लिये। हमने दो पैसे के बिस्कुट और मिठाई खरीदी। उस जमाने में चीजें काफी सस्ती मिलती थीं, और बाक़ी पैसों को पोशीदा जगह पर रख दिया। लेकिन किसी ने उसको देख लिया। अब तो हम सब बहुत डरे कि कहीं दादा को इसका पता न चल जाये, लेकिन जिस बात से डरते थे वही हुई। दादा अब्बा को बेहद गुस्सा आया और उन्होंने कहा कि मैं तुम सबको मार डालूँगा। उन्होंने अपनी तलवार के निकाले जाने का हुक्म दिया, जो एक बड़े लकड़ी के सन्दूक में बन्द रहती थी। यह सन्दूक एक अंधेरी कोठरी में रखा हुआ था, जिसके अंदर जाने के लिये लालटेन की जरूरत पड़ती थी; तब उन्होंने मेरे बड़े भाइयों को बुलाया और उनकी आँखों के सामने तलवार धमकाई। दोनों ने पातामे में पेशाब कर दिया और खौफ़ के मारे उनका रंग उड़ गया। शायद मेरे कमसिन होने के रुयाल से उन्होंने मुझको तलवार से नहीं धमकाया, लेकिन उनकी आवाज़ ही मेरे हवास उड़ा देने के लिये क्या कम थी। हम सबने वादा किया कि आइन्दा चोरी न करेंगे और अच्छे लड़कों की तरह रहेंगे।

मगर जब हम चाय के लिये भूखे कुत्तों की तरह दादा अब्बा के चारों तरफ़ बैठे रहते थे, तो हमको कोई खौफ़ नहीं होता था। वह आम तौर से मजे मजे की बातें करते, मोहबत से पेश आते और कहानियाँ सुनाते। जब चाय तैयार हो जाती, तो उसको वह चीनी की छांटी प्यालियों में डालते। यह चीनी के प्याले आजकल की प्यालियों की तरह न थे, यह बहुत खूबसूरत असली चीनी के थे। इनमें हस्ता न था। उनका पेंदा तंग और मुंह चौड़ा था। चाय दूर से महकती थी। अक्सर बेसबरी में हम अपने हाँठ हिला लेते थे। हमको छोटे-छोटे, फूले फूले बिस्कुट दिये जाते, जिनका हम चाय में डबोकर चमच से खाते। चाय ऐसी मजेदार होती थी कि उसके बाद कभी ऐसी मजेदार चाय पी ही नहीं और न मैं इसका मजा कभी चख सकूँगा।

दादा की बन्द और बातें मुझे याद हैं। यह याद एक - अच्छे मजज़ब आदमी की है, जिसे ज़िन्दगी के बोझ ने दबसा कर दिया।

یا اور ان میں سے بدبو آتی تھی۔ وہ فرس کو بھی گندا کر دیتا اور اپنی آنکلی کو گندگی میں تر کر کے سونکھتا۔ مگر لوگ اسے پاگل نہ سمجھتے۔ اُن کے خیال میں وہ ایک مجذوب تھا۔

دادا کے پاس اور بھی فکریر آیا کرتے تھے۔ لیکن وہ کبھی ایک دو تو تھے نہیں۔ چنانچہ میں بہتوں سے ناواقف تھا۔

دادا کی سب سے زیادہ دلپسند چیز ان کی مزیدار دوائیاں تھیں۔ یہ دوائیاں وہ ہم لوگوں کو بانٹتے تھے۔ چاہے کے ساتھ وہ انہیں بھاتے تھے۔ سب لڑکوں میں جو مہرے بھائی ہوتے تھے، میں ہی سب سے چھوٹا تھا اور مجھے سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ اس لئے سب لڑکے مجھ کو دادا ابا کے پاس چورں لینے کے لئے بھیجتے۔ میں پردہزک اُن کے پاس چلا جاتا اور کہتا—”دادا ابا، مجھے ذرا سا چورں دے دیجئے۔“

وہ محبت سے مسکراتے اور اپنے پرانے نوکر کو جو برسوں سے اُن کی خدمت میں رہا کرتا تھا پکارتے—”غفور، اُس بوتل کو الماری سے نکال لا۔“

غفور جو اپنے سوامی کی طرح خود بھی ہرزہا ہو گیا تھا لڑکھانا ہوا الماری تک جانا اور غلطی سے دوسری بوتل اُٹھا لیا۔

”یہ نہیں، دوسری بڑی بوتل جو میں نے تم سے کہا تھا۔“ دادا ابا اُونچی آواز کر کے کہتے۔ پھر بوتل سے ایک چمکی چورں نکال کر مہری ہتھیلی پر رکھ دیتے۔

”تھوڑا سا اور دادا ابا؟“

”بس اب نہیں، یہ زیادہ نہیں کھایا جاتا۔“

”لیکن فلاں فلاں کھائے بھی آگ رہے ہیں۔“ میں گدگد کر کہتا اور وہ کبھی کبھی چورں اور دے دیتے۔ میں اسے جُبان سے چاٹتا ہوا باہر نکل جاتا۔ میرے کھانے کی تہ گلی میں میرا منتظر کرتے اور دوڑ کر مجھے پکڑ لیتے۔

لیکن چائے پینے میں ہم سب کو بڑا مہذب آتا۔ شام کو ہم سب چار یا پانچ لڑکے، جو پانچ سات سال کی عمر کے تھے، دادا ابا کے بڑے کمرے میں جما ہوا جاتے۔ کبھی کبھی ہم لوگ بولا جاتے اور کبھی خود سے پہنچ جاتے۔ دادا ابا آرام کرتے اور سوتے ہوتے اور ہم سب اپنی چھوٹی چھوٹی مٹھوں سے اُن کے پاؤں پر مٹھیاں لگاتے۔ تب غفور ’سمادار‘ جلاتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کبھی اُس زمانے میں چائے تیار کرنے کے لئے سمادار استعمال کئے جاتے تھے۔ غفور سمادار لانا اور پاس رکھتا۔ جب پانی سسٹلے لگتا تو دادا ابا اُس میں دھڑ دھڑائی اور اُونچی آواز دیتے کہ اُس میں خوشبو آجائے۔ وہ کسی دوسرے کو چائے نہ بٹالتے دیتے۔ جب چائے تیار ہو رہی ہوتی، تو غفور چھلی کے پالے اور چمچے

تھا اور اُن میں سے بدبو آتی تھی۔ وہ فرس کو بھی گندا کر دیتا اور اپنی آنکلی کو گندگی میں تر کر کے سونکھتا۔ مگر لوگ اسے پاگل نہ سمجھتے۔ اُن کے خیال میں وہ ایک مجذوب تھا۔

دادا کے پاس اور بھی فکریر آیا کرتے تھے۔ لیکن وہ کبھی ایک دو تو تھے نہیں۔ چنانچہ میں بہتوں سے ناواقف تھا۔

دادا کی سب سے زیادہ دل پسند چیز اُن کی مزیدار دوائیاں تھیں۔ یہ دوائیاں وہ ہم لوگوں کو بانٹتے تھے۔ چاہے کے ساتھ وہ انہیں بھاتے تھے۔ سب لڑکوں میں جو مہرے بھائی ہوتے تھے، میں ہی سب سے چھوٹا تھا اور مجھے سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ اس لئے سب لڑکے مجھ کو دادا ابا کے پاس چورں لینے کے لئے بھیجتے۔ میں پردہزک اُن کے پاس چلا جاتا اور کہتا—”دادا ابا، مجھے ذرا سا چورں دے دیجئے۔“

وہ محبت سے مسکراتے اور اپنے پرانے نوکر کو جو برسوں سے اُن کی خدمت میں رہا کرتا تھا پکارتے—”غفور، اُس بوتل کو الماری سے نکال لا۔“

غفور جو اپنے سوامی کی طرح خود بھی ہرزہا ہو گیا تھا لڑکھانا ہوا الماری تک جانا اور غلطی سے دوسری بوتل اُٹھا لیا۔

”یہ نہیں، دوسری بڑی بوتل جو میں نے تم سے کہا تھا۔“ دادا ابا اُونچی آواز کر کے کہتے۔ پھر بوتل سے ایک چمکی چورں نکال کر مہری ہتھیلی پر رکھ دیتے۔

”تھوڑا سا اور دادا ابا؟“

”بس اب نہیں، یہ زیادہ نہیں کھایا جاتا۔“

”لیکن فلاں فلاں کھائے بھی آگ رہے ہیں۔“ میں گدگد کر کہتا اور وہ کبھی کبھی چورں اور دے دیتے۔ میں اسے جُبان سے چاٹتا ہوا باہر نکل جاتا۔ میرے کھانے کی تہ گلی میں میرا منتظر کرتے اور دوڑ کر مجھے پکڑ لیتے۔

لیکن چائے پینے میں ہم سب کو بڑا مہذب آتا۔ شام کو ہم سب چار یا پانچ لڑکے، جو پانچ سات سال کی عمر کے تھے، دادا ابا کے بڑے کمرے میں جمع ہو جاتے۔ کبھی کبھی ہم لوگ بولا جاتے اور کبھی خود سے پہنچ جاتے۔ دادا ابا آرام کرتے اور سوتے ہوتے اور ہم سب اپنی چھوٹی چھوٹی مٹھوں سے اُن کے پاؤں پر مٹھیاں لگاتے۔ تب غفور ’سمادار‘ جلاتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کبھی اُس زمانے میں چائے تیار کرنے کے لئے سمادار استعمال کئے جاتے تھے۔ غفور سمادار لانا اور پاس رکھتا۔ جب پانی سسٹلے لگتا تو دادا ابا اُس میں دھڑ دھڑائی اور اُونچی آواز دیتے کہ اُس میں خوشبو آجائے۔ وہ کسی دوسرے کو چائے نہ بٹالتے دیتے۔ جب چائے تیار ہو رہی ہوتی، تو غفور چھلی کے پالے اور چمچے

मज्जूब कहना चाहिये, यह वे लोग हैं जिन पर रुहानियत का एक ऐसा दौरा आता है, जिसके कारन उन पर एक खास रंग छा जाता है, वे दुनिया से मुँह मोड़ लेते हैं, कहा जाता है कि दुनिया का कारखाना सूफियों की बदौलत चल रहा है, हर सूफी का एक खास हल्का असर होता है, यह लोग बेपरवाज फकीर होते हैं और सूफियाना जिन्दगी बसर करते हैं, कोई उनके रुतबे को नहीं जानता; लेकिन वह अपने असर वाले हल्के की देख भाल करते हैं, हम मामूली लोग उनको नहीं जान सकते, सिर्फ ऊँचे दर्जे के सूफी उनको पहचान सकते हैं।

बहुत से ऐसे लोग हमारे घर आया करते थे, हालाँकि दादा कोई सूफी नहीं थे, अलबत्ता वह सूफियों और फकीरों की कदर बहुत किया करते थे, मगर उनके सूफी दोस्त सब के सब कीमिया बनाने में बहुत दिलचस्पी लेते थे, वह अजीबो गरीब जड़ी बूटियों के, नायाब नुस्खे रखते थे और साँपों बौरह के बारे में उनको बड़ी जानकारी थी, मेरे दादा भी साँपों के बारे में बहुत कुछ जानते थे और उन्हें हाथ से पकड़ लेते थे।

बाज और दूसरी तरह के फकीर भी हमारे घर आया करते थे, उनमें एक चालीस बरस की उम्र का अंधा था, वह 'अंधा हाफिज' के नाम से मशहूर था, वह हमेशा नंगा और गन्दगी में लुथड़ा हुआ रहता, उसकी ढाढ़ी की तरह सर और जिस्म के बाल भी उलझे रहते, वह हमेशा हाथ में एक बड़ी लाठी लिये रहता और हमारे घर पर आम तौर पर रात को डोली में बैठकर आता, वह शायद ही कभी सोता और सारी रात, चाहे जाड़ा हो या गर्मी, इधर उधर घूमा करता था, लोग उसे बहुत पहुँचा हुआ फकीर समझते, असली मज्जूब ! उनके रुखाल में उसे इल्मेरौब भी हासिल था, वह बहुत बचपने से मज्जूब हो गया था और कहा जाता है कि उसने बहुत सी करामातें भी दिखाई थीं, वह कभी कोई ज़बानी बात न कहता, उसकी गुप्तगू सदा उलझी हुई होती थी, जब लोग उससे अपने मुसतक़-बिल की बात पूछते या कोई खास मुश्किल मामला समझना चाहते तो सवाल को अपने दिमाग में लेकर हाफिज जी के पास बैठ जाते और अक्सर उसकी उलझी हुई बात चीत और इशारों में अपने सवाल का जबाब पा लेते।

जंगे अजीम के जमाने में अंधे हाफिज पर गुस्से और राजब की हालत तारी रहती और वह अपना डन्डा जमीन पर बार बार पटकता, जब तक वह घर में रहता किसी फिक्र में इधर उधर घूमता फिरता और एक घड़ी भर भी दम न लेता, लोग कहते कि वह जंग का सब हाल जानता है कि इस वक्त कहाँ लड़ाई हो रही है, कौन जीत रहा है और कौन हार रहा है, मैं कभी नहीं भूल सकता कि वह अपनी ही गन्दगी में लुथड़ा हुआ, फर्श पर पड़ा रहता

मज्जूब कहा चाहते, ये दो लोग हैं, जो पर روحانियत का एक ऐसा दौरा आता है, जिस के कारन उन पर एक खास रंग छा जाता है, वे दुनिया से मुँह मोड़ लेते हैं, कहा जाता है कि दुनिया का कारखाना सूफियों की बदौलत चल रहा है, हर सूफी का एक खास हल्का असर होता है, यह लोग बेपरवाज फकीर होते हैं और सूफियाना जिन्दगी बसर करते हैं, कोई उनके रुतबे को नहीं जानता; लेकिन वह अपने असर वाले हल्के की देख भाल करते हैं, हम मामूली लोग उनको नहीं जान सकते, सिर्फ ऊँचे दर्जे के सूफी उनको पहचान सकते हैं।

बहुत से ऐसे लोग हमारे घर आया करते थे, हालाँकि दादा कोई सूफी नहीं थे, अलबत्ता वह सूफियों और फकीरों की कदर बहुत किया करते थे, मगर उनके सूफी दोस्त सब के सब कीमिया बनाने में बहुत दिलचस्पी लेते थे, वह अजीबो गरीब जड़ी बूटियों के, नायाब नुस्खे रखते थे और साँपों बौरह के बारे में उनको बड़ी जानकारी थी, मेरे दादा भी साँपों के बारे में बहुत कुछ जानते थे और उन्हें हाथ से पकड़ लेते थे।

बाज और दूसरी तरह के फकीर भी हमारे घर आया करते थे, उनमें एक चालीस बरस की उम्र का अंधा था, वह 'अंधा हाफिज' के नाम से मशहूर था, वह हमेशा नंगा और गन्दगी में लुथड़ा हुआ रहता, उसकी ढाढ़ी की तरह सर और जिस्म के बाल भी उलझे रहते, वह हमेशा हाथ में एक बड़ी लाठी लिये रहता और हमारे घर पर आम तौर पर रात को डोली में बैठकर आता, वह शायद ही कभी सोता और सारी रात, चाहे जाड़ा हो या गर्मी, इधर उधर घूमा करता था, लोग उसे बहुत पहुँचा हुआ फकीर समझते, असली मज्जूब ! उनके रुखाल में उसे इल्मेरौब भी हासिल था, वह बहुत बचपने से मज्जूब हो गया था और कहा जाता है कि उसने बहुत सी करामातें भी दिखाई थीं, वह कभी कोई ज़बानी बात न कहता, उसकी गुप्तगू सदा उलझी हुई होती थी, जब लोग उससे अपने मुसतक़-बिल की बात पूछते या कोई खास मुश्किल मामला समझना चाहते तो सवाल को अपने दिमाग में लेकर हाफिज जी के पास बैठ जाते और अक्सर उसकी उलझी हुई बात चीत और इशारों में अपने सवाल का जबाब पा लेते।

जंगे अजीम के जमाने में अंधे हाफिज पर गुस्से और राजब की हालत तारी रहती और वह अपना डन्डा जमीन पर बार बार पटकता, जब तक वह घर में रहता किसी फिक्र में इधर उधर घूमता फिरता और एक घड़ी भर भी दम न लेता, लोग कहते कि वह जंग का सब हाल जानता है कि इस वक्त कहाँ लड़ाई हो रही है, कौन जीत रहा है और कौन हार रहा है, मैं कभी नहीं भूल सकता कि वह अपनी ही गन्दगी में लुथड़ा हुआ, फर्श पर पड़ा रहता

میں کبھی کامیابی نہیں ہوئی، ایک ماں سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے نانا، جو میرے دادا کے چچیرے بھائی تھے، ایک مرتبہ کامیاب ہو گئے تھے۔ کسی فقیر نے انہیں ایک شیشی میں کوئی چوڑی دی تھی، جس کے ذریعے انہوں نے ایک نانہ کے پیسے کو سولے میں بدل دیا تھا اور جس سے مہروی ماں کے لٹے سولے کی بالیاں بنائی گئی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو صندوق میں بند کر کے رکھ دیا۔ لیکن اُن کے دوست قلندر شاہ صوفی کو جب یہ معلوم ہوا کہ میرے نانا کے ہاتھ کیسے لگ گئی ہے، تو انہوں نے اس کو پرہاد کرنے کا حکم دیا، کیونکہ اس سے آدمی لالچی ہو جاتا ہے اور اُس کا دل خدا اور صوفیوں کی طرف سے پھر جاتا ہے۔ مہروی ماں کو، جو اُس وقت بہت چھوٹی تھیں، اس نایاب چوڑی کے پرہاد ہوجانے کا ہوا دکھ ہوا، جو نانہ کو سولے میں بدل دیتی تھی۔ لیکن مہرے نانا، جو ایک صوفی بزرگ تھے اور قلندر شاہ سے صحبت کرتے تھے، اُس کے تعلقات کو بگاڑنا نہ چاہتے تھے اور انہوں نے قلندر شاہ کی دل شکنی کے قریب سے دولت کی کنجی کو پرہاد کر دیا۔ دوستی کے خاطر کون اپنی دولت کے ایک حصہ کی بھی قربانی کرے گا اور پھر آجکل؟

مجھے اپنے دادا کے ایک دوست خوب یاد ہیں۔ اُن کا نام نام نادرشاہ تھا۔ وہ فقیر تھے۔ ہوشہ ایک کالا کنبہ لاپتہ رہا کرتے تھے۔ وہ بڑے تھے مگر شاندار۔ جب کبھی ہم اُن کی موجودگی میں گھر سے باہر نکلتے، تو وہ ہمارے سر پر ہاتھ پھیرتے اور ہم کو آشورواد اور دعا دیتے۔ وہ دادا کے سب سے زیادہ گہرے دوست تھے۔ اُن کی خاطر دادا ابا بہت کچھ کر دیتے۔ جب کبھی کسی پریشانی میں پھنسے ہوتے تو فوراً نادرشاہ کو بلاتے۔ انہوں نے مجھ کو کچھ تعویذ دیئے تھے، جو دس گیارہ برس کی عمر میں چاندی کے خول میں ملے ہوئے میرے گلے میں پڑے رہے۔

دادا کے ایک اور کیمیا گر دوست تھے۔ لیکن میں اُن سے گہرا ناتنا تھا، کیونکہ وہ مجھے دوبارہ ختنہ کا تر دلا کر دھمکاتے تھے۔ حالانکہ یہ سب مذاق ہی مذاق تھا، لیکن میں سہم جانا تھا۔ ایک دن انہوں نے میرا کان کاٹ لیا۔ وہ ایک لڑکے کی کہانی سناتے تھے، جس نے اپنے باپ کے دوست کی طرف سے پیررواہی برتی تھی۔ اُن بزرگ نے اُس وقت تو کچھ نہ کہا، لیکن ایک دن لڑکے کو بلایا اور اُس کے کان میں کچھ کہنے کے بھانے سے جھپک کر اُس کے کان کی لو کاٹ لی۔ انہوں نے واقعہ بتاتے بتاتے میرا کان بھی کاٹ لیا۔ میں سوچتا ہوں کہ کہیں میں نے تو کبھی جانتے ہوئے اُن کی طرف سے پیررواہی نہیں برتی تھی۔

اسی طرح ارر بہت سے لوگ اندر میرے دادا سے ملے آیا کرتے تھے۔ بہت سے گھبر اور پاگل قسم کے لوگ۔ لیکن ان کو پاگل کہا حماقت ہوگی۔ اُن کو

میں کبھی کامیابی نہیں ہوئی، ایک ماں سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے نانا، جو میرے دادا کے چچیرے بھائی تھے، ایک مرتبہ کامیاب ہو گئے تھے۔ کسی فقیر نے انہیں ایک شیشی میں کوئی چوڑی دی تھی، جس کے ذریعے انہوں نے ایک نانہ کے پیسے کو سولے میں بدل دیا تھا اور جس سے مہروی ماں کے لٹے سولے کی بالیاں بنائی گئی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو صندوق میں بند کر کے رکھ دیا۔ لیکن اُن کے دوست قلندر شاہ صوفی کو جب یہ معلوم ہوا کہ میرے نانا کے ہاتھ کیسے لگ گئی ہے، تو انہوں نے اس کو پرہاد کرنے کا حکم دیا، کیونکہ اس سے آدمی لالچی ہو جاتا ہے اور اُس کا دل خدا اور صوفیوں کی طرف سے پھر جاتا ہے۔ مہروی ماں کو، جو اُس وقت بہت چھوٹی تھیں، اس نایاب چوڑی کے پرہاد ہوجانے کا ہوا دکھ ہوا، جو نانہ کو سولے میں بدل دیتی تھی۔ لیکن مہرے نانا، جو ایک صوفی بزرگ تھے اور قلندر شاہ سے صحبت کرتے تھے، اُس کے تعلقات کو بگاڑنا نہ چاہتے تھے اور انہوں نے قلندر شاہ کی دل شکنی کے قریب سے دولت کی کنجی کو پرہاد کر دیا۔ دوستی کے خاطر کون اپنی دولت کے ایک حصہ کی بھی قربانی کرے گا اور پھر آجکل؟

مجھے اپنے دادا کے ایک دوست خوب یاد ہیں۔ اُن کا نام نام نادرشاہ تھا۔ وہ فقیر تھے۔ ہوشہ ایک کالا کنبہ لاپتہ رہا کرتے تھے۔ وہ بڑے تھے مگر شاندار۔ جب کبھی ہم اُن کی موجودگی میں گھر سے باہر نکلتے، تو وہ ہمارے سر پر ہاتھ پھیرتے اور ہم کو آشورواد اور دعا دیتے۔ وہ دادا کے سب سے زیادہ گہرے دوست تھے۔ اُن کی خاطر دادا ابا بہت کچھ کر دیتے۔ جب کبھی کسی پریشانی میں پھنسے ہوتے تو فوراً نادرشاہ کو بلاتے۔ انہوں نے مجھ کو کچھ تعویذ دیئے تھے، جو دس گیارہ برس کی عمر میں چاندی کے خول میں ملے ہوئے میرے گلے میں پڑے رہے۔

دادا کے ایک اور کیمیا گر دوست تھے۔ لیکن میں اُن سے گہرا ناتنا تھا، کیونکہ وہ مجھے دوبارہ ختنہ کا تر دلا کر دھمکاتے تھے۔ حالانکہ یہ سب مذاق ہی مذاق تھا، لیکن میں سہم جانا تھا۔ ایک دن انہوں نے میرا کان کاٹ لیا۔ وہ ایک لڑکے کی کہانی سناتے تھے، جس نے اپنے باپ کے دوست کی طرف سے پیررواہی برتی تھی۔ اُن بزرگ نے اُس وقت تو کچھ نہ کہا، لیکن ایک دن لڑکے کو بلایا اور اُس کے کان میں کچھ کہنے کے بھانے سے جھپک کر اُس کے کان کی لو کاٹ لی۔ انہوں نے واقعہ بتاتے بتاتے میرا کان بھی کاٹ لیا۔ میں سوچتا ہوں کہ کہیں میں نے تو کبھی جانتے ہوئے اُن کی طرف سے پیررواہی نہیں برتی تھی۔

اسی طرح ارر بہت سے لوگ اندر میرے دادا سے ملے آیا کرتے تھے۔ بہت سے گھبر اور پاگل قسم کے لوگ۔ لیکن ان کو پاگل کہا حماقت ہوگی۔ اُن کو

بالوں کے لکھنے تھے۔ وہ اس بھنگی سے کٹے हुए ہوتے تھے کہ ان کا کٹا ہوا ایک تلواری کی تیز بازو کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ وہ ایک طائر فوجی کی طرح تن کر ایک سیدھے میں چلتے تھے اور ان کی ہاتھ رنگ کی کاردار تھیں ان کے سر پر ذرا آبی دھبی تھی۔ ان کی نگاہوں اور آواز میں بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔

گرمیوں کے زمانے میں وہ ہمیشہ تانچے کا آئینہ پہنتے تھے، جو اس طرح ہوتا تھا کہ ایک طرف کا سیلہ کھلا رہتا تھا۔ (اُس زمانے میں نیچے دوسرا کھڑا پہنتے تھے)۔ چارے میں وہ جامہ دار کا انگریز پہنتے تھے، جس میں عام طور پر سیاہ زمیں پر سفید سادے پھول ہوتے تھے۔ وہ چست مہرے کا چوڑدار پاجامہ پہنتے، پیروں میں دھندلے شوخ رنگ کا جوتا ہوتا، جس پر سنہرے کام کا ایک پھول ہوتا اور جس کی نوک اوپر کو مڑی ہوتی۔ اس پر جب وہ انگریز پہن کر کھڑے ہوتے، تو بے حد شاندار معلوم ہوتے، یہی کہی جازوں میں وہ عائدہ باندھتے تھے، جس کے پیچ بہت کسے ہوتے تھے اور ان کی ایک بھر کو ڈمک لیتے تھے۔ اس سے وہ چست تو بہت معلوم ہوتے، لیکن خونخوار سے ہو جاتے۔

وہ زنانہاں میں سوائے کھانے کے وقت کے بہت کم آتے تھے۔ وہ اپنی چائے خور بنایا کرتے تھے۔ جب کبھی وہ آتے، تو اپنے آلے کی خور دینے کے لئے زر سے کھڑتے، تاکہ عورتوں میں اچانک نہ پہنچ جائیں۔ ان کی آواز سننے ہی بالغ لڑکیاں، بھرتیں اور دوسری بیویاں اپنے ڈوٹے سنبھال کر سروں کو ڈمک لیتیں اور ادب سے بیٹھ جاتیں۔ بچے خاموش ہو کر بھاگ جاتے۔ ان کی چال میں تو رعنائی ہمیشہ سے تھی، پہل تک کہ 76 برس کی عمر میں ان پر لقوہ گرا، اس کے بعد سے وہ برابر بستر پر پڑے رہتے۔ یا تو کسی سے باتیں کیا کرتے یا اپنے غم کھایا کرتے، لیکن ان کی نگاہوں اور آواز میں اب بھی وہی رعب داب تھا۔ ان کے شوق، کیمیا، مچھالی کا شکار، بڑے چینی کے برتنوں کا بھنڈار جمع کرنا، دوائیں تیار کرنا وغیرہ تھے۔ ہر طرح کے فقیر اور صوفی ان کے پاس آیا کرتے تھے اور کہتے ان سے نایب جڑی بوٹیوں کے متعلق باتیں کیا کرتے۔ مکان کا مردانہ حصہ بوندوں سے بھرا ہوا تھا اور ان میں چوڑے بڑے عجب عجیب بندوقوں کے کائے دار بوندے تھے، جو ایک کیمیاگر کے سار اور سامان کا حصہ ہونے لگیں۔ الماریوں میں بہت سے پتھر، ہر قسم کی دوائیں، خشک جڑی بوٹیاں اور پھول بھرے ہوتے تھے۔

دادا ابا اپنے بستر پر پڑے پڑے یہی تصویرہ کیا کرتے اور ہمیشہ نئے نسخے کی تلاش میں رہتے، روزِ شام کو نوکر جامع مسجد جایا کرنا اور نئی بوٹیاں لاتا۔ لیکن جہاں تک مچھو یاد ہے، ان کو سونا پلانے

دادا ارباب اپنے بستر پر پڑے-پڑے ہی توجہ کیا کرتے اور ہمیشہ نئے نسخے کی تلاش میں رہتے، روزِ شام کو نوکر جامع مسجد جایا کرنا اور نئی بوٹیاں لاتا۔ لیکن جہاں تک مچھو یاد ہے، ان کو سونا پلانے

मेरे बचपन की सब से ज्यादा जीती जागती तस्वीर मेरे दादा की याद है, वे एक बड़ी भारी उम्र के बुजुर्ग थे और उन लोगों में से थे जो अब क़रीब क़रीब नायाब हैं, बर्तानिवी साम्राज के दौर दौरे और आमदनी और खर्च के पूँजीवादी तरीक़ों के शुरू होने के साथ ही जागीरदारी ज़माने के इस तरह के लोग अब बहुत कम नज़र आते हैं, कभी-कभी देहली या लखनऊ जैसे शहर की किसी तंग गली में हमें ऐसे दो-चार लोग दिखाई दे जाते हैं, वे अपने आस पास की चीज़ से मुँह मोड़ लेते हैं और मरारिबी तहज़ीब और ख़याल को मंज़ूर करने से परहेज़ करते हैं, सड़कों पर चलते हुए शायद उनका ख़ुद में मालूम होती है, वह अपने को कुछ बीते हुए ज़माने का महसूस करते हैं, ग़ालिबन वह तहज़ीब के इस नये दौर को पसन्द नहीं करते, जो उनपर लाद दिया गया है, लेकिन फिर भी वे अपना सर ऊँचा रखते हैं, शायद यह सोचकर कि वे भी कभी कुछ थे और उनकी आँखों ने भी बहुत कुछ देखा है, इन्होंने अभी अपने लिबास को नहीं छोड़ा है और अब भी मलमल का अँगरखा और पुराने तर्ज़ के सुर्ख़ रंग के जूते पहने नज़र आते हैं, उनकी दाढ़ियाँ बनी सँवरी और चढ़ी हुई होती हैं, या बड़ी शान से सीनों पर गिरी रहती हैं, उनकी दाढ़ियाँ मौलवियों की उन दाढ़ियों से जुदा होती हैं, जो गंदी और उलझी हुई होती हैं और जिनमें कोई खूब-सूरती और शान नहीं होती, पुराने शरीफ़ों की दाढ़ी में एक शान होती थी, वे पट्टे रखते थे, उनमें तेल लगाकर कंधी से सँवारते थे और बीच से माँग निकालते थे, देहली में वे कड़ी दीवार की गोल कामदार टोपियाँ पहनते और लखनऊ में सफ़ेद चिकन की छोटी-छोटी टोपियाँ, जो उनके सर पर बीचो बीच बड़ी सफ़ाई से रखी रहतीं,

लखनऊवालों की आदत और तर्ज तरीके में कुछ खनानापन पाया जाता. उनकी चाल ढाल में एक खनाना लोच होता, जैसा पुराने जमाने की मोहब्बत तबाइफों में पाया जाता था. जब वे सलाम करते, तो उनकी पतली कमर बल खा जाती, उनके हाथों में एक नाचने वाली की सी अदा आजाती. ऐसा मालूम होता है कि ऊपर गर्दन के खम और नीचे हाथों की अदा को मिलाकर वे हवा में एक मेहराब बना रहे हैं. इसके बरखिलाफ देहली के लोगों में मरदानगी ज्यादा है. मैं यहाँ पुराने शरीफों का जिक्र कर रहा हूँ.

मेरे दादा का क्रव है, फुट दो इंच था, वह बड़े डील डील के थे और उनकी रोबदार शक्तियुक्त थी, उनकी दाढ़ी सफेद थी और बीच-में से ऊपर-ऊपर बँधी रहती थी, उनका सर गंजा था, मगर चारों तरफ सफेद और नरम

مہرے بچپن کی سب سے زیادہ جیتی جاگتی تصویر مہرے دادا کی یاد ہے۔ وہ ایک بڑی بھاری عمر کے بزرگ تھے اور اُن لوگوں میں سے تھے، جو اب قریب قریب ناپاب ہیں۔ برطانوی سامراج کے دور دورے اور آمدنی اور خرچ کے پونجی والی طریقوں کے شروع ہونے کے ساتھ ہی جاگیرداری زمانے کے اِس طرح کے لوگ اب بہت کم نظر آتے ہیں۔ کبھی کبھی دہلی یا لکھنؤ جیسے شہر کی کسی تنگ گلی میں ہمیں ایسے دے چار لوگ دھائی دے جاتے ہوں۔ وہ اپنے آس پاس کی چیز سے ملے مرز لیتے ہیں اور مغربی تہذیب اور خیال کو ملاحظہ کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ سڑکوں پر چلتے ہوئے شاید اُن کو خرد چھینپ معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے کو کچھ پتہ ہوئے زمانے کا محسوس کرتے ہیں۔ غالباً وہ تہذیب کے اِس نمونے دور کو پسند نہیں کرتے، جو اُن پر لا دیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اپنا سر اونچا رکھتے ہیں، شاید یہ سوچ کر کہ وہ بھی کبھی کچھ تھے اور اُن کی آنکھوں نے بھی بہت کچھ دیکھا ہے۔ انہوں نے ابھی اپنے لباس کو نہیں چھوڑا ہے اور اب بھی ملل کا انکڑھا اور پرانے طرز کے سرخ رنگ کے جوتے پہنے فظوظ آتے ہیں۔ اُن کی تازہیاں بنی سادہ اور چڑھی ہوئی ہوتی ہیں، یا بڑی شان سے سنہیں پر گری رہتی ہیں۔ اُن کی تازہیاں مواویوں کی اُن تازہوں سے جدا ہوتی ہیں، جو گندھی اور اُلجھی ہوئی ہوتی ہیں اور جن میں کوئی خوبصورتی اور شان نہیں ہوتی۔ پرانے شریفوں کی تازہی میں ایک شان ہوتی تھی۔ وہ پتہ رکھتے تھے، اُن میں تھل لگا کر نلکھی سے سنوارتے تھے اور پیچ سے مانگ نکالتے تھے۔ دہلی میں وہ کڑی دیوار کی گول کا مدار ٹوپیاں پہنتے اور لکھنؤ میں سفید چکن کی چھوٹی چھوٹی ڈوبیاں، جو اُن کے سر پر بچپن میں پہنی ہوئی تھیں، پہنتے تھے۔

لکھاؤ و اداؤں کی عادت اور طرز طریقے میں کچھ زمانہ پن پایا جاتا۔ اُن کی چال قِمال میں ایک زمانہ اوچ ہوئے، جیسا پرانے زمانے کی مہذب طوائفوں میں پایا جاتا تھا۔ جب وہ ملام کرتے، سو اُن کی بکلی کمر ہل کہا جاتی، اُن کے ہاتھوں میں ایک ناچنے والی کی سی ادا آجاتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اوپر گردن کے خم اور نیچے ہاتھوں کی ادا کو ملا کر وہ ہوا میں ایک مہرآب پیدا رکھتے ہیں۔ اِس کے برخلاف دھلی کے لوگوں میں مردانگی زیادہ ہے۔ مومن یہاں کے پرانے شریفوں کا ذکر کر رہا ہیں

مہرے دادا کا کہ چھ مہرے دو انچ تھا۔ وہ بڑے تھل تھل کے
تھے اور اُن کی رعب دار شخصیت تھی۔ اُن کی ذاتی سفید تھی
اور بیچ میں سے اندر اندر چڑھی رہتی تھی۔ اُن کا
سر گنجد تھا، مگر چاروں طرف سفید اور نرم

میرے دادا ابّا

[سن 1857 کے زمانے کے لوگوں کا ایک خاکہ]

پروفیسر احمد علی ایم اے

جیندگی ایک دریا کی طرح بہتی ہے اور اس کے بہاؤ کو کوئی نہیں روک سکتا۔ جب ہم زندگی کے ایک خاص دور سے لڑتے ہیں، تو اس کے بہاؤ کو دیکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ ہم خود اس کی رو میں بہتے ہوئے ہیں، اس کے بہاؤ میں ہمارے ہونے والے ہر لمحے کو اپنے چلے جاتے ہیں اور ہم کو زندگی کا یہ بہاؤ محسوس نہیں ہوتا۔ درخت ہوا میں جھومتے ہیں۔ ان کی اچلی ٹوٹی ہوئی پتھریاں سطح پر اپنا عکس ڈالتی ہیں اور ان پتھریاں مددگار ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ جنوں کی سطح پر ہماری مثال بھی انہیں توہانی عورتی پرچہ نہیں کی طرح۔ مگر دریا بہتا جاتا ہے، ہماری پرچہ نہیں سے لپرواہ اور ہوں کے ناچ کی طرف بغیر رخ نہ۔

کبھی کبھی ہمیں یہ خیال آتا ہے کہ ہم کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں، لیکن جب توفان سر سے گزر جاتا ہے، تب ہم اپنی نजर اس پر جما سکتے ہیں۔ اسی وقت ہم خیالوں سے آزاد ہو کر اس کی تھیلی جانچ کر سکتے ہیں۔

زندگی ایک جھوٹا درخت ہے، جس کی تصویر کوئی ہمارا نہیں آڈر سکتا۔ ہم تو صرف اس کی زندگی ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ اس کے بہاؤ نے ناچ سے لطف اٹھا لیا ہے۔

گذر جانے کے بعد ہی ہم چیزوں کی کلپنا اور ان کی جانچ کر سکتے ہیں ان کی خصوصیتوں کو جان سکتے ہیں۔ اس وقت ہم گہرائی کو محسوس کر سکتے ہیں۔

زنداشت میں توفان کی یاد نہیں رہتی۔ راجنیتک پتھریاں کا نشان تک نہیں ہوتا اور ہم پر آج کل جو گذر رہی ہے، اس کی یاد ہم سے بہت دور ہوتی ہے۔ ہمارے کمال کے لئے ہمیں انسانیت کا شاندار جہیز ملتا ہے اور اپنی حالت کی بہتری اور حق کے لئے جنگ ہمارے باداشت سے سب سے بہت دور ہوتے ہیں۔ یاد دل کے سارے زخموں کو بہر دیتی ہے، سب سے بہت دور ہوتے ہیں کیونکہ یاد، جو ہمیں ہونے والوں کو لپرواہ نہ کر سکتی ہے، انصاف کو عزیز ہے۔

میرے دادا ابّا

[سن 1857 کے زمانے کے لوگوں کا ایک خاکہ]

پروفیسر احمد علی ایم اے

زندگی ایک دریا کی طرح بہتی ہے اور اس کے بہاؤ کو کوئی نہیں روک سکتا۔ جب ہم زندگی کے ایک خاص دور سے لڑتے ہیں، تو اس کے بہاؤ کو دیکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ ہم خود اس کی رو میں بہتے ہوئے ہیں، اس کے بہاؤ میں ہمارے ہونے والے ہر لمحے کو اپنے چلے جاتے ہیں اور ہم کو زندگی کا یہ بہاؤ محسوس نہیں ہوتا۔ درخت ہوا میں جھومتے ہیں۔ ان کی اچلی ٹوٹی ہوئی پتھریاں سطح پر اپنا عکس ڈالتی ہیں اور ان پتھریاں مددگار ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ جنوں کی سطح پر ہماری مثال بھی انہیں توہانی عورتی پرچہ نہیں کی طرح۔ مگر دریا بہتا جاتا ہے، ہماری پرچہ نہیں سے لپرواہ اور ہوں کے ناچ کی طرف بغیر رخ نہ۔

کبھی کبھی ہمیں یہ خیال آتا ہے کہ ہم کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں، لیکن جب توفان سر سے گزر جاتا ہے، تب ہم اپنی نजर اس پر جما سکتے ہیں۔ اسی وقت ہم خیالوں سے آزاد ہو کر اس کی تھیلی جانچ کر سکتے ہیں۔

زندگی ایک جھوٹا درخت ہے، جس کی تصویر کوئی ہمارا نہیں آڈر سکتا۔ ہم تو صرف اس کی زندگی ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ اس کے بہاؤ نے ناچ سے لطف اٹھا لیا ہے۔

گذر جانے کے بعد ہی ہم چیزوں کی کلپنا اور ان کی جانچ کر سکتے ہیں ان کی خصوصیتوں کو جان سکتے ہیں۔ اس وقت ہم گہرائی کو محسوس کر سکتے ہیں۔

زنداشت میں توفان کی یاد نہیں رہتی۔ راجنیتک پتھریاں کا نشان تک نہیں ہوتا اور ہم پر آج کل جو گذر رہی ہے، اس کی یاد ہم سے بہت دور ہوتی ہے۔ ہمارے کمال کے لئے ہمیں انسانیت کا شاندار جہیز ملتا ہے اور اپنی حالت کی بہتری اور حق کے لئے جنگ ہمارے باداشت سے سب سے بہت دور ہوتے ہیں۔ یاد دل کے سارے زخموں کو بہر دیتی ہے، سب سے بہت دور ہوتے ہیں کیونکہ یاد، جو ہمیں ہونے والوں کو لپرواہ نہ کر سکتی ہے، انصاف کو عزیز ہے۔



इफ़लास

डाक्टर असर मीनाई

कल सरे राह^१ जमाने ने तमाशा देखा,
एक इन्सान को फाक्तों से तड़पता देखा.
पेट तलवार की मानिन्द खिंचा^२ ठोठ तलक,
ऐसी तस्वीर कि था लश्का^३ बरअन्दाम^४ फ़लक^५.
खिन्दगी कर्ब^६ से दम तोड़ रही थी ऐसे,
राहे उल्लूक^७ में तड़पता हुआ बिस्मिल^८ जैसे.
ऐसी तस्वीर का हर शख्स तमाशाई था,
मरता इन्सान भी खिन्दों का मगर भाई था.
मौत का था ये तक्काजा^९ कि रगे जाँ न रहे,
बहरी^{१०} ताने हुए तलवार कि इन्साँ न रहे.
बहरे इन्दाद^{११} कोई दस्ते हमैयत^{१२} न बढ़ा,
और बिस्मिल का उधर ख़ात्मा बिल्खैर^{१३} हुआ.
मेरे दिल पर वह असर था कि जुबों थी ख़ामोश,
मुजमहिल^{१४} हो गए आजा^{१५} कि रहा कोई न होश.
कितने मुफलिस^{१६} यों ही रोखाना गुजर जाते हैं,
यानी इफ़लास^{१७} से बेमौत ही मर जाते हैं.
कशमकशहाए^{१८} जुनूँ चाहिये जीने के लिये,
एक तूफ़ान है दरकार^{१९} सफ़ीने^{२०} के लिये.
वो जुनूँ खेजिये^{२१} पैहम^{२२} जो सलासिल^{२३} तोड़े,
मौजे तूफ़ान है जो सीनए सादिल^{२४} तोड़े.
अक़ल बेदार^{२५} है इन्सान समझदार है आज
अपने बस में है 'असर' ऐसी तबाही का इलाज

افلاس

ڈاکٹر انرمیدائی

کل سر راہ زمانے نے تماشا دیکھا,
ایک انسان کو فانوں سے تڑپتا دیکھا.
پیٹ تلوار کی مانند کھینچا پیٹھ تلک,
ایسی تصویر کہ تھا لڑوہ براندام^۴ فلک^۵.
زندگی کرب سے دم توڑ رہی تھی ایسے,
راہ الفت میں تڑپتا ہوا بے عمل جیسے.
ایسی تصویر کا ہر شخص تماشا ہی تھا,
موتا انسان بھی زندگیوں کا مگر بھائی تھا.
موت کا تھا یہ تقاضا کہ رگ جاں نہ رہے,
وحشی قاتلے ہوا تلوار، انسان نہ رہے.
بہر امداد کوئی دست حمایت نہ بڑھا,
اور بے عمل کا ادھر خاتمہ بالخیر ہوا.
مہرے دل پر وہ اثر تھا کہ زبان نہیں خاموش,
مضمحل ہو گئے انصاف کہ بھا کوئی نہ ہوش.
کتے مفلس بونہی روزانہ گذر جاتے ہیں,
یعنی افلاس سے بے موت ہی مر جاتے ہیں.
کشمکشہائے جلوں چاہئے جیلے کے لئے,
ایک طوفان ہے درکار سفینے کے لئے.
وہ جاوں خیزنی بدھم جو سلسل نہرے,
موج طوفان ہے جو سینے ساحل توڑے.
عقل بیدار ہے انسان مسجددار ہے آج
اپنے بس میں ہے 'اثر' ایسی تباہی کا علاج

१—मार्ग में, २—थरिया हुआ, ३—आकाश, ४—बेचैनी, ५—प्रेम, ६—घायल, ७—लगावा, ८—प्राण की नस,
९—जङ्गली, १०—सहायता के लिये, ११—सहायता का हाथ, १२—मृत्यु, १३—ढीले, १४—बंग, १५—निर्धन,
१६—निर्धनता, १७—खींच तान, १८—आबरयकता, १९—बेड़ा, २०—पागलपन, २१—लगातार, २२—बँधन, २३—तड़
२४—जाग्रत.

یہ وہ پرستہ ہوسنی تھی جس پر سن 1857 کی آ.جا.ادی نے کرائنٹی کا سرجن ہوا۔ ایک ہوجہ:ی کوئی اس کی تصویر پہنچتا ہوا کہتا ہے:—

بہا اکال روگ دیسوا ماہاتمہ
پہتا کے ہادل کو گر ہوا!
دکھوا کے ندیا اگم جلا پنیا,
جولم کے ہوا سز سز ہولہ!

اور تب یہ گرام کوئی ساہس بتور نہ پیشینگوئی کرتا ہے کہ:—

اب تور نیا نہ ہجہم ہدیسوا
’رام نام ست‘ اب ندیا میں ہولہ!

آج جب ہم سن 1857 کی آ.جا.ادی کی لڑائی کا سوسالہ جشن‘ شادی ساروہ منا رہے ہیں تو وہ پیشینگوئی سچ بنی ہوئی ہے۔

[اس لکھ کے لکھنے میں ہمیں بھائی پرکاش چندر جی گپت شری منہائی لال جیسوال‘ شری سریش سنگھ‘ شری وچلہس‘ شریمتی سوشلا دیوی آدی سے انمول سپاہیتا ملی—لوہک]

غلامی کے ساتھ مانوتا کی مترقا

شری عبدالحمید انصاری

آزادی آگئی۔ آزادی آنے کے معلی غلامی چلی گئی۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غلامی کے ساتھ مانوتا بھی گئی۔ کیا۔ غلامی ایسی ہی اچھی چیز تھی کہ مانوتا جیسی شدہ اور سلندر چیز کو وہ اپنے ساتھ لے جائے یا مانوتا خود اُس کے ساتھ ہو گئی کہول اُس کی اچھائی کے کارن—ہرگی اُس میں ضرور کوئی خوبی اور اچھائی‘ ورنہ مانوتا کو تو آزادی کا ہی ساتھ دینا چاہئے تھا۔ بنا مانوتا کے آزادی‘ کسی سونی سونی اور پوروق سی ہے! کتا بھانک بن ہے اُس کے دانارن میں!

مانوتا نے اپنے اثر سے غلامی کو انسانیت کے قاب میں ڈھالا تھا۔ تہذیب کا جامہ پہنایا تھا۔ جب غلامی مانوتا کے رنگ روپ میں اچھی طرح ڈھل گئی تو اُس نے اُس سے دوستی گنتھی۔ اُس کی دوستی بھی دو سو برس پرانی اور تاریخی دوستی تھی۔ اُس پرانی دوستی کے ناتے یہ اُس کے ساتھ ہو لی۔ دوستی کا حق بھی ادا کیا اور مشرقی رواداروں کو بھی نہایا۔ ہم ایسا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے مگر یہ ایک نئے پرکار کا انبوہ جو ہم کو ہوا ہے اُس کی بنا پر کوئی شک اور شکا کی گنتھاں نہیں رہ جاتی ہے اب۔

ہوے گھلے گنگال ہو بیدہی تو رہے رجا میں ۔ ٹھک ۔
 سونوا کے تھالی چھوڑا جھوٹا چھوٹا رہاں
 کٹوا کے تھوکیا کے ہوئے گھلے گنگال ہو ۱۱ بیدہی تو رہے ۱۱
 भारत کے लोग आज दाना बिना तरसे भैया ।

لندن کے کٹا آواہیں مچا مال ہو ۔ ویدہی تو رہے ۱۱

پہلی اقبال کی سورت میں سن ۵۷ کی تھریک شروع
 ہوئی۔ اسے دبانے کے لیے کمپنی کی سرکار نے جو۔ جزم
 اور انیٹی کی اس سے تھریک تو دب گئی، ہندوستانیوں
 کے دل میں ڈر تو بٹ گیا لیکن بھومری دور نہ ہو سکی ۔ رسراج کو کہتے ہیں :—

गदा गनीम, गुहार उठयो, सत्तावन में सिंगरे जग जानी ।

کے انانی انانی کیو، سب ہندو پنا دیو میں بھو مانی ۱۱

دش کی اس سمی کی ہالوت پر سمکالوین کوی 'پرم دھن'
 دھن' لیکھتے ہیں :—

भागो भागो अब काल पड़ा है भारी
 भारत पे घेरी घटा बिपत की कारी.
 सब गये बनज-व्यापार इतैं सो भागी,
 उद्यम पौरुष नखि दिये बनाव अभागी.
 अब बची खुबी खेती हूँ खिखकन लागी,
 बारहुँ दिखि लागी है मेंहगी की आगी,
 सुनिये चिलायें सब परजा भई भिखारी,
 भागो भागो अब काल पड़ा है भारी.

अंगरेजी राज में भारत की दरिद्रता की एक दूसरी
 माँकी भारतेन्दु के शब्दों में देखें :—

कल के कलबल छलन सों छलै इतै के लोग,
 नित नित धन सों घटत है, बाढ़त हैं दुःख सोग.
 मारकीन मलमल बिना चलत कछु नहि काम,
 परदेसी जुलहान के मानहु भए गलाम.
 वस्त्र काँव कागज कलम चित्र खिलौने आदि,
 आवत सब परदेश सों नितहि जहाजन लादि.

उस जमाने के बंगाली देशभक्त बजाय क्रान्ति के महच्च
 लेकचर और तक्ररीरों के जरिये देश की हालत सुधारने पर
 एतकाद रखते थे. उनपर फत्ती कसते हुए प्रतापनारायण
 मिश्र कहते हैं :—

सर्वस लिये जात अंगरेज,
 हम केवल 'ल्यकचर' के तेज.
 अम बिनु बातें का करती हैं,
 कहुँ टेटकन गाजें डरती हैं.
 अपना काम आपने ही हाथ मल होई,
 परदेशिन परधर्म ते आशा नहि कोई.

ہوئی کٹلے کنگال ہو ویدہی تو رہے رجا میں؛ ٹھک ۔
 سونوا کے تھالی چھوڑا جھوٹا چھوٹا رہاں
 کٹوا کے تھوکیا کے ہوئی گھلے گنگال ہو ۔ ویدہی تو رہے...
 भारत کے لوگ آج دانا بنا ترسے بھैया
 لندن کے کٹا آواہیں مچا مال ہو ۔ ویدہی تو رہے ۔
 ایسی اقبال کی صورت میں سن ۵۷ کی تحریک شروع ہوئی۔
 اسے دبانے کے لئے کمپنی کی سرکار نے جو ظلم اور انیٹی کی اس
 سے تحریک تو دب گئی، ہندوستانیوں کے دل میں ڈر تو بٹ گیا
 لیکن بھومری دور نہ ہو سکی ۔ رسراج کو کہتے ہیں :—
 गदा गनीम, गुहार उठयो, सत्तावन में सिंगरे जग जानी
 کے انانی انانی کیو، سب ہندو پنا دیو میں بھو مانی ۱۱

دیش کی اس سمی کی حالت پر سمکالوین کوی 'پرم دھن'
 لیکھتے ہیں :—

بھاگو بھاگو اب کال پڑا ہے भारी
 भारत پر گھیری گھٹا بہت کی گاری.
 سب گئے بنج-ویپار انوں سو بھاگی
 اُدیم پوروش نسی دیئے بنائے ابھاگی.
 اب بچی کھچی کھیتی ہو کھسکن لاگی
 چار ہوں دس لاگی ہے مہنگی کی آگی.
 سنڈے چلائیں سب پر جا بھئی بھکاری
 بھاگو بھاگو اب کال پڑا ہے भारी.

انگریزی راج میں بھارت کی دردنا کی ایک دوسری
 جھانکی بھارتیوں کے شدوں میں دیکھیں :—

کل کے کلبل جہان سوں چلے ایتے کے لوگ
 نت نت دھن سرگھٹت ہے، بازہت ہیں دیکھ سوگ.
 مارکیں ملل بنا چلت کچھو نہیں کام
 پردہسی جھٹھ کے مانہو، ہٹے غلام.
 وسٹر کانچ کھنڈ قلم چتر کھلوے آدی
 اوت سب پردہسی سوں نت ہیں جہان لادی.

اس زمانے کے بنگالی دیہی بہت بچانے کرانتی کے محض
 لیکچر اور تقریروں کے ذریعہ دیش کی حالت سدھارنے پر اعتقاد
 رکھتے تھے۔ ان پر یہی کستے ہوئے پرتاپ ناراین مشر کہتے
 ہیں :—

سرہس لئے جات انگریز
 ہم کھول 'لکچر' کے تیز.
 شرم بن باتیں کا کرتی ہیں
 کہوں ٹھٹکن گلچیں ٹرتی ہیں.
 اپلو کام اپنے ہی ہاتھ میں ہوئی
 پردہسن پردہرمی نے آشا نہیں کوئی.

“جیس مہمبھوٹی اور دھیرج کے ساتھ تاتیا اس بات کی ہلہائی کر رہا ہے وہ سچ مچ چہرہ لڑک ہے۔ وہ ہمارا سب سے چتر شہرہ ثابت ہوا۔ بچہ ایک برس سے اس نے مدھیہ بھارت اور مدھیہ پردیش میں تہلہ مچا رکھا ہے۔ وہ ہمارے فوجی بڑوں کو روک داتا ہے، خزانوں کو لوٹ لیتا ہے اور ہمارے مہمبھوٹیوں کو خالی کر دیتا ہے۔ اس نے فوجیں جمع کیں اور کھڑی ہیں، لڑائیاں لڑی ہیں اور ہماری نہیں حاصل کی ہیں اور انہیں کھو یا ہے۔ اس کے فوجی کوچ انہیں تیز ہونے میں جیسے بھلی کوندہ جاتے۔ اٹھاروں وہ تیس تیس اور چالیس چالیس مول کے حساب سے کوچ کرتا ہے، کبھی فرمدا کے اس پار اور کبھی اس پار۔ ہماری درجنوں فوجوں کے کبھی وہ بچے سے نکل جاتا ہے، کبھی پیچھے سے اور کبھی دائیں سے اور کبھی بائیں سے، کبھی کھڑوں سے اور کبھی دلدلوں سے۔ ہماری آٹھ لاکھ فوج اسے پکڑنے کی کوشش کر رہی ہے وہ ہاتھ نہیں آتا۔“

ظاہر ہے ایسا ادھت دیر کریں کے لئے پیرنا کا سرورٹ بن جاتا۔ لیکن انسپس ہے اب تک ہمیں سوائے ایک کویتا کے تاتیا سے سہولت کوئی سکاپین کویتا نہیں ملی۔ کوئی لے جو کانہور کا نواسی ہے، بھارت واسوں سے تاتیا کی پکار عرض کی ہے۔ کوئی کے شہدوں میں تاتیا کہتے ہیں کہ ایک کمان، ایک چھنڈا، ایک حکیمہ انوشاسن کا پانن کرنے سے ہی دیہی کا آدمار ہو سکتا ہے۔ ہم دیہی کا مان بچانے کے لئے اپنی جنوں کو گنوالہ کے لئے تیار رکھیں تہی ریشیوں کا منکھار ہوگا اور تہی سچی شانتی یا امن قائم ہوگا۔ کھت کے بول ہیں:—

سارو دیرو، تاتیا کی پکار ہو !

ایکے نسلوا ہو رام،

ایکے کمنوا ہو رام،

ایکے حکموا ہو رام،

تہہ دیسوا کے ہوئی آدمار ہو !

چائے یرنوا ہو رام،

بچے دیسوا کے منوا ہو رام،

تہہ چھائی امدوا ہو رام،

تہہ ہوئی فرنگیا سلہار ہو !

سوناو دیرو، تاتیا کی پکار ہو !
 ایکے نیسنوا ہو رام،
 ایکے کمنوا ہو رام،
 ایکے ہکوموا ہو رام،
 تہہ دیسوا کے ہوئے امدار ہو !
 جاپے یرنوا ہو رام،
 بچے دیسوا کے مانوا ہو رام،
 تہہ چھائی امنوا ہو رام،
 تہہ ہوئے فرنگیا سہار ہو !

سن 1757 کی پلاسی کی لڑائی کے بعد 1857 تک
 ایسٹ انڈیا کمپنی کی آর্থیک یا اہتسادی نیلی نے
 سارے دشا کو کنگال بنا دیا آا۔ آاپے دین مومسری
 اور موات سر پر ناچ رہی آھی۔ سن 1765 مے جب سے
 دیوانی کے اذکار کمپنی کو ملے آے اسکی لگان نیلی
 نے امنانینت کسانوں کو آخت آڈاکار آا جانے پر
 مجبور کر دیا آا۔ اڈاا-بندھے نط آو رہے آے اور
 کھت سر پر مڈرا رہا آا۔ دشا کی اس آارثیک ریلی
 کی آسیر آلیآتے آوے آک کھتا ہے :—

سن 1757 کی پلاسی کی لڑائی کے بعد 1857 تک ایسٹ
 انڈیا کمپنی کی آرتھک یا اقتصادی نیلی نے سارے دیہی کو
 کنگال بنا دیا تھا۔ آٹھ دن بھموی اور موت سر پر ناچ رہی تھی۔
 سن 1765 میں جب سے دیوانی کے ادھکار کمپنی کو ملے تھے
 اس کی لگان نیلی نے انکلت کسانوں کو کھیت چھوڑ کر بھاگ
 جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اڈیوگ دھلے نشٹ ہو رہے تھے
 اور قسط سر پر مڈرا رہا تھا۔ دیہی کی اس آرتھک اہتھی
 کی آسیر کھلیچتے ہوئے ایک کوئی کہتا ہے :—

مध्य भारत پر انگریزوں نے جب فیر سے کڑوا کیا اور نئیجے میں دیہی وائس کو ظام پہلے پڑے، اسے مالوہ لوک گیتوں میں ایک 'آفٹ' اور 'کالی بدلی' کہہ کر یاد کیا گیا ہے :-

دیس پر آفٹ اہنگی ہو،
دیس پر آفٹ اہنگی ہو،
ہوئی فیرنگی راج،
بادلی کالی چھنگی ہو۔

آزادی کی جگہ میں جب اپنی طاقت کو کاہلی نہیں سمجھا گیا تو دیہی دیہاتوں کی مدد کے لئے بھی دعا مانگی گئی۔ اس طرح کی ایک مثال ہمیں مدھیہ پردیش کے کوی کے بول میں ملتی ہے۔ بابو کنور سنگھ کے پروتساہن سے جہانپور کے گوند راجہ شکر شاہ اور ان کے جیسے ہمارے میدان جنگ میں کود پڑے۔ کوی ان کی کامیابی کے لئے کالی مائی سے پرائیڈ کرنا اور کہتا ہے کہ شکر شاہ کا ایک ایک سوہی ایسا طاقتور بن جائے کہ ہزار دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔ بول کے شبد ہیں :-

تو ہے شتر وناشن مائی !
کر شتر سہار مہیا !
شکرشاہ ہے داس تیار
داس کا رختے مان مہیا !
آج فیرنگی بچنے نہ پائے
گھ کر میں تلوار مہیا !
شکر کا ایک ایک بھدھیا
کر تو اسے ہزار مہیا !
شکر کا ایک ایک بھدھیا
کر تو اسے ہزار مہیا !
ماں کا بلہ دن چلتی
بہر روئے کی دھار مہیا !
اب دیہی کا کلم نہیں ہے
بھارت کرے پکار مہیا !
سن کر آرت گھار مہیا
اب تو لے اوتار مہیا !

کالیکا نے کبھی کی پکار سنی یا نہیں لیکن ہلیدان کی دیہی نے شکر شاہ کی پکار سنی۔ جب پور کے پیر کے میدان میں شکر شاہ اور ان کا پتر اور سیکڑوں دیہی بہت سیلک توپ کے منہ سے ہاتھتہ آرا دیئے گئے۔ جن لوگوں نے اس نظارے کو دیکھا ہے وہ سوچ کر کہتے ہیں کہ شکر شاہ اور ان کے ساتھی جب توپ کے منہ سے آواز آئے تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

انہیں لہک سرجان کے کے انوسار تانیا توپ، سنگرام کے قابل سے قابل سہسلاڑوں میں سے تھے۔ آزادی کی لڑائی شروع ہونے سے لیکر اپنی پانسی کے دن تک، یعنی 18 اپریل سن 1859 تک تانیا ہمارے اور ہمارے انگریز حکومت سے مورچہ لیتے رہے۔ 17 جنوری سن 1859 کو لندن ڈائمنس نے لکھا تھا :-

مدھیہ بھارت پر انگریزوں نے جب پیر سے قبضہ کیا اور نئیجے میں دیہی وائس کو ظام پہلے پڑے، اسے مالوہ لوک گیتوں میں ایک 'آفٹ' اور 'کالی بدلی' کہہ کر یاد کیا گیا ہے :-

دیس پر آفٹ اہنگی ہو،
دیس پر آفٹ اہنگی ہو،
ہوئی فیرنگی راج،
بادلی کالی چھنگی ہو۔

آزادی کی جنگ میں جب اپنی طاقت کو کاہلی نہیں سمجھا گیا تو دیہی دیہاتوں کی مدد کے لئے بھی دعا مانگی گئی۔ اس طرح کی ایک مثال ہمیں مدھیہ پردیش کے کوی کے بول میں ملتی ہے۔ بابو کنور سنگھ کے پروتساہن سے جہانپور کے گوند راجہ شکر شاہ اور ان کے جیسے ہمارے میدان جنگ میں کود پڑے۔ کوی ان کی کامیابی کے لئے کالی مائی سے پرائیڈ کرنا اور کہتا ہے کہ شکر شاہ کا ایک ایک سوہی ایسا طاقتور بن جائے کہ ہزار دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔ بول کے شبد ہیں :-

تو ہے شتر وناشن مائی !
کر شتر سہار مہیا !
شکرشاہ ہے داس تیار
داس کا رختے مان مہیا !
آج فیرنگی بچنے نہ پائے
گھ کر میں تلوار مہیا !
شکر کا ایک ایک بھدھیا
کر تو اسے ہزار مہیا !
شکر کا ایک ایک بھدھیا
کر تو اسے ہزار مہیا !
ماں کا بلہ دن چلتی
بہر روئے کی دھار مہیا !
اب دیہی کا کلم نہیں ہے
بھارت کرے پکار مہیا !
سن کر آرت گھار مہیا
اب تو لے اوتار مہیا !

کالیکا نے کبھی کی پکار سنی یا نہیں لیکن ہلیدان کی دیہی نے شکر شاہ کی پکار سنی۔ جب پور کے پیر کے میدان میں شکر شاہ اور ان کا پتر اور سیکڑوں دیہی بہت سیلک توپ کے منہ سے ہاتھتہ آرا دیئے گئے۔ جن لوگوں نے اس نظارے کو دیکھا ہے وہ سوچ کر کہتے ہیں کہ شکر شاہ اور ان کے ساتھی جب توپ کے منہ سے آواز آئے تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

انہیں لہک سرجان کے کے انوسار تانیا توپ، سنگرام کے قابل سے قابل سہسلاڑوں میں سے تھے۔ آزادی کی لڑائی شروع ہونے سے لیکر اپنی پانسی کے دن تک، یعنی 18 اپریل سن 1859 تک تانیا ہمارے اور ہمارے انگریز حکومت سے مورچہ لیتے رہے۔ 17 جنوری سن 1859 کو لندن ڈائمنس نے لکھا تھا :-

راجستان میں سن 1857 کی آزادی کی تحریک کے नेता آڈوا جاگیر کے ٹاکور .خوشحالسیدھ थे. مارواڑ کے اس خطہ میں، ہولی کے موقع پر، آڈوا ٹاکور کے یاشا-گان کی پुरانی ڈھن اب بھی سنائی دیتی ہے :—

ہول باجے، ہالی باجے، مہلو باجے ہانکیر،
اجٹ نے او مارنے درواچے نا کھو .
جوندھے آڈور .
ہے آڈور جوندھے آڈور، آڈور ملک میں چارو آڈور،
جوندھے آڈور .

25 اگست سن 1857 کو یرنپورا اور ڈیسا کی ہندوستانی فوجوں نے بغاوت کردی اور اراد سے ہو کر کوچ شروع کیا۔ ان فوجوں نے خوشحال سنگھ کو اپنا لیڈر اور کمانڈر بنایا۔ جوندھور کے راجا نے پولیسٹاں ایجنٹ، سرہداری لائسنس، کو فوجی مدد بھیجی۔ دہلی بھگت ٹھکانہ داروں اُسوپ میں گڑا، آلتھاداس، لہریا اور بھٹالیا اور سامنتوں میں میروا کے سلیمبر و روپ نگر کے سامنتوں نے خوشحال سنگھ کا ساتھ دیا۔ جوندھور کا پولیسٹاں ایجنٹ کھیتن مہشن فوج لیکر آڈوا گیا لیکن مارا گیا۔ انگریزی سونا نے آڈوا پر پھر دھاوا بولا لیکن خوشحال سنگھ کے آگے اُس کی ایک نہ چلی۔ دشمن کے دو ہزار سینک ڈم آئے۔ انگریزوں کی اس ہار نے آڈوا کو سن 57 کے آزاد ہندستان کے نقشہ میں چمکا دیا۔ اجمہر، نصیر آباد، ٹومچ اور مٹو کی جہانویوں کی ہندوستانی فوجوں نے آزادی کا بگل بجا کر آڈوا کی طرف کوچ کیا۔ لیکن ان فوجوں کے پہونچنے کے پہلے ہی تیسری بار نے زبردست حملہ میں سہاراچہ جوندھور کی مدد سے آڈوا کی پرانی گدھی دھول میں ملا دی گئی۔ خوشحال سنگھ نے جنگوں میں پہونچ کر چھاپا مار لڑائی کا طریقہ اختیار کیا۔ کوٹھاریا کے رات جوندھ سنگھ نے خوشحال سنگھ کا پورا ساتھ دیا۔ راجستان کے نکالنے چارن کوہوں نے خوشحال سنگھ کی کھرتی کو گٹوں گاڑیں میں پہونچا دیا۔ انہوں کا ایک دوہا دیکھیں :—

تھر دن اڑیاں ارگتہ، ندیہ پور پورگو نام،
آڈور کھوسیاں ہل، گارے گاسو گلم .

خوشحال سنگھ کے ساتھ ساتھ جوندھ سنگھ کی بھی تعریف راجستھانی کویوں نے گائی۔ ہانگی کا ایک چھپتہ سلیوں :—

مارے دیوبہ اجٹ کھوں سرو دھر روکھیا،
پھر پھرچاں چھوں آڈور انگریجاں دیوہ .
منکڑاں بیچ پھر تو، سہر سلیمبر آہو،
سرونا رات سنیوں، کتھن نگر کے واہو .
پلتیا دیو دوجی دسا، سکا سرب ہی پلتیا،
کم دھب کھو سال چانٹا ملک، رات جوندھے راکھیا .

خوشحالسیدھ کے ساتھ ساتھ جودھسیدھ کی بھی تاریک راجستانی کبھیوں نے گائی۔ بانگی کا ایک چھپتہ سلیوں :—

مارے دیوبہ اجٹ کھوں سرو دھر روکھیا،
پھر پھرچاں چھوں آڈور انگریجاں دیوہ .
منکڑاں بیچ پھر تو، سہر سلیمبر آہو،
سرونا رات سنیوں، کتھن نگر کے واہو .
پلتیا دیو دوجی دسا، سکا سرب ہی پلتیا،
کم دھب کھو سال چانٹا ملک، رات جوندھے راکھیا .

تيا هندي

اے جہانسی والی رانی، خوب لڑی مردانی ۔
 چہرہ موزچہ بھانگہ پورنگی، دھونڈھے ملے ناھیں پانی،
 اے جہانسی والی رانی، خوب لڑی مردانی ۔
 ایں زمانے کے اسی طرح کے ایک گیت کے بول پر شریعتی

ہندو کماری چوہان نے اپنی مشہور کہتا لکھی ہے :—
 سنگھاسن ہل اُٹھے راج و نشیں نے بیکرتی تانی تھی،
 ہر گھ بھارت میں بھی آئی دھر سے نئی جوانی تھی،
 گئی »وئی آزادی کی قیمت سب نے بھجانی تھی،
 دور فرنگی کو کرنے کی سب نے من میں نہانی تھی،
 جمک اُٹھی سن ستاروں میں وہ نلوار پرانی تھی،
 بندیلے ہر دلوں کے مکھ ہم نے سنی کہانی تھی،
 خرب لڑی مردانی وہ تو جھانسی والی رانی تھی !
 اسی کویتا کے وزن پر ایک دوسرے آہونک کوئی لے گذر
 لکھ پر ایک ترانہ لکھا :—

مستی کر تھی چھڑی راگنی آزادی کا گانا تھا،
بھارت کے کولے کولے میں ہوتا بھی ترانا تھا،
ادھر کھڑی تھی لکشمی بائی اور پیشوا نانا تھا،
ادھر بھاری ویر بانکرا کھڑا ہوا مسکانا تھا،
اسی برسوں کی ہڈی میں جاگا جوش پرانا تھا،
سب کرتے تھے کدور ویر سنگھ بھی بڑا ویر مردانا تھا۔

1877ء کے اچھے برس پہلے راجستھان کی ادبی یا سائنس

نیا مہن ہرنسی کے مہاکوی سویتمل بھیشن سوچ کی طرح
 ہٹک رہے تھے۔ انہوں نے راجستھان کے راجاؤں، سرداروں، اور
 ناگہارداروں کو جگانے کے لئے اپنی مشہور کتاب ’پورست سٹی‘
 پر چٹائی۔ سن 1856 میں انہوں نے ایک خط میں ٹھاکر
 ہول سنگھ کو لکھا:—”.....مہارو وچن راج یاد راکھو گا کہ
 جے اب کے انگریز رھو تو اِس کو گلیبھی پورو کرسی۔ جیوں کو
 ہاکر کوئی بھی نہ رھسی۔ سب عیسائی ہو جاسی۔ تیسوں
 ہرنندیسوی وچارے تو فایدو کرنی کے بھی نہیں، پرنکو اپنا
 آچھو دن ہوئے تو وچارے اور راجتہ جسو سوعت مہارے ہوئے تو
 ہرائی تری کے لھی جارے، تیسوں تھری میں بہت جان
 ہسی۔“

’وہرست مٹی‘ میں اُنہوں نے ہوشیاری اور کراہٹوں سے

- 4

ایک قلعہ میں ایک بڑی بھڑکھڑاواں کل - ایٹھ -
سورس آلس ایس میں، ایک گمانی آؤ -

یعنی تم نے تو ویدیشوں کی فرمانبرداری کو ہی سب کچھ مان لیا۔ آزادی کا اپنا راستہ ہو مگر اُن کے ہتائمہ ہوئے راستہ کو ہی اپنا راستہ سمجھ لیا۔ ارے شور ویدو! تم نے اُس اور عیسیٰ و گرام میں ہی اپنی عمر کھو دی!

करते हैं, उनके बिहार पहुँचने पर एक के बाद एक मशहूर अंगरेज कमान्डरों के मातहत अङ्गरेजी सेनायें उन्हें हराने के लिये भेजी जाती हैं, कप्तान डनवर, मेजर आयर, मेजर मिलमैन, कर्नल डेम्स, लार्ड मार्क, जनरल लगर्ड, जनरल डगलस, और जनरल लीग्रैंड—सब को जिल्लत के साथ हारकर पीछे हटना पड़ा. इनमें से एक मोरचे का जिक्र करते हुये एक अंगरेज कमान्डर खुद लिखता है—“हम मैदान छोड़कर भागे. कुँअर सिंह पंछ से बराबर हमला करते रहे. हमारी जिल्लत की कोई हद नहीं रही, हमारी बिपता का वारापार न रहा. हममें से किसी में शर्म तक बाक़ी न रही. जिधर जिसका सींग समाया वह उधर भागा. बाहिर है ऐसा रणबाँकुरा बहादुर वीर कवियों का ध्यान अपनी तरफ खींचता. भोजपुरी में दर्जनों कविताएँ हैं जो कुँअर सिंह पर लिखी गई हैं. कवि शेखावत के बाल देखें:—

जानत सकल जहान बाबू कुँअरसिंह मरदान को,
शेखावत कहत बखान जेहि बिधि लखयो फिरंग से.

चरबी के कारतूस का जिक्र करते हुये कुँअर सिंह अपने भाई अमर सिंह से जो कुछ कहते हैं वह एक दूसरे कवि के बोल में देखें:—

लिखि लिखि पतिया के भेजलन कुँअरसिंह,
ए सुन अमर सिंह, अमर सिंह भाय हो राम !
चमका के टोका दाँत से हो काटे कि,
छतरी के धरम नसाय हो राम !!
बाबू कुँअरसिंह औ भाई अमरसिंह,
दोनों अपने हैं भाय हो राम !
बतिया के कारन से बाबू कुँअरसिंह,
फिरंगी से रेव बकाय हो राम !!

बाबू कुँअरसिंह की तरह महारानी लक्ष्मीबाई भी पिछली एक सदी से आजादी के दीवानों के लिये उम्मीदों का सरचश्मा साबित हुई हैं. रानी लक्ष्मीबाई ने मैदाने जङ्ग में आठ आठ अंगरेजी सेनाओं का बहादुरी के साथ मुकाबला किया. एक तरफ मशहूर अंगरेज जनरल और दूसरी तरफ बाईस बरस की रानी ! मगर उसने वह बहादुरी दिखाई कि बड़े से बड़े अंगरेज सूरमा के दाँत खट्टे कर दिये. आखिर में ग्वालियर के मैदान में रानी लड़ते लड़ते खेन रही मौत की देवी ने रानी के गले में जयमाला डाली. भारत की विविध भाषाओं के कवियों का रानी ने अपनी आर खींचा है. कुँअरसिंह के गाँव-गाँव में चारणों और हरबोलों ने रानी की कीर्ति गाथा गई है. इनमें से एक गीत की लाइनें ये हैं:—

एक लखी मरदानी, अरे मॉली वाली रानी,
बुरजन बुरजन तोयें लगाव दई, गोला चलाए आसमानी,
अरे मॉली वाली रानी, एक लखी मरदानी.

करते हैं. उन के भार पहुँचते पर एक के बाद एक मशहूर अंगरेज कमान्डरों के मातहत अङ्गरेजी सेनायें उन्हें हराने के लिये भेजी जाती हैं. कप्तान डनवर, मेजर आयर, मेजर मिलमैन, कर्नल डेम्स, लार्ड मार्क, जनरल लगर्ड, जनरल डगलस, और जनरल लीग्रैंड—सब को जिल्लत के साथ हारकर पीछे हटना पड़ा. इनमें से एक मोरचे का जिक्र करते हुये एक अंगरेज कमान्डर खुद लिखता है—“हम मैदान छोड़कर भागे. कुँअर सिंह पंछ से बराबर हमला करते रहे. हमारी जिल्लत की कोई हद नहीं रही, हमारी बिपता का वारापार न रहा. हममें से किसी में शर्म तक बाक़ी न रही. जिधर जिसका सींग समाया वह उधर भागा. बाहिर है ऐसा रणबाँकुरा बहादुर वीर कवियों का ध्यान अपनी तरफ खींचता. भोजपुरी में दर्जनों कविताएँ हैं जो कुँअर सिंह पर लिखी गई हैं. कवि शेखावत के बाल देखें:—

जानत सकल जहान बाबू कुँअरसिंह मरदान को,
शेखावत कहत बखान जेहि बिधि लखयो फिरंग से.

चरबी के कारतूस का जिक्र करते हुये कुँअर सिंह अपने भाई अमर सिंह से जो कुछ कहते हैं वह एक दूसरे कवि के बोल में देखें:—

लेह लेह पतिया के भेजलन कुँअरसिंह,
ए सुन अमर सिंह, अमर सिंह भाय हो राम !
चमका के टोका दाँत से हो काटे कि,
छतरी के धरम नसाय हो राम !!
बाबू कुँअरसिंह औ भाई अमरसिंह,
दोनों अपने हैं भाय हो राम !
बतिया के कारन से बाबू कुँअरसिंह,
फिरंगी से रेव बकाय हो राम !!

बाबू कुँअरसिंह की तरह महारानी लक्ष्मीबाई भी पिछली एक सदी से आजादी के दीवानों के लिये उम्मीदों का सरचश्मा साबित हुई हैं. रानी लक्ष्मीबाई ने मैदाने जङ्ग में आठ आठ अंगरेजी सेनाओं का बहादुरी के साथ मुकाबला किया. एक तरफ मशहूर अंगरेज जनरल और दूसरी तरफ बाईस बरस की रानी ! मगर उसने वह बहादुरी दिखाई कि बड़े से बड़े अंगरेज सूरमा के दाँत खट्टे कर दिये. आखिर में ग्वालियर के मैदान में रानी लड़ते लड़ते खेन रही मौत की देवी ने रानी के गले में जयमाला डाली. भारत की विविध भाषाओं के कवियों का रानी ने अपनी आर खींचा है. कुँअरसिंह के गाँव-गाँव में चारणों और हरबोलों ने रानी की कीर्ति गाथा गई है. इनमें से एक गीत की लाइनें ये हैं:—

एक लखी मरदानी, अरे मॉली वाली रानी,
बुरजन बुरजन तोयें लगाव दई, गोला चलाए आसमानी,
अरे मॉली वाली रानी, एक लखी मरदानी.

موت سے تمہارے پتا کو بڑا رنج ہوگا۔“ لال پرتاپ نے جواب دیا —
 ”چاچا! جی میں اپنے پتا کو جانتا ہوں۔ میرے مرنے پر نہیں بلکہ
 میرے لوت جانے پر اُنہیں دکھ ہوگا۔ آپ سوہ میں پڑ کر مجھے
 فرض ادا کرنے سے نہ روکوں۔“ یہ کہہ کر وہ بہادر نوجوان تلوار لیکر
 دشمنوں پر ٹوٹ پڑا اور لڑتے لڑتے دیر گئی پائی۔ چاندی کی
 اس مشہور لڑائی کا بہان اُس کے سامنے کے جن کوئی پراگ نے
 اپنے اس چہل قدمی کیا ہے —

شریمان لال پرتاپ چاندی میں جریو رندھیر ہے،
 ہانکے ہانکے ہاتھ کے سنگ میں سپاہی دیر ہے !
 پایو حکم جب لال کو، دھاپو منی ہے کال کو،
 لینو چھو دس گھڑ کے دینو سمورچا پھور کے !
 بچھو نکاری نڈال ہے، کر میں گڑھ کروال ہے،
 لینو طمنچہ تمک کے برجھی چھدلی کل ہے !
 مادھو بڑو رندھیر ہے، پھرے کسریا چدر ہے،
 مارو مرو مہدان میں مرکو نہ مورچا دیر ہے !
 گورے جھمکے چھو اور سے، دھارو کریں ہو جزر سے،
 تریوں جنجالیں پھتیں اری انکنا سر کوٹکیں !
 موہرا پریو پرتاپ کو آر کھن بدران تاپ کو،
 ایسے پرتابی لال ہے پرتھو جو بدران کل ہے !
 ہوشن بسٹھ ہنس کو چھوٹا رھو مانوہنس کو،
 حکمی رھو ہنومنٹ کو چھارو سدا شرو کست کو !
 سو چلی گڑھ سر دھام کو کوی گڑھ چک نام کو،
 برداولی یہ چھند ہے کوی پراگ کرت یرہندہ ہے !

سن 1857 کے स्वाधीनता सप्ताम के महारथियों में
 जगदीशपुर के 80 बरस के बाबू कुँअर सिंह का नाम हमेशा
 इज्जत से लिया जायगा. जिस समय दानापुर की हिन्दु-
 स्थानी सेना जगदीशपुर पहुँची बूढ़े कुँअर सिंह ने फौरन
 अपने महल से निकल कर इस सेना की कमान शाय में ले
 ली. उस दिन से लेकर 26 अप्रैल सन् 1858 तक, यानी
 अपनी शानदार मौत के दिन तक, कुँअर सिंह एक कतहयाब
 सेनापति के रूप में उम इनक़ताब की जङ्ग में हिस्सा लेते
 हुये दिखाई देते हैं. शाहाबाद, आरा, आजमगढ़, गाजीपुर
 विजय करते हुये कुँअर सिंह रोवाँ की सरहद तक पहुँच
 जाते हैं. उन्हीं इस विजय-यात्रा से बनारस में बैठा हुआ
 लार्ड कैनिंग घबरा जाता है. जबलपुर के राजा शंकरशाह
 कुँअरसिंह का पैगाम मिलते ही मैदान में उतर आते हैं.
 रोवाँ से कुँअर सिंह कालपी पहुँचते हैं. वहाँ तात्या टोपे,
 लक्ष्मी बाई, राव साहब, नाना साहब से उनकी मुलाकात
 होती है. कालपी से कुँअर सिंह लखनऊ आते हैं. बेगम
 हजरत महल से मुलाकात करते हैं और तब वापस आरा
 पहुँचते हैं. सैकड़ों मील के इस जङ्गी कूच में अंगरेजी फौजों
 की हिम्मत नहीं पड़ती कि वे कुँअर सिंह से मोरचा लें. कुँअर
 सिंह वापस बिहार पहुँच कर दोबारा जगदीशपुर पर कब्ज़ा

سن 1857 کے سوانہینتا سہکرام کے مہارنہیوں میں جگدیش
 پور کے اسی برس کے بابو کنور سنگ کا نام ہمیشہ عزت سے لیا
 جائیگا. جس سمنے داناپور کی ہندستانی سینا جگدیش پور
 پہونچی ہوئے کنور سنگ نے فوراً اپنے محل سے نکل کر اُس سینا
 کی کمان ہانہ میں لے لی. اُس دن سے لیکر 26 اپریل سن
 1858 تک، یعنی اپنی شاندار موت کے دن تک کنور سنگ ایک
 فتکھاب سیناپاتی کے روپ میں اُس انقلاب کی جنگ میں
 حصہ لیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں. شاہاباد، آرا، اعظم گڑھ،
 فازی پور وجئے کرنے ہوئے کنور سنگ ریواں کی سرحد تک پہنچ جاتے
 ہیں. اُن کی اس وجئے یاत्रا سے بنارس میں بیٹھا ہوا لارڈ کینگ
 گھبرا جاتا ہے. جبیلور کے راجہ شکر شاہ کنور سنگ کا پیغام
 ملنے ہی میدان میں اُتر آتے ہیں. ریواں کے کنور سنگ کا بھی
 پہونچتا ہے. وہاں تاتیاتوپے، لکشمی بائی، راؤ صاحب
 ناتا صاحب سے اُن کی ملاقات ہوتی ہے. کالپی سے کنور سنگ
 اکھلے آتے ہیں. بیگم حضرت محل سے ملاقات کرتے ہیں اور تب
 واپس آرا پہونچتے ہیں. سیکڑوں میل کے اس جنگی کوچ میں
 انگریزی فوجوں کی ہمت نہیں بڑھتی کہ یہ کنور سنگ سے مورچہ
 لیں. کنور سنگ واپس بہار پہونچکر دوبارہ جگدیش پور پر قبضہ

आवृत्ति २५७

جی ہیں پھرت پھرت سی تمام توپ توڑوالو،
کھڑی جیہیں کابیل کمال فوج بانا تے۔

دھڑ جیہے دیش کو دیمار، چور کھڑی جیہے،
لٹ جیہے لاکھن کو مال توپ خانا تے۔

بہن کوی کہت خدائے کی خبر کرو،
پچھلے پچھلے خراب خن خانا تے۔

بہن کی بلیکا سہارنیں ایکانت کنت،
کیجیہ ن رار بنیماधव बक्स राना तے۔

اگرےجی آریتے اپنے پتیتوں کو ایکانت میں سمجھاتی
ہیں کہ—”ساجن ! بنیماधव बक्स राना से लड़ाई न
छेड़िये !”

بہرآگد سڈیلا کے نچدیک ایک جاگیر تھی۔ گولاہ
سیدھ اسکے دیوان تھے۔ 1857 کے ہنگڑاہ کے شرو ہوتے ہی
گولاہ سیدھ نانا ساھب سے جا ملے کانپور میں انھوں نے نانا
ساھب اگریجوں سے لڑائی لڑی۔ فیر اپنی فوج کے ساھ
گولاہ سیدھ نے لکھنؤ میں اگریجی فوج سے مورچا لیا۔
فیرنگی انکے خون کے پیا سے بن گئے۔ ایک دن جب وہ
گدی میں لٹے تے اگریجی سنا نے انھیں رات آ گھرا۔
گولاہ سیدھ سے لڑے کہ اگریجی فوج کو پچھلے
پڑا۔ انکے اس یوڈ کو ایک کوی نے اپنی جاندار کویتا
میں بیان کرتے ہوئے کہا ہے :—

گولاہ سیدھ سے لڑے،

جیسے لکھا میں لڑے ہنومان !

شیکست کھائی ہوئی اگریجی فوج فیر مورچا-بندی کرکے
بہرآگد آتی ہے۔ اگریجی فوج کا کماندار گولاہ
سیدھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ وہ گولاہ سیدھ کو ملنے
کی داوت دیتا ہے۔ اس گدنا پر ایک کوی کے بول ہیں —

راجا گولاہ سیدھ رکھیا توری دھڑ،

ایک بار درش دیکھاوا رے !

اپنی گدی سے یہ بولے گولاہ سیدھ،

خون رے ساھب موری بات رے !

پیدل بھی مارے، سوار بھی مارے،

ماری توری فوج بدھساہب رے !

باکے گولاہ سیدھ رکھیا توری دھڑ،

ایک بار درش دیکھاوا رے !

گھاسان مورچے کے بعد رات کے اندھیرے میں اپنے ایک
بھادر پاسی سے اپنی کلیان کو لیکر گلاب سنگھ نے کڑھی چھڑ دی ۔
ہرآگد کے پچھلے بانس کا گھنا بن تھا ۔ وہیں سے جو گلاب
سنگھ غایب ہوئے تو پھر ان کا پتا نہیں چلا ۔

رانا بھلی مادھو سنگھ اور گلاب سنگھ کی طرح گونڈا کے راجا
دیوی بکس سنگھ بھی اپنی بھادری کے ساتھ اگریجی سپاہوں سے
لڑے کہ انھوں نے اپنی ویرنا سے جن من کو مرہ لیا ۔ ان کی
تعریف کرتے ہوئے ایک سکالین کوی کہتا ہے :—

جی ہیں پھرت پھرت سی تمام توپ توڑوالو،

کھڑی جیہیں کابیل کمال فوج بانا تے ۔

دھڑ جیہے دیش کو دیمار، چور کھڑی جیہے،

لٹ جیہے لاکھن کو مال توپ خانا تے ۔

بہن کوی کہت خدائے کی خبر کرو،

پچھلے پچھلے خراب خن خانا تے ۔

بہن کی بلیکا سہارنیں ایکانت کنت،

کیجیہ نہ رار بھلی مادھو بکس رانا تے !

اگریجی عورتوں اپنے پتھوں کو ایکانت میں سمجھاتی

ہیں کہ—”ساجن ! بھلی مادھو بکس رانا سے لڑائی نہ

چھڑیئے !”

ہرآگد سڈیلا کے نزدیک ایک جاگیر تھی ۔ گلاب

سنگھ اس کے دیوان تھے ۔ 1857 کے انقلاب کے شروع

ہوتے ہی گلاب سنگھ نانا صاحب سے جا ملے ۔ کٹپور میں انھیں

نے نانا کے ساتھ اگریجوں سے لڑائی لڑی ۔ پھر اپنی فوج کے ساتھ

گلاب سنگھ نے لکھنؤ میں اگریجی فوج سے مورچہ لیا ۔

فرنگی ان کے خون کے پھا سے بن گئے ۔ ایک دن جب وہ

اپنی گڈھی میں لٹے تو اگریجی سنا نے انھیں راتوں

رات آ گھرا ۔ گلاب سنگھ اسے لڑے کہ اگریجی فوج کو پچھلے

پڑا ۔ ان کے اس یدے کو ایک کوی نے اپنی جاندار کویتا

میں بیان کرتے ہوئے کہا ہے :—

گلاب سنگھ ایسے لڑے،

جیسے لکھا میں لڑے ہنومان !

شیکست کھائی ہوئی اگریجی فوج پھر مورچہ بندی کر کے

ہرآگد آئی ہے ۔ اگریجی فوج کا کماندار گلاب سنگھ سے باتیں کرنا

چاہتا ہے ۔ وہ گلاب سنگھ کو مانے کی دعوت دیتا ہے ۔ اس گھنا

پر ایک کوی کے بول ہیں :—

راجا گلاب سنگھ رکھیا توری دھڑ،

ایک بار درش دیکھاوا رے !

اپنی گڈھی سے یہ بولے گلاب سنگھ،

سارے صاحب موی بات رے !

پیدل بھی مارے، سوار بھی مارے،

ماری توری فوج بے حساب رے !

باکے گلاب سنگھ رکھیا توری دھڑ،

ایک بار درش دیکھاوا رے !

گھاسان مورچے کے بعد رات کے اندھیرے میں اپنے ایک
بھادر پاسی سے اپنی کلیان کو لیکر گلاب سنگھ نے کڑھی چھڑ دی ۔
ہرآگد کے پچھلے بانس کا گھنا بن تھا ۔ وہیں سے جو گلاب
سنگھ غایب ہوئے تو پھر ان کا پتا نہیں چلا ۔

رانا بھلی مادھو سنگھ اور گلاب سنگھ کی طرح گونڈا کے راجا
دیوی بکس سنگھ بھی اپنی بھادری کے ساتھ اگریجی سپاہوں سے
لڑے کہ انھوں نے اپنی ویرنا سے جن من کو مرہ لیا ۔ ان کی
تعریف کرتے ہوئے ایک سکالین کوی کہتا ہے :—

راہبہرہلی خیل کے ہمایوں گاہ کا نیواسی ایک دوسرا
کافی بجزرنگ بڑا بڑا رانا کی تارکیف میں کہتا ہے :-

ہممت کو حاکم ہجان میں دیکھ آو
کہد کے ہتیار اکر بیچ ہو سکنا ہے !
جاگو تہیج تہیج تہیج تہیج تہیج تہیج
ہوئے اکر سے نہ لگت ٹھکانا ہے !
کہم بجزرنگ بیس ہاں اوتس ہتیار
کہنی ہلانت سنل بلانا ہے !
تھک نہ دانا چہین لینہو تو بیکھانا
ہویر باندھے ہویر ہانا بیسرا نا ہوسدانا ہے !

بیسواڑا کے اس ویر رانا بینی مادھو سنگ کی شور ویرتا کی
تعارف کرتے ہوئے ایک دوسرا کو جہاں رائے کہتا ہے :-

چندیکا کے چیلے بیس لڑتے ہیں اکرے نوچے
اپا لہنا گھوڑی گولا کوب ہی بجاو ہے !
مارے جرنیل او کتیل کو کید کینہو
مارے کپتان گورا ہت ہی چڑھایو ہے !
راجن میں راجا مہاراجہ بینی مادھو بکس
لوی ہے لوانی اکر بیچ چڑھایو ہے !
کہت کوئی جولا رائے راجن کو کلم کینہو
ہوا ان پانی گولا کوب ہی بجاو ہے !

اودھ کے کوہوں کی ہائی، ایسا معلوم ہوتا ہے، مانو رانا بینی
مادھو سنگ کی تعریف کرتے ہوئے تھکتی نہیں۔ سرکان
کیمبل کی فوجوں نے لکھنؤ پر قبضہ کر لیا تھا۔ بیگم حضرت
محل نے اکر رانا کے یہاں شرن لی۔ اپنی ملکہ مہارانی کو رانا
اگر شرن نہ دیتے تو دوسرا کون دیتا؟ سرکان نے رانا کی بہادری
کی تعریف کرتے ہوئے اُن سے ہتیار ڈالنے کو کہا۔ یہ بھی وعدہ
کیا کہ رانا کو اُن کی سب چاگیر لوٹا دی جائیگی مگر آزادی
کے اس دیوانے نے ہر تھیں کمانڈر-ان-چرف کے اس پیغام کو
حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ ایک چوتھا درجہ رانا کا کن گن کرتے
ہوئے کہتا ہے :-

رانا بہادر سپاہی اودھ ما، دھرم مچائی موزہ رام رہے !
لہ لکھ چٹھیا لات لے ہوچیں، اُن ملو رانا بھائی رہے !
جنگی کھلت لندن سے ملگدوں اودھ ما ہو با بھائی رہے !
جواب سوال لکھا رانا نے، ہم سے نہ کرو چٹرائی رہے !
جب تک پڑن دھیں ان ہتیار، تم کن کھوں بھائی رہے !

بیسواڑا کے مشہور کوئی بیوں، جن کا ذکر مہا کوئی "ترا" لے
اپنے ایک لکھ "پونو کوئی" میں کیا ہے 1857 میں 32 برس
کے تھے۔ رانا بینی مادھو بکس کے دے ساتھی اور قدر دانوں
میں سے تھے۔ رانا کی شور ویرتا کی تعریف کرتے ہوئے
کہتے ہیں :-

نظمیں اور چاروں میں سے انتہاء سو ستائیس

چندیکا کے چیلے بیس لڑتے ہیں اکرے نوچے
اپا لہنا گھوڑی گولا کوب ہی بجاو ہے !
مارے جرنیل او کتیل کو کید کینہو
مارے کپتان گورا ہت ہی چڑھایو ہے !
راجن میں راجا مہاراجہ بینی مادھو بکس
لوی ہے لوانی اکر بیچ چڑھایو ہے !
کہت کوئی جولا رائے راجن کو کلم کینہو
ہوا ان پانی گولا کوب ہی بجاو ہے !

بیسواڑا کے اس ویر رانا بینی مادھو سنگ کی شور ویرتا کی
تعارف کرتے ہوئے ایک دوسرا کو جہاں رائے کہتا ہے :-

چندیکا کے چیلے بیس لڑتے ہیں اکرے نوچے
اپا لہنا گھوڑی گولا کوب ہی بجاو ہے !
مارے جرنیل او کتیل کو کید کینہو
مارے کپتان گورا ہت ہی چڑھایو ہے !
راجن میں راجا مہاراجہ بینی مادھو بکس
لوی ہے لوانی اکر بیچ چڑھایو ہے !
کہت کوئی جولا رائے راجن کو کلم کینہو
ہوا ان پانی گولا کوب ہی بجاو ہے !

اودھ کے کوہوں کی ہائی، ایسا معلوم ہوتا ہے، مانو رانا بینی
مادھو سنگ کی تعریف کرتے ہوئے تھکتی نہیں۔ سرکان
کیمبل کی فوجوں نے لکھنؤ پر قبضہ کر لیا تھا۔ بیگم حضرت
محل نے اکر رانا کے یہاں شرن لی۔ اپنی ملکہ مہارانی کو رانا
اگر شرن نہ دیتے تو دوسرا کون دیتا؟ سرکان نے رانا کی بہادری
کی تعریف کرتے ہوئے اُن سے ہتیار ڈالنے کو کہا۔ یہ بھی وعدہ
کیا کہ رانا کو اُن کی سب چاگیر لوٹا دی جائیگی مگر آزادی
کے اس دیوانے نے ہر تھیں کمانڈر-ان-چرف کے اس پیغام کو
حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ ایک چوتھا درجہ رانا کا کن گن کرتے
ہوئے کہتا ہے :-

رانا بہادر سپاہی اودھ ما، دھرم مچائی موزہ رام رہے !
لہ لکھ چٹھیا لات لے ہوچیں، اُن ملو رانا بھائی رہے !
جنگی کھلت لندن سے ملگدوں اودھ ما ہو با بھائی رہے !
جواب سوال لکھا رانا نے، ہم سے نہ کرو چٹرائی رہے !
جب تک پڑن دھیں ان ہتیار، تم کن کھوں بھائی رہے !

بیسواڑا کے مشہور کوئی بیوں، جن کا ذکر مہا کوئی "ترا" لے
اپنے ایک لکھ "پونو کوئی" میں کیا ہے 1857 میں 32 برس
کے تھے۔ رانا بینی مادھو بکس کے دے ساتھی اور قدر دانوں
میں سے تھے۔ رانا کی شور ویرتا کی تعریف کرتے ہوئے
کہتے ہیں :-

اس سرفناک .جولہو-سیتھ کے باء اہلے بطن کی
جو کفیت ہئی اوسے بیان کرتے ہئے داس کہتے ہیں:—

جہاں کے حال پہ اب آسمان روتا ہے؛
ہر ایک فیراکے مکیں میں مکان روتا ہے !
برنگے بھڑ گول اہلے چمن، چمن سے چلے؛
گاریب بڑا کے اپنا بطن، بطن سے چلے؛
مکام سے آسن جو ڈڈا تو راہ بھی ن میلی؛
یہ کھر تھا کی .خودا کی پناہ بھی ن میلی !

دلی کے ویرانے کو بیان کرتے ہئے حضرت داغ کی آخری
آخری نظم ہے :—

یہ وہ جگہ ہے جہاں بیکسی بھی ڈر جائے؛
یہ وہ جگہ ہے جہاں بیکس کے مرنے کے لیے
کھائے تک آہ لکھیں اس کا حال ہر بادی؛
لکھیں کہیں تک اس آسمان کی جلائی؛
کسی کو قید محسن سے نہیں ہے آزادی؛
کہ داغ داغ ہے ہر دل ہر ایک فریادی !

اردو زبان کے اس وقت کے اور بھی بہت سے شاعروں نے
1857 پر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے . ہم نے تو صرف نمونے کے
طور پر یہاں یہ چند کلم بھی لکھے ہیں .

(2)

جس طرح دلی کی ویرانی نے اردو کے مشہور شاعروں کے
دلوں میں ایک درد اور تپ پیدا کی دیکھ میں سننرتنا
کی لڑائی ہندی کے مہاکویوں کی بھانوں کو نہ چھو سکی .
ہاں گلوں کے کوی کا دل سورماؤں کی بھانوں اور آزادی کی
تپ کو دیکھ کر مچل پڑا . اس نے شکرگد کے بھانوں رانا
بہنی مادھو سنگھ، گوند کے راجا دیوی سنگھ، راجستھان
کے سچان سنگھ، سندھ کے گلاب سنگھ کے جگمگ پورے ہاں، دورسنگھ
اور جھانسی کی رانی لکشمی بانی کو چھلکوں کا ہار پہنایا .

ویرنا اور شورنا کے ان گیتوں کا سب سے بڑا خزانہ ہمیں
اردو میں ملتا ہے . رانا بہنی مادھو سنگھ کی گنتی سن ستاون
کے بڑے سے بڑے ویروں اور شہیدوں میں کی جاتی ہے .
دلیر اپنی انتہی بانی میں رانا کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے :—

اردو ما رانا بہنی مردانا !

پہلی لڑائی بھنی بکسر ماں سمری کے میدان؛
اہاں سے کوچ بھنی پروا کو نہ لاکھ بھرا !
نکمی ملے ماں سنگھ مل کے ملے سدرشن گتا؛
چھتری باہن ایک نامہ جالے سکل جہانا !
پہاں، پھانچ او گلب کھلا سبکو کروں سلاسا؛
تم نو جائے گہون تے ملوگے ہم ہو کا بھگوانا !
ہاتھ ما بھلا بکل سروھی گھوڑا چلے مستانا؛
کہہ دلیر سن پتہ پھارے رانا اتر کو پھانا !

نظمیں اور چھاپی میں سن اٹھارہ سو ستائیس

نظمیں اور چھاپی میں سن اٹھارہ سو ستائیس

دلی شہر کی اہلیات اور شاعرانہ محفل پر حسرت اُنکھتے ہوئے حالی کہتے ہیں :—

دلی شہر کی اہلیات اور شاعرانہ محفل پر حسرت اُنکھتے ہوئے حالی کہتے ہیں :—

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلی؛
ہمکو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز !
شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی بارہ؛
یاد کر کر کے آئے جی نہ کھانا ہرگز !
غالب و شیفتہ و نیر و آرزو و ذوق؛
اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانہ ہرگز !
بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالی؛
یہاں مناسب نہیں رو رو کے رولنا ہرگز !

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلی؛
ہمکو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز !
شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی بارہ؛
یاد کر کر کے آئے جی نہ کھانا ہرگز !
غالب و شیفتہ و نیر و آرزو و ذوق؛
اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانہ ہرگز !
بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالی؛
یہاں مناسب نہیں رو رو کے رولنا ہرگز !

داغ اور 1857

داغ اور 1857

مہاکاوی داغا، جو سن 1857 میں کل چھبیس برس کے نوجوان تھے اور جنہوں نے دلی کا بناو-سینگار دیکھا تھا، اور جن کے دیکھتے دیکھتے دلی ایک اجڑا دیار بنا دلی گئی، درد سے ہر کر کہتے ہیں :—

مہاکاوی داغا، جو سن 1857 میں کل چھبیس برس کے نوجوان تھے اور جنہوں نے دلی کا بناو-سینگار دیکھا تھا، اور جن کے دیکھتے دیکھتے دلی ایک اجڑا دیار بنا دلی گئی، درد سے ہر کر کہتے ہیں :—

فلک زمیں ملائک جناب تھی دلی؛
بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دلی !
جواب کا ہے کو تھی جواب تھی دلی؛
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلی !
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا؛
یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہان کا دل تھا !

فلک زمیں ملائک جناب تھی دلی؛
بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دلی !
جواب کا ہے کو تھی جواب تھی دلی؛
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلی !
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا؛
یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہان کا دل تھا !

مگر دلی جب اجڑا دیا بن گئی تو داغ فرماتے ہیں :—

مگر دلی جب اجڑا دیا بن گئی تو داغ فرماتے ہیں :—

خدا پرستی کے بدلے جفا پرستی ہے؛
جو مال مست تھے اب اُنکو فائدہ مستی ہے !
بجائے ابرکرم مفلسی پرستی ہے؛
بتنگ جینے سے ہیں ایسی ننگدستی ہے !

خدا پرستی کے بدلے جفا پرستی ہے؛
جو مال مست تھے اب اُنکو فائدہ مستی ہے !
بجائے ابرکرم مفلسی پرستی ہے؛
بتنگ جینے سے ہیں ایسی ننگدستی ہے !

اس مفلسی کے لئے ننگ پر الزام مڑتے ہوئے داغ فرماتے ہیں :—

اس مفلسی کے لئے ننگ پر الزام مڑتے ہوئے داغ فرماتے ہیں :—

فلک نے قہر و غضب ناک کر ڈالا؛
تمام پردہ زہر ورس چاک کر ڈالا !
بکایک ایک جہاں دو ملک کر ڈالا؛
غرض کہ لاکھ لاکھ اُس نے خاک کر ڈالا !

فلک نے قہر و غضب ناک کر ڈالا؛
تمام پردہ زہر ورس چاک کر ڈالا !
بکایک ایک جہاں دو ملک کر ڈالا؛
غرض کہ لاکھ لاکھ اُس نے خاک کر ڈالا !

اس سب کیفیت کے لئے ستمگر کے ظلم و ستم کو حسرت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے داغ کہتے ہیں :—

اس سب کیفیت کے لئے ستمگر کے ظلم و ستم کو حسرت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے داغ کہتے ہیں :—

کھلا زہر ستمگر نے پان لے کے بدلے؛
پلا یا خون جگر بوجھوں کے بدلے !
نصیب دار ہوئی ہے نشان کے بدلے؛
ملا نہ گھر گھر بھی مکان کے بدلے !
زبان تیغ سے پرشیں ہے داد خواہوں کی؛
رہن ہے، طوق ہے، گردن ہے پے گنلوں کی !

کھلا زہر ستمگر نے پان لے کے بدلے؛
پلا یا خون جگر بوجھوں کے بدلے !
نصیب دار ہوئی ہے نشان کے بدلے؛
ملا نہ گھر گھر بھی مکان کے بدلے !
زبان تیغ سے پرشیں ہے داد خواہوں کی؛
رہن ہے، طوق ہے، گردن ہے پے گنلوں کی !

چوک جس کو کہیں وہ قتل ہے؛
مر ہوا ہے نمونہ زنداں کا !
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک؛
تشنہ خوں ہے ہر مسلمان کا !
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک؛
آدمی واں نہ جائے یاں کا !
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا؛
وہی رونا تن و دل و جاں کا !
گاہ جل کر کیا کیئے شکوہ؛
سوزش داغ ہائے پنہاں کا !
گاہ روکر کہا کئے ہلیم؛
ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا !

دिल्ली کے کتلے आम पर हसरत का इजहार करते हुये
गालिब ने लिखा है :—

एक अहले दर्द ने सुनसान जो देखा कफस;
यूँ कहा आती नहीं क्यों अब सदाये अन्दलीब !
बालो पर दो चार दिखला कर कहा सय्याद ने;
ये निशानी रह गई है अब बजाये अन्दलीब !

हाली और 1857

गालिब के शागिर्द मौलانا अल्ताफ हुसेन हाली, जो
पहले 'शैशता' की शागिर्दी में थे और 1857 में 21 बरस
के थे, दिल्ली को मरहूम या स्वर्गीय का खिताब देकर शायरों
से कहते हैं :—

जितने रमने थे तेरे हो गए वीरों ऐ इश्क;
आके वीरानों में अब घर न बसाना हरगिज !
कूच सब कर गये दिल्ली से तेरे कद्रशानास;
कद्र यों आके अब अपनी न गंवाना हरगिज !
तजकिरा दिल्लिए मरहूम का ऐ दोस्त न छेड़;
न सुना जायगा हमसे ये फिसाना हरगिज !
दास्ताँ गुल की खिजाँ में न सुनाए बुलबुल;
हँसते हँसते हमें जालिम न बलाना हरगिज !

आबादियाँ गिराकर दिल्ली को वीराना बना दिया गया.
कला और अदब की नायाब यादगारें धूल में मिला दी गईं.
इस कैफियत का चश्मदीद हाल बयान करते हुये हाली
लिखते हैं :—

लेके दारा आएगा सीने पे बहुत ऐ सय्याद;
देख इस शहर के खँडहर में न जाना हरगिज !
चप्पे चप्पे पे हैं यों गौहरे यक्ता तहे खाक;
दुपन होगा कहीं शतना न खजाना हरगिज !
बो तो भूले थे हमें हम भी उन्हें भूल गये;
ऐसा बदला है न बदलेगा जमाना हरगिज !
जिसको जरूमों के हवादिस से अछूता समझें;
नश्वर आता नहीं कोई भी घराना हरगिज !

چوک جس کو کہیں وہ قتل ہے؛
مر ہوا ہے نمونہ زنداں کا !
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک؛
تشنہ خوں ہے ہر مسلمان کا !
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک؛
آدمی واں نہ جائے یاں کا !
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا؛
وہی رونا تن و دل و جاں کا !
گاہ جل کر کیا کیئے شکوہ؛
سوزش داغ ہائے پنہاں کا !
گاہ روکر کہا کئے ہلیم؛
ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا !

الی کے قتل عام پر حسرت کا اظہار کرتے ہوئے غالب نے لکھا

ایک اہل درد نے سلساں جو دیکھا قفس؛
یوں کہا آتی نہیں کیوں اب صدائے عندلیب !
بال و پر دو چار دکھلا کر کہا صیاد نے؛
یہ نشانی رہ گئی ہے اب بجائے عندلیب !

اور 1857

الب کے شاگرد مولانا الطاف حسین حالی، جو پہلے 'شیفتہ'
گردی میں تھے اور 1857 میں 21 برس کے تھے، دلی کو
یا سرورگاہ کا خطاب دے کر شاعروں سے کہتے ہیں :—

جتنے رمنے تھے ترے ہو گئے ویراں اے عشق؛
آ کے ویرانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز !
کوچ سب کر گئے دلی سے ترے قدرشائس؛
قدر یاں آ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز !
تذکرہ دلی مرحوم کا اے دوست نہ چھوڑ؛
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز !
دامتائ گل کی خزاں میں نہ سنائے بلبل؛
ہلستہ ہلستے ہمیں ظالم نہ رولانا ہرگز !

بادیاں گرا کر دلی کو ویرانہ بنا دیا گیا۔ نلا اور ادب کی
یادگاریں دھول میں ملا دی گئیں۔ اس کیفیت کا چشم
ال بیان کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں :—

اے کے داغ آنیکا سینہ پہ بہت اے صیاد؛
دیکھ اس شہر کے ٹھنڈے مہن نہ جانا ہرگز !
چہہ چہہ پہ ہیں یاں گرہر یکتا نہ خاک؛
دفن ہوا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز !
وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی انہیں بھول گئے؛
ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانہ ہرگز !
جسکو زخموں کے حوادیس سے اچھڑنا سمجھیں؛
نظر آتا نہیں کوئی بھی گھرانہ ہرگز !

میں نہیں تھا۔ انہوں نے بڑی حسرت کے ساتھ اپنے داماد کی ہتھیلی کو دیکھ کر کہا :—

پھول لایا ہے مالی ڈالی میں؛
کچھ لکڑیوں ہیں دست خالی میں !

اپنے مہمان مثل دروچوں کے بڑین کا احساس بہادر شاہ کے دل میں تھا۔ وہ اپنے کو مثل سلطنت کی ایک ٹوٹی ہوئی قبر کی طرح مانتے تھے۔ اس خیال کو ظاہر کرتے ہوئے ظاہر نے کہا ہے :—

وہ جو ٹوٹی قبر کا تھا نشان اُسے ٹھوکر سے مٹا دیا !
ایک جگہ دلی کی آزادی اور برہادی چتر کا کھنچتہ ہوئے انہوں نے لکھا ہے :—

پس مرگ میرے مزار پر جو دیا کسو لے چلا دیا !
اُسے آدھا دامن ہان لے سر شام ہی سے بچھا دیا !
کنی حسرت ہے اُس کلام میں ! 1857 کے واقعات پر بہادر شاہ کی نظمیں سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ اپنے پروردہ حقیقت حال کے بارے میں وہ خرد نہتے ہیں :—

نہ پوچھ مجھ سے 'ظاہر' میری تو حقیقت حال؛
اگر کہو ننگا ابھی تجھ کو میں رلاؤں گا !
لیکن دل کے درد سے کہنی یہ نہ مجھ کے آن میں بہادی کی کسی ہو گئی تھی۔ وہ دشمن کی سنگدلی کے متعلق کہتے ہیں :—

پرونا تجھ سے شکایت ہے ستم کی بے جا؛
کیجئے اُس سے جو آگاہ وفا سے کچھ ہو !
سر رہے یا نہ رہے جان بچے یا نہ بچے؛
منہ نہ مروینگے تری تیغ جفا سے لچھ ہو !
سن 1857 میں دلی کی جو کیفیت تھی اُس پر شہنشاہ کے کچھ شعر یہ ہیں :—

آج دہلی میں جو اُس کی عجب سیر ہو گئی؛
تہوار چلتے چلتے رہی خیر ہو گئی !
کعبہ کے سمت ہم لے لیا منہ بٹہ نمار؛
ہر گشتہ گشت اپنی سوئے دیر ہو گئی !
ہنگامی کا دل کے کدے کیا ہے عشق میں؛
جب جان بھی نہ اپنی رہی غیر ہو گئی !
عاشق کو جب دکھائی لرنکی پسر نے توپ؛
یا ہا نہ کچھ وہ کہلے کہ بس نہ ہو گئی !
زنجیر تیر گئی میری وحشت سے کیا 'ظاہر'؛
جلدی الگ وہ چوم کے جو پیر ہو گئی !

غالب اور 1857

دلی میں خاص طور پر مسلمانوں کے اوپر جو ظلم قاتلے گئے اُن کا ذکر اب شاعروں کے سرتاج غالب سے سلیں جو سن 1857 میں پیرے ساتھ برص کے تھے :—

کفکس میں ہے کیا کایدا شورو گول سے;
اُسیرو کرو کچھ رہائی کی باتیں!
'جفر' اب جمانا بُرا آ گیا ہے;
جیہر دیکھا ہے واں بُراई کی باتیں!

فوج کے کمانداروں نے جب ایک دوسرے پر توہماتے
مذنی شورو کئی تو اُنہیں نسیہت دیتے ہوئے شہنشاہ نے کہا :—

ن تھی حال کی جب ہم نے اپنے سبب;
رہے دیکھتے آئیں کے عیب و ہنر!
پڑی اپنی بُرائیوں پہ جو نچر;
تو نیگاہ میں کئی بُرا نہ رہا!
'جفر' آدمی اُسکو نہ جانے گا;
وہ کسسا ہی ہو صاحب فہم و ذکا!
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی;
جسے طہی میں خوف خدا نہ رہا!

14 ستمبر 1857 کے بعد دہلی کی جنیتا پر اُنہیں ستم دیا
گئے کہ بہادر شاہ کا کوئی ہر دئے بھی غم سے چاک چاک ہو گیا۔
مسلمانوں کو تو خاص طور پر کھوج کھوج کر سولہ پر لٹایا جانا۔
ایک نظم میں شہنشاہ نے اُسے یوں بیان کیا ہے :—

گئی یک بیک جو ہوا پست، نہیں دال کو اپنے قرار ہے;
کروں غم ستم کا مہں کوا بیان، میرا سینہ غم سے نکار ہے!
یہ رعایا ہند تباہ ہوئی، کھو گیا نہ اُن پہ جفا ہوئی;
جسے دیکھا حکم وقت نے، کہا یہ بھی قابلِ دال ہے!
کہیں ایسا بھی ہے ستم سنا، کد دی پھانسی لاکھوں کو پے کٹہ
ولہ کلمہ گوہوں کے طرف سے، ابھی دل میں اُن کے غبار ہے!

جنگ آزادی کے سب سے بڑے فیثا کی حیثیت سے شہنشاہ
بہادر شاہ کو سب سے پہلی آزادی کی قیمت چکانی پڑی۔
شہنشاہ کے 24 بیٹے اور دوتے قتل کر دیئے گئے اور اُن کے سرخونی
دروازے پر لٹکا دیئے گئے۔ اُن سب دردناک گھٹلاؤں پر اپنے دال
کی قیمت شہنشاہ نے یوں بیان کیا ہے :—

رند ہوں میں بازاد ہوں، یا صوفی ہوں یا سیکھ ہوں;
عام ہوں یا جاہل ہوں، یا مومن ہوں یا ترسا ہوں!
کسسا رنج و کھسی راحت، کس کی شادی کس کا غم;
یہ بھی نہیں معلوم مجھے، میں جیتا ہوں یا مرنا ہوں!

شہنشاہ بہادر شاہ، اُن کی چھٹی بیگم زبنت محل اور
براج جول بخت کو قید کر کے رنگین بیج دیا گیا، وہی بخت
فریدی میں شہنشاہ کو اپنے آخری دن کاٹنے پر۔ رنگوں میں اُن
کی 83 ویں سالگرہ کے دن ایک مالی تحفہ کے طور پر بیولوں
کی ڈالی سجا کر گیا۔ شہنشاہ کے پاس امام دین کے لئے کچھ

قفس میں ہے کوا فائدہ شیر و غل سے;
لمیرو کرو کچھ رہائی کی باتیں!
'ظفر' اب راستہ بُرا آ گیا ہے;
جدھر دیکھیں واں برائی کی باتیں!

فوج کے کمانداروں نے جب ایک دوسرے پر توہماتے
مذنی شورو کئی تو اُنہیں نصیحت دیتے ہوئے شہنشاہ نے کہا :—

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر;
رہے دیکھتے اور کے عیب و ہنر!
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر;
تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا!
'ظفر' آدمی اُس کو نہ جانے گا;
وہ کسسا ہی ہو صاحب فہم و ذکا!
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی;
جسے طہی میں خوف خدا نہ رہا!

14 ستمبر 1857 کے بعد دلی کی جنیتا پر اُنہیں ستم دیا
گئے کہ بہادر شاہ کا کوئی ہر دئے بھی غم سے چاک چاک ہو گیا۔
مسلمانوں کو تو خاص طور پر کھوج کھوج کر سولہ پر لٹایا جانا۔
ایک نظم میں شہنشاہ نے اُسے یوں بیان کیا ہے :—

گئی یک بیک جو ہوا پست، نہیں دال کو اپنے قرار ہے;
کروں غم ستم کا مہں کوا بیان، میرا سینہ غم سے نکار ہے!
یہ رعایا ہند تباہ ہوئی، کھو گیا نہ اُن پہ جفا ہوئی;
جسے دیکھا حکم وقت نے، کہا یہ بھی قابلِ دال ہے!
کہیں ایسا بھی ہے ستم سنا، کد دی پھانسی لاکھوں کو پے کٹہ
ولہ کلمہ گوہوں کے طرف سے، ابھی دل میں اُن کے غبار ہے!

جنگ آزادی کے سب سے بڑے فیثا کی حیثیت سے شہنشاہ
بہادر شاہ کو سب سے پہلی آزادی کی قیمت چکانی پڑی۔
شہنشاہ کے 24 بیٹے اور دوتے قتل کر دیئے گئے اور اُن کے سرخونی
دروازے پر لٹکا دیئے گئے۔ اُن سب دردناک گھٹلاؤں پر اپنے دال
کی قیمت شہنشاہ نے یوں بیان کیا ہے :—

رند ہوں میں بازاد ہوں، یا صوفی ہوں یا سیکھ ہوں;
عام ہوں یا جاہل ہوں، یا مومن ہوں یا ترسا ہوں!
کسسا رنج و کھسی راحت، کس کی شادی کس کا غم;
یہ بھی نہیں معلوم مجھے، میں جیتا ہوں یا مرنا ہوں!

شہنشاہ بہادر شاہ، اُن کی چھٹی بیگم زبنت محل اور
براج جول بخت کو قید کر کے رنگین بیج دیا گیا، وہی بخت
فریدی میں شہنشاہ کو اپنے آخری دن کاٹنے پر۔ رنگوں میں اُن
کی 83 ویں سالگرہ کے دن ایک مالی تحفہ کے طور پر بیولوں
کی ڈالی سجا کر گیا۔ شہنشاہ کے پاس امام دین کے لئے کچھ

نہوں اور جنہوں میں، سن اٹارہ سہ سہاکن

کيا کيا کرے ہے آशिकے ناکام پر سیتام;
کڑوے کڑوا کھجور اس بڑے کھجور کو نہیں!
رینوں پہ تاناؤن ہے ابھس، باہج، یہ 'جفر';
کوئی کسی کے جانتا انجام کو نہیں!

جنگ آزادی میں شامل ہونے کے لیے جب -شاہشاہ
جاکر نے اپنا داہتناما دہری راجاؤں کے پاس بھجوا
تو بیکانیر کے راجا نے اسے بیٹا پڑے ہی کاڑھ دیا۔ اس
پر شاہشاہ نے لکھا:—

کیا کھت دھڑکے-دھڑکے تومنہ تو کاسید سے لیتے ہی;
مناکسب تھا کہ پڑھو اگر حقیقت تک قلم مستم!
مہاؤد کے راجا نے تو شاہشاہ کا کھت لے جانے والے
کاسید کو ہی گولی سے بڑا دیا، اس پر جفر کا ایک
شہر ہے:—

ڈھنڈا نیشاں جو ہم نے، کاسید کا اس شہر میں;
کھجور پائے سر کے دھڑکے اور کھجور بھنڈے دھڑکے!
آگرہ والے، فوجیوں نے دہلی کے کھلے کا موہاسرا جاری
کر دیا تھا، بکریوں کے تھیلے کے دن جانا مساجد
میں موزیجیج شہریوں کی، کوربانی کی گئی، اس پر شاہشاہ
نے لکھا:—

مبارکباد ہم دیتے ہیں، ان کو عید قربان کی;
گلے پر رکھ کے خلیج جہنم وہ تکبیر پڑھتے ہیں!
اپنے پیارے پوتے کے قتل پر شاہشاہ نے حسرت کے ساتھ
لکھا:—

ایک وہ کہا ہنکے اس سے روز لاکھوں پہ گناہ;
قتل ہوتے ہیں تیرے اے اورد، جو ہاتھ سے!
یہ نہیں رنگ دنا چھٹ جائے چور، روز میں;
حشر تک چھوٹے کا عاشق کا نہ لہو ہاتھ سے!

دلی کے یکن کے بعد پہ گناہوں کے قتل کا جو سلسلہ چلا
اس پر شاہشاہ ظفر نے لکھا:—

جہاں میں سب کو عبرت ہو گئی اس دن سے اے قاتل;
سرے بازار تولے لشکر مقتول نہیں بچا ہے!
ہزاروں پہ گناہوں کو ستمگر عشق میں تولے;
یہاں سولی پہ پے دستور، پے معمول کھینچا ہے!

دلی میں آزادی کی جنگ چلانے کے لئے ایک جنگی
کونسل بنا دی گئی تھی جس کے صدر خود شاہشاہ تھے۔
کونسل کے ممبران آپس میں ایک دوسرے کی بھڑائی کرتے اور
ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے۔ اس پر انہیں لعنت ملے
کرتے ہوئے شاہشاہ نے لکھا:—

نہوں تم کو زیبا بھائی کی باتیں;
بھائی کو ہیں لازم بھائی کی باتیں!
گھڑی ہے کہ دل میں تو رکھو کدورت;
کرو ملہ پہ ہم سے صفائی کی باتیں!

نہوں اور چہلویں میں سن اٹارہ سو ستاون

کھا کھا کرے ہے عاشق ناکام پر ستم;
خوف خدا کچھ اس بہت خودکام کو نہیں!
رندوں پہ طغیان زن ہے عیب، واعظ اے 'ظفر';
کوئی کسی کے جانتا انجام کو نہیں!

جنگ آزادی میں شامل ہونے کے لئے جب شاہشاہ ظفر نے
اپنا دہرت نامہ دہری راجاؤں کے پاس بھجوا تو بیکانیر کے راجہ
نے اسے ہلا پڑے ہی بھڑا دیا۔ اس پر شاہشاہ نے لکھا:—

کیا خط تکرے، تکرے تم نے تو قاصد سے لیتے ہی;
مناسب تھا کہ پڑھو اگر حقیقت تک قلم مستم!

جہیل کے راجہ نے تو شاہشاہ کا خط لے جانے والے قاصد کو
ہی گولی سے آڑا دیا۔ اس پر ظفر کا ایک شعر ہے:—
تھوڑا نشان جو ہم نے قاصد کا اس شہر میں;
کچھ پائے سر کے ڈکڑے اور کچھ بدن کے ڈکڑے!

انگریزوں نے دہلی کے قلع کا محاصرہ جاری کر دیا
تھا۔ بقرعید کے نہوار کے دن جامعہ مسجد میں معزز شہریوں
کی قربانی کی گئی۔ اس پر شاہشاہ نے لکھا:—

مبارکباد ہم دیتے ہیں ان کو عید قربان کی;
گلے پر رکھ کے خلیج جہنم وہ تکبیر پڑھتے ہیں!

اپنے پیارے پوتے کے قتل پر شاہشاہ نے حسرت کے ساتھ
لکھا:—

ایک وہ کہا ہنکے اس سے روز لاکھوں پہ گناہ;
قتل ہوتے ہیں تیرے اے اورد، جو ہاتھ سے!
یہ نہیں رنگ دنا چھٹ جائے چور، روز میں;
حشر تک چھوٹے کا عاشق کا نہ لہو ہاتھ سے!

دلی کے یکن کے بعد پہ گناہوں کے قتل کا جو سلسلہ چلا
اس پر شاہشاہ ظفر نے لکھا:—

جہاں میں سب کو عبرت ہو گئی اس دن سے اے قاتل;
سرے بازار تولے لشکر مقتول نہیں بچا ہے!
ہزاروں پہ گناہوں کو ستمگر عشق میں تولے;
یہاں سولی پہ پے دستور، پے معمول کھینچا ہے!

دلی میں آزادی کی جنگ چلانے کے لئے ایک جنگی
کونسل بنا دی گئی تھی جس کے صدر خود شاہشاہ تھے۔
کونسل کے ممبران آپس میں ایک دوسرے کی بھڑائی کرتے اور
ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے۔ اس پر انہیں لعنت ملے
کرتے ہوئے شاہشاہ نے لکھا:—

نہوں تم کو زیبا بھائی کی باتیں;
بھائی کو ہیں لازم بھائی کی باتیں!
گھڑی ہے کہ دل میں تو رکھو کدورت;
کرو ملہ پہ ہم سے صفائی کی باتیں!

کو ایک درجہ تک گھٹا دیا تھا۔ گورنر جنرل کیلنگ اس بھی سہی شان کو بھی ختم کرنے کی سازشوں میں لگا ہوا تھا۔ دلی کے ارد گرد کے شہنشاہوں بھی بہادر شاہ کی کوئی رائے نہ لی جاتی تھی، یہاں تک کہ قلعہ کے باہر قلعہ کے سپاہیوں کے لئے بہادر شاہ کو جسے نقشہ کے مطابق لٹی بیرکوں تعمیر کرنا پسند تھا، انگریز ریڈیٹنس نے انہیں اس طرح تعمیر نہ کرنے دیا۔ بہادر شاہ سے کون کس وقت ملاقات کرے اس میں بھی ریڈیٹنس دخل دہانے کی جرات کرتا تھا۔ اپنی اس وقت کی دلی کیفیت کو بہادر شاہ نے ایک نظم میں یوں بیان کیا ہے:—

دیا بنانے نہ مٹاؤ مکان مکان کے قریب؛
بساوے لوگ انہوں نے جہاں تھیں کے قریب !
نکالتے ہر دھڑنے سے ہیں اس قدر شولے؛
فٹکتا کوئی نہیں تیرے تھکتا جاؤ کے قریب !
فلک کے نیچے فلک اور ایک نیا بن جاوے؛
جو پہنچے دوں جگہ ہر آسمان کے قریب !
کہہ دے تو کہ پھٹکا نہیں یہاں کوئی؛
کہو تھا کون ترے آج آستان کے قریب !
وہ ہوں میں طائر آتش نفس کہ تھرائے؛
جو آئے برق کہی مہرے آشیان کے قریب !
قدس سے چھوٹ کے جب ہم اسیر آئے صیاد؛
چمن میں پہنچے تو دن آگے خزاں کے قریب !

جس سامنے نانادھندپنت اور عظیم اللہ خاں نے شہنشاہ سے آزادی کی جنگ میں شرکت کرنے کے لئے کہا تو بہادر شاہ نے اپنی رضامندی پہنچے لکھی نظم میں ظاہر کی:—

جس سامنے نانادھندپنت اور عظیم اللہ خاں نے شہنشاہ سے آزادی کی جنگ میں شرکت کرنے کے لئے کہا تو بہادر شاہ نے اپنی رضامندی پہنچے لکھی نظم میں ظاہر کی:—

جاں فدا کرنے کو حاضر ہیں کہو تم جس دم؛
ہم ہیں جس کام کے، موجود ہیں اس کام کے وقت !
گرچہ زندان تھی دست ہوں مانند گدا؛
وقت کے اپنے ہیں جمشید مگر جام کے وقت !

اس بیچ گورنر جنرل کے روئے اور ریڈیٹنس کے ہوتاؤ سے بہادر شاہ کا دل، فرنکوں کی طرف، رہا تھا۔ یہی قوت گہا۔ اپنی اس بھاؤنا کو بہادر شاہ نے ان سطروں میں ادا کیا ہے:—

کہیں کیا ان باتوں سے اے 'ظفر' ہم حال دل اپنا؛
یہ کافر ہیں نہیں اک بات اہلہ کی نسیم سنتے !
نہ کرتا نوح کے طوفان کا کوئی ذکر بھی ہرگز؛
اگر مردم ہمارا ماجرائے چشم نم سنتے !
نہ لیتے نام الفت کا کہی الفت کے چونکدے؛
جو مہرا صبر سنتے او ترے ظلم و ستم سنتے !

بہادر شاہ کا دل ذلت سے تڑپ اٹھا، شہنشاہ کی دلی کیفیت ان شعروں میں غور کریں:—

جوں فیدا کرنے کو حاضر ہیں کہو تم جس دم؛
ہم ہیں جس کام کے، موجود ہیں اس کام کے وقت !
گرچہ زندان تھی دست ہوں مانند گدا؛
وقت کے اپنے ہیں جمشید مگر جام کے وقت !

اس بیچ گورنر جنرل کے روئے اور ریڈیٹنس کے ہوتاؤ سے بہادر شاہ کا دل، فرنکوں کی طرف، رہا تھا۔ یہی قوت گہا۔ اپنی اس بھاؤنا کو بہادر شاہ نے ان سطروں میں ادا کیا ہے:—

کہیں کیا ان باتوں سے اے 'ظفر' ہم حال دل اپنا؛
یہ کافر ہیں نہیں اک بات اہلہ کی نسیم سنتے !
نہ کرتا نوح کے طوفان کا کوئی ذکر بھی ہرگز؛
اگر مردم ہمارا ماجرائے چشم نم سنتے !
نہ لیتے نام الفت کا کہی الفت کے چونکدے؛
جو مہرا صبر سنتے او ترے ظلم و ستم سنتے !

بہادر شاہ کا دل ذلت سے تڑپ اٹھا، شہنشاہ کی دلی کیفیت ان شعروں میں غور کریں:—

نظموں اور چھندوں میں

سن ۱۸۵۷ء کا بھارت

بھارتیہ سوامی

نظموں اور چھندوں میں

سن ۱۸۵۷ء کا بھارت

۱۸۵۷ء کا بھارت

سن ۱۸۵۷ء کی تاریخ کو کس نام سے پکارا جائے— اس پر اتفاق نہیں ہوا۔ کوئی اسے 'بھارت' کے نام سے پکارنا ہے تو کوئی 'جنگ آزادی' کے نام سے؛ لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ فرنگی حکومت کو ملک سے ختم کرنے کی وہ ایک شاندار کوشش تھی۔ سرکاری خبریں، فوجی افسروں کی چٹھوں، انہاسکاروں کی کتابوں، سلاخیوں کے روزناموں، کہانی کے دیشی افسروں کی یادداشتوں، گورنر جنرل کے اعلانوں، پارلیمنٹ کی بحثوں، نیتوں کے اعلانوں اور شاہی فرمانوں میں ہمیں ۱۸۵۷ء کی ایک سرسری جھانک ملتی ہے۔ سن ۱۸۵۷ء کی کرائی کی تحریک ملک کی خودداری کی بھاؤناؤں، روحانی نقابوں، افسروں اور مایوسوں، کامیابیوں اور ناکامیوں، ہاروں اور جیتوں پر نوز، روشنی ڈالتی ہے۔ ملک کی حیثیت سے ہماری خودیوں اور ہماری کمزوریوں کو یہ سن ۵۷ء کی تحریک نمایاں کر دیتی ہے۔ انہاسکاروں کی طرح اس زمانے کے ہمارے شاعروں اور گلوں کے گویوں نے بھی ہماری آزادی اور ہماری بربادی کی، ہماری اُمنگوں اور ہماری ہمت کی پرچش اور پر درد تصویر کھینچی ہے۔

اٹھارہویں صدی اردو کے مشہور شاعروں کی ماں کہی جاتی ہے۔ دلی کے آخری بادشاہ بہادر شاہ خرد، ایک اچھے درجے کے شاعر تھے، وہ 'ظفر' کے نام سے شاعری کرتے تھے۔ 'غالب'، 'داغ'، 'حالی'—سب بڑے دربار کے مشہور شاعر تھے۔ ان میں ذوق کا انتقال تو ۱۸۵۷ء کے پہلے ہو گیا تھا لیکن غالب، داغ اور حالی ۱۸۵۷ء میں موجود تھے۔ ۱۸۵۷ء پر ان کی پر درد نظمیں ہمیں اب تک ملتی ہیں۔ دلی کی طرح ہندو راجاؤں کے دربار بھی گویوں کو اپنے دل سے بڑھاوا دیتے تھے۔ ان گویوں نے ۱۸۵۷ء کے نیتوں کی کہانی اپنے پرچش چھندوں میں بیان کی ہے۔ اُنہیں سوادھینا سنگرام کی شتابد کی طرح پر ہم اپنے اس زمانے کے شاعروں اور گویوں کے کلاموں اور چھندوں میں ہلکان اور تباہی کے اس ادبیت نظارے کے درشن کریں۔

۱۸۵۷ء کے واقعات پر خود بہادر شاہ 'ظفر' کے کلاموں سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ بھٹنک اور قزوینی کے رویے نے پہل شہنشاہ کے نام اور دربار کی شان

سن ۱۸۵۷ء کی تاریخ کو کس نام سے پکارا جائے— اس پر اتفاق نہیں ہوا۔ کوئی اسے 'بھارت' کے نام سے پکارنا ہے تو کوئی 'جنگ آزادی' کے نام سے؛ لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ فرنگی حکومت کو ملک سے ختم کرنے کی وہ ایک شاندار کوشش تھی۔ سرکاری خبریں، فوجی افسروں کی چٹھوں، انہاسکاروں کی کتابوں، سلاخیوں کے روزناموں، کہانی کے دیشی افسروں کی یادداشتوں، گورنر جنرل کے اعلانوں، پارلیمنٹ کی بحثوں، نیتوں کے اعلانوں اور شاہی فرمانوں میں ہمیں ۱۸۵۷ء کی ایک سرسری جھانک ملتی ہے۔ سن ۱۸۵۷ء کی کرائی کی تحریک ملک کی خودداری کی بھاؤناؤں، روحانی نقابوں، افسروں اور مایوسوں، کامیابیوں اور ناکامیوں، ہاروں اور جیتوں پر نوز، روشنی ڈالتی ہے۔ ملک کی حیثیت سے ہماری خودیوں اور ہماری کمزوریوں کو یہ سن ۵۷ء کی تحریک نمایاں کر دیتی ہے۔ انہاسکاروں کی طرح اس زمانے کے ہمارے شاعروں اور گلوں کے گویوں نے بھی ہماری آزادی اور ہماری بربادی کی، ہماری اُمنگوں اور ہماری ہمت کی پرچش اور پر درد تصویر کھینچی ہے۔

اٹھارہویں صدی اردو کے مشہور شاعروں کی ماں کہی جاتی ہے۔ دلی کے آخری بادشاہ بہادر شاہ خرد، ایک اچھے درجے کے شاعر تھے، وہ 'ظفر' کے نام سے شاعری کرتے تھے۔ 'غالب'، 'داغ'، 'حالی'—سب بڑے دربار کے مشہور شاعر تھے۔ ان میں ذوق کا انتقال تو ۱۸۵۷ء کے پہلے ہو گیا تھا لیکن غالب، داغ اور حالی ۱۸۵۷ء میں موجود تھے۔ ۱۸۵۷ء پر ان کی پر درد نظمیں ہمیں اب تک ملتی ہیں۔ دلی کی طرح ہندو راجاؤں کے دربار بھی گویوں کو اپنے دل سے بڑھاوا دیتے تھے۔ ان گویوں نے ۱۸۵۷ء کے نیتوں کی کہانی اپنے پرچش چھندوں میں بیان کی ہے۔ اُنہیں سوادھینا سنگرام کی شتابد کی طرح پر ہم اپنے اس زمانے کے شاعروں اور گویوں کے کلاموں اور چھندوں میں ہلکان اور تباہی کے اس ادبیت نظارے کے درشن کریں۔

۱۸۵۷ء کے واقعات پر خود بہادر شاہ 'ظفر' کے کلاموں سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ بھٹنک اور قزوینی کے رویے نے پہل شہنشاہ کے نام اور دربار کی شان

جولائی 1957 जुलाई

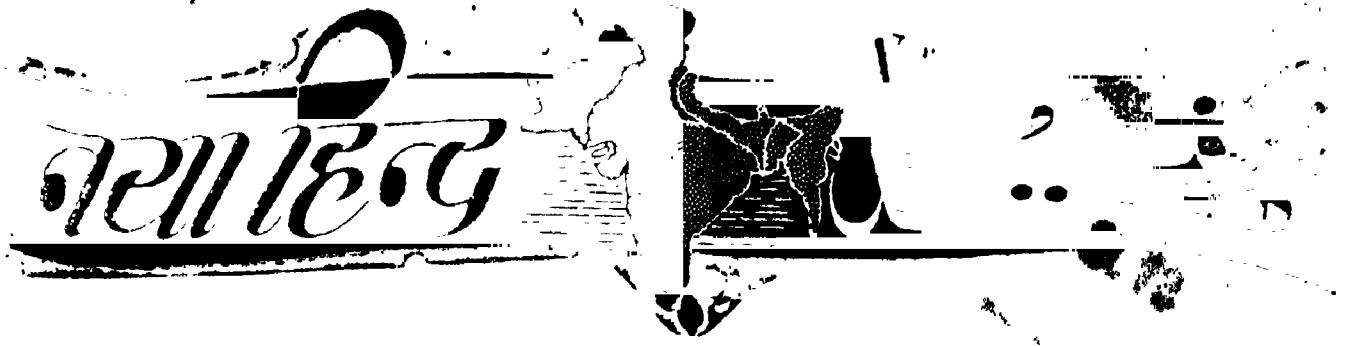
ک्या کس سے

صفحہ نمبر

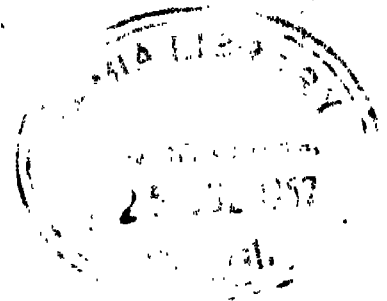
کس سے

1. نظمیں اور چھندوں میں سن اٹھارہ سو ستاون
—مجموعہ ناتھ پانندہ ... 1 ...
1. नज़्मों और छन्दों में सन् अठारह सौ सत्तावन
—विश्वम्भरनाथ पांडे
2. نظمیں کے ساتھ ماترنا کی مکتوب
—شعری عبدالکلام انصاری ... 19 ...
2. गुलामी के साथ मानवता की मित्रता
—श्री अब्दुल हलीम انصاری
3. انکس (کوبتا)
—ڈاکٹر اثر مہدائی ... 20 ...
3. इफलास (कविता)
—डॉक्टर असर मीनाई
4. مہرے دادا ابا !
—پروفیسر احمد علی ایم. اے. ... 21 ...
4. मेरे दादा अब्बा !
—प्रोफेसर अहमद अली एम. ए.
5. آندابوں کے سلسلے (کوبتا)
—شعری سلم مجتہدی شہری ... 31 ...
5. आफ्रताषों के सिलसिले (कविता)
—श्री सलाम मजलीराहरी
6. خون کا بدلہ ! (نہالی)
—مرزا عظیم بیگ چغتائی ... 32 ...
6. खून का बदला (कहानी)
—मिरजा अजीम बेग चुपताराई
7. اُنہو !
—ایک ہادی بیاشی بھائی ... 38 ...
7. उठो !
—एक हिन्दी भाषी भाई
8. ہماری رائے—
—ہماری رائے ... 42 ...
8. हमारी राय—
—हिन्दुस्तान की वीलव बड़ी है—बी. ना. पांडे;
—सत्तावन भाई की पूजा कैसे हो ?—सुरेश रामभाई.

ہندستان کی دولت بڑھی ہے—وی. نا. پانندہ؛
ستاون مائی کی پوجا کیسے ہو؟—سوریش رام بھائی.



نمبر 1 نمبر 24 جلد 24 جلد



جولائی 1957 جولائی

ہندستانی کلچر سوسائٹی ہوسایٹی کولچر ہندوستان

145 مڈیگن، اسیانہاوا

145 مڈیگن، اسیانہاوا

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundar Lal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editor

Suresh Ramabhai

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.

Can be had from —

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

نیا حصہ : ۵

اس نمبر کے خاص لیکھ اس نمبر کے खास लेख

4

نظموں اور چہادیں میں سن اٹھارہ سو ستاون
نجموں اور छन्दों में सन् अठारह सौ

— विश्वम्भरनाथ पांडे

— وشومبہر ناتھ پانڈے

मेरे दादा अब्बा !

مہرے دادا ابا !

— پروفیسر احمد علی ایم۔ اے۔ ایم۔ اے۔

आफनाबाँ के सिलसिले (कविता)

آفناہوں کے سلسلے (دریہ)

— श्री सलाम मछलीशहरी

— شری سلام مچھلی شہری

रून का बदला (कहानी)

خون کا بدلہ ! (کہانی)

— मिरजा श्रीमबेग चुगताई

— مرزا عظام بیگ چغتائی

